نومبر ۲۰۱۶ء کے شمارے کی ایک جھلک

ڈیول: سمیر احمد فاروقی کوئی عام نوجوان نہیں تھا وہ کم عمری ہی سے ذہن پڑھنے کی خداداد صلاحیت لے کر پیدا ہوتا تھا۔ خطرے کا احساس اسے وقت سے پہلے ہو جاتا تھا لیکن اس کی سترہویں سالگرہ پر اسے احساس ہوا کہ وہ کتنا مختلف ہے پھر ایک حادثے نے اسے احساس دلایا کہ اسے اپنی خداداد صلاحیت کو بڑھانے کی ضرورت ہے ورنہ اس کا جینا ناممکن ہوگا۔ اس کہانی کا کردار، جگہیں اور واقعات رائٹر کے ذہن کی تخیل ہیں اور کسی سے ان کی مماثلت صرف اتفاقیہ ہو سکتی ہے۔

ایک سو سولہ چاند کی راتیں: یہ ناول 1947ء کی ایک کہانی پر مبنی ہے اس ناول کا پلاٹ، اس کے تمام کردار تقریباً 69 سال قبل کے یہ محبت کی ایک کہانی ہے جس نے Partition سے ایک سو سولہ دن قبل جنم لیا، انڈو پاک کی تقسیم جب ہونے جا رہی تھی اس محبت کی کہانی دوران اپنا سفر شروع کیا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

بیاد ـــــ زینب النساء

فرحت آراء

مدیراعلیٰ ـــــ مشتاق احمد قریشی

مدیرہ ـــــ قیصر آرا

نائب مدیرہ ـــــ سعیدہ نثار

مدیرہ معاونین ـــــ نزار رضوان

مدیر تجارتی ـــــ طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

مجلس مشاورت

اقرا صغیر احمد	طلعت نظامی
نازیہ کنول نازی	نزہت جبیں ضیاء
سمیرا شریف طور	نادیہ فاطمہ رضوی
راحت وفا	عثمان عبداللہ

جلد	02
شمارہ	01
نومبر	2016

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: سائرہ ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر ...... عکاسی: موسیٰ ر

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

نومبر ۲۰۱۶ء کا حجاب حاضر مطالعہ ہے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے الحمدللہ آپ کا حجاب اپنی زندگی اور ترقی کی بارہ سیڑھیاں طے کر چکا ہے۔ حجاب کا یہ شمارہ تیرھواں شمارہ ہے آپ کے تعاون اور حوصلہ افزائی کی میں ذاتی طور پر اور ادارے کا ہر فرد شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ کی ذات عالی شان سے امید قوی ہے کہ وہ آپ بہنوں کے تعاون سے آپ کے حجاب کو بھی آپ کے آنچل کے برابر لا کھڑا کرے گا ان شاء اللہ یہ آپ کے مشوروں اور آراء کی ہی روشنی ہے جو اتنے مختصر سے عرصے میں حجاب نے اپنی اشاعت کے بعد کئی جرائد سے آگے نکل چکا ہے۔ آپ بہنوں کے خطوط ہی میری اور میری ساتھی کارکنوں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں' رہنمائی کرتے ہیں آپ تمام سے خصوصی درخواست ہے آپ اپنے تعریفی کلمات کے ساتھ ساتھ اگر میری اور میری ساتھیوں کی انحطاط اور خامیوں کی نشاندہی بھی کریں تو ہماری زیادہ بہتر طریقے سے رہنمائی کرسکیں گی۔

آج کل وطن عزیز عجیب سیاسی ہلچل کا شکار ہے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی' عوام میں نہ صرف بے چینی بڑھ رہی ہے بلکہ عدم اعتمادی فروغ پارہی ہے۔ اہل سیاست نے آنکھیں اور کان بند کرلیے ہیں اور زبان کو بے لگام چھوڑ دیا ہے۔ سیاست کی تہذیب وشائستگی کہیں دور بہت دور نظر آرہی ہے۔ روز بروز لہجے بگڑتے جارہے ہیں اب الزامات کی سیاست کا دور دورہ ہے ہر کوئی معاملات سلجھانے کے بجائے مزید الجھاتا جارہا ہے کسی کو کرسی بچانے کی فکر ہے تو کوئی کرسی کھینچ کر مقتدر افراد کو گرانے اور خاک چٹانے کی کوشش کررہا ہے۔ کسی کو عوام کی نہ اس ملک کی فکر ہے' سب اپنی ڈفلی اپنا راگ الاپ رہے ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ وطن عزیز کی اور اس میں رہنے والوں' بسنے والوں کی حفاظت فرمائے اور اہل سیاست کو تحمل رواداری اور برداشت کی توفیق عطا فرمائے۔

اس ماہ کے ستارے

☆ کبھی کبھی — چاہت روٹھ جائے تو زندگی کی ہر شے اپنی دلکشی کیسے کھودیتی ہے' جانئے ندا حسنین کے خوب صورت ناول میں۔

☆ میرے ہم نوا — میرے تو امیرے چارہ گر تیرے ساتھ ہوں میں عمر بھر' اقبال بانو کی بہترین کاوش۔

☆ راز — زندگی کے تلخ رازوں کو آشکار کرتی رفاقت جاوید کی تحریر۔

☆ وہ جو ایک آنسو ہے یاد کا — ماں کی گود پہلی درسگاہ ہے' بچوں کی تعلیم وتربیت کے موضوع پر طلعت نظامی کا بہترین ناولٹ۔

☆ تدبیر اور تقدیر — تقدیر کے فیصلوں کو تدبیر کیونکر مات دے سکتی ہے' راشدہ رفعت کا سبق آموز افسانہ۔

☆ جان گئی پھر سنبھل گئی — منکر محبت کے لیے خوب صورت پیغام کا حامل عشنا کوثر کا افسانہ ایک دلفریب پیرائے میں۔

☆ محبت ہوئی شاید — معاشرتی زندگی کی عکاسی کرتا نزہت جبیں کا ناول اپنے منفرد انداز میں۔

☆ میں ہیروئن ہوں — ہیروئن بننے کے خواب دیکھنے والوں کے لیے ایک بہترین اور سبق آموز تحریر صائمہ قریشی کے دلکش انداز میں۔

☆ بڑا اچھا لگتا ہے — سالگرہ نمبر کے حوالے سے اسپیشل کی خصوصی اور منفرد کاوش۔

☆ روشنی کے راستے — صراط مستقیم پر چلنے والے کبھی ڈگمگاتے نہیں بلکہ ہر دم ثابت قدم رہتے ہیں۔ حیا بخاری کی موثر کاوش۔

☆ سالگرہ حجاب کی — حجاب کی سالگرہ کے انداز قرۃ العین کے دلچسپ انداز میں ملاحظہ کیجیے۔

☆ تمہیں سالگرہ مبارک ہو — سالگرہ کے رنگ حنا اشرف کے سنگ۔

☆ خط اور انتظار — انتظار کے جانگسل لمحوں میں مقید ایک خوب صورت کہانی صافیہ شیخ کی زبانی۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

حمد

پوچھا گل سے یہ میں نے کہ اے خوبرو
تجھ میں آئی کہاں سے نزاکت کی خو
یاد میں کس کی ہنستا' مہکتا ہے تو
ہنس کے بولا کے اے طالب رنگ و بو
اللہ اللہ اللہ اللہ

عرض کی میں نے سنبل سے اے مشکبو
صبح کو کرکے شبنم سے تازہ وضو
جھوم کر کون سا ذکر کرتا ہے تُو
سن کے کرنے لگا دم بدم ذکر ہو
اللہ اللہ اللہ اللہ

جب کہا میں نے بلبل سے اے خوش گلو
کیوں چمن میں چہکتا ہے تو چار سو
دیکھ کر گل کسے یاد کرتا ہے تُو
وجد میں بول اٹھا وحدہ وحدہ
اللہ اللہ اللہ اللہ

جب پپیہے سے پوچھا کہ اے نیم جاں
یاد میں کس کی کہتا ہے تو "پی کہاں"
کون ہے "پی ترا" کیا ہے نام و نشاں
بول اٹھا بس وہی جس پہ شیدہ ہے تُو
اللہ اللہ اللہ اللہ

آکے جگنو جو چمکے مرے رو برو
عرض کی میں نے اے شاہد شعلہ رو
کس کی طلعت ہے تو کس کا جلوہ ہے تُو
یہ کہا جس کا جلوہ ہے یہ چار سو
اللہ اللہ اللہ اللہ

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی

نعت

یارب تیرے محبوب کا جلوہ نظر آئے
اس نورِ مجسم کا سراپا نظر آئے
اے کاش کبھی ایسا بھی ہو خواب میں میرے
ہوں جس کی غلامی میں وہ آقا نظر آئے
تاحشر مری قبر میں ہو جائے اجالا
مرقد میں جو ان کا رخِ زیبا نظر آئے
روشن رہیں آنکھیں یہ میری بعد قضا بھی
گر وقت نزع وہ شہ والا نظر آئے
آؤ کہ دیا نعت کا ہر سمت جلائیں
ہر گوشۂ ہستی میں اجالا نظر آئے
جس در کا بنایا ہے گدا مجھ کو الٰہی
اس در پہ کبھی کاش یہ منگتا نظر آئے
کعبہ اے ریاض اس کو بنالوں گا میں دل کا
گر نقشِ قدم مجھ کو نبی کا نظر آئے

ریاض سہروردی

اس پیشکش کو سن کر میں (علیہ السلام) نے فرمایا۔
''نہیں بلکہ میں تو یہ توقع کرتا ہوں کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔''

سارے کا سارا باقی ہے

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بکری ذبح کی اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔
''اس میں سے کیا بچا؟''
میں نے جواب دیا۔''ایک دست بچا ہے۔''
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
''دست کے سوا سارے کا سارا ہی باقی ہے۔''

آداب طعام

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
''تم میں سے جب کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہیے کہ بسم اللہ شروع کرتے پڑھ لے اور ابتدا میں بسم اللہ اگر بھول جائے تو جب یاد آئے تو کہے۔بسم اللہ اولہ وآخرہ (اللہ کے نام کے ساتھ ابتدا بھی اور انتہا بھی)
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔
''ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چھ اصحاب کے ساتھ کھانا تناول فرمارہے تھے کہ اسی دوران ایک دیہاتی بھی شریک طعام ہوگیا اور دو ہی نوالوں میں سرا کھا گیا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
''اگر بسم اللہ کہہ کر شریک طعام ہوتا تو یہ کھان سب کے لیے کافی ہو جاتا۔''

دوہرا اجر:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔
''قرآن کا ماہر ان فرشتوں کے ساتھ ہے جو میر منشی ہیں اور نیک کار ہیں اور جو شخص قرآن شریف کو اٹکتا ہوا پڑھتا ہے اور اس میں وقت اٹھاتا ہے اس کو دوہرا اجر ہے۔''
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس کا یہ ارشاد نقل کرتی ہیں۔
''ہر چیز کے لیے کوئی شرافت و افتخار ہوا کرتا ہے جس سے وہ تفاخر کیا کرتا ہے میری امت کی رونق اور افتخار قرآن شریف ہے۔''
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔
''نماز میں قرآن شریف کی تلاوت بغیر نماز کی تلاوت سے افضل ہے اور بغیر نماز کی تلاوت تسبیح و تکبیر سے افضل ہے صدقہ سے افضل ہے اور صدقہ روزے سے افضل ہے اور روزہ بچاؤ ہے آگ سے۔''

درود شریف کی برکات

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے۔
''جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو ایک فرشتہ اس درود کو لے جاکر اللہ جل شانہ کی پاک بارگاہ میں پیش کرتا ہے وہاں سے ارشاد عالی ہوتا ہے اس درود کو میرے بندہ کی قبر کے پاس لے جاؤ یہ اس کے لیے استغفار کرے گا اور اس کی وجہ سے اس کی آنکھ ٹھنڈی ہوگی۔''

انبیا کرتر کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے چاہا تھا کہ حضرت عثمانؓ کو حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجیں تاکہ حضرت صدیقؓ سے اس میراث کا مطالبہ کریں جو امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کا حق ہے۔اس موقع پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔
''کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔''ہماری (انبیا کی) میراث کسی کو ہیں ملتی ہم جو مال اپنے پیچھے چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

عشاء چوہدری

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور تمام قارئین کو میرا محبت بھرا اسلام قبول ہو۔ آج ہم آپ کا تعارف ایک انوکھی اور لاڈلی لڑکی سے کرواتے ہیں، مابدولت کو عشاء چوہدری کہتے ہیں 2 اپریل 2001ء میں ضلع چکوال کے ایک خوب صورت گاؤں کلر کہار میں پیدا ہوئی، ہم چار بہن بھائی ہیں سب سے بڑی میں پھر میری پیاری بہن بشریٰ اور دو چھوٹے بھائی ہیں محمد علی اور احسن علی۔ ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے اور کزنز میں نوک جھونک ہر وقت جاری رہتی ہے۔ میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہوں اور فیورٹ مضمون کیمسٹری ہے۔ میری ایک پیاری سی کزن مریم ہے جو مجھے بہت عزیز ہے۔ پسندیدہ رنگ پنک اور بلیک ہیں، کپڑوں میں لانگ شرٹ اور ٹراؤزر پسند ہیں۔ کھانوں میں پلاؤ، کسٹرڈ اور کھیر پسند ہے اور سبزیوں میں بھنڈی اور کریلے پسند ہیں۔ اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف، خوبیاں تو مجھ میں ہے ہی نہیں لیکن بقول میری کزنز کے "تم بہت ذہین ہو" خامیاں تو مجھ میں بے حساب ہیں چند کا ذکر کرتے ہیں (یار عزت بھی کوئی چیز ہوتی ہے ہاہاہا)۔ گھر کے کاموں میں بالکل دلچسپی نہیں ہے، بہت جذباتی ہوں، غصہ بہت جلدی آتا ہے اور بہت حساس طبیعت کی مالک ہوں۔ دوسروں پر بہت جلد اعتبار کرلیتی ہوں، فیورٹ ڈائجسٹ آنچل اور حجاب ہیں۔ آنچل وحجاب کی ہر تحریر پڑھتی ہوں اور اس میں ہمیشہ لکھنے کا شوق رہا جو کہ آج پورا ہونے جارہا ہے۔ لانگ ڈرائیو کا بہت شوق ہے لیکن افسوس گاڑی چلانی نہیں آتی، ہاہاہا (ہزاروں خواہشیں ایسی......) دوست بنانا اچھا لگتا ہے، دوستیں تو بہت ہیں لیکن بیسٹ فرینڈز سدرہ، شازیہ سحرش اور عیشاء ایمان ہیں۔ آنچل سے میرا تعارف شازیہ نے کروایا ہم دونوں آپس میں ناولز کا تبادلہ کرتی رہتی ہیں۔ پسندیدہ رائٹرز میں سمیرا شریف طور، نازیہ کنول نازی، نمرہ احمد اور عمیرہ احمد ہیں۔ پسندیدہ شاعر وصی شاہ اور احمد فراز ہیں۔ میرے آئیڈیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آدمی

میں جانا میرا جنون ہے۔ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کا نظارہ اچھا لگتا ہے، قدرتی مناظر اٹریکٹ کرتے ہیں۔ بارش بہت پسند ہے اور اکثر بارش میں نہا کر بیمار پڑ جاتی ہوں۔ دوستیں بنانے کا بہت شوق ہے اگر آپ میں سے کوئی میری دوست بننا چاہے تو ویلکم (ارے یہ اتنی بڑی بڑی جمائیاں کون لے رہا ہے تھوڑا صبر کرو)۔ میری امی انتہائی صابر عورت ہیں، اللہ ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے، آمین۔ اب میں اجازت چاہتی ہوں اگر زندگی نے وفا کی تو دوبارہ حاضر ہوجاؤں گی، اللہ آنچل وحجاب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، آمین، دعاؤں میں یاد رکھیے گا، فی امان اللہ۔

انمول زندگی

السلام علیکم! کیسے ہیں جی سب لوگ؟ تو ٹھیک ہی ہوں گے، صحیح کہا نا میں نے، ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں میں ہوں ڈریم لینڈ کی شہزادی انمول زندگی۔ جی ہاں انمول میرا نک نیم ہے جو میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور زندگی مجھے پسند ہے تو دوستوں میں ضلع مانسہرہ کے ایک بہت خوب صورت گاؤں کی رہنے والی ہوں۔ ہم پانچ بہنیں اور تین بھائی ہیں، مجھے اپنے سب بہن بھائیوں سے بہت پیار ہے۔ میں ساتویں نمبر پر ہوں اور مجھ سے ایک چھوٹی سسٹر ہے۔ ہمارا گاؤں بہت پیارا ہے لیکن لوگوں کے دل پیارے نہیں ہیں اس لیے میری کوئی دوست نہیں سوائے ایک ٹیچر کے جو مجھے بہت پسند ہیں۔ اللہ ان کو ڈھیر ساری خوشیاں دیکھنا نصیب کرے، آپ لوگ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ کہاں کے قصے لے کر بیٹھ گئی ہوں تو دوستوں مجھے پنک، بلیک، فیروزی رنگ پسند ہیں۔ کھانے سارے ہی شوق سے کھاتی ہوں لیکن مچھلی، چاکلیٹ، آئس کریم، پکوڑے بہت پسند ہیں۔ لباس میں شلوار قمیص، ساڑھی، فراک اور پاجامہ ساتھ میں لمبا سا دوپٹہ پسند ہے۔ پینٹنگ اور جوڈو کراٹے سیکھنے کا بہت شوق ہے، موسم سارے ہی اچھے لگتے ہیں۔ خشک پتوں پر چلنا، بارش میں نہانا، چاندنی رات میں دیر تک چاند کو دیکھنا۔ لمبی سڑک ہو اور اس کے اردگرد درخت ہوں ساتھ میں ہلکی ہلکی بارش ہورہی ہو اور میں اس پر چل رہی ہوں تو کیا ہی مزا آئے ارے پریشان نہیں ہونا آپ۔ آپ بھی سوچ رہی ہوں گی کہ کیسی پاگل لڑکی ہے تو جناب

ڈریم لینڈ کی شہزادی ہوں تو پھر ایسی ہی باتیں کروں گی۔ میں خواب بہت دیکھتی ہوں' لوگوں کی پہچان نہیں کرسکتی ہر ایک پر اعتماد کرلیتی ہوں جس کا ظاہر ہے نقصان تو ہونا ہی ہے نہ جب پہلی بار کسی سے ملتی ہوں تو بہت کم بات کرتی ہوں جس کا دوسروں پر یہ اثر پڑتا ہے کہ میں بہت مغرور ہوں لیکن حقیقت میں ایسی نہیں ہوں۔ بالکل بھی مغرور نہیں ہوں' آج تک کوئی مخلص دوست نہیں ملی' اس لیے کوئی دوست نہیں۔ آنچل میرا موسٹ فیورٹ ڈائجسٹ ہے' اس کے علاوہ اور کوئی رسالہ نہیں پڑھتی ہوں۔ آنچل بھی بہت مشکل سے پڑھنے کو ملتا ہے' آنچل از دی بیسٹ اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو آپ لوگوں سے کرنے کو دل کررہا ہے لیکن چلیں پھر سہی اگر یہ شائع ہوگیا تو پھر مزید بھی لکھوں گی ۔ مجھے رشتوں میں دوستی کا رشتہ بہت پسند ہے حالانکہ آج تک کوئی مخلص دوست نہیں ملے کوئی گل نہیں' کبھی تو مل ہی جائے گی۔ دوسروں کو گفٹ دینا اور لینا پسند ہے' ارے اپنی تاریخ پیدائش بتانا تو بھول ہی گئی تو جناب یکم جنوری 1990 ہے اور میری ٹیچر کی بھی یکم جنوری کو ہی برتھ ڈے ہوتی ہے۔ خوشبو بہت پسند ہے کوئی بھی ہو گلاب کے سارے رنگ بہت پسند ہیں۔ موتیا کے گجرے بہت پسند ہیں جو میں اپنی ٹیچر کو بہت دیتی تھی۔ سرخ گلاب میں تو میری جان ہے اوکے جی۔ اس کے ساتھ ہی اجازت چاہتی ہوں اگر کسی نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو ضرور آنچل میں انٹری دوں گی۔ شاہ زندگی سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اگر وہ بھی کرنا چاہے' کاسٹ ہماری سید ہے اس سے پہلے یہ صفحات ردی کی ٹوکری میں جائیں اس بات کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں' جہاں رہیں خوش رہیں (اپنے خرچ پر) کبھی کسی کا دل مت توڑیں کیونکہ دلوں میں خدا رہتا ہے کبھی کسی کی بددعا نہ لیں' دعاؤں میں یاد رکھیں' اللہ حافظ۔

آبگینے

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور قارئین' آپ لوگوں کے کھلے چہرے دیکھ کر اندازہ ہورہا ہے کہ آپ لوگوں کو ہماری آمد کی بہت خوشی ہوئی ہے' ہونی بھی چاہیے کیونکہ ہم اپنا کاغذ' سیاہی اور سب سے بڑھ کر آنچل سے عشق کی بازی لگا کر خود کو اس انٹری کا حق دار سمجھ رہے ہیں۔ نام تو آپ کو پتا چل گیا' ایک چھوٹے سے مگر میرے لیے سب سے پیارے شہر جتوئی سے تعلق ہے۔ پانچ بہن بھائیوں میں پہلا نمبر ہے اور امی ابو کی لاڈلی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ 9 ستمبر کو اس دنیا کو رونق بخشی' ایم اے سیکنڈ پارٹ کے پیپر دیئے ہوئے ہیں' بی ایڈ بھی کیا ہوا ہے اور ٹیچنگ کررہی ہوں۔ کھانے میں ٹھنڈی ٹھنڈی رس ملائی' گرما گرم بھاپ اڑاتے چائنیز رائس فروٹس میں پھلوں کا بادشاہ آم اور انگور بہت پسند ہیں۔ میرے قریبی جاننے والوں کو پتا ہے کہ ہمیں آئس کریم کتنی پسند ہے لیکن اسٹابری فلیور کے علاوہ کیونکہ اسٹابری پسند نہیں۔ لائٹ کلرز پسند ہیں' خامیاں ہر انسان میں ہوتی ہیں ہم میں بھی ہیں۔ سب سے بڑی خامی بہت سست ہوں اور اپنی اس عادت سے خود بھی تنگ ہوں' غصہ اور رونا بہت آتا ہے۔ دوسرے اس بات کو ویلیو نہیں دیتے اور میں یہ سوچ کر روتی رہتی ہوں کہ انہیں میری بات بری لگی ہوگی۔ خوبیاں...... اگر ہماری مام آج ہوتیں تو انہیں ہم میں کوئی خوبی نظر نہ آتی (مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں) مگر بقول فرینڈز کے صاف دل ہوں' جو دل میں ہو وہی زبان پر اور حساس ہوں۔ اللہ کا شکر ہے سب فرینڈز بہت زیادہ اچھی ہیں مگر یہاں صرف دو فرینڈز کا ذکر کروں گی جو آنچل کے توسط سے ملیں' عطروبہ سکندر اور سدرہ اسلم۔ عطروبہ تمہاری کیئرنگ نیچر بہت پسند ہے' ہمیشہ ایسے ہی رہنا' شام کے وقت اور رات کے وقت آسمان اور ستاروں کو پہروں دیکھنا بہت پسند ہے۔ دل چاہتا ہے آسمان کی وسعتوں میں دور کہیں کھو جاؤں' گفٹس میں ناول دینا اور نازک سی واچ اور اچھی کتابیں دینا اور لینا بہت پسند ہیں جو آنچل فرینڈز بکس اور ناولز گفٹ کرنا چاہیں موسٹ ویلکم (خوش فہمی)۔ شاعری سے تھوڑا بہت لگاؤ ہے۔ رائٹرز میں عشنا کوثر' عفت سحر' نمرہ اور عمیرہ احمد' انوار علیگی بہت پسند ہیں۔ اجازت سے پہلے ایک ریکوئسٹ ہے پلیز اپنے والدین خاص طور پر ماں کی خدمت کریں' سچ ہے کہ ماں کے بغیر گھر قبرستان ہے اور ہم پانچوں اسی اذیت سے گزر رہے ہیں۔ اللہ آپ قارئین کے والدین کو سلامت رکھے' آمین اللہ حافظ۔

فریال مرزا

السلام علیکم! میرا نام فریال مرزا ہے' 10 نومبر کو دینہ میں پیدا ہوئی' ستارہ عقرب ہے اور اس کی تمام خوبیاں مجھ

میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں 4 بھائی (ماشاء اللہ) اور ایک بہن (یقینی میں خود)۔ اب کچھ اپنی ذات کے بارے میں کہ شرارتی بہت زیادہ ہوں گھر یا باہر کہیں بھی کسی قسم کی گڑبڑ ہو سب میرا نام لیتے ہیں (ہائے ظلموں) ویسے میں ہوں بہت معصوم (اچھا) بی اے کے پیپرز ابھی دیئے ہیں' فرینڈز سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ فرینڈز بہت جلدی بناتی ہوں (یہ اور بات ہے کہ چھوڑتی اس سے بھی جلدی ہوں) میری بیسٹ فرینڈز ہیں۔ صالحہ' سدرہ' سندس' آصفہ شاہد' میمونہ' فاریہ اور سائرہ شامل ہیں ارے اتنی زیادہ بیسٹ فرینڈز؟)۔ جی ہاں یہ ساری میری بیسٹ فرینڈز ہیں اس کے علاوہ بھی بہت ساری ہیں۔ بہت زیادہ مذہبی نہیں ہوں' لبرل مائنڈ رکھتی ہوں' ہاں البتہ نماز ضرور پڑھتی ہوں۔ سنگرز میں صرف نصرت فتح علی خان پسند ہیں۔ کھانے میں چائینیز فرائیڈ رائس اور چاکلیٹ آئس کریم پسند ہے۔ فیورٹ ایکٹر جونی ڈیپ اور کرسچین بیل شامل ہیں اور ایکٹریس میں صرف میگن فوکس پسند ہے' سنگر امریکہ کی ریحانہ اچھی لگتی ہے۔ پینٹ شرٹ پسند ہے' رنگ بلیک پسند ہے۔ رسالوں میں آنچل و حجاب' خواتین دونوں بہت پسند ہیں مگر آنچل زیادہ۔ آنچل میں سب سے پہلی کہانی جو میں نے پڑھی تھی وہ "جب وہ پتھر موم ہوا" یار نازی آپ نے کمال کیا تھا۔ سمیرا شریف طور' اقراء اور نازیہ تینوں بہت اچھا لکھتی ہیں مگر سوری عشناء کی اسٹوریز عجیب سی ہوتی ہیں' اتنے لمبے ڈائیلاگز' الامان۔ میرا ارادہ مستقبل میں رائٹر بننے کا ہے' ایک کہانی مکمل ہو چکی ہے' میری سائیڈ ٹیبل پر میرے سامنے پڑی میرا منہ چڑا رہی ہے (کوئی پوسٹ جو نہیں کرتا) خیر میں اتنی اچھی بھی نہیں ہوں۔ غصہ بہت جلدی آجاتا ہے اور جاتا بہت مشکل سے ہے' ناراض ہو جاؤں تو راضی بھی نہیں ہوتی (جلدی جلدی)۔ ضدی بھی بہت ہوں' اس کے علاوہ اسپورٹس سے بہت دلچسپی ہے' اسکول' کالجز میں میں نے بہت سے پرائز ون کیے۔ ریس میں' والی بال میں' ہائی سلونگ جمپ میں' فٹ بال میں' نیٹ بال' جیولن میں غرض یہ کہ ہر گیم میں جیتی۔ کرکٹ میں بہت اچھا کھیلتی ہوں' مائیکل کلارک' پیٹرسن اور شاہد آفریدی فیورٹ ہیں۔ آئیڈیل کی بات کی جائے تو جناب آپ اسے خود پرستی کہیں یا خود شناسی' مجھے تو صرف یہ پتا ہے کہ میں اپنی آئیڈیل خود ہوں۔ قائد اعظم اور ابراہم لنکن سے بھی امپریس ہوں' دنیا میں کچھ کر کے جانا چاہتی ہوں' نام پیدا کرنا چاہتی ہوں۔ آخر میں جانے سے پہلے ایک بات کہ آنچل یا کسی بھی رسالے میں شائع ہونے والی کہانیوں کو صرف کہانیاں سمجھا کریں' ضروری نہیں جو کچھ کہانیوں میں ہو وہ آپ کی اصل زندگی میں بھی ہوں۔ میں نے ایسی بہت سی لڑکیاں دیکھی ہیں جو اپنی زندگی کو کوئی اسٹوری بنانے میں ہلکان ہوئی جاتی ہیں (ایک تو میرے ساتھ پڑھتی تھی) خدارا ان کہانیوں کو ذہن پر سوار مت کیا کریں' کہانی کو تفریح سمجھا کریں' جہاں رہیں خوش رہیں' ہنستے مسکراتے رہیں۔ یار زندہ صحبت باقی' اللہ حافظ۔

مسکان جاوید

جب سے سیکھا ہے لفظوں کا تلفظ میں نے
اے اللہ تیرے نام کو پڑھ کر ابتدا کی ہے

سلام محبت' سلام چاہت' سلام عقیدت' سلام پیغام پیارے سے آنچل وحجاب تمام اسٹاف اور قارئین کے نام پیار بھرا السلام علیکم! ارے ارے رکو بور تو نہیں ہو رہے' ہونا بھی نہیں چاہیے ہاہاہا۔ ابھی تو میں نے اپنا خوب صورت نام بھی بتانا ہے' اب آتے ہیں تعارف کی طرف جی مابدولت کو مسکان جاوید کہتے ہیں' ارے کیا ہوا۔ نام اچھا لگا نہ' میرا تعلق کوٹ سمابہ ضلع رحیم یار خان سے ہے' 16 جنوری کو اس دنیا میں تشریف لائی' بہن بھائیوں میں سے بڑی ہوں' اسی وجہ سے سب کی لاڈلی بھی ہوں۔ ہم تین' بہنیں اور تین بھائی ہیں' میں نے ایف اے کیا ہے اب میں پرائیوٹ اسکول میں پڑھاتی ہوں۔ ارے میں یہ بتانا بھول ہی گئی میں 9 سال سے آنچل کی خاموش قاری ہوں۔ میں نے کافی عرصہ مختلف ڈائجسٹ پڑھے جس میں شامل (شعاع' کرن' خواتین' خوفناک) وغیرہ ہیں اب حجاب بھی پڑھتی ہوں۔ سب ڈائجسٹ اچھے تھے لیکن اس وقت مجھے لکھنے کے لیے جس ڈائجسٹ نے مجبور کیا وہ ہے میرا آپ کا ہم سب کا پسندیدہ موسٹ فیورٹ آنچل۔ آنچل کی تعریف کے لیے میری زبان میں سکت نہیں کیونکہ یہ میری توقع سے بڑھ کر ہیں۔ ارے ارے سردی تو نہیں لگ رہی' چلو گرما گرم چائے کے ساتھ سموسہ فری کھالو ہاہاہا۔ مجھے کوکنگ کا

بہت شوق ہے' کھانے میں سب کچھ کھا لیتی ہوں۔ کھانے پینے میں نخرہ وغیرہ کچھ نہیں کرتی اور کسی کو نخرہ کرنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہم عزت (حلال) کی کھا رہے ہیں لیکن بریانی آئی لائک۔ اگر بات ہو جائے ڈریسز کی تو مجھے پہننے میں لمبی شرٹ' لمبا دوپٹہ اور گاؤن پہننا بہت پسند ہے۔ ساڑھی کبھی پہنی نہیں لیکن پہننے کا بہت شوق ہے' کلرز میں (ریڈ+ وائٹ+ بلیک) پسند ہیں۔ جیولری میں جھمکے اور رنگ پسند ہے' پرفیوم جس کی خوشبو اچھی ہو لے لیتی ہوں۔ فضول خرچ خیر نہیں البتہ دوستوں پر خرچ کرنا اچھا لگتا ہے۔ مجھے اپنے ہونٹ اور آنکھیں بہت پسند ہیں' شکر ہے رب العزت کا جس نے مجھے بنایا ہے۔ مجھے نعتیں پڑھنے کا شوق ہے میری اور میری سسٹر (ایمان جو مجھ سے چھوٹی ہے) کی آواز بہت ملتی ہے ہماری آواز ماشاء اللہ اچھی ہے' اپنے منہ میاں مٹھو' ہاہاہا۔ میری زبان پر جو ہر وقت نعتیہ شعر رہتا ہے یہ ہے

دنیا میں سرکار کی نعتیں پڑھتے رہے ہر ایک لمحہ
قبر میں بھی تھی نعت لبوں پر عادت ہی کچھ ایسی تھی

میری آئیڈیل ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت فاطمہ جیسا (پردہ) کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں اسلامی کتابیں پڑھنا پسند کرتی ہوں' اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا اچھا لگتا ہے۔ پانچ وقت کی نماز اور تلاوت قرآن مجید پڑھنا دل کو روحانی سکون ملتا ہے۔ بیسٹ رائٹرز میں سمیرا شریف طور کی کہانیاں بہت متاثر کرتی ہیں' ان کی بہت بڑی فین ہوں۔ مجھے بھی آپی سمیرا شریف طور کی طرح تفصیل سے اپنے بارے میں لکھنا اچھا لگتا ہے۔ باقی رائٹرز بھی بہت اچھا لکھتی ہیں' گلاب کا پھول بہت اچھا لگتا ہے۔ خامیاں یہ ہیں کہ تھوڑی سی ضدی ہوں' غصہ (پہلے بہت آتا تھا) اب کنٹرول کرلیتی ہوں۔ خوبیاں اپنی سسٹر (ایمان) سے پوچھ کر بتاتی ہوں کیونکہ وہ میری بہن کم فرینڈ زیادہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر اچھے اور برے وقت میں میرا ساتھ دیتی ہے۔ وہ کہتی ہے (مسکان وہ نہیں جو کسی کا دل توڑ دے' مسکان وہ ہے جو ہر کسی کا مان رکھتی ہے' بہت حساس اور اس کی سب سے اچھی عادت یہ ہے وہ اپنے دل کی ہر بات' ہر راز مجھ سے شیئر کرتی ہے' میرے لیے وہ گریٹ ہے)۔ بس بس اتنا ہی میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا پھر میں نے اپنی کزن (ماہین) کو فون کرکے اپنی خوبیاں پوچھیں تو پہلے وہ (اتنا ہنسی) کہ آج اس کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنی خوبیاں پوچھ رہی ہے (ویسے راز کی بات ہے میں نے اس کو یہ نہیں بتایا کہ میں نے اپنا تعارف بھیجنا ہے اس لیے پوچھ رہی ہوں۔ یہ تو اب میں سرپرائز دوں گی ماہین کو) ماہین کہتی ہے کہ اچھا پھر سنو' مسکان دل کی بہت اچھی ہے جب بھی ملتی ہے مسکرا کر ملتی ہے۔ اب میں بہت ہی خوب صورت بات آپ لوگوں سے شیئر کرنے لگی ہوں جس کو شیئر کرنے کے لیے میری سسٹر (ایمان) نے لازمی کہا تھا وہ یہ ہے کہ "میں خوش قسمت ہوں (خوش قسمت اس لیے کہہ رہی ہوں کہ نصیب والوں کو ہی پاک ہستی کی زیارت نصیب ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ ہمارے روزں' حج' نماز کو نہیں دیکھتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو ہمارے دل کی نیت کو دیکھتا ہے' ہمارے عمل کو دیکھتا ہے) اب ان ہستیوں کے بارے میں جو میرے لیے بہت اہم ہیں وہ والدین اور بہن بھائی ہیں' ان سب سے بہت پیار کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کو خوش رکھے' ان کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے ان کو لمبی زندگی عطا کرے' آمین۔ اب آخر میں میرا میسج سب کے لیے' سچے دل کے ساتھ کثرت سے درود شریف پڑھا کریں۔ اس کی بہت فضیلت ہے' پانچ وقت کی نماز عاجزی اور انکساری کے ساتھ پڑھا کریں۔ ڈیئر قارئین زندگی میں پہلی بار اپنے بارے میں اتنا کچھ لکھا ہے اگر لکھنے میں کوئی غلطی وغیرہ ہو گئی ہو تو پلیز معاف کیجیے گا۔ میں نے آپ لوگوں کا بہت ٹائم لے لیا ہے' آپ سب دوستوں کے جواب کی منتظر آپ سب کی دوست' والسلام۔

شہباز اکبر الفت بنیادی طور پر صحافی اور ایک مقامی اخبار کے مدیر ہیں جبکہ ادب کی مختلف اصناف میں لکھتے ہیں بالخصوص بچوں کے لیے کہانیاں، کالم، افسانے اور شاعری لکھنے کا شوق بچپن سے ہی لکھنے کا شوق تھا، سات برس کی عمر میں پہلا شعر کہا اور دس برس کی عمر میں پہلی کہانی شائع ہوئی، مختلف اخبارات و رسائل کے ادارتی شعبوں میں خدمات انجام دینے کے بعد گزشتہ تیرہ سال سے ملاحظہ رپورٹ پرنٹ میڈیا نیوز نیٹ ورک میں بطور ایڈیٹر خدمات انجام دے رہے ہیں جن میں روزنامہ ہم انسان، ہفت روزہ ملاحظہ رپورٹ، پندرہ کیتال ٹوڈے اور ماہنامہ عظمت نسواں بھی شامل ہیں، بچوں کے حقوق کی ایک تنظیم پاکستان تحریک اطفال کے چیئرمین ہیں، دی راکس انٹرٹینمنٹ کے بینر تلے بطور مصنف، ہدایت کار اور نغمہ نگار اپنی پہلی فلم ویلکم ٹو لالی ووڈ کی تیاریوں میں مصروف ہیں جبکہ ان کے دو ناول بھی زیر تکمیل ہیں جن میں سے ایک بچوں کے لئے ہے، طفل مکتب کے لوگوں سے اخبارات کے علاوہ فیس بک پر بھی کالم لکھتے ہیں اور اپنی خوش اخلاقی کے باعث سوشل میڈیا پر بھی بہت مقبول ہیں۔

سوال: اپنے بارے میں کچھ بتایئے، کہاں اور کب پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

جواب: میری جنم بھومی رائے ونڈ روڈ پر اڈا پلاٹ سے پہلے چمبر پور گاؤں ہے جو وزیراعظم کی رہائش گاہ جاتی عمرہ سے متصل ہے، 15 جنوری 1979ء کو پیدا ہوا، تعلیم بہت واجبی ہے، گورنمنٹ سردار ہائی اسکول کوٹ عبدالمالک سے دوم اور سوم جماعت پاس کی، سوم جماعت میں پورے اسکول میں اول آیا تھا، چہارم اسلامک ماڈل اسکول حنیف پارک بادامی باغ سے دوم پوزیشن کے ساتھ پاس کیا، اسی اسکول میں میری بڑی بھتیجی گلناز افتخار جو مجھ سے صرف آٹھ سال چھوٹی ہے بھی نرسری میں پڑھتی تھی جسے ٹیچر سے زیادہ میں نے پڑھایا ہے، پنجم اور ششم ایم سی بوائز ہائی اسکول حنیف پارک سے پاس کیا، پنجم میں بورڈ میں اول آیا، ششم پاس کرنے کے بعد کچھ گھریلو مسائل کے باعث تعلیم ادھوری چھوڑنا پڑگئی اور اخبارات و رسائل میں کہانیاں چھپتے رہنے کی وجہ سے مجھے بڑی آسانی کے ساتھ بچوں کے ایک معروف رسالے تعلیمی ڈائجسٹ میں بطور معاون مدیر نوکری مل گئی جس کے باعث تعلیمی سلسلہ دوبارہ شروع نہ کرسکا۔

سوال: قلم سے دوستی کب ہوئی اور اس دوستی کا احساس کب ہوا؟

جواب: قلم سے دوستی کا وسیلہ کتاب بنی اور کتاب سے پہلا رابطہ چھ، سات سال کی عمر میں اس وقت ہوا جب زندگی میں پہلی بار گیند اور بلا لکنے کی امید پر قسمت پڑی خریدی اور اس میں سے گیند بلے کی بجائے ٹارزن اور منکو کی کہانی نکل آئی، میں اس وقت مدرسہ میں نورانی قاعدہ کے مرحلے پر تھا، ہجے جوڑ جوڑ کر وہ کہانی پڑھی تو اتنی دلچسپ لگی کہ ساری دلچسپیوں کا رخ مطالعے کی طرف مڑگیا، مطالعہ کا ایسا چسکا پڑا کہ سوتے جاگتے، کھاتے پیتے ہاتھ میں کتاب ہوتی یا کوئی ڈائجسٹ یا رسالہ، ان دنوں گھریلو حالات بہت ابتر تھے، ہم سب بھائی ابھی چھوٹے تھے اور

کمانے والے ابو اکیلے، دو ہزار گیارہ میں اپنی وفات کے وقت ایک بڑی ہاؤسنگ کالونی کے کرتا دھرتا میرے عظیم والد اس وقت سائیکل پر پھیری لگاتے تھے، انہوں نے جب میرے مطالعہ کے جنون کو دیکھا تو ردی میں ملنے والے رسالے کباڑے کو دینے کی بجائے مجھے لاکر دینے شروع کر دیئے اس دور میں بچوں کے رسائل اور فکشن سمیت خواتین کے ڈائجسٹ بھی بلاشبہ ہزاروں کی تعداد میں پڑھے، انہی دنوں اچانک مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں تو خود بھی لکھ سکتا ہوں، بس قلم اٹھایا، ایک ٹوٹی پھوٹی کہانی لکھی جو روزنامہ جنگ کے جمعہ میگزین میں شائع ہوگئی اور اسی کہانی کے شائع ہونے کی خوشی میں ابو نے مجھے تمام تر مسائل کے باوجود اسکول داخل کروا دیا اور مطالعہ کی وجہ سے ہی مجھے براہ راست دوم جماعت میں داخل کیا گیا، جہاں تک قلم سے دوستی اور اس کے احساس کی بات ہے تو اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا، قلم میرے لئے آکسیجن کی طرح ہے، جو زندگی کے ہر اتار چڑھاؤ میں مجھے زندہ رہنے کی قوت اور نئی زندگی دیتا ہے، قلم سے رشتہ انمول ہے۔

سوال: باقی سب اصناف ادب کو چھوڑ کر بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کیوں آیا؟

جواب: میں نے تقریباً تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن بچوں کیلئے لکھنے میں اس لئے زیادہ مزا آتا ہے کہ بچوں کے لئے کہانیاں لکھتے وقت بچہ بننا ہوتا ہے اور ذہن ہر قسم کی فکر سے آزاد ہو جاتا ہے۔

سوال: اس سفر میں کہاں سے حمایت ملی اور کہاں سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا؟

جواب: الحمدللہ مخالفت تو کسی نے نہیں کی البتہ میری فیملی بالخصوص ابو اور بڑے بھائی افتخار حسین نے میری بھرپور حمایت کی اور ہمیشہ آگے بڑھنے کے آزادانہ مواقع فراہم کیے۔

سوال: اب تک کیا کیا لکھ چکے ہیں اور مستقبل کے کیا ارادے ہیں؟

جواب: میرا زیادہ عرصہ صحافت میں گزرا ہے، پچھلے تیرہ سال سے ایک مقامی اخبار ملاحظہ رپورٹ کا ایڈیٹر ہوں بچوں کے ادب میں ڈیڑھ درجن سے زائد کہانیاں

چھپ چکیں، چند افسانے اور شاعری بھی، کالم اور مضامین کی تعداد سینکڑوں میں ہے، سر دست بچوں کیلئے کہانیوں کی ایک کتاب، ایک سوشل رومانٹک ناول اور دی راکس انٹرٹیمنٹ کیلئے ایک اردو فیچر فلم کی اسکرپٹ مکمل کرنے میں مصروف ہوں۔

سوال: آئیڈیل کے حوالے سے کوئی ایک شخصیت کون ہے؟

جواب: میری آئیڈیل شخصیت صرف میرے مرحوم والد ہیں۔

سوال: آپ کی ذات کی تکمیل میں سب سے اہم کردار کس کا ہے؟

جواب: میری ماں کے علاوہ کوئی فرد ایسا نہیں ہے، جس کے بارے کہہ سکوں کہ میری ذات کی تشکیل میں اس کا ہاتھ ہے، ماں کی تربیت کا ہی فیضان ہے کہ ہمیشہ محبت ہی ملی اور محبت ہی بانٹنے کی کوشش کی ہے۔

سوال: شادی میں تاخیر کی وجہ؟

شادی میں تاخیر کی بنیادی وجہ میری پیشہ ورانہ مصروفیات کے علاوہ میں خود اور میرا نظم وضبط سے عاری رہن سہن ہے جس کو بدلنے کی آج کل بھرپور کوشش کررہا ہوں۔

سوال: کیا اب تک شادی نہ کرنے کی وجہ پسند کی لڑکی نہ ملنا ہے؟

جواب: نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، پسند کا تعلق شادی سے نہیں ہے، میں تو ایک مسکراہٹ پہ دل ہار جاتا ہوں۔

سوال: آپ کا پسندیدہ رائٹر؟

جواب: پسندیدہ رائٹر کوئی ایک نہیں، بہت سے ہیں، ہر اچھی تحریر بلکہ اچھا جملہ بھی میرے دل میں اتر جاتا ہے۔

سوال: آپ کا پسندیدہ کھانا؟

جواب: کھانے پینے میں بینگن کے علاوہ ہر چیز پسند ہے، کریلے قیمہ میری مرغوب غذا ہے۔

سوال: زندگی کا سب سے خوب صورت دن؟

جواب: جس دن میری پہلی کہانی شائع ہوئی وہ میری زندگی کا سب سے خوب صورت دن تھا۔

سوال: آپ کی نظر میں زندگی کیا ہے؟

جواب: زندگی خوب صورت ہے۔

سوال: کونسی چیز آپکو پریشان کردیتی ہے؟

جواب: میں زندگی اور اس کے معاملات کو ہمیشہ مثبت انداز میں دیکھنے کا عادی ہوں لیکن لوگوں کے منفی رویئے مجھے ہمیشہ پریشان کردیتے ہیں۔

سوال: سخت تھکاوٹ میں کہاں جانا پسند کرتے ہیں؟

جواب: اپنے گھر، جہاں میری ماں ہے اور میرے ماتھے پر ماں کا بوسہ مجھے ہر قسم کی فکر سے آزاد کر دیتا ہے۔

سوال: پسندیدہ رنگ؟

جواب: پیرٹ اور پنک کلر۔

سوال: پسندیدہ ٹیچر؟

جواب: رانا محمد اصغر میرے پسندیدہ ٹیچر جن سے انیس سو ترانوے میں آخری کلاس پڑھی، وہ آج بھی بہت پرکشش اور جاذب نظر شخصیت کے نوجوان نظر آتے ہیں اور میرے ساتھ ان کا بھائیوں جیسا تعلق ہے۔

سوال: پسندیدہ سبجیکٹ؟

جواب: اسلامیات، اردو اور تاریخ۔

ہمارے گھر میں امی، ہم پانچ بھائی، چار بھابھیاں اور لگ بھگ بیس بھتیجے، بھتیجیاں

فیس بک سماجی روابط کا اہم اور مفید ترین ذریعہ ہے

سوال: صبح و شام آپ کا سامنا مختلف لکھاریوں اور ان کی تحریروں سے رہتا ہے تو کیا کسی لکھاری سے مل کر اور اس کی تحریر کو پڑھ کر اس کی شخصیت اور سوچ کو جاننا ممکن ہے؟

جواب: بلاشبہ تحریر کسی بھی قلم کار کی شخصیت اور سوچ کا آئینہ ہوتی ہے اور بیشتر ادیب اس معیار پر پورا بھی اترتے ہیں لیکن اس منافق معاشرے میں تضاد کی بھی کئی مثالیں موجود ہیں لہٰذا کسی ادیب کی سوچ اور کردار کو اس کی تحریروں سے پرکھنے کا فارمولا سو فیصد کامیاب ہرگز نہیں ہے۔

سوال: آپ کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟

جواب: میری زندگی کا مقصد صرف اوروں کے کام آنا ہے

سوال: آپ کی زندگی کا حاصل کیا ہے؟

جواب: ادبی دنیا میں ایک قابل قدر پہچان کا حصول ہی میری زندگی کا حاصل ہوگا۔

سوال: اگر آپ کو ایک دن کے لیے پاکستان کا وزیراعظم بنا دیا جائے تو آپ پہلا کیا کام کریں گے؟

جواب: وزیراعظم بننے کے بعد تعلیمی شعبہ کو بہتر بنانا میری پہلی ترجیح ہوگی، یکساں نظام تعلیم، تعلیمی اداروں میں وافر سہولیات کی فراہمی، اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافے اور سو فیصد انرولمنٹ کے علاوہ تعلیمی بجٹ کو مجموعی قومی بجٹ کے کم از کم دس فیصد کا حصہ دار بنا کر گریجویشن تک تعلیم کو مفت کرنا، بین الاقوامی تعلیمی اداروں کے پاکستان میں کیمپس بنوانا میری تعلیمی پالیسی کا اہم جزو ہوں گے۔

سوال: کون کون سے ملکوں میں جا چکے ہیں؟

جواب: میں تو اب تک پورا پنجاب نہیں دیکھ پایا۔

سوال: آج کل بڑے بڑے رائٹرز ایک دوسرے کی کتاب کا نام استعمال کرتے ایک نام پہ دو دو رائٹر نے لکھا ہوتا، کیا یہ درست ہے؟ ایسے رائٹرز کی پبلیسٹی میں کمی نہیں ہوتی کیا؟

جواب: میرے نزدیک ایک ہی موضوع پر ایک سے زائد رائٹرز کا الگ الگ انداز میں لکھنا کوئی معیوب بات نہیں، تاہم اس مسابقت میں تخلیقی صلاحیتوں اور معیار کے متاثر ہونے کا بھی خدشہ موجود رہتا ہے اور جب قارئین ان کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں تو کسی نہ کسی مصنف کی مقبولیت کا گراف بہرحال نیچے ہوجاتا ہے۔

سوال: اگر آپ مصنف اور لکھاری نہ ہوتے تو کیا ہوتے؟

جواب: شاید کچھ بھی نہ ہوتا، گزراوقات کے لیے کہیں مزدوری کررہا ہوتا یا کوئی معمولی فیکٹری کا ملازم کیونکہ ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک میں نے لکھنے کے علاوہ نہ کچھ کیا اور نہ ہی مجھے کوئی اور کام آتا ہے۔

سوال: کتنے عشق کیے اور کتنے ناکام ہوئے؟

جواب: بہت سے عشق کیے اور سارے ناکام ہوئے۔

سوال: بچپن کا کوئی خوش گوار واقعہ اور کوئی ایسا واقعہ جس کا تصور آج بھی رونگٹے کھڑے کردیتا ہے؟

جواب: پہلی کہانی کا شائع ہونا میرے بچپن کا سب سے خوشگوار واقعہ ہے جس کی یاد آج بھی رگ وپے میں سرشاری کا احساس بھردیتی ہے، بچپن میں ایک بار شام کے وقت گھر کا راستہ بھول گیا اور سڑکوں پہ روتا پھر رہا تھا جبکہ دوسری طرف میری ماں ننگے سر، ننگے پاؤں پاگلوں کی طرح روتی ہوئی مجھے ڈھونڈ رہی تھی، ماں کی اپنے لیے اس انمول تڑپ کو یاد کرکے ہمیشہ میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے ہیں۔

سوال: آئیڈیل پر کس حد تک یقین ہے؟

جواب: مجھے آئیڈیل سے زیادہ قسمت پر یقین ہے، کسی کا تصوراتی خاکہ بنا کر اسے پوجنے سے بہتر ہے کہ انسان اپنے اندر وہ خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرے جو اسے دوسروں سے منفرد اور چاہے جانے کے قابل بنادیں۔

سوال: فیس بک پر سب سے زیادہ کس سے متاثر ہیں؟

جواب: فیس بک پر سب سے زیادہ سمیعہ علی سے متاثر ہوں کیونکہ یہ بہت اچھی سامع بھی ہے اور جب دل

چاہے، بے نقط کی سنا بھی دیتی ہے، نہ دل میں کھوٹ، نہ کوئی منافقت۔

صبا عیشل سے میرا رشتہ سب سے پیارا اور منفرد ہے، سگی بہنوں سے بڑھ کر، سباس گل تو میری آپی ہیں

سوال: رشتوں میں اعتبار کتنا ضروری ہے؟

جواب: رشتوں کی بنیاد ہی اعتماد پر استوار ہوتی ہے، اعتبار نہ ہو تو خونی رشتے بھی بے معنی ہوجاتے ہیں

سوال: آپ کسی دوست پر اتنا ٹرسٹ کریں کہ خود سے اور خود سے منسلک لوگوں سے متعلق ہر اچھی بری بات بنا کسی جھوٹ کے اس سے شیئر کرتے رہیں پھر ایک دن وہی آپ کے سچ پر شک کرے آپ کی باتوں کو جھوٹ کہے؟ دوبارہ ایسے شخص سے رشتہ رکھیں گے؟

جواب: کبھی نہیں، اگر وہ بعد میں اپنے رویہ پر نادم بھی ہوجائے تو میں اسے صرف معاف کرسکوں گا، دل میں دوبارہ ویسی جگہ دینا میرے لئے ممکن نہیں ہوگا، میرے نزدیک یہ عمل اپنے احساسات کی خود توہین کرنے کے مترادف ہوگا۔

سوال: زندگی کا سب سے خوبصورت لمحہ؟ جس کے ٹرانس سے آج تک نہ نکل سکے ہوں؟

جواب: پہلی بار کسی سے اظہار محبت اور اس کے مثبت اور والہانہ ردعمل کے سحر انگیز احساس سے آج تک باہر نہیں نکل سکا۔

سوال: کہتے ہیں محبت بار بار ہوجاتی ہے؟ کیا واقعی ایسا ہے یا خلوص چاہت اور عقیدت بھی محبت کا پیرہن بدل بدل کر آتی ہے؟

جواب: انسان کا خمیر محبت سے اٹھایا گیا ہے، محبت ایک آفاقی جذبہ ہے، جو کبھی نہیں مرتا، اس لئے محبت بار بار ہو سکتی ہے، صرف ایک سے محبت کا اصل تصور صرف توحید کے حوالے سے ہے جو عشق حقیقی کی پہلی سیڑھی ہے، انسانوں سے محبت اور نفرت تو چلتی رہتی ہے

شہباز اکبر الفت کی شاعری کے چند نمونے

جب بھی طائف کی گلیاں اور کوچے
میرے ذہن میں آتے ہیں
ڈوب جاتا ہے دل، آنکھ کے گوشے
پانی سے بھر جاتے ہیں، بہت تڑپاتے ہیں
میں خطا کار ہوں، میں سیاہ کار ہوں
بس نگاہ کرم کا طلبگار ہوں
میں اشک بار ہوں
ایک حسینیؓ ہوں میں
اور عزادار ہوں
میرے آقا ﷺ کا پیارا موذن بلالؓ
حوصلہ بے کمال، دیکھو جاہ و جلال
ہر ستم پہ فقط مسکراتا ہوا
اور وحدت کے نعرے لگاتا ہوا
ان کی ہمت پہ نازاں، میں سرشار ہوں
میں اشک بار ہوں
ایک حسینیؓ ہوں میں
اور...... عزادار ہوں
میں صحابہؓ کا، اہل بیتؓ کا گدا
جن پہ راضی خدا، ان پہ جاں بھی فدا
پھر بھی بے عمل ہوں، میں شرمسار ہوں
میں اشک بار ہوں
ایک حسینیؓ ہوں میں
اور...... عزادار ہوں
عمر فاروقؓ جیسے مراد رسول ﷺ
اور عثمانؓ و علیؓ سے داماد رسول ﷺ
جب شہید ہوتے ہیں
یہ تصور سے لیے بعید ہوتے ہیں
اور شدید ہوتے ہیں
ان کا دشمن جو، اس سے میں بیزار ہوں
میں اشک بار ہوں
ایک حسینیؓ ہوں میں
اور...... عزادار ہوں
میں شہیدوں پہ روتا نہیں ہوں مگر
وہ جواں سال اکبرؓ اور پیاسا اصغرؓ
اور بازو کٹائے ہوئے علمدارؓ
میری جاں بھی نثار
شام ڈھلتے ہوئے، خیمے جلتے ہوئے
بے ردا سر کسی نے بھی ڈھانپے نہیں
شمر بد بخت کے ہاتھ کانپے نہیں
جس کا سر بھی کٹا، تو وہ سجدے میں تھا
نوک نیزہ پہ قرآن پڑھتا رہا
جو ہے ان کا
میں اس کا طرف دار ہوں
میں اشک بار ہوں
ایک حسینیؓ ہوں میں
اور...... عزادار ہوں

☆☆☆☆☆

کہاں رہتی ہو سارا دن؟
کوئی مسئلہ، کوئی الجھن؟
مجھے بتلاؤ، جان من
فکر مند ہوں
کوئی شکوہ، گلہ مجھ سے؟
کوئی دھوکہ ملا مجھ سے؟
تو بتلاؤ!
سزا پانے کو
حاضر ہوں
اگر میری وفاؤں میں
کمی کوئی نظر آئے؟

تو بتلاؤ!
اگر میری نگاہوں میں
تمہارے بعد
کوئی بھی سمایا ہو تو
بتلاؤ!
میں مجرم ہوں
تمہیں!
اک پل، کبھی دل سے
بھلایا ہو
تو بتلاؤ!
میں مجرم ہوں
میں مجرم ہوں
تو بس اتنا
کہ تیرا منتظر
کب سے
کہ کب تم لوٹ کے آؤ
نئے ناطوں کے بھرم ٹوٹنے کے
کرب سے پہلے
تو تم کو تھام لوں گا میں
ہمیشہ کی طرح
ہمدم
کہاں رہتی ہو سارا دن؟
چلی آؤ نا جان من
ادھورا ہوں تمہارے بن
☆☆☆☆☆
سنو!
مجھ کو محبت ہے
تمہارے سرد لہجے سے
بہت بے درد لہجے سے
دسمبر کیا ضروری ہے؟
کیلنڈر کیا ضروری ہے؟
تمہارا در د سہنے کو

تمہیں ہمدرد کہنے کو
ابھی جو پل میسر ہیں
یہی میرا اثاثہ ہیں
سبھی موسم بدلتے ہیں
مگر!
کب ہم بدلتے ہیں؟
وہی بے رحم سے تم ہو
وہی بے تاب سا میں ہوں
☆☆☆☆☆
سب کہتے
اب بھول جا اس کو
یاد نہ کر
فریاد نہ کر
وہ نہیں لوٹ کے آنے والا
خود کو بھی برباد نہ کر
کب تک اس کو
یاد کرو گے
کب تک رستہ دیکھو گے
فرض کرو
وہ لوٹ بھی آئے
کیا لازم؟
وہ تیرا ہوگا
جیسا تم نے چھوڑا تھا
کیا وہ اب تک ویسا ہوگا؟

کیا وہ پہلے جیسا ہوگا؟
میں کہتا ہوں
دل کہتا ہے
جیسا بھی ہو
میرا ہوگا
اس کو لوٹ کے آ لینے دو
لوٹ آ دو تا
میرے ہمدم
جیسے بھی ہو
جس کے بھی ہو
☆☆☆☆☆
وہی رت ہے، وہی موسم، وہی رم جھم
اور میں گم سم
وہی منظر تکا ہوں میں
مگر جانِ جاں کہاں ہو تم؟
وہی کھیتوں کی پگڈنڈیاں
جہاں پر بیٹھا کرتے تھے
اور ڈھیروں باتیں کرتے تھے
بلا خوف و خطر، ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے
ہزاروں خواب بنتے
تعبیریں سوچا کرتے تھے
نجانے کیوں؟
ہم جگنوؤں، تتلیوں کو پکڑا کرتے تھے
کبھی سوچا کہ پاگل
ہم بھلا کیوں ایسا کرتے تھے؟
کبھی شکوہ کناں تم سے
کبھی کی آنکھ ہے پرنم
مگر جانِ جاں کہاں ہو تم؟
☆☆☆☆☆
تمہاری آنکھوں میں کیوں جلن ہے؟
چلو جلا کر، خطوط سارے
چلو مٹا کر، ثبوت سارے
وہ آشنائی، وہ نارسائی
وہ سارے وعدے
وہ سب ارادے
وہ ساری باتیں
وہ واردات یں
وہ ساری رسمیں
وہ ساری قسمیں
چلو بھلا کر
چلو بجھا کر
جو عہد حاضر کا اب چلن ہے
تمہاری آنکھوں میں کیوں جلن ہے؟
تم اشک اپنے چھپا رہے ہو؟
خودی کو اپنی گنوا رہے ہو
بہت معطر ہیں تیرے جذبے
یہ کس کے پیچھے گنوا رہے ہو؟
وہ تیرا کب تھا
تم اس کے کب تھے؟
وہ سارے رشتے کسی سبب تھے
جواز باقی نہیں رہا ہے
وہ راز باقی نہیں رہا ہے
تو آؤ! ماضی کو بھول جائیں
اور ایک دنیا نئی بسائیں
جہاں محبت کا نام نہ ہو
کسی کا دل میں مقام نہ ہو
تمام ناطے سفارتی ہوں
تمام رشتے اداراتی ہوں
جو عہد حاضر کا اب چلن ہے
تمہاری آنکھوں میں کیوں جلن ہے؟

قرۃ العین سکندر

عقیدت کے چند پھول میری ماں کے نام نچھاور

ماں ممتا کی خوشبوؤں میں لپٹا ہوا ایک پیارا سا وجود' آبشار جیسی ٹھنڈک لیے تپتے جلتے ریگزار صحراؤں میں خنکی لیے اور کبھی نرم سی دھوپ کا خوشنما سا احساس یخ بستہ ٹھٹھرتے موسم میں گرماہٹ دیتی۔ میری ماں اگرچہ بہت اعلیٰ وارفع اسناد کا انبار لیے ہوئے نہیں ہیں مگر امی وہ واحد ہستی ہیں جنہوں نے مجھے نکھار اور میرے وسعت قلم میں ایک بھرپور اور نمایاں کردار ادا کیا۔

مجھے بخوبی یاد ہے کہ میں میٹرک میں تھی جب قلم سے ناطہ جڑا تھا جب بھی کوئی تحریر رقم کرتی تو امی جان کو سامنے بٹھا کر سنایا کرتی تھی۔ وہ اس قدر دلجمعی سے سنتی تھیں اور ساتھ ہی بہت حوصلہ افزائی بھی کرتیں' اسی طرح ایک مرتبہ ہم کسی شادی میں شرکت کے لیے مدعو تھے وہاں اچانک کسی غزل کی آمد مجھے ہوئی' امی جان چہرہ شناس تھیں میں نے بتایا تو از حد پریشان ہوگئیں کہ وہاں سر محفل قلم اور صفحہ کہاں سے دستیاب ہوگا۔ کہیں غزل میری بیٹی کے ذہن سے محو نہ ہوجائے۔

اندازہ کیجیے کیا میں کوئی بہت اعلیٰ قسم کی شاعرہ تھی' ہرگز نہیں مگر میں اپنی والدہ کے لیے انمول تھی۔ میرے احساسات جذبات ان کے لیے گراں قدر تھے۔

میری امی بہت ملنسار مہمان نواز بھی ہیں جب بھی ہمارے گھر کوئی مہمان یا ملاقاتی آتا امی کبھی اسے بھوکا پیاسا گھر سے رخصت نہ ہونے دیتی تھیں۔ وہ ایک بہترین منتظم بھی تھیں' چھ بچوں کی تربیت نہایت عمدگی سے کی چونکہ میرے والد صاحب ذریعہ معاش کی فکر میں سرگرداں رہا کرتے تھے۔ انہیں کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ فلاں تقریب کے لیے ہم سب بچوں کے لباس کیسے بنے یا کسی تقریب میں دینا دلانا' سب میری امی عمدگی سے دیکھا کرتی تھیں۔ خاندان بھر میں میری امی کی سلیقہ مندی کے چرچے رہے۔ میری والدہ نے بچوں میں کبھی بھید بھاؤ نہیں رکھا' نامعلوم ماں کو کیسے معلوم ہوجایا کرتا تھا کہ فلاں چیز فلاں بچہ زیادہ رغبت وشوق سے تناول کرتا ہے۔

والدہ صاحبہ اس کے لیے وہی پکایا کرتی تھیں۔ بچپن میں جب اسکول جاتے تو سب دوست کہتی تھیں قرۃ العین کے گھر کا کھانا سب سے عمدہ اور لذیذ ہوا کرتا ہے۔ میری والدہ کے ہاتھ میں ایسی لذت تھی کھانے والا انگلیاں چاٹتا رہ جاتا۔ میری والدہ ماشاء اللہ حیات ہیں' اللہ پاک ان کا سایہ مجھ پر سلامت رکھے۔ میں سوچتی نہیں کہ میری امی اس شہر اس ملک سے دور سات سمندر پار چلی گئی ہیں آج بھی جب فون آتا ہے تو میں ان کے لیے وہی بچی بن جاتی ہوں جبکہ آج میں خود ممتا کے جذبے سے سرشار ہوں۔ ماں جیسا نعم البدل کوئی نہیں ہوسکتا اللہ رب العزت سب کی ماؤں کو سلامت رکھے آمین۔

عنزہ یونس انا

السلام علیکم! آج آغوش مادر میں ہمت کرکے بالآخر میں آ ہی گئی' ورنہ میں بھلا کہاں اس قابل کے ماں جیسی انمول ہستی کے متعلق کچھ کہوں یا لکھوں۔ اس لیے اگر کوئی لفظ ماں کی عظمت کے شایان شان نہ لگے تو کم فہم کو معاف کیجیے گا۔

لفظ "ماں" مجھے نہیں لگتا اس سے بڑھ کر کسی اور لفظ میں اتنی چاشنی ومحبت ہوگی جو مٹھاس اور تاثیر اس لفظ عظیم میں ہے وہ نہ تو کسی مشروب میں ہے اور نہ ہی کسی بہتی آبشار میں۔

اس لفظ کو ادا کرتے ہوئے میرے دل میں محبت و عقیدت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے اس کی پیمائش ناممکن ہے اس لفظ سے میری انسیت ومحبت اس قدر زیادہ ہے کہ اکثر ادا کرتے وقت شدت جذبات سے لب تھرتھرا کر رہ جاتے ہیں۔

پھر ماں کی عظمت کے باقی مدارج پر بات کرنا تو بہت دور ہے بحیثیت مسلمان میں لفظ ماں کو عبادت اور اس کی تعظیم کو خدا کی رضا سمجھتی ہوں اور میں جب جب لفظ ماں پر غور کرتی ہوں دل سے ایک ایسا نور نکلتا ہے جو میری بصارت کو روشن اور روح کو سیراب کردیتا ہے بھلا مجھ جیسی کم فہم نادان ماں پر کیا لکھے گی؟ اور اگر لکھے گی تو بہت کم محدود اور کمزور......

اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے ماں کی عظمت کا ایک واقعہ سناتی ہوں ایک دفعہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم' صحابہ کرامؓ کے درمیان براجمان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اگر میری ماں حیات ہوتیں اور وہ مجھے اپنے

حجرے سے آواز دیتیں (محمد......) اور میں نماز ادا کررہا ہوتا یہاں تک کہ میں الحمدللہ شریف بھی پڑھ چکا ہوتا تو میں اپنی نماز توڑ دیتا اور دوڑتے ہوئے جاتا اور کہتا ''جی اماں حضور......جی اماں حضور......'' سبحان اللہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کی عظمت کو اس طرح سے بیان کیا ہے کہ مزید کچھ کہنا عجیب لگے گا۔ ایسے میں حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود کو اس قابل نہیں پاتی ہوں کہ میں خاکسار اپنی ماں اپنی عظیم ماں کے بارے میں کچھ کہوں...... کہاں کہ ایک لفظ۔

اگر دنیا کے تمام فلاسفر میری ماں کی عظمت پر لکھیں تو بھی بہت کم ہوگا۔ میری ماں ایسی خاتون ہیں جن کے سینے پر کوئی حکومتی میڈل نہیں چسپاں' نہ ہی ان کے ہاتھ میں کسی مہنگی یونیورسٹی کی ڈگریاں ہیں۔ وہ نہایت ہی سادہ پُرخلوص اور معصوم ہیں اگر پھر بھی تعلیم کا سوال اٹھے تو میری ماں ان پڑھ ہیں' انہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا۔ وہ دنیا کی نظر میں اَن پڑھ خاتون ہیں مگر میں جانتی ہوں ان کا علم ان کا ہنر کیونکہ میں آج جس مقام پر ہوں اپنی ماں کی وجہ سے ہوں۔ اپنی ماں کی اس بہترین تربیت کی وجہ سے جو کسی ڈگری کی محتاج نہیں' اگر علم محض کتابوں اور ڈگریوں کے حصول سے ملتا تو آج میری ماں علم کی روشنی سے محروم نہ ہوتیں اور میں نگاہ رکھتے ہوئے بھی بصارت نہ رکھتی۔ آج میرے ہاتھ اس کی عظمت و سرفرازی نہ لکھ رہے ہوتے آج میں آنکھ رکھتے ہوئے بھی اپاہج و محتاج ہوتی مگر الحمدللہ میری ماں علم و شعور رکھتی ہے۔

مجھے فخر ہے اپنی ماں پر جس نے مجھے جنم دیا جس نے میری اتنی اچھی پرورش کی کہ میں آج قلم تھامے آپ کے جریدے میں لکھ رہی ہوں جو دنیا میں ادب کے حوالے سے ایک پہچان رکھتا ہے۔

ایک ذاتی شعر آپ کی نظر گراں گزرے تو معذرت

دل کا حال تو پڑھ لیتی ہے ہاں
لوگ کہتے ہیں وہ ان پڑھ ہے

میں الحمدللہ تھرڈ ائر کی اسٹوڈنٹ ہوں مگر جب چھوٹے ہوتے تھے مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں نے غصے میں آکر اپنا قلم توڑ دیا میری ماں جو کہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں فوراً اٹھ کر آئیں اور زمین سے قلم اٹھا لیا اور کہنے لگیں ''جو قلم کی طاقت کو نہیں پہچانتا وہ بہت بڑا بے وقوف ہے۔'' میں نہ سمجھی سے انہیں دیکھنے لگی۔ امو جان نے مسکرا کر قلم میرے ہاتھ میں دے دیا اور بولیں ''قلم اسی کو دیا جاتا ہے جو اس کی طاقت کو پہچانتا ہے'' (سب پنجابی زبان میں کہا) یہ بات میرے ذہن میں ایسی بیٹھی کہ آج تک میرا قلم سے رشتہ نہیں ٹوٹا اور وجہ ہے میری ماں۔

زندگی میں ایسے بہت سے مقام آئے کہ لگا Nothitng is More مگر میں نے قلم سے رشتہ نہیں توڑا۔ زندگی اب بھی نشیب و فراز کا شکار ہے لیکن قلم حسب روایت میرے ہاتھ میں ہے کبھی نہ گرنے کے لیے (ان شاء اللہ) کہ یہ نعمت میری ماں کی ہے اور ماں کا کہا میرے لیے حکم ہے اور حکم سے انحراف ممکن نہیں وہ بھی اس صورت میں جب آپ کو بدلے میں ثواب مل رہا ہو۔

میری زندگی میں کتابیں میرے والدین لے کر آئے مگر انہیں ہاتھوں میں پکڑ کر علم کی ڈگر پر چلتے رہنے کا سبق میری ماں نے دیا۔

میں پانچویں کلاس میں تھی جب میری ایک کتاب چولہے میں گرنے کی وجہ سے تھوڑی سی جل گئی میں نے اسے پھینک دیا کہ نئی لے لوں گی مگر میری ماں نے سنبھال کر اسے الماری میں رکھ دیا جب میں نے کہا ''امو جان! یہ میرے کسی کام کی نہیں رہی' ردی میں ڈال دو'' تو انہوں نے مجھے کہا ''نہیں بچے! کتابیں ردی میں نہیں ڈالتے گناہ ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام اور اچھی باتیں لکھی ہوتی ہیں۔'' میں ان کے بیان پر ہنس دی کیونکہ وہ سائنس کی کتاب تھی جس میں ایسا کوئی ورڈ نہیں لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے مگر میری ماں نے میری بات کو یہ کہہ کر رد کردیا کہ ''کتاب کتاب ہوتی ہے چاہے اردو کی ہو یا سائنس کی' علم کا سمندر تو بہرحال ہوتی ہے ناں بچے!'' ان کی اس بات نے مجھ پر گھڑوں پانی ڈال دیا اور میں نے یہ بات بھی اپنی گرہ سے باندھ لی اور آج میری چھوٹی سی لائبریری میں دنیا و جہاں کا ادب رکھا ہوا ہے جس میں ناولز' سفرنامہ' شاعری کی کتابیں' تقریری کتابیں' اسلامی کتب' اخبارات و کالم نگاروں کے کالم' ہر اچھا صاف ستھرا ڈائجسٹ موجود ہے جو تعلیمی سطح پر بھی مددگار ثابت ہوتا ہے اور سوسائٹی میں موو کرنے کے اصول بھی سکھاتا ہے اور یہ سب میری ماں کی مرہون منت ہے جس نے قلم کی تاثیر محسوس نہیں کی مگر ہم چاروں بہن بھائیوں کو محسوس کرنے کا موقع دیا۔ ماں کے بارے میں اور کیا لکھوں یقین مانیں

الفاظ ہی نہیں مل رہے اور اگر ایک آدھ ملتا بھی ہے تو قلم رکنے لگتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا قلم بھی لفظ ماں پر لکھتے وقت ہچکچا رہا ہے کہ میں خاکسار کیا لکھوں؟

ماں کے لیے یہی کہوں گی
تمہاری نرم بانہوں کا لمس
تمہاری محبت پاش نگاہوں کا سحر
تمہاری مہکتی سانسوں کی گرمی
ہمیشہ یاد آتی ہے مجھے
وہ تمہارا میری ذرا سی
تکلیف پر تڑپ اٹھنا
دعاؤں کے پنچھی آزاد کرنا
وہ اندھیری سرد راتوں میں
مجھے سینے میں بھینچ لینا
میرے سکھ پر ہنسنا
میرے دکھ پر رو دینا
میری بھلائی و بقاء کے لیے
آنچل پھیلا کے رب سے دعا مانگنا
ہمیشہ یاد آتی ہے مجھے
پلکوں پر سجا کے یادوں کے جگنو
تصور میں اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھنا
میری ماں خدا تجھے تاقیامت رکھے سلامت
ہے میری یہ دعا دنیا کی ساری مائیں
لمبی عمر پائیں، آمین

یہ نظم مسز نگہت غفار کی تخلیق کردہ ہے اور بلاشبہ ماں کی محبتوں سے مزید ایک دل پذیر احساس کی آخری سرحد پر بیٹھی اچھوتی نظم ہے۔

ماں محبت کا سمندر ہے جس میں اولاد کی نادانیاں گستاخیاں اور خامیاں ڈوب کر ختم ہو جاتی ہیں، ماں محبت کا استعارہ ہے۔ ماں شب ظلمت میں جلتا چراغ، ماں کٹھنائیوں میں سایہ عافیت، ماں تنہائیوں میں بہترین رفیق، ماں زندگی کی خوب صورتیوں میں موجود سب سے بڑی خوب صورتی ہے۔ ماں گوشۂ رحمت، گوشۂ عافیت ہے، ماں...... ماں اندھیروں میں ماہتاب کی مانند ہے جو سفر حیات تاریک نہیں ہونے دیتی۔ ماں کے بارے میں کیا کہوں کہ جو کچھ میرے اندر ہے میری ماں کی ودیعت ہے اور جو کچھ میرے باہر ہے میری ماں کی محبتوں محنتوں کا اعجاز ہے۔ بذات خود عزہ یونس کچھ بھی نہیں یہ سب ذات کریم کا صدقہ اور ماں کی دعاؤں کا اثر ہے ورنہ میں ایک بزدل، نادان لڑکی ہوں جس کو زمانے کا چلن سکھایا ماں نے۔ وہ علم کا چراغ جو میری ماں نے تھمایا ہے میرے ہاتھوں میں اور وہ جو ہنر دعاؤں کے زیر اثر میری ماں نے میرے ناتواں کندھوں پر ڈالا ہے وہ گام محو سفر ہے تو میری مور جان کے صدقے۔ میری مور جان کی بے پایاں قربانیوں کے صدقے آج مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ......

عزہ یونس کی پہچان اس کی ماں اور اس کی ماں کی بہترین پرورش ہے جس کی بنا پر وہ قلم تھامے کہہ رہی ہے کہ ماں کی عظمت کے آگے ساری کائنات ہیچ ہے۔

اگر اس کائنات سے وجود ماں نکال دیا جائے تو باقی کھنڈرات رہ جائیں گے اور بالآخر وہ بھی تنہائیوں خاموشیوں سے گھبرا کر ایک دن فنا ہو جائیں گے۔ اس دنیا کی رعنائیوں مسرتیں اور خوشیاں ماں کی وجہ سے ہیں۔ اللہ پاک میری ماں کو ہمیشہ سلامت رکھے انہیں کبھی معمولی سی چوٹ بھی نہ آئے کہ ان کے وجود سے میری ذات وابستہ ہے ان کے خمیر میں میرے جذبات پوشیدہ ہیں۔ ان کے نرم ہونٹوں پر میری مسکراہٹ ضوفشاں ہے، ان کی دراز پلکوں پر میری نیند ڈیرے ڈالے بیٹھی ہے۔ ان کے کانوں میں پنہاں میرے قہقہے ہیں میری خوشیوں کی ضامن میری ماں کی ذات ہے کیونکہ میں ہو بہو اپنی ماں جیسی ہوں میں اور میری ماں یک جاں ہیں۔

خدا کریم ایسے ہی رہیں کبھی خزاں کا دور ہمارے سروں سے نہ گزرے اور کبھی محسن چمن میں پھولوں (ماں کی محبت کی) کمی نہ آئے اور ہمیشہ میری ماں کا ہاتھ میرے ہاتھ میں رہے، آمین آخر میں جن لوگوں کی مائیں نہیں ہیں ان کے لیے خصوصی دعا اور وہ ایک بات کو یاد رکھیں جن کے سر پر ماں کا آنچل نہیں ان کے سروں پر اللہ کا دست رحمت ہوتا ہے جس کی ماں نہیں اس کا خدا ہوتا ہے، اللہ تمام ماؤں کو اپنے حفظ وامان میں رکھے والسلام۔

خوشبوؤں کی بہار

ادارہ

ساتھ شوخی کے کچھ حجاب بھی ہے
اس ادا کا کہیں جواب بھی ہے

ایک سال بارہ مہینے اور تین سو پینسٹھ ایام ابھی انگلیوں پر شمار کرلیں ایک مختصر دورانیہ ایک مختصر ساتھ ہماری اور آپ کی چھوٹی سی ملاقات۔ آج ماہنامہ حجاب نے اپنے اجراء کا ایک سال مکمل کرلیا اور ابھی آنکھیں بند کرو تو گویا کل کی سی بات لگتی ہے جب ہم اور آپ ماہنامہ حجاب کے لیے مشاورت کررہے تھے۔ اس مختصر سے عرصے میں پیارے حجاب نے بہت جلد شہرت و مقبولیت کی نہ صرف سند حاصل کی بلکہ ہماری قارئین کے دلوں میں بھی ایک خاص مقام بنانے میں کامیاب رہا۔ وہ چھوٹی سی کونپل جسے ہم نے اور آپ نے اپنی شب و روز کی محنت سے سینچا تھا آج ایک سایہ دار اور ثمر آور شجر میں ڈھل چکا ہے اور بے ساختہ یہ اقرار کرنا پڑتا ہے۔

بہار اب جو گلشن میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پودا انہی کی لگائی ہوئی ہے

آج ماہنامہ حجاب کے گلشن میں جو بہار ہے وہ مشتاق احمد قریشی، طاہر احمد قریشی اور پیاری مدیرہ قیصر آرا اور دیگر لوگوں کی چمن آرائی کی بدولت ہے کہ آج ہر سلسلہ اپنی ایک الگ انفرادیت رکھتا ہے اور ہماری رائٹرز نے بھی اس سلسلے میں ہمارا بھرپور ساتھ دیا۔ گلدستہ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھنے میں ان مصنفین کے کردار کو حجاب کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ادبی دنیا میں حجاب ابھی طفل مکتب ہے اسے ہم نے ہی انگلی پکڑ کر چلنا سکھانا ہے اور اس سلسلے میں قدم قدم آپ کی رہنمائی آپ کا ساتھ اور مفید مشوروں کی ضرورت ہے۔ امید ہے سال اول کی طرح آپ کا اور ہمارا یہ ساتھ ہمیشہ حجاب کے سنگ ہزار ہا برس تک قائم و دائم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اور آپ کے پیارے حجاب کو مثل شمس و قمر بلندی، رفعت اور شہرت عطا فرمائے اور یہ ہزاروں برس یونہی رہنمائی و تفریح کا ذریعہ بنا رہے آمین۔

سحرش فاطمہ

سب سے پہلے میں طاہر بھائی، قیصر آراء، سعیدہ آپی اور باقی سب کو حجاب کے ایک سال مکمل ہونے پر ڈھیر ساری مبارک باد دیتی ہوں، حجاب کا آغاز ہی ایسا شاندار ہوا تھا کہ ماشاء اللہ سال ہوگیا پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔

۱) میں نے حجاب کو بہت بہتر پایا۔ نئے رائٹرز کو لکھنے کا بہترین موقع ہمیشہ سے آنچل ادارے نے دیا اور یہی وجہ ہے کہ حجاب نے بھی مقبولیت کے جھنڈے گاڑھے اور اس میں نئی مصنفین کے ناول لگے، سلسلے وار ناول سامنے آئے۔ مجھے بھی کوئی اس میں کمی نہیں لگی۔ ہر لحاظ سے حجاب بہتر لگا ہے۔ تعریف تو میں ہمیشہ سے کرتی آئی ہو، تنقید کرنے کی میں اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتی۔ البتہ کچھ نئی لکھاریوں کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ اُن کی تحریر سلیکٹ ہوئے زمانہ گزر گیا لیکن لگ نہیں رہی، حالانکہ ان ہی چند نئے لکھاریوں نے کہا کہ ہماری جلدی لگی ہے۔ میں بس یہی کہوں گی کہ صبر کا دامن تھامے رہیں۔ اور ایک تحریر لکھ کر بس نہ کریں، آپ لکھتے رہیں آنچل و حجاب میں بھیجتے رہیں، جلد آپ کا افسانہ بھی لگے گا۔

۲) مجھے تو کچی نام یاد نہیں رہ پاتے۔ البتہ نادیہ احمد، ندا حسنین، صدف آصف، نزہت جبین ضیا نے جب جب لکھا بہترین لکھا، نگہت عبداللہ کا تو نام ہی کافی ہے ماشاء اللہ۔ پھر نئی لکھاریوں کے بھی افسانے آئے جیسے قراۃ العین سکندر، شبینہ گل، عائشہ پرویز، افشاں علی، صباء ایشل اور بھی کافی لوگ ہیں۔ سب نے ہی اپنی طرف سے بہترین کام کیا ہے۔

۳) جیسے آج ہر کسی کے زبان پہ آنچل کا نام ہے ویسے ہی حجاب کا نام زبان عام ہو۔

۴) کسی میں بھی ترمیم نہیں چاہوں گی اور مجھے سارے

ہی سلسلے پسند ہیں، آغوشِ مادر پہلے نمبر پہ ہے۔

۵) حجاب کے ٹائٹل کے لئے ہر دفعہ یہی بات نکلتی کہ جامنی رنگ کیوں ہوتا ہے؟ بس اِسے تھوڑا بدلیں۔ آزادی اسپیشل میں ہرے رنگ کے کپڑے زیب تن کئے ماڈل بھی وہ پسند آئی اور ابھی عیدالاضحیٰ کا ٹائٹل بھی اچھا تھا۔

۶) ہاہاہا بڑا مشکل سوال کر ڈالا یہ تو سب سے پہلے تو اپنا نام پھر باقی سب کا۔

۷) اب ڈائری کہاں ہوتی ہے؟ جو بھی پسند آتا ہے وہ کہیں ٹائپ کر کے سیو کر لیتی ہوں۔

ندا حسنین...... کراچی

ماہ نومبر یوں بھی میرا پسندیدہ مہینہ ہے جب شہر کراچی کو خنک ہوائیں اپنی لپیٹ میں لے کر سردیوں کی آمد کی نوید سناتی ہیں۔

اور پسند یونہی تو نہیں میری ماہ پیدائش بھی نومبر ہی تو ہے اور حجاب نے اپنے سفر کا آغاز بھی اسی ماہ سے کیا تو اس خوب صورت سفر کے ایک سال مکمل ہونے پر میری جانب سے حجاب کی پوری ٹیم کو بہت بہت مبارکباد ماشاء اللہ جس طرح حجاب نے اتنے کم عرصے میں ترقی کے منازل طے کیے وہ قابلِ ستائش ہیں بلاشبہ اس کا کریڈٹ قیصرہ آپی، طاہر بھائی، سعیدہ آپی تمام مصنفین اور ساتھ ہی ساتھ ہمارے باذوق قارئین کو جاتا ہے۔

۱) حجاب کو میں نے مختلف پایا کیوں کہ نئے لوگوں کو مواقع دیئے گئے۔ ان کی کاوشوں کو سراہنے کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا گیا اور اِس کام میں حجاب کافی حد تک کامیاب بھی رہا۔ اس کا ثبوت یہی ہے کہ نئے لکھنے والے بڑھ چڑھ کر لکھ رہے ہیں اور اُن کی تحریریں نا صرف سامنے آرہے ہیں بلکہ پسند بھی کی جاتی ہیں۔

۲) پرانے لکھنے والے ہوں یا نئے ماشاءاللہ سب ہی بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ حجاب کی نئی مصنفین میں قرۃ العین سکندر، حنا مہر، نرمین، کوثر ناز، صبا ایشل، عائشہ پرویز افشاں علی اور ریحانہ آفتاب جبکہ سحرش فاطمہ اور نادیہ احمد کا کام بھی ماشاءاللہ سے نکھر کر سامنے آرہا ہے۔ بلاشبہ ان مصنفین نے حجاب کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دیے ہیں۔

۳) حجاب سب کے لئے ہے۔ جیسے ایک سال میں حجاب کو پیار و مان ملا ہے ویسے ہی ہر سال ملے۔ آمین۔

۴) مجھے سب ہی سلسلے پسند ہیں۔ ایک تجویز دینا چاہوں گی۔ سفر نامے کے سلسلے کا بھی آغاز کیا جائے تو ایک منفرد سیگمنٹ ثابت ہوگا کیونکہ میرے خیال میں سفر نامے پڑھنے والوں کو نا صرف نئے جہانوں کی سیر کراتے ہیں بلکہ ذہنی طور پر تر و تازہ بھی کر دیتے۔

۵) حجاب کے ہر ٹائٹل میں جامنی رنگ کا استعمال بہت زیادہ ہوتا ہے وہ کم کر دیں۔

۶) میں تمام باصلاحیت مصنفین کے نام دیکھنا چاہتی ہوں، میرے لئے یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ حجاب کی فہرست میں میرا نام بھی جگمگاتا ہے۔

۷) جب موسم بہار کی وجہ سے پھولوں پر شبنم کے قطرے پڑتے تو دل کرتا ہے انہیں توڑ کر محفوظ کر لیا جائے لیکن ہائے یہ پھول بھی ناں جب تک اپنی ٹہنی سے جڑے ہوتے ہیں ان میں جان رہتی ہے جیسے ہی انہیں توڑ کر ان کی شاخ سے جدا کر لیا جائے یہ کچھ دن تو برداشت کر جاتے ہیں لیکن پھر مرجھا جاتے ہیں۔ ان کو جو پیار، محبت اپنی شاخ سے ملتا ہے وہ توڑ کر کسی کو دینے میں وہ خوشی نہیں ملتی ہوگی۔

یہ سحرش فاطمہ کے ناول "میری عید اب تم ہو" میں پڑھا اور بہت اچھا لگا اِس لئے یہاں بھی لکھ دیا۔

☆ ڈیئر ندا! پیشگی سالگرہ مبارک ہو۔

صبا ایشل...... کراچی

سب سے پہلے تو حجاب کی سالگرہ پر ڈھیروں مبارکباد پیش کرنا چاہوں گی۔ ایک سال کیسے پلک جھپکتے گزر گیا اس ایک سال میں حجاب اور میرا ساتھ ساتھ ساتھ رہا یہ میرے لئے اعزاز ہے۔

حجاب کی سالگرہ پر خوشی بھی ایسے ہی محسوس ہو رہی ہے جیسے میرے کسی بہت قریبی دوست کی سالگرہ ہو۔ میں اس

موقع پر حجاب کی پوری ٹیم کو داد و تحسین پیش کرنا چاہتی ہوں جن کی انتھک محنت نے صرف ایک سال میں حجاب کو بہتر سے بہترین بنادیا ہے۔اس کے بعد حجاب کی مصنفین اور قارئین کو ڈھیروں مبارک جن کے تعاون کے بغیر کامیابی ممکن ہی نا تھی۔ حجاب کی سوشل میڈیا ٹیم اسپیشلی راؤ رفاقت علی اور حنا آپ کو بہت مبارک ہو اور صباء عیشل آپ کو بھی بہت مبارک ہو۔ (آہم آہم) طاہر بھائی اور آپی آپ دونوں کو سب سے زیادہ مبارک باد کہ آپ کی شب و روز محنت کے تو ہم ازخود گواہ ہیں۔

اب آتی ہوں سروے کی طرف۔

۱) مجھے تو حجاب ہر لحاظ سے مکمل اور بہترین لگا۔ اور تجویز یہ دینا چاہتی ہوں کہ قارئین کو علم ہونا چاہیے کہ حجاب کے مارکیٹ میں آنے کے پیچھے کتنے لوگ کیا کیا اور کیسے کام کررہے ہیں۔اس کے لئے ہر ماہ حجاب کی ٹیم کے کسی ایک رکن کا انٹرویو پیش کیا جائے۔ انٹرویو سے دو ماہ پہلے حجاب میں متعلقہ رکن کا نام اور کام بتادیا جائے اور قارئین ان سے سوالات کریں جن کے جوابات اگلے شمارے میں دیئے جائیں۔

۲) سلمٰی فہیم گل کا تیرے لوٹ آنے تک بہت پسند آیا اور صدف آصف بھی "دل کے دریچے" کو بخوبی لے کر چل رہی ہیں۔امید ہے اختتام بھی بہت اچھا ہوگا۔

۳) ایک تبدیلی جو میں چاہوں گی وہ یہ کہ حجاب کی ہر ماڈل کا دوپٹہ سر پر ہوتا کہ نام کی طرح ٹائٹل بھی دل پر نقش ہوجائے۔

۴) مستقل سلسلے سب ہی اچھے ہیں لیکن کیا ہی اچھا ہو اگر حجاب میں نئے لکھنے والوں یا لکھنے کا شوق رکھنے والوں کو لکھنے کے متعلق آگاہی دی جائے۔ کہانی، افسانہ، واقعات میں فرق، مکالمات لکھنے بیانیہ کیا ہوتا ہے؟ آغاز، کرداروں کی تخلیق، کلائمکس، افسانہ لکھنے کے عوامل اور جزئیات وغیرہ کے متعلق سکھایا جائے۔اس کے لئے ہر ماہ مختلف سینئر رائٹرز کی مدد لی جاسکتی ہے۔

۵) مجھے حجاب کا عید نمبر اور اگست کا ٹائٹل بہت پسند آیا۔

۶) صباء عیشل کو۔ (آہم آہم) مذاق ایک طرف، بہت سوچنے کے باوجود بھی کوئی نام ذہن میں نہیں آرہا۔ایسی کوئی تحریر یاد نہیں آئی جو ذہن سے چپک کر رہ گئی ہو۔ ویسے صائمہ قریشی اور صدف آصف کی تمام ہی تحریریں مجھے اچھی لگتی ہیں۔

۷) مصروفیت اتنی ہوتی ہے کہ کوشش کے باوجود اچھی چیزیں ڈائری کا حصہ نہیں بنا پاتی ہوں۔ لیکن صدف آصف کے ناول کی دو سطریں جو مجھے اتنی اچھی لگی تھیں کہ ایک بار پڑھ کر میں نے دوبارہ سے اسے پڑھا۔

"محبت کتابی باتیں نہیں۔ حقیقت ہی تو ہے جب ہی تو لکھنے والوں نے اس پر کتابیں لکھ ڈالیں۔"

ثوبیہ شاہین...... ملتان

۱) بہت بہترین، سب سے اچھا اور نئے پرانے لکھاریوں کا مجموعہ، مگر کہانیوں کے معیار کو بڑھایا جانا چاہیے۔

۲) میرے حساب سے تو اس سال کی بیسٹ رائٹر، صدف آصف ہیں اور ان کی کاوش "دل کے دریچے" بہت ہی اعلیٰ سلسلہ وار ناول ہے۔

۳) میں اس میں کم از کم تین قسط وار طویل ناول دیکھنا چاہتی ہوں۔

۴) پچھلے چند ماہ سے ٹائٹل بہتر سے بہتر ہورہا ہے، خاص طور پر عید والے

۵) سارے ہی نو آموز رائٹر اچھا لکھ رہے ہیں، مگر کہانیوں کے موضوعات نئے ہونے چاہیے۔

۶) "کبھی کبھی منزل تک پہنچنے کے لیے، ان اجنبی راہوں پر چلنے کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے جن سے آپ کے قدم مانوس نہیں ہوتے" دل کے دریچے، از صدف آصف۔ان جملوں میں بہت گہرائی ہے۔

ہما خان...... لودھراں

مبارک تجھے تیری سالگرہ ہو
آنے والا ہر سال خوشیوں سے بھرا ہو

تیرے اردگرد بہاروں کا رقص ہو
آئینہ تیری خوبصورتی کا عکس ہو
منزلیں خود تیرے قدموں میں آئیں
حسین پریاں تیرے سپنوں میں آئیں
تجھے کبھی کوئی نہ مصیبت ملے
ملے تو ہر لمحہ اچھی قسمت ملے
سب لوگ تیرے گن گانے لگیں
تو گھر سب کے دلوں میں بنانے لگے
بلندیاں تیرے قدم چومیں
مسرتیں تیرے چار سو گھومیں

حجاب کو میری جانب سے پہلی سالگرہ مبارک ہو

۱) دن بہ دن حجاب کامیابیوں کی جانب بڑھ رہا ہے۔ مگر ابھی بھی افسانوں کا معیار بڑھانے کی ضرورت ہے۔ پرانی لکھاریوں کو مزید جگہ دی جائے، نئے لکھنے والوں کو مزید بہتر انداز میں لکھنے کی تاکید کی جائے۔

۲) اس سال کی بیسٹ رائٹر صدف آصف، اقبال بانو اور سباس گل ہیں، اس کی بہترین تحریر ایک ہی ہے۔ "دل کے دریچے"

۳) ذکر اس پری وش کا۔ بہترین سلسلہ ہے مگر کچھ پریاں یہاں بھی آنچل کے حوالے سے ہی بات کرتی ہیں انہیں چاہیے کہ حجاب کی لکھاریوں اور یہاں کے سلسلوں پر بات کریں۔

۴) نومبر، اکتوبر اور پچھلے کچھ ماہ کے سارے ہی ٹائٹل بہترین لگ رہے ہیں۔

۵) کوئی ایک نہیں بہت سارے ہیں خاص طور پر میں نے صدف آصف، سباس گل، رفاقت جاوید، نازیہ جمال کے کئی اقتباسات نوٹ کر رکھے ہیں۔

جیا چوہدری...... ملتان

سب سے پہلے حجاب کی پہلی سالگرہ پر دلی عید مبارک رب کائنات سے دعا ہے کہ حجاب ایسی ہزاروں سالگرہ مناتا رہے۔ اس کے بعد بڑی خوشی سے اس سروے کے جوابات دینا چاہوں گی۔

۱) مجموعی طور پر حجاب پہلے سے بہتر ہوا میرے خیال میں تو گزرتے وقت کے ساتھ اس کا نکھار بڑھ رہا ہے۔ ایک بات جو میں نے محسوس کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس میں کچھ نئے رائٹرز کے افسانے ایک جیسے موضوع پر لکھے ہوئے ہوتے ہیں تو اس بات کا خیال رکھا جائے۔

۲) اس سال کی بہترین تحریر قسط وار ناول "دل کے دریچے" ہے۔ جو صدف آصف آپی کے قلم سے لکھا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ اقبال آپا کی تمام تحاریر میرے لیے قابل تعریف ہیں۔

۳) حجاب کا معیار بہتر سے بہترین ہونا چاہیے۔

۴) سلسلے تو تمام ہی اچھے ہیں خاص طور پر امہات المومنین بہترین ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ حجاب میں ایک ایسا صفحہ بھی ہونا چاہیے، جہاں کہانی افسانے اور ناول لکھنے کے بارے میں کسی نہ کسی بڑی رائٹر کے تجربات کا نچوڑ پیش کیا جائے۔

۵) ایک دو مہینے کو چھوڑ کر پچھلے سال کے تمام ٹائٹل ہی پسند آئے۔

۶) میرے حساب سے تو تمام نو آموز لکھنے والی رائٹر اچھا لکھ رہی ہیں۔ بس یہ کہنا چاہوں گی کے کچھ لوگ محنت کرنے کی جگہ دوسروں کے مرکزی خیال پر افسانہ وغیرہ لکھ بیٹھتی ہیں۔ اس پر نگاہ رکھیں۔ یہاں سب کا ذکر نہیں ہے۔

۷) میں حجاب میں چھپنے والی تمام اچھی شاعری کو اپنی ڈائری کی زینت بناتی ہوں۔ اب اجازت دیں۔

☺

کبھی کبھی

ندا حسنین

کرولا کا جدید سیاہ ماڈل ایک جھٹکے سے وسیع اراضی پر پھیلے بوگن ویلیا کی بیلوں میں لپٹے جدید طرز کے تعمیر شدہ سرمئی بنگلے کے سامنے آرکا۔ فرنٹ ڈور وا ہوا اور سیاہ چمکتے جوتوں نے سرمئی تارکول سے بنی سڑک پر قدم رنجہ فرمایا۔ وہ جو بھی تھا خوبرو شاندار شخصیت کا مالک' اپنے مخصوص دلفریب انداز میں نفاست سے سجے سلکی ہیئر اسٹائل پر داہنا ہاتھ پھیرتا' لمبے لمبے ڈگ بھرتا بنگلے کے گیٹ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی کلائی میں بندھی گھڑی کے ڈائل سورج کی کرنوں سے نگاہیں چار کرتے ہیرے کی مانند دمک رہے تھے۔ اس کے تن پر سجا لباس اور دیگر لوازمات چیخ چیخ کر اپنی امارت کا اعلان کررہے تھے' گیٹ پر متعین چوکیدار نے اس کی آمد کی اطلاع مالکان تک پہنچائی اور اجازت ملتے ہی بنگلے کے دروازے اس کے لیے وا کردیے گئے۔ اس نے بنگلے کے اندر قدم رکھتے ہی ایک طائرانہ نگاہ اردگرد دوڑائی' وہ ایک خوب صورت پتھریلی روش پر کھڑا تھا جو بنگلے کے اندرونی دروازے تک جاتی تھی اس روش کے دونوں اطراف گرین گھاس اور پھول' پودوں سے آراستہ خوب صورت لان تھا' اس کے لبوں پر مخصوص طلسماتی مسکراہٹ سج گئی۔ ایسی مسکراہٹ جو مقابل کے دل کو زیر کردینے کی صلاحیت رکھتی ہو' یکا یک فضا ایک خوف ناک للکار سے گونج اٹھی۔ وہ خوف زدہ سا دو تین قدم پیچھے ہٹا' چمکتی گہری براؤن جلد اور بھاری بھرکم جسامت کے مالک بل ڈوگ نے چھلانگ لگاتے ہوئے اس پر حملہ کیا تھا' وہ گھبراتا ہوا زمین بوس ہوا۔ حملہ انتہائی اچانک ہوا تھا اور حملہ آور غضب ناک تیور لیے اپنی خونخوار نگاہوں سے اسے گھورتا ہوا' بنگلے میں بنا اس کی اجازت کے داخل ہونے پر اپنی مادری زبان میں دھمکیوں سے نواز رہا تھا۔

"اسٹاپ براوو......" ایک معصوم مگر تحکمانہ لہجے سے بھرپور آواز فضا میں ابھری اور براوو نے فوراً سے بیشتر عارب کو اپنی تحویل سے آزاد کرتے ہوئے اس آواز کی سمت دیکھا وہ لگ بھگ چھ سال کی انتہائی پیاری اور معصوم بچی تھی جو غصے سے کمر پر ہاتھ ٹکائے کھڑی براوو کو گھور رہی تھی۔

"اپنے گھر میں واپس جاؤ براوو۔" اگلا حکم جاری ہوا اور براوو اس کے حکم کی تعمیل کرتا دم ہلاتے ہوئے اگلے ہی لمحے قلانچیں بھرتا منظر سے غائب ہوگیا۔ وہ اپنی پینٹ جھاڑتا ہوا براوو کو نظروں سے گم ہوتا دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آئی ایم سوری عارب انکل۔" وہ شرمندہ سی سر جھکائے اس سے مخاطب ہوئی' اس نے چونک کر اس ننھی پری کو دیکھا۔

"آپ مجھے جانتی ہیں لٹل پرنس......!" اس کے لہجے میں خوش گوار حیرت جھلک رہی تھی۔

"ایک دفعہ آپ کی تصویر پاپا کے ساتھ دیکھی تھی' پاپا نے بتایا تھا آپ ان کے بہترین دوست ہیں بس مجھے آپ کی تصویر اور نام یاد رہ گیا۔" وہ مزے سے بتا رہی تھی۔

"آہاں...... گڈ میموری' ویسے اس شہزادی کا نام کیا ہے؟" اس نے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پری......!" وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی اور مزید کہانیاں سنانا شروع ہوگئی۔ وہ اس کی باتیں سنتا مسکراتا ہوا اس کی ہمراہی میں بنگلے کے اندر داخل ہوا اس سے قبل کہ وہ مزید اس سے کچھ پوچھتا ایک کھنکتی ہوئی آواز نے ان دونوں کو اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ آواز ٹیرس کی جانب سے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

آ ئی تھی جسے سنتے ہی پری اسے الوداع کہتی ٹیرس کی جانب بھاگ گئی۔ وہ کچھ دیر تک شش و پنج میں مبتلا یونہی کھڑا ٹیرس کی جانب دیکھتا رہا۔

"ارے عارب......! میرے دوست۔" وہ چونک کر پیچھے پلٹا' اس کے بچپن کا دوست احمر اپنی بانہیں وا کیے اس کی جانب مسکراتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ وہ بھی پُرجوش سا احمر کے گلے جا لگا' ابتدائی کلمات کے بعد احمر اسے اپنے ہمراہ ہی لیے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ وہ دونوں بچپن کے زمانے کے دوست تھے جو کالج تک ساتھ رہے۔ اس کے بعد عارب کامیاب و روشن مستقبل کے لیے دبئی منتقل ہو گیا اور آج کوئی سات سال بعد پاکستان آنے پر احمر سے ملاقات کرنے آیا تھا یوں تو وہ پہلے بھی پاکستان چند ایک بار آ چکا تھا مگر احمر سے ملاقات ایک طویل عرصے بعد ہو رہی تھی بلکہ یوں کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ ان کا رابطہ ہی کالج کے بعد اب ہوا تھا۔ بہت دیر تک گپیں لگانے کے بعد احمر نے مسکراتے ہوئے عارب سے پوچھا۔

"اور یار شادی کب کر رہے ہو تقریباً تمام دوستوں نے کرلی' بس تم ہی ایک اکیلے رہ گئے ہو۔" جواب میں وہ دلفریب انداز میں مسکرایا۔

"بس یار اس لڑکی کے انتظار میں ہوں جسے دیکھتے ہی دل اسے اپنا مکین بنانے کی اجازت دے دے۔"

"تو ملی نہیں کوئی ایسی ابھی تک؟" احمر نے اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ابھی تک تو نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بتایا پھر کچھ خیال آنے پر اس سے پوچھنے لگا۔

"تم بتاؤ ناں' کیسی جا رہی ہے ازدواجی زندگی۔ پری تو بہت پیاری بچی ہے' بھابی کیسی ہیں۔ اب تک ملوایا بھی نہیں تم نے۔" اس کا سوال مکمل ہوتے ہی کمرے میں مایوسی پھیل گئی' احمر کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا تھا۔

پورا دن ایک دوسرے کے نام کرنے کے بعد عارب واپسی کے لیے ڈرائنگ روم سے نکلا تو ملاقات مسز علوی سے ہوئی۔

"ارے تم عارب ہو ناں۔" نفیس شخصیت کی مالک مسز علوی نے نظر کا چشمہ اپنی ستواں ناک پر سجاتے ہوئے پوچھا۔

"جی آنٹی عارب ہوں' آپ نے تو فوراً پہچان لیا مجھے۔" وہ ان کے برابر میں بیٹھتا ہوا بولا۔

"ارے بچپن سے تم دونوں دوستوں کو ساتھ دیکھ رہی ہوں' یہ کیسے ممکن ہے کہ پہچانوں گی نہیں۔" ان کی بات پر دونوں دوست مسکرا اٹھے' کچھ دیر تک گفتگو جاری رہی اور پھر عارب ان سب سے اجازت لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ جاتے ہوئے مسز علوی نے اس سے پھر آنے کا وعدہ لیا تھا۔

❀ ❀ ❀

بارش...... وہ بارش کی دیوانی تھی' ان شفاف و پاکیزہ بوندوں کی دیوانی جو کائنات کے جس ذرے پر بھی پڑتیں رنگ بھر دیتیں۔ مٹی سے ملتی تو سوندھی خوشبوؤں کی صورت فضا میں بکھر جاتیں۔ پھولوں پر قیام کرتیں تو شبنم کہلاتیں پودوں سے ملن پر انہیں نکھار ڈالتیں' وہ بھی انہیں اپنے وجود میں اتار کر معطر ہونا چاہتی تھی' ان کے سارے رنگ اپنے اندر سمو لینا چاہتی تھی۔

آج شہر سمندر پر گھنگھور گھٹاؤں کی حکمرانی تھی' آج صبح سے برستی بارش اب ہلکی ہلکی کن من بوندوں کا روپ دھارے زمین والوں سے ملاقات کر رہی تھی اور وہ بارش کی دیوانی کب سے بھیگتی رہی تھی۔ کبھی ننھے قطروں کو اپنی ہتھیلیوں پر سجائے بارش کے مدھم سروں کے سنگ گنگناتی گول گول گھومتی' اس کے یوں گول گول گھومنے سے بارش کی بوندیں بھی ہنستی ہوئیں جھوم اٹھیں۔ اس کی فالسی رنگ کی گھیردار فراک بھی اٹھلاتی ہوئی محو رقص تھی۔ پری اسے پُرشوق نگاہوں سے یوں چہکتا دیکھ کر اسی کے انداز میں گول گول گھومنے لگی۔

"مما...... میری فراک گول گھومنے پر زیادہ پیاری لگ رہی یا آپ کی؟" اس کا سوال سن کر اسے ہنسی آ گئی' پری اس کا مقابلہ کر رہی تھی۔

"میری پری کی۔" وہ گھٹنوں کے بل جھکتی پری کے گیلے بالوں کی لٹوں کو کھینچتی ہوئی مسکراتے ہوئے بولی۔
"یعنی پری کی تو بات ہی نرالی ہے۔" پری ایک ادا سے گردن اکڑاتے ہوئے بولی تو اس نے نقرئی ہنسی ہنستے ہوئے اس کے ماتھے کو چوما پھر اسے گود میں اٹھالیا۔
"اس میں بھی بھلا کوئی شک کی بات ہے۔" وہ لان کے داہنے جانب ایستادہ لکڑی کے بڑے اور خوب صورت سے جھولے پر بیٹھتے ہوئے بولی تو پری نے بھی محبت سے اس کے گالوں پر بوسہ دیا۔
"پر میری مما کا بھی تو کوئی مقابلہ نہیں ناں۔" وہ دونوں یونہی ایک دوسرے سے لاڈ پیار دکھاتی تھیں۔ ٹیرس میں کھڑی مسز علوی نے بڑی محبت سے اس منظر کو دیکھا اور اپنے کمرے کی جانب چل پڑیں۔ ٹھیک اسی پل نچلی منزل کے کمرے کی کھڑکی پر کھڑے سائے نے کھڑکی کے پردے برابر کیے اور اگلے ہی پل اس کمرے سے جھلملاتی روشنی بجھ گئی اور ان تمام باتوں سے بے خبر وہ دونوں مدھم پڑتی بارش میں بھیگتیں اردگرد سے بے نیاز ایک دوسرے میں مگن تھیں۔ پری اب اس کی آغوش میں ہی نیند کے زیر اثر چلی گئی تھی اور وہ برستی ہوئی بوندوں کو اپنی ہتھیلیوں پر جمع کرتی گہری سوچوں میں غرق تھی۔ اس کی آنکھوں سے اشک چھلک کر پری کے چہرے پر جذب ہو گئے تھے‘ کن من ہوتی بارش کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا۔

❀......❀......❀

گہرا نیلا بادلوں سے صاف آسمان ستاروں کی چادر اوڑھے لحہ بہ لحہ تاریکی کی بغل مارے چپکے چپکے گزرتی رات کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ دن بھر برستی بارش سے اٹھتی مٹی کی سوندھی مہک فضاء کو معطر کررہی تھی۔ دور کہیں سے آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آواز خاموشی کو چیرتی ہوئی ماحول کو مزید پُراسرار بنا رہی تھی۔ ہر سو ہو کا عالم تھا‘ ایسے میں دھیمے رفتار سے اٹھتی قدموں کی چاپ نے مسلسل بولتے جھینگروں کو بھی خاموش کرڈالا تھا۔ چاند کی روشنی پیڑوں سے چھن کر ان دونوں سایوں پر پڑ رہی تھی جو دو مخالف سمتوں سے آ کر اب ایک دوسرے کے روبرو آ کھڑے ہوئے تھے۔
"تجھے کوئی فکر نہیں ناں میری‘ تو بیٹھا آرام سے اپنے گھر‘ کل بیاہ رہا ہے میرا چاچا مجھے۔" زنانہ سرگوشی فضاء میں ابھری‘ اضطراب سے بھرپور کپکپاتی ہوئی۔
"ایسا کیوں کہہ رہی ہے عذرا...... تیرا چاچا ایسا نہیں کرسکتا میں نے خود فضل چاچا سے بات کی ہے‘ انہوں نے تیرے چاچا کو خود ہماری شادی کا کہا ہے۔" مردانہ سایہ فکر مندی سے دو قدم آگے بڑھ کر بولا۔
"تُو کیا جانتا نہیں میرے چاچا کو‘ چھپ کر میری شادی کرادے گا تُو کیا کرے گا پھر تُو اور فضل چاچا......" زنانہ سائے کے لہجے میں پریشانی کے ساتھ ساتھ غصہ بھی جھلک رہا تھا۔ وہ سایہ مزید کچھ کہہ کر واپسی کے لیے مڑا تھا کہ پھر یک دم ٹھٹک کر رکا۔ ذرا فاصلے پر ایک سایہ ابھرا تھا‘ وہ دونوں دھڑکتے دل کے ساتھ سانس روکے پیڑ کے پیچھے دبک کر بیٹھ گئے سایہ رفتہ رفتہ ان کے قریب آرہا تھا۔

❀......❀......❀

"تین دن ہوگئے احمر...... عارب پھر ملنے نہیں آیا جبکہ وہ وعدہ کرکے گیا تھا کہ روز آیا کرے گا۔" صبح ناشتے پر مسز علوی نے سلائس پر جام لگاتے ہوئے بائیں جانب بیٹھے جوس کا گلاس حلق سے اتارتے احمر سے پوچھا۔
"وہ حیدرآباد میں تھا دو دن سے‘ آج کراچی واپس آئے گا۔ کہہ رہا تھا کہ شام میں چکر لگائے گا۔" احمر نے جوس کا گلاس ختم کرتے ہوئے جواب دیا اور نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے اپنے برابر بیٹھی پری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
"چلو پری...... ناشتا کرلیا تم نے۔" بے دلی سے دودھ پیتی پری گلاس چھوڑ کر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔
"پری...... دودھ کا گلاس پورا ختم کرو۔" عروبہ نے اسے گھورتے ہوئے سرزنش کی‘ اس سے قبل منہ بناتی پری زبردستی پھر سے دودھ پیتی احمر نے ناگواری سے ٹوکا۔
"پری...... نہیں پینا تو چھوڑ دو۔ زبردستی پینے سے

تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ طبیعت ہی خراب ہوگی۔“
احمر کی بات پر عروبہ نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا‘ وہ بے زار سا کھڑا پری کی جانب متوجہ تھا۔ پری دودھ سے جان چھوٹنے پر خوش تھی اور اس کے پاس آ کر گلے میں باہیں ڈال کر رخسار چومتے ہوئے بولی۔

”اللہ حافظ ماما......“ عروبہ نے احمر کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پری کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

”اپنا خیال رکھنا پری اور لنچ ضرور کرلینا۔“ مسز علوی ان دونوں کو دیکھ کر مسکرائیں تھیں۔ پری احمر کے ساتھ اسکول کے لیے روانہ ہوگئی تھی۔

”ماما آپ کسی عارب کا ذکر کررہی تھیں‘ کون ہے یہ عارب؟“ عروبہ یاد آنے پر مسز علوی سے پوچھنے لگی۔

”ارے یہ احمر کا بچپن کا دوست ہے‘ تمہیں یاد ہوگا کہ اسکول کے زمانے میں آتا تھا گھر پر دونوں سارا دن کرکٹ‘ بیڈمنٹن کھیلتے رہتے تھے۔ کالج کے دنوں میں آنا جانا کچھ کم ہوگیا تھا‘ پھر یہ کوئی سات سال قبل دبئی چلا گیا تھا۔ ایک زمانے کے بعد دونوں ملے ہیں‘ بہت ہی پیارا بچہ ہے۔“ مسز علوی نے ایک ہی سانس میں ساری داستان کہہ سنائی۔ وہ مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلاگئی‘ ایک ادھوری یاد کا سایہ تو اس کے ذہن میں لہرایا تھا مگر وہ یاد ادھوری ہی رہی۔ وہ سر جھٹک کر میز سے اٹھنے لگی پھر کچھ یاد آنے پر رک کر مسز علوی سے مخاطب ہوئی۔

”ارے ماما...... آپ کو یاد ہے پرسوں پری کی سالگرہ ہے اس سلسلے میں آپ نے احمر سے کوئی بات کی؟“

”نہیں مجھے تو ابھی یاد دلایا تم نے‘ تمہیں یاد تھا تو تم پوچھ لیتیں ناں احمر سے۔“

”مجھے تو رہنے دیں ماما...... آپ کے بیٹے کو میں نہیں اچھی لگتی تو میری بات کہاں سے اچھی لگے گی‘ آپ خود بات کرلیجیے گا۔“ وہ اداسی سے مسکراتے ہوئے آزردگی سے بولی۔

”عروبہ وہ پہلے تو ایسا نہ تھا۔“ وہ بے چارگی سے اتنا ہی کہہ پائیں۔

”پہلے کی بات بھول جائیں‘ اب جو روپ اس کا ہمارے سامنے ہے وہی حقیقت ہے۔“ اس کی آنکھوں کے کناروں میں نمی تیر رہی تھی جسے وہ انگلی سے صاف کرتی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ مسز علوی خاموشی سے اس کی پشت گھورتی رہ گئیں۔

عارب حسب وعدہ شام میں ان سب کے ساتھ محفل میں شامل تھا۔ عروبہ نے پہلی بار اسے دیکھا تھا‘ بچپن کی یاد پر جمی دھول کچھ کچھ ہٹنے لگی اور ایک مسکراتی ہوئی شبیہہ ذہن کے پردے پر ابھری‘ وہ جو بھی تھا مقابل کے دل میں اتر جانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ عروبہ ایک نظر اس پر ڈال کر دل ہی دل میں اس کی شاندار وجاہت کا اعتراف کرتی نظریں چرا گئی۔

”آنٹی آپ ہی سمجھائیں اسے اتنا زبردست میوزیکل کانسرٹ ہے اس کی ٹکٹس لے کر آیا ہوں اور یہ جانا نہیں چاہ رہا۔“ عارب نے خفگی جتاتے ہوئے مقدمہ مسز علوی کے سامنے رکھ دیا۔

”بیٹا میری طرف سے پوری اجازت ہے تم اسے ڈنڈا ڈولی کرتے ہوئے بھی لے جاؤ تو مجھے خوشی ہوگی۔“ مسز علوی کی بات پر وہ سب بے ساختہ ہنس پڑے سوائے احمر کے وہ نروٹھے پن سے سب کو خفگی سے دیکھتا رہا۔

”رہنے دیں عارب آپ‘ کچھ لوگوں کو اتنے پُرخلوص رشتے راس نہیں آتے۔ قدر تب ہوتی ہے جب یہ بھی ان سے چھن جائیں۔“ ان سب کی ہزار کوششوں کے باوجود وہ جب ٹس سے مس نہ ہوا تو عروبہ نے بڑی تلخی سے یہ جملہ احمر کی جانب اچھالا‘ نہ جانے کب کا حساب تھا جو آج برابر کیا گیا تھا۔ احمر اسے لب بھینچے گھورتا رہا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ عارب یک دم شرمندہ سا ہوگیا اسے لگا یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا ہے۔

”آپ کو پتا ہے اب کیا ہوگا‘ اب پاپا تیار ہوکر نیچے آئیں گے اور ماما کو غصہ دکھاتے ہوئے آپ کے ساتھ کنسرٹ پر چلے جائیں گے۔“ پری نے شرارت سے اس کے کان میں کھسر پھسر کی‘ وہ بے یقینی سے پری کو دیکھنے لگا۔

"ہاں ناں...... ابھی خود دیکھ لیجیے گا آپ۔ ماما کی ایسی باتوں پر وہ ہمیشہ الٹا کام کرتے ہیں۔" وہ اسے مزید سمجھاتے ہوئے بولی۔ وہ حیرانگی سے اپنے سامنے بیٹھیں دونوں خواتین کو دیکھنے لگا جو زیر لب مسکراتیں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں' ایک بے ساختہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بھی پھیل گئی۔

سامنے بیٹھی لڑکی دلفریب بھی تھی' منفرد بھی۔ احمر کچھ دیر بعد تیار ہو کر اس کے سامنے موجود تھا۔ عروبہ نے ایک بے زار نظر اس پر ڈالی اور نگاہیں پھیر لیں۔ احمر کے تیور مزید غضب ناک ہوئے اور ان غضب ناک تیوروں کو چہرے پر سجائے عارب کے ہمراہ وہ کنسرٹ کے لیے تن فن کرتا نکل گیا۔ ہال موسیقی کے شائقین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا' وہ اپنے دوست کے ہمراہ ہاتھ میں کین سنبھالے تیزی سے مطلوبہ ہال کی جانب بڑھ رہا تھا تبھی اسے اپنے ہاتھ سے کوئی شے کھینچتی ہوئی محسوس ہوئی وہ چونک کر پلٹا اور دم بخود رہ گیا۔ وہ مغرور حسینہ انتہائی غصے کے عالم میں اسے شعلہ برساتی نگاہوں سے بھسم کرنے کا ارادہ لیے کھڑی تھی۔

"محترمہ...... مانا میں ہالی ووڈ کے ہیرو سے مشابہت رکھتا ہوں مگر یوں سر راہ ٹکٹکی باندھے گھورنا یقین مانیں بڑی ہی بدتہذیبی کی بات محسوس ہو رہی ہے۔" وہ اپنے ہی دھن میں مسکراتا ہوا اس کے یوں گھورنے پر چوٹ کر گیا تھا۔

وہ دائیں ابرو چڑھائے خشمگیں نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ اس کے ساتھ کھڑی لڑکی نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا تو نا سمجھی کے عالم میں اس نے اپنے ہاتھ کی جانب دیکھا اس کی گھڑی کی چین محترمہ کے بریسلیٹ کی چین میں اٹکی ہوئی تھی۔ وہ اٹکی ہوئی چین کو نکالنے لگا' چین نکلی تو وہ لڑکی اپنی سہیلی کے ہمراہ واپس چلی گی اور اب وہ کھسیانی مسکراہٹ سجائے اپنے دوست کی طرف مڑا۔

"شکر کر میں ساتھ تھا' ورنہ تمہاری خوش فہمی تو آج سر محفل تمہاری درگت بنوا رہی ہوتی اور کل ملک بھر میں خبر نشر ہوتی مشہور انڈسٹریلسٹ محمد نذیر کا اکلوتا بیٹا کانسرٹ شو میں لڑکیوں سے چھیڑ خانی پر پٹتا ہوا پایا گیا۔" دوست نے ادھار نہیں رکھا بلکہ سود سمیت لوٹا دیا' وہ دونوں اب ہنستے ہوئے ہال کی جانب بڑھ رہے تھے۔

❀......❀......❀
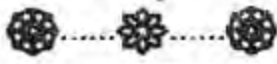
وہ سایہ چاچا کرم دین کا تھا اور اس رات وہ دونوں چاچا کی نظر سے بمشکل بچ پائے تھے پر اس کی اگلی ہی صبح وہ دونوں پھر ایک دوسرے سے ملے تھے۔ جہانگیر کچھ دیر تک عذرا کو بے خود سا دیکھتا رہا۔ وہ حسین تھی' بے انتہا حسین' پر اس کی بے پناہ محبت کی وجہ اس کا حسن ہی تو نہ تھا۔ وہ بچپن سے منسوب تھی اس سے اور اب جب ان کی شادی کا وقت قریب تھا کرم دین نے ایک بار پھر فساد برپا کر دیا تھا۔ بات کچھ یوں تھی کہ کچھ عرصہ پہلے کرم دین کی منجھلی بیٹی بینا گھر سے بھاگ گئی تھی۔ بیٹی کیا بھاگی زمانے بھر کی رسوائی نے کرم دین کے گھر کا منہ دیکھ لیا۔ ساری برادری نے خوب تھو تھو کیا' کرم دین کا بس نہیں چلتا تھا کہ کسی طرح بینا تک رسائی ہو اور وہ اسے کوڑے مار مار کر ادھ موا کر دے وہ رسوائی کی اس گٹھری کو اتارنا چاہتا تھا مگر کیسے؟ یہی سوچ سوچ کر وہ پاگل ہو رہا تھا اور پھر اچانک ہی اس کے شیطانی دماغ نے ایک گھٹیا ترین ترکیب اختراع کر ہی لی۔

جہانگیر کی چھوٹی بہن ثمینہ' بینا کی سب سے بہترین سہیلی تھی' بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھ تھیں' ایک دوسرے کی باتوں سے بھی واقف تھیں۔ کرم دین نے بڑی مکاری سے چال بنتے ہوئے برادری میں یہ خبر گرم کر دی کہ ثمینہ نے بینا کو بھگانے میں اس کا ساتھ دیا ہے۔ وہ ہی اسے اس ذلت آمیز فعل کے لیے اکساتی رہی' یوں وہ بھی اس جرم میں برابر کی شریک ہے لہٰذا اسے بھی سزا دی جائے۔ برادری والے کون سے انصاف و حق پر جان لٹانے والے تھے انہیں بھی بس گھسی پٹی غیرت کو اچھالنے کا موقع ملنا چاہیے تھا سو جہانگیر کے در پر لعنت و ملامت برسانے آ پہنچے۔ جہانگیر اس اچانک پڑنے والی افتاد پر پہلے تو بوکھلایا اور اس بوکھلاہٹ میں معصوم بہن کو بھی زدو کوب کر ڈالا۔ وہ معصوم منتیں کرتی رہ گئی مگر کسی کو اس پر رحم نہ

آیا۔ کرم دین دولت کا تاج جہانگیر کے سر پر سجا کر بے حد مطمئن تھا۔ برادری والے جہانگیر پر زور ڈال رہے تھے کہ وہ اب کرم دین کے ساتھ انصاف کرے اس کی بہن اس کریہہ سازش میں ملوث پائی گئی ہے سو اب وہ اپنی بہن کرم دین کے حوالے کرے۔ کرم دین اس کے ساتھ جیسا بھی سلوک روا رکھے وہ اس کا حق ہوگا۔ جہانگیر اس سے لاتعلق رہے برادری کا فیصلہ سن کر جہانگیر سناٹے میں آ گیا اس دن وہ پہلی بار اپنی غیرت کو ایک طرف رکھ کر ہوش مندی سے سوچ رہا تھا۔ پنچائیت کے سامنے مظلوم بنا بیٹھا کرم دین اس کی نظروں کے سامنے تھا اس کی مظلومیت کی آڑ میں چھپی خباثت اور سسکتا ہوا چہرہ اس کے سامنے تھا۔ چند دنوں میں ہی وہ لاغر اور برسوں کی بیمار معلوم ہو رہی تھی اور اسے اس حال تک پہنچانے میں کا اس کا اپنا کتنا ہاتھ تھا' کتنی بے دردی سے مارا تھا اس نے اپنی پھول جیسی بہن کو وہ نظریں نہ ملا سکا۔

"بھائی میں سچ کہتی ہوں' میں مظلوم ہوں' مجھے اس گناہ کی سزا نہ دو جو میں نے نہیں کیا۔" وہ گڑگڑاتی ہوئی اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ دور بیٹھی نصیبوں کا ماتم کرتی ثریا بی بی بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر نم ہوتی آنکھیں رگڑنے لگیں۔ مردوں کا معاشرہ تھا' شوہر قبر میں جا سویا تھا' اب بیٹا ہی وارث تھا جو فیصلہ کرتا ماننا تھا اور ویسے بھی کیا ضمانت تھی کہ شوہر زندہ ہوتا تو بیٹی کے حق کے لیے کھڑا ہوتا۔ جہانگیر نے اپنی بوڑھی ناتواں ماں کو آنسو پونچھتے ہوئے دیکھا تو اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا' جھک کر دونوں ہاتھ سے بہن کو تھام کر اٹھایا۔

"مجھے معاف کردو ثمینہ...... میں بھول گیا تھا کہ بھائی صرف غیرت مند ہی نہیں، بہنوں کا ہمدرد بھی ہوتا ہے۔ اپنی مردانگی کے زعم میں ہاتھ اٹھانا شان نہیں بلکہ بزدلی کا آخری درجہ ہے۔ تم میری ماجائی میری بہن جو خون تمہاری رگوں میں بہہ رہا ہے وہی میری رگوں میں بھی گردش کرتا ہے پھر کس طرح میں خود کو اعلیٰ اور تمہیں ذلیل سمجھ سکتا ہوں۔ بنا سچ جانے میں نے اپنی بہن پر اتنا ظلم کیا' مجھے معاف کردے ثمینہ۔" وہ روتے ہوئے اپنی بہن کو سینے سے لگائے اعتراف کررہا تھا۔ اسی اثناء گھر کا دروازہ زوردار انداز میں بجا' وہ تینوں چونک کر دروازے کی سمت دیکھنے لگے انجانے خدشات ان کے دلوں میں سر اٹھانے لگے۔

❁......❁......❁

کنسرٹ بے حد شاندار گیا تھا' وہ دونوں ہال سے نکل کر باتیں کرتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"اوئے......تم ادھر بیٹھو گاڑی میرے حوالے کرو۔" وہ دھونس جماتا ہوا بولا۔

"نہ کر یار...... لاسٹ ٹائم بھی تُو نے میری ہی گاڑی ٹھوکی تھی۔" اس کا دوست بے چارگی سے بولا۔

"وہ مہینے پہلے کی بات ہے اب بھول بھی جا یار۔" وہ اسے چڑاتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چابی جھپٹتے ہوئے بولا تو مجبوراً اس کے دوست کو برابر والی نشست پر بیٹھنا پڑا۔ وہ ابھی پارکنگ ایریا سے گاڑی نکال ہی رہا تھا کہ پیچھے سے آتی گاڑی نے دھڑام سے ٹکر ماری' وہ دونوں ہی شدید جھٹکے کھا کر آگے پیچھے ہوئے۔

"کہا تھا ناں' تو نہ چلا' بیٹا تو ہے ہی منحوس میری گاڑی کے لیے۔" اس کا دوست جھنجلاتا ہوا بولا۔

"ابے یار میرا کیا قصور...... چل دیکھتے ہیں کس آنکھ کے اندھے نے تیری شہزادی کو ٹھوکا ہے۔" وہ ہنسی دباتے ہوئے اسے تسلی دیتا گاڑی سے باہر نکل آیا' سامنے ڈرائیونگ سیٹ پر ایستادہ جو مجسمہ حسن بیٹھا تھا وہ وہی تھا جو شام میں اس پر اپنی ظالم نگاہوں سے قاتلانہ حملے کررہا تھا۔

"مر گئے......" اس کے لب دھیرے سے بڑبڑائے۔

وہ لڑکی بھی اپنی فیملی کے ساتھ بیٹھی تھی غالباً نوآموز ڈرائیور تھی اور آج اپنا شوق آزما کر کسی نہ کسی کا تو نقصان کرنے کا ارادہ رکھتی تھی اب یہ جانے بدنصیبی تھی یا خوش نصیبی کہ ٹکر مارنے کے لیے انتخاب اس نے ان کی گاڑی کا کیا تھا اور اب پریشانی سے ناخن چباتی گاڑی کے اندر بیٹھی اپنے بھائی کو ان دونوں سے معاملات طے کرتا دیکھ

رہی تھی اس کا بھائی سلجھے مزاج کا تھا فوراً معذرت کے ساتھ ساتھ نقصان کی ادائیگی کی آفر بھی کر ڈالی تھی۔ ساتھ ہی اپنے رابطے کا کارڈ بھی ان کو ماننے ہی بنی۔

جاتے جاتے اس نے گہری نظروں سے ڈرائیونگ سیٹ پر شرمندہ سی بیٹھی اس لڑکی کو ضرور دیکھا تھا اور کیا ہی خوب صورت پل تھا کہ اس پل دونوں نے ہی ایک دوسرے کو بغور دیکھا تھا۔ گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور ایک شدید جھٹکے کو ماضی سے نکال کر حال میں لا پٹخا' آج کے کنسرٹ نے پرانی یادیں تازہ کردی تھیں۔ وہ یادیں جو زخم بن کر اس کے اندر کہیں رستی تھیں' تکلیف پہنچاتی تھیں۔

وہ گھر لوٹا تو مزاج بے حد بگڑا ہوا تھا' مسز علوی' عروبہ یہاں تک کہ پری بھی اسے بس دیکھتی رہ گئیں اور وہ ایک نگاہ غلط ڈالے بغیر ان سب کو نظر انداز کرتا تیزی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''پتا نہیں کب بدلے گا یہ آخر وہ کون سا طریقہ ہوگا جو اسے ماضی سے واپس حال میں کھینچ لائے گا۔'' مسز علوی آزردگی سے بولیں۔ کچھ دیر قبل پری ان کی گود میں لیٹی کہانیاں سن رہی تھی' اب افسردگی سے سر جھکائے اپنی ہتھیلیوں کو گھور رہی تھی۔

''بدل تو چکا ہے مما...... اب کوئی حد باقی نہ بچی اس کے بدلنے کی۔'' وہ زیرلب بڑبڑاتے پری کی جانب متوجہ ہوئی اور پھر چونکی۔ پری کے چہرے پر چھائے تاثرات نے اسے ٹھٹکنے پر مجبور کردیا۔ آج پہلی بار اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ باپ کے سرد وتنفی رویے پری پر بُری طرح اثر انداز ہو رہے تھے۔

''مما آپ اوپر جا کر احمر سے بات کر لیجیے' میں پری کو سلانے جا رہی ہوں۔'' وہ آنکھوں سے اشارہ کرتی پری کو لے کر اس کے کمرے میں چلی گئی۔ مسز علوی ایک گہری سانس لیتیں خود کو تیار کرتی اٹھ کھڑی ہوئیں' دل ہی دل میں جملے مرتب کرتیں وہ احمر کے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

''سو گئے ہو احمر؟'' کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں' پوچھنے کا مقصد فقط یہی تھا کہ اگر وہ سو بھی

رہا ہے تو جاگ جائے۔ وہ لباس تبدیل کرکے اپنے بستر پر بازو آنکھوں پر جمائے دراز تھا' ان کی آواز پر چونک کر اٹھ بیٹھا۔

"نہیں' بس سونے والا تھا' آیئے مما۔" اسے مجبوراً اٹھ کر بیٹھنا پڑا۔ مسز علوی اس کا چہرہ بغور دیکھتیں بستر پر اس کے سامنے آبیٹھیں۔

"کیسا رہا کنسرٹ؟" کچھ سوچ کر انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

"ہونہہ بس ٹھیک تھا۔" اس نے بمشکل جواب دیا' تاثرات یوں سجائے کہ اگلا بندہ چاہ کر بھی اس حوالے سے سوال نہ کرے۔

"کل سالگرہ ہے پری کی' تمہیں تو یاد بھی نہ ہوگا۔" وہ پرُشکوہ انداز میں گویا ہوئیں۔

"اوہ ہاں...... میں بھول گیا تھا' آپ ایسا کریں کہ کل اس کے دوستوں کو بلوا لیجیے گا' میں صبح کیک آرڈر کردوں گا۔" وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولا تو مسز علوی سلگ کر اسے ملامتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"نہیں بیٹا تم اس ایک احسان کو بھی رہنے دو' بس اتنا کرنا کہ عارب سے کہہ دینا کہ صبح مجھ سے آکر مل لے۔"

"عارب کو کیوں بلوا رہی ہیں؟" اس نے حیرانگی سے پوچھا۔

"میاں تم اپنے غمِ ماضی میں غرق رہو' ہمیں بہت سے معاملات دیکھنے ہیں' بہت سے دلوں کو جوڑنا ہے' بہت سے کام کرنے ہیں۔ ابھی تم اپنے یہ کیا' کیوں' نہیں' کو اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر سوئے رہو اور جیسا کہا ہے ویسا ہی کرو بس۔" وہ حقیقتاً احمر کے اس روکھے پھیکے رویے سے اب بے زار ہونے لگی تھیں۔ سو آج بنا ء لحاظ کیے سب سنا گئیں' وہ کچھ دیر تک ان کی باتوں کو سوچتا رہا اور پھر سر جھٹک کر سو گیا۔ اس کی بلا سے ماما جان جو بھی کریں اسے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی ان معاملوں میں۔

اگلی صبح احمر اور پری کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی عارب علوی ہاؤس پہنچا تھا۔ عروبہ اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی جب تک عارب اور مسز علوی میں کافی اہم گفتگو طے پائی جاچکی تھیں۔ عروبہ کے آتے ہی وہ گھر سے نکل پڑے' وہ تینوں شہر کے معروف مال میں آئے تھے' پری کے لیے اس کی سالگرہ کے حوالے سے خریداری کرنے۔

❀......❀......❀

دروازہ ایک بار پھر دھڑ دھڑایا گیا تھا' ثریا بی بی خود کو بمشکل گھسیٹتی دروازے کی طرف بڑھیں اور دھڑکتے دل کے ساتھ چٹخنی کھول دی۔ اگلے ہی پل عذرا ہانپتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور جلدی سے دروازہ بند کرتے ہوئے جہانگیر اور ثمینہ کی جانب بڑھی۔

"خیر تو ہے ناں عذرا؟" ثریا بی بی نے گھبرا کر پوچھا' عذرا ان کی ہونے والی بہو ہی نہیں بلکہ مرحومہ بہن کی بیٹی بھی تھی۔

"خیر نہیں ہے خالہ اماں...... میرا چاچا بڑا دھوکہ کر رہا ہے اور اس نے ثمینہ پر جو بھی الزام لگایا وہ سب غلط ہے۔ مجھے آج ساری حقیقت پتا چل گئی ہے۔" وہ اپنی سانسیں بمشکل بحال کرتی تیز تیز بول رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ عذرا...... پوری بات بتاؤ آخر ماجرا کیا ہے؟" جہانگیر نے کہا تو وہ چاروں وہیں بیٹھ گئے۔

"بات دراصل یہ ہے کہ چاچا نے بینا کا سودا کر ڈالا تھا کسی سے یہ میں نہیں جانتی۔ یہ بات جب چاچی کو معلوم ہوئی تو اس نے ہنگامہ کر ڈالا' بینا اپنے خالہ کے لڑکے کو پسند کرتی تھی اور اس کا خالہ زاد بھی اسے پسند کرتا تھا۔ اس نے چاچا کی بے حد منت سماجت کی کہ اس کے ساتھ یہ ظلم و زیادتی نہ کی جائے۔ چاچی نے بھی بے حد سمجھایا' جھگڑا بھی کیا مگر چاچا نے کبھی اپنی بیٹیوں کو اولاد سمجھا ہی نہ تھا وہ تو انہیں بوجھ اور بدنصیبی سے تعبیر کرتا تھا سو وہ اپنے ارادے سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹا تھا تب چاچی نے مجبوراً چاچا کی غیر موجودگی میں چھپ کے بینا کا نکاح اپنے بھانجے سے پڑھوا کر گاؤں سے باہر بھیج دیا جب چاچا کو علم ہوا تو اس نے چاچی کو بے حد پیٹا اور بستی بھر میں اعلان کردیا کہ اس کی بیٹی بھاگ گئی ہے۔ بیٹی کو بیچ کر کھانے والا بے غیرت بیٹی کی

بدنامی کرکے بھی اسے سکون نہ ملا تو اس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا سوچا۔ اپنے سر پر منڈھا بدنامی کا ٹوکرا وہ اب تمہارے گھر منڈھنا چاہتا ہے اور اسی بات کو بنیاد بنا کر وہ ثمینہ کو ہتھیانا چاہتا ہے تاکہ وہ بینا کی جگہ اب اس کا سودا کرسکے۔" عذرا ساری باتیں بتا کر اپنی سانسوں کو ہموار کرنے لگی۔

"چاچا اتنا گر سکتا ہے میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا پر اب کیا ہوگا۔ ہم اگر پنچائیت میں یہ ساری باتیں بتا بھی دیں تو کوئی یقین کرنے کو تیار نہ ہوگا۔ ہمارے پاس ان حقائق کا کوئی ثبوت بھی تو نہیں ہے۔" جہانگیر پریشانی میں بولا' ثریا بی بی اور ثمینہ کے چہرے پر بھی خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔

"میں کوشش کررہی ہوں کہ چاچی خود آ کر پنچائیت میں ساری حقیقت بتادے۔" عذرا نے ان سب کو ایک امید دلائی۔

❁.......❁.......❁

گاڑی کی مرمت تو بخوبی ہوگئی تھی مگر احمر کے دل کی حالت اب تک خراب تھی' اس نے اپنے دوست سے اس لڑکی کے بھائی کا نمبر بھی لے لیا تھا۔ اتفاق سے وہ بھی اسی کاروبار سے منسلک تھا جس سے احمر بھی وابستہ تھا۔ ملاقات کا بہانہ ڈھونڈا اور بہت جلد ایک ملاقات ارینج بھی ہوگئی' دونوں ہم عمر ایک جیسے خوش مزاج اور کاروبار والے لوگ تھے سو جلد ہی دوستی پنپ گئی پہلے تو آفس ریسٹورنٹ تک ملاقاتیں ہوتی رہیں پھر بڑھتے بڑھتے دوستی گھر تک جا پہنچی اور یہاں تک آنا ہی تو احمر کا مقصد تھا اور یہاں آ کر اسے اس گوہر نایاب کا اسم بھی معلوم پڑ گیا' وہ صبوحی تھی۔

اپنی خوش مزاجی کے باعث صبوحی کے گھر والوں کے دلوں میں جلد جگہ بنا چکا تھا بس ایک صبوحی تھی جو اسے دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتی تھی۔ عورت کے لیے یہ مشکل نہیں کہ وہ اپنے لیے مرد کی نظروں میں چھپے پیغام پڑھ لے۔ وہ بھی بخوبی احمر کی نظروں سے چھلکتی پسندیدگی کو بھانپ چکی تھی۔ احمر ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتا' خوش شکل و خوش مزاج نوجوان تھا اسے نظر انداز کرنا ہرگز آسان نہ تھا مگر صبوحی مختلف مزاج کی مالک تھی۔ پہلی نظر کی محبت پر اسے عمر کے کسی زمانے میں بھی یقین نہیں رہا تھا اور جس طرح سے احمر اس ایک ملاقات کے بعد اس تک پہنچا تھا' اس کا شک یقین میں بدلتا جارہا تھا کہ احمر ایک نمبر کا دل پھینک انسان ہے جو آج اس کی محبت میں گرفتار ہوا ہے تو اسے تسخیر کرکے کسی اور گلاب پر بھنورے کی طرح منڈلانے لگے گا۔ وہ اس سے جس حد تک ممکن ہوتا کتراتی تھی نظر انداز کرتی تھی اور یہ بات احمر کو کافی حد تک پریشان کررہی تھی کہ صبوحی اس سے اس قدر احتراز کیوں برتتی ہے۔ وہ جتنا اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا وہ اتنی ہی اس سے دور ہوتی جاتی۔

❁.......❁.......❁

پنچائیت پھر مل بیٹھی تھی' ایک مرتبہ پھر جہانگیر پر دباؤ ڈالا جارہا تھا کہ وہ ثمینہ کو کرم دین کے حوالے کردے۔

"کرم دین چاچا کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ثمینہ نے بینا کو بھگانے میں اس کی مدد کی؟" جہانگیر نے پورے اعتماد کے ساتھ سب کے سامنے کرم دین پر سوال اٹھایا۔

"ثبوت کی کیا ضرورت بھلا' وہ دونوں بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھ رہتی آئی ہیں آپس میں راز کی باتیں کرتی رہی تھیں تو لازمی ثمینہ کو پتا ہوگا۔" کرم دین پہلے تھوڑا گڑبڑایا مگر پھر سنبھل کر بولا۔

"یہ تو تمہاری قیاس آرائی ہے ناں چاچا...... تمہاری قیاس پر میں کیسے اپنی معصوم بہن قربان کردوں۔" جہانگیر کی اگلی بات پر کرم دین کچھ پل کے لیے خاموش ہوگیا۔ پنچائیت میں بیٹھے افراد کرم دین کے جواب کے منتظر اسے دیکھ رہے تھے۔

"تیری بہن نے میری بیٹی کو بھگانے میں مدد کی' زمانے بھر کی کالک میرے منہ پر مل دی اور تو اسے قیاس کہہ رہا ہے۔ پنچائیت والوں جان لو...... آج میری پگڑی اچھلی ہے کل کو تمہاری بھی اچھل سکتی ہے اگر ان بالشت بھر کی بے لگام چھوریوں کو لگام نہ ڈالی تو۔" کرم دین کے

پاس نہ دلیل تھی نہ ہی جواب سو اس نے حسب توقع الزام لگا کر سب کے سامنے واویلا مچانا شروع کردیا۔

"دیکھ جہانگیر پتر پورا گاؤں جانتا ہے کہ ثمینہ اور بینا کی بڑی گہری دوستی تھی اور دیکھ ایسا کیسے ہوسکتا ہے ایک لڑکی اتنا بڑا فیصلہ کرے اور اپنی سہیلی سے اس کا ذکر بھی نہ کرے۔" پنچائیت کے سربراہ فضل دین نے کرم دین کی حمایت میں جہانگیر سے باز پرس شروع کی۔

"میں مانتا ہوں اس بات کو مگر مجھے اتنا بتاؤ چاچا فضل دین ایک ماں سے نزدیک بیٹی کے اور کون ہوسکتا ہے۔ کیا کوئی سہیلی بھی اس لڑکی کو اتنا جان سکتی ہے جتنا اس کی ماں؟" جہانگیر نے بے خوف ہوکر جواب دیا' فضل دین بھی لاجواب ہوگیا جبکہ کرم دین کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو جہانگیر پتر؟" اس بار درشت لہجے میں پنچائیت کے ایک محترم فرد نے پوچھا۔

"میں بس اتنا کہنا چاہتا ہوں پنچائیت مکمل طور پر معلوم کرے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ بینا کا اگر کسی لڑکے کے ساتھ معاملہ تھا تو ایسی باتوں کی بھنک سب سے پہلے ماں کو پتا چلتی ہے لڑکی کے تو رنگ ڈھنگ بدل جاتے ہیں' چاچی سے بھی پوچھا جائے اس بارے میں۔"

"دیکھ جہانگیر تو خوامخواہ میری بیوی کو اس معاملے کے بیچ لارہا ہے۔ میں کہتا ہوں باز آجا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" کرم دین اچانک مشتعل ہوا۔

"چاچا تو میری بہن کو خوامخواہ بدنام کرنا چھوڑ دے' اصل بات بتادے میں خاموش ہوجاؤں گا۔" جہانگیر نے دوبدو جواب دیا تو کرم دین کو اچانک معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا۔

"اصل معاملے سے کیا مراد ہے جہانگیر تیرا۔" فضل دین نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"وہ فضل چاچا بہتر ہے کہ کرم دین خود بتائے۔" جہانگیر اب بھی کرم دین کا احترام کررہا تھا۔

"کرم دین..... جہانگیر کس معاملے کی بات کررہا ہے۔" کرم دین سے باز پرس شروع ہوگئی۔ پنچائیت کے باقی افراد بھی تجسس سے کرم دین کو دیکھنے لگے۔

"یہ اپنی بہن کے کالے کرتوت چھپانے کی کوشش کررہا ہے' کھیل کررہا ہے ہم سب کے ساتھ۔" کرم دین مشتعل ہوا۔

"چاچا جھوٹ نہ بول تو سچ بتادو کہ بینا کی شادی چاچی نے تیرے خوف سے کرائی' تو سودا کررہا تھا اپنی بیٹی کا اور اب بیٹی کے ہاتھ سے نکل جانے پر چال چل رہا ہے۔" جہانگیر بھی بپھر چکا تھا' کرم دین طیش میں آکر مارنے کو اٹھ کھڑا ہوا۔ عمر ہونے کے باوجود وہ مضبوط ڈیل ڈول کا مالک تھا مگر بھول گیا تھا کہ جہانگیر بپھرا ہوا جوان خون ہے۔ پنچائیت نے بڑی مشکل سے بیچ بچاؤ کرایا کیونکہ بات ایک بار پھر کرم دین کے گھر تک جا پہنچی تھی تو چاچی سے بھی حقیقت معلوم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

پری کے لیے خاص ڈزنی پرنسز طرز کی فراک خریدی گئی تھی' جسے پہن کر وہ بے حد خوش تھی۔ عارب اور عروبہ نے مل کر آج کچھ اسپیشل پلانز بھی بنائے تھے۔ بچوں کے درمیان چھوٹے موٹے کھیلوں کے مقابلے اور پری کے تمام دوستوں کے لیے کچھ خاص تحفے' بہت زمانے کے بعد پری کی سالگرہ اتنے اہتمام سے منائی گئی تھی۔

"پاپا..... ابھی تک نہیں آئے دادو؟" وہ کب سے احمر کا انتظار کررہی تھی' وہ معمول سے زیادہ دیر کررہا تھا آج آنے میں۔

"عروبہ..... ذرا کال ملاؤ احمر کو۔" مسز علوی کو بھی احمر پر غصہ آرہا تھا اب' عروبہ نے موبائل پر کال ملا کر موبائل ان کی جانب بڑھا دیا۔ عارب خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا اپنے عزیز دوست کی داستان سن کر بے حد اداس ہوا تھا پر اب اس کے انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویے اور اپنوں سے بلاوجہ کی خود ساختہ دوری دیکھ کر اسے بھی برا محسوس ہورہا تھا۔

"بس پانچ منٹ میں آرہے ہیں آپ کے پاپا۔" ان

کی احمر سے بات ہوگئی تو وہ پری کو تسلی دینے لگیں اور وہ واقعی پانچ منٹ میں آ گیا تھا۔

"اوہ آئی ایم سوری...... میں کچھ لیٹ ہوگیا' چلو پری بیٹا اب جلدی سے کیک کاٹو۔" وہ گاڑی سے اترتے ہی سیدھا لان میں ان کی جانب آیا تھا۔

"اوکے پاپا۔" پری نے ایک نگاہ اپنے باپ کو دیکھا جس کے انداز میں بیٹی کے لیے خاص جذبات نہ چھپے تھے اور سر جھکا کر کیک کاٹنے لگی۔ فضا مبارک باد اور تالیوں کے شور سے گونج اٹھی' پری سب کو کیک کھلا کر تحفے وصول کررہی تھی جب احمر کے پاس آئی تو کیک کا ٹکڑا پری کے ہاتھوں سے کھاتے ہوئے اس نے بے حد معذرت خواہانہ انداز میں پری سے کہا۔

"سوری بیٹا...... آج آپ کے لیے گفٹ نہیں لے سکا' کل پکا وعدہ آپ کے لیے ضرور تحفہ لے کر آؤں گا۔"

"اٹس اوکے پاپا۔" وہ سمجھدار بچی ہونے کا ثبوت دیتی مسکرا کر بولی۔ مسز علوی' عروبہ یہاں تک کہ عارب تک نے ناپسندیدگی کی نظروں سے اسے دیکھا' وہ کچھ دیر تک ان سب کے ساتھ رہا اور پھر معذرت کرتا ہوا اپنے کمرے میں چلا آیا۔ عروبہ شکایتی نظروں سے اس بے درد انسان کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ چاہ کر بھی اس سے لڑ نہیں سکتی تھی اس شخص نے اس سے اس طرح کے سارے حقوق واختیار ہی چھین لیے تھے۔

❀......❀......❀

محبتیں' رشتے' اپنے مخلص دوست' یہ کتنے انمول ہوتے ہیں ان سات سال میں وہ اچھی طرح جان چکا تھا وہ صرف اپنے شوق کے بناء پر اپنے گھر والوں سے اپنے ملک سے دور گیا تھا اور ایسا نہیں تھا کہ اسے وہاں جانے پر کوئی پچھتاوا تھا بلکہ دبئی جانا اس کے لیے کافی سود مند ثابت ہوا تھا۔ وہ وہاں کی ایک بہترین فرم میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ اس کے والد منیر نیازی کا اپنا کاروبار تھا مگر وہ دوسروں کے بنائے ہوئے راستے پر چلنے کا عادی نہ تھا بلکہ اپنا راستہ خود بنا کر منزل تک پہنچنا چاہتا تھا سو باپ کا کاروبار اپنے دونوں بڑے بھائیوں کو سونپ کر وہ دبئی کا ہو کر رہ گیا تھا۔

پر یہ فیصلہ اتنا بھی آسان نہ تھا اغیار میں اپنا کبھی سہل نہیں ہوتا' یہاں کی مصروف زندگی نے جس طرح اسے کامیابی کی راہ پر گامزن کیا تھا وہیں اپنوں کی محبتوں کی کمی کا شدت سے احساس دلایا تھا۔ وہ اب تک ایسا کوئی دوست نہ بنا سکا تھا جس کے سامنے اپنے احساسات' جذبات یا دل کھول کر رکھ دیتا۔ دوست تھے مگر اپنے کام سے کام رکھتے' مشینی زندگی جیتے جیتے کبھی کبھی وہ خود کو بھی ایک روبوٹ سمجھنے لگا تھا۔ ایک ایسا روبوٹ جس کے اندر کہیں شدت سے خواہش پلتی ہو کہ کوئی اس کا ایسا اپنا ہو جو اس کی ہر کیفیت ہر احساس کو کہے بغیر سمجھ لے۔ کوئی ہو ایسا جو ہر دم اس کا ساتھ دے' محبت دے۔ اس کا خیال رکھے' اس کی فکر کرے' وہ وہاں کے آزادانہ ماحول میں بھی نہیں ڈھل سکا تھا۔ بنیادی طور پر وہ حساس انسان تھا' اس کے اندر ہوس نہیں خلوص ومحبت کی خواہش مچلتی تھی اور وہاں اس نے بہت کچھ دیکھ لیا تھا سوائے خالص محبت اور وفا کے......

کافی عرصے بعد وہ وطن لوٹا تھا اور بچپن کے دوست سے مل کر وہ اندر تک اداس ہوگیا تھا۔ کیسی قسمت تھی وہ اپنوں سے دوری پر ناخوش تھا اور اس کا دوست اپنوں کے درمیان ہو کر بھی خوش نہیں تھا بلکہ وہ تو زندگی سے ہی ناراض ہو چلا تھا۔ عارب نیازی دل میں ٹھان چکا تھا کہ وہ احمر علوی کو زندگی کی جانب واپس ضرور لے کر آئے گا اور اس سلسلے میں وہ مسز علوی سے کافی دفعہ بات بھی کر چکا تھا۔ وہ بوڑھی ماں اس کے مقصد کو جان کر بے انتہا خوش اور پُر امید تھی پر ان سب کے درمیان وہ سب کچھ محسوس کرنے لگا تھا جو شاید اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

❀......❀......❀

پنچائیت میں جو کچھ بھی ہوا اس کا غصہ کرم دین نے گھر آ کر اپنی بیوی اور چھوٹی بیٹی پر نکالا تھا۔ فضلہ چاچی کو مار مار کر ادھ موا کر ڈالا تھا' جوانی کی دہلیز سے کچھ دور کھڑی کوثر باپ کے غصے کو دیکھ کر تھر تھر کانپ رہی تھی۔ بیوی کو مار مار کر

تھک چکا تو خونی درندے کی طرح کوثر کی جانب بڑھا تھا۔

"چھوڑ دے کرم دین...... اس کو چھوڑ دے۔" معصوم بیٹی کی چیخوں سے تڑپتی فضلہ بی بی خود کو گھسیٹتی بیٹی کو بچانے دوڑی۔

"اچھی طرح غور سے سن لے اگر تُو نے پنچایت کو سچ بتایا تو میں تیری بیٹی کی جان لے لوں گا اس کو تو تُو نے مجھ سے بچالیا۔ اس کو نہیں بچاسکے گی کبھی۔" وہ اس کے بالوں کو سختی سے اپنے شکنجے میں جکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے غرایا اور زمین پر دھکا دے کر تن فن کرتا گھر سے باہر نکل گیا۔

"چاچی......" اس کے گھر سے جاتے ہی عذرا اندر داخل ہوئی۔

"چلی جا عذرا...... تیرے چاچا نے دیکھ لیا تو تجھے بھی نہیں چھوڑے گا۔" فضلہ گھبرا کر روتی ہوئی بولی۔

"میں نہیں ڈرتی چاچا سے میرا باپ میری حفاظت کے لیے زندہ ہے۔" وہ تفخر سے بولی۔

"بہت خوش نصیب ہے تو عذرا کہ تیرا باپ کرم دین جیسا گھٹیا انسان نہیں، تجھ سے محبت کرتا ہے تیرا سودا نہیں کرتا۔" فضلہ بی بی کوثر کو سینے سے لگاتے ہوئے رو پڑی۔

"تُو کیوں اتنا ظلم سہتی ہے چاچی...... بتادے زمانے بھر کو چاچا کے کرتوت۔" عذرا کو سچ میں چاچی کی حالت دیکھ کر تکلیف ہوئی تھی۔

"اس کے کرتوت بتادوں تو پھر میں کہاں جاؤں عذرا...... جو بھی ہے جیسا بھی ہے میرا محافظ تو وہ ہی ہے۔"

"محافظ حفاظت کرتا ہے، سودا نہیں کرتا بیٹیوں کا۔" وہ بھڑک اٹھی۔

"وہ انہیں اپنی بچیاں مانتا ہی کب ہے، گالی سمجھتا ہے اپنے لیے۔" فضلہ بی بی اتنا کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔ عذرا چاہ کر بھی کچھ کہہ نہ پائی، اتنے برے حالات میں ہمدردی کے بول بھی اسے مذاق ہی لگتے تھے۔

اور پھر وہ ہوا جس کی کسی کو امید نہ تھی، فضلہ بی بی نے بھری پنچایت میں کرم دین کا سارا کارنامہ کھول کر رکھ دیا تھا۔ وہ ایک ایسا ناگ تھا جو اپنی اولاد کو نگل جانے کا عادی تھا۔ پہلی بیٹی صاعقہ کا بھی اس نے سودا کرڈالا تھا۔ وہ کہاں تھی، کس حال میں تھی اس بات سے بے خبر فضلہ بی بی اس کی ایک جھلک دیکھنے کو ترستی تھی۔ دوسری بیٹی بینا اپنی دونوں بہنوں سے قدرے مختلف تھی، وہ اور اس کا خالہ زاد سلطان ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ فضلہ بی بی نے پہلی بار احتجاج کیا تھا اور اس کی غیر موجودگی میں بینا کو سلطان کے ہمراہ اپنے بھائی کے گھر روانہ کردیا جہاں اس کا سلطان سے نکاح ہونا طے تھا۔ کرم دین کے علم میں جب یہ بات آئی تو اس نے فضلہ بی بی کے ساتھ جو کیا سو کیا اس کے علاوہ اپنی ہی بیٹی کو پورے گاؤں میں بدنام کرڈالا پر جب بات زیادہ بڑھی تو سارا کھڑاگ جہانگیر کے سر پر ڈال دیا۔ ثمینہ اس کی نظروں کے سامنے پلی بڑھی تھی، معصوم دل موہ لینے والی ثمینہ کو دیکھ کر اس کے شیطانی ذہن نے یہ چال چلی تھی۔ بینا نہ صحیح ثمینہ ہی صحیح پر سب کچھ اب الٹا ہوچکا تھا۔ حقیقت کھلنے پر کرم دین کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہا۔ پنچایت نے اسے گاؤں چھوڑ دینے کا حکم دیا تھا جبکہ فضلہ اور اس کی بیٹی کوثر کی ذمہ داری پنچایت کے سربراہ فضل دین نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔

پھر دو دن بعد ہی بڑا دل دہلا دینے والا واقعہ ظہور پذیر ہوا تھا۔ فضلہ بی بی اور کوثر کا کسی نے آدھی رات بڑی بے دردی سے قتل کرڈالا تھا۔ صبح سویرے جب فضلہ کے گھر سے لاش ملی تو گاؤں والے دہل کر رہ گئے۔ اندر ہی اندر سب جانتے تھے کہ قاتل کرم دین ہی ہے پر ثبوت کسی کے پاس نہ تھے اور پھر اہم بات یہ تھی کہ جس دن سے فیصلہ ہوا تھا اس دن سے کرم دین گاؤں میں دکھا بھی نہ تھا۔ اس بات کو دو سال گزر چکے تھے عذرا اور جہانگیر کی شادی میں بس کچھ ہی دن بچے تھے کہ اچانک عذرا کے باپ عبدالرحیم الدین کو دل کا دورہ پڑا اور وہ بھری دنیا میں عذرا کو اکیلا چھوڑ کر خالقِ حقیقی سے جاملا۔ ماں پہلے ہی ساتھ چھوڑ چکی تھی اب باپ بھی نہ رہا۔ عذرا تو غم سے ہوش میں ہی نہ رہی اور تب پورے دو سال بعد گاؤں والوں نے کرم دین کو گاؤں لوٹتے دیکھا تھا اور محمد فضل دین سے اپنے گناہوں

کی معافی مانگتے دیکھا تھا۔ اپنی بیوی اور بیٹی کی قبر پر سینہ پیٹتے روتے دیکھا تھا' دو سال قبل کا واقعہ اب لوگوں کے ذہنوں پر وہ اثر بھی نہ رکھتا تھا' ویسے بھی عذرا کے باپ کے مرنے کے بعد اس کا سرپرست کرم دین ہی ٹھہرا تھا۔ پنچائیت نے اسے ایک بار پھر گاؤں میں رہنے کی اجازت دے دی تھی اور تب ہی جہانگیر کو خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہوئی تھی۔

❁......❁......❁
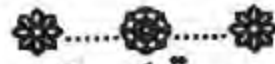
وہ بہت دنوں سے موقع کی تلاش میں تھا اور خوش نصیبی سے آج اسے صبوحی سے بات کرنے کا موقع مل ہی گیا تھا۔

"کیسے مزاج ہیں آپ کے؟" وہ لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی' وہ اسی وقت گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا' اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر سیدھا اسی کی طرف آ گیا۔

"بہت اچھے ہیں۔" اس نے ایک سپاٹ نگاہ احمر پر ڈالی اور پھر نظریں گھما لیں۔

"نہ جانے کیوں مجھے ہمیشہ برہم ہی ملے ہیں' اس عنایت کی کوئی خاص وجہ۔" وہ اس کی بے رخی نظرانداز کرتا ہوا وہیں بیٹھ گیا۔

"میں اجنبیوں پر کسی طرز کی بھی عنایت کرنے کی قائل نہیں۔" وہ اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔ احمر کا دل ایک لمحے کو ڈوبنے لگا۔ وہ یہ تو جانتا تھا کہ وہ اس سے کتراتی ہے مگر اتنا سخت ناپسند کرتی ہے وہ جان نہ سکا تھا۔

"میں اب تک نہیں سمجھ پایا صبوحی کہ تم مجھ سے اتنا دور کیوں بھاگتی ہو؟" وہ اپنی شوخی بھلائے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"مسٹر احمر...... یقین کریں آپ میرے لیے قطعی اتنے اہم نہیں کہ میں آپ سے دور بھاگوں یا کسی جذبے کا اظہار کروں۔" وہ سنگ دلی کی حد تک بے اعتنائی برتتے ہوئے کہہ گئی۔

"آپ جیسے مرد شاید لڑکیوں کو کھیل تماشہ سمجھتے ہیں جو ان سے دوستی بڑھانے کے چکر میں گھر تک آن گھستے ہیں اور پھر ان کے جذبات سے کھیل کر اپنی راہیں الگ کر لیتے ہیں۔ یقین کر لیں مجھے آپ میں رتی بھر بھی دلچسپی نہیں۔" الفاظ تھے کہ پتھر' احمر ششدر رہ گیا۔ وہ مزاجاً بے تکلف ہو جانے والا مگر جس قماش کا لڑکا اسے صبوحی نے سمجھا تھا وہ ایسا قطعی نہیں تھا۔

"میں ایسے گئے گزرے کردار کا حامل ہوں نہ ہی اتنی گری ہوئی سوچ رکھتا ہوں۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے مس صبوحی کہ آپ میں انسان کو پہچاننے کی صلاحیت نہ ہونے کے برابر ہے۔" وہ افسوس سے سر ہلاتا اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کو پانے کا مصمم ارادہ اس کا دل کیے بیٹھا تھا۔ اس نے خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا کہ صبوحی اس کے بارے میں اتنی منفی رائے رکھتی ہوگی۔

"اتنا برا لگ گیا آپ کو میری رائے اپنی بارے میں جان کر' آپ کا کیا خیال ہے مسٹر احمر...... آپ جس مقصد کے تحت ہمارے گھر میں زبردستی دوستی گانٹھنے گھسے ہیں مجھے کیا علم نہیں آپ کے ارادے کیا ہیں' یہ جو اٹھتے بیٹھتے اپنی نظروں کے ذریعے مجھے پیغام بھیجتے ہیں' میں کیا سمجھتی نہیں آپ کے ارادے۔ جناب اس بار آپ نے غلط لڑکی کا انتخاب کیا ہے' میں ان لڑکیوں میں سے نہیں جو آپ کی ظاہری شخصیت اور پیسوں کی گرمی دیکھ کر الجھ جائیں۔ میں مختلف مزاج کی لڑکی ہوں' جائیں کسی اور کے گھر میں جا کر دوستیاں جمائیں۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھے بغور اسے دیکھتے اس کی ذات کی پرخچیاں اڑا رہی تھی۔

"آپ جانتی ہیں صبوحی...... آپ بے انتہا خوب صورت اور پرکشش ہیں۔" وہ بڑے آرام سے اسے بغور دیکھتا ہوا دھیمے لہجے میں بولا اتنی بے عزتی کے بعد احمر کے ان تعریفی کلمات کی توقع بہرحال کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ صبوحی بھی سٹپٹا گئی تھی ان تعریفی جملوں کو سن کر اس سے قبل وہ مزید انگارے چباتی' وہ پھر سے گویا ہوا۔

"پر آپ کی سوچ اور آپ کا دل انتہائی بدصورت اور ہاں بہت اچھا کرتی ہیں' جو ظاہری شخصیت پر ریجھ نہیں

جاتیں ورنہ میری طرح آپ بھی دھوکہ ہی کھائیں۔ بے انتہا خوب صورت لوگ دل کے کتنے بدصورت ہوتے ہیں' اس کا اندازہ آج مجھے بخوبی ہوگیا۔" وہ اپنی بات کہہ کر وہاں رکا نہیں' لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا پر جاتے جاتے صبوحی کو سرتاپیر سلگا گیا تھا۔

پھر اگلے کئی دنوں تک صبوحی نے احمر کو اپنے گھر نہیں دیکھا' اس نے یہاں آنا چھوڑ دیا تھا۔

"کیا خبر کوئی اور مل گئی ہو' کسی اور کے گھر کے چکر لگا رہا ہو۔" نہ جانے اس کا دل کیوں اس کا منتظر تھا ایک عجب سی شرمندگی تھی۔ احمر نے بھی اس سے بدتمیزی کی تھی نہ ہی کوئی لغو بات' اس دن اس نے بناء وجہ کے اسے بہت کچھ کہہ ڈالا تھا۔ مضطرب دل کو وہ ایسے ہی بہانوں سے بہلا رہی تھی۔ کچھ دن مزید سرکے احمر پھر بھی نہ آیا اور جو خفت اس کے دل میں پیدا ہوچکی تھی وہ مزید جڑ پکڑتی چلی گئی۔ اس دن وہ اپنی دوست بیا کے ساتھ اپنی پسندیدہ بکس خرید کر باہر آرہی تھی تبھی اس کی نظر سامنے سے احمر پر پڑی وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ ایک انتہائی حسین لڑکی کے ہمراہ تھا۔ صبوحی کو لگا جیسے کسی نے اس کے اندر آگ لگادی ہو وہ فضول میں اس شخص کے لیے شرمندہ ہورہی تھی' وہ تھا ہی نہیں اس قابل اس کی پہلی رائے ہی اس کے بارے میں درست تھی۔

"تم یہاں ذرا رکنا بیا' میں ابھی آئی۔" وہ اسے وہیں چھوڑ کر احمر کی جانب بڑھی۔

"واہ...... بڑی جلدی لڑکی پھنسالی آپ نے تو اس دن تو بڑے دعوے کرتے گھر سے نکلے تھے اور واہ آپ کی خودداری کے اس کے بعد ہمارے گھر قدم بھی نہ رکھا مگر نہیں' نہیں خودداری کہاں اسے تو عقل مندی کہیں گے کہ دال جہاں گلتی نہ دیکھی اس راہ سے راستہ موڑ کر نئی راہ پر نکل جائے بندہ۔" وہ طنزیہ انداز میں کہتی سینے پر ہاتھ باندھے اپنے طور سے اسے شرمندہ کرنے کی بھرپور کوشش کررہی تھی آخری جملہ البتہ اس نے اس کے ساتھ کھڑی حسینہ کو دیکھ کر کہا تھا۔

"بڑے اہتمام سے یاد رکھا ہوا ہے آپ نے مجھے مس صبوحی...... خیر تو ہے ناں۔" وہ دل جلانے والی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اسے دلچسپی سے دیکھتا ہوا بولا۔

"تمہیں یاد کرتی ہے میری جوتی' ہونہہ ایڈیٹ......" وہ غصے سے آگ بگولہ ہوتی غرائی۔

"احمر پلیز...... اب چلو بھی' تم بھی راستے میں ہر ایک سے فضول کی باتیں بگھارنے بیٹھ جاتے ہو۔" ساتھ کھڑی اس حسینہ نے صبوحی کی بدتمیزی پر جھنجھلاتے ہوئے احمر کا بازو پکڑ کر دھکیلتے ہوئے کہا۔

"ہیلو...... سنو لڑکی' اس کی باتوں میں نہ آنا ایک نمبر کا فراڈ ہے یہ۔ کل تک میرے گھر کے چکر لگا رہا تھا اور آج تمہارے ساتھ گھوم رہا ہے۔" اپنے طور سے صبوحی نے اس حسین مگر بددماغ لڑکی کا بھلا چاہا تھا' احمر البتہ پُرشوق نگاہوں سے مستقل صبوحی کو گھورنے میں مگن تھا۔

"تم اسے سچائی بتا رہے ہو یا میں بتاؤں۔" اس لڑکی نے چڑ کر احمر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم خود بتادو۔" احمر نے اجازت دے ڈالی' صبوحی کو اب کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

"ڈیئر مس نامعلوم...... آپ کی اطلاع کے لیے عرض کروں میں اور احمر کزن ہیں اور ایک دوسرے کے بہترین دوست بھی اور انہیں میرے گھر کے چکر نہیں لگانے پڑتے کیونکہ ہم ایک ہی گھر میں رہتے ہیں اور ہاں...... ایک بات اور بتادوں' اس کی فضول کی شوخیوں سے آپ کو لگا کہ یہ کوئی دل پھینک عاشق ٹائپ کا انسان ہے مگر اطلاعاً عرض کروں کہ یہ لڑکیوں کے پیچھے نہیں لڑکیاں اس کا پیچھا کرتی اس تک پہنچتی ہیں جیسا کہ اس وقت آپ......؟" وہ جتنی حسین تھی اتنی ہی گز بھر لمبی زبان بھی رکھتی تھی' دومنٹ میں چنگھاڑتی صبوحی کا منہ بند کر ڈالا۔

"لڑکی...... تم......" خفت کے احساس سے سرخ پڑتا چہرہ لیے وہ ابھی اتنا ہی بول پائی تھی کہ اس لڑکی نے انگلی اٹھا کر اسے خاموش ہونے پر مجبور کردیا۔

"اونہوں...... لڑکی نہیں عروبہ نام ہے میرا۔" وہ اتنا کہہ

کر احمر کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گئی۔ احمر نے جاتے ہوئے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی حالت کا مزہ لے رہا ہو۔

''تم نے بے چاری کی کچھ زیادہ ہی بے عزتی کر ڈالی۔'' وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے پارکنگ ایریا کی جانب بڑھ رہے تھے۔

''کیا تم سنجیدہ ہو؟ جتنی بے عزتی اس نے تمہاری کی ناں اس کا تو ایک فیصد حصہ بھی ادا نہیں کیا میں نے۔'' عروبہ نے غصے سے احمر کو گھورتے ہوئے کہا۔

''یار جو بھی ہے وہ لڑکی اچھی لگتی ہے مجھے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''کوئی حل نہیں تمہارا' تمہیں تو ہر وہ لڑکی اچھی لگتی ہے جو تمہاری بے عزتی کرتی ہے۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے کار کا دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے لگی اس کے جواب میں احمر کا ایک جاندار قہقہہ گاڑی میں گونج اٹھا۔

''اگر ایسی بات ہوتی تو تم سے زیادہ مجھے اس دنیا میں کوئی اچھا نہیں لگتا۔''

''تمہاری ایسی قسمت کہاں کہ تم میرا نصیب بنو۔'' عروبہ نے اس کی بات پر اسے گھورتے ہوئے کہا۔

اس بات کو کوئی ایک ہفتہ گزرا ہوگا کہ ایک دن صبح اچانک رافع کی کال نے اسے گھبرا دیا۔ وہ بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو چکا تھا اور اس وقت اسے احمر کے علاوہ ایسا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ جو فی الوقت اس کی مدد کرئے اس کی گاڑی سے ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور حادثے کا شکار شخص اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا اور اس وقت پولیس اسٹیشن میں بیٹھا تھا جہاں بڑی مشکل سے اسے کال کرنے کی اجازت ملی تھی۔ رافع نے گھر کے بجائے وہ کال احمر کو کی تھی نہ جانے کیوں اسے یقین تھا کہ اس کٹھن وقت میں احمر ہی اس کا ساتھ دے سکتا ہے اور اس کا یقین درست ثابت ہوا تھا۔ احمر نے واقعی اس کا ساتھ دیا اور بے انتہا دیا تھا۔ یہ معاملہ کافی سنگین تھا اور کافی طوالت بھی اختیار کر چکا تھا پر احمر نے نہایت سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے دوسرے فریق کو منہ مانگی رقم کے عوض رافع کو معاف کرنے پر رضامند کر ہی لیا تھا۔ یہ وہ مشکل حالات تھے جب کوئی اپنا بھی ساتھ نہ دے پر یہاں احمر نے اپنوں سے بڑھ کر ساتھ دیا تھا کوئی ڈیڑھ دو ماہ بعد رافع کی جان اس کیس سے چھوٹی تھی اور وہ احمر کے خلوص کا دل سے قدر دان ہو چکا تھا۔

صبوحی نے ان دنوں ایک نئے احمر کو جانا تھا اس تمام عرصے میں احمر نے اس سے ایک بار بھی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کا رویہ یوں تھا جیسے اسے وہ پہچانتا ہی نہ ہو حالانکہ اس نے کئی بار رافع کے حوالے سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس کے سرد محتاط رویے نے اسے روک دیا اور آج بہت ہمت کر کے وہ اپنے پچھلے رویے پر معذرت اور اس مشکل وقت میں اس کے خاندان کا ساتھ دینے پر شکریہ کرنے آئی تھی۔

''آپ کے شکریہ کی قطعی ضرورت نہیں' میں نے جو کچھ کیا اپنے دوست کے لیے کیا۔ یہ سراسر میرا اور میرے دوست کا معاملہ ہے۔'' وہ بے جھجک اسے چند لفظوں میں ہی بہت کچھ سنا گیا اور وہ اس کے لفظوں پر غور کرنے لگی۔

''میرا اور میرے دوست......'' اور وہ پاگل خوش فہمی کی انتہا پر پہنچی سوچتی تھی کہ یہ سب وہ اس کی وجہ سے کر رہا تھا جبکہ وہ تو کہیں تھی ہی نہیں دل کو ایک دھچکہ سا لگا۔

''میں جانتی ہوں' میرے پچھلے رویے نے آپ کے دل کو بے حد تکلیف پہنچائی ہے۔ میں سخت شرمندہ ہوں کہ آپ کو پہچاننے میں غلطی کی۔ میں سچ میں معذرت چاہتی ہوں آپ سے۔'' وہ ندامت سے سر جھکائے اس سے شرمندہ شرمندہ سی بول رہی تھی۔

''کوئی بات نہیں آپ کی معذرت قبول کر لی ہے میں نے۔'' وہ بنا اسے دیکھے سرسری سے لہجے میں کہتا ہوا اپنا موبائل چیک کرنے لگا۔

''یعنی کہ آپ وہ ساری باتیں بھول کر اب دوستی کے لیے راضی ہیں؟'' وہ اس کے معذرت قبول کرنے پر خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''صبوحی معذرت قبول کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں

ہوتا دل دکھانے کا دوبارہ موقع دیا جائے۔ آپ پلیز رافع کو بھیج دیں اس سے مل کر مجھے کچھ ضروری کام بھی بتانا ہیں۔" وہ بے حد آرام سے دو ٹوک لہجے میں کہتا اسے بہت کچھ جتا گیا۔ وہ بے یقینی سے اسے کچھ لمحوں تک دیکھے گئی' وہ نٹ کھٹ شوخ و شرارتی سا احمر اس حد تک بدل جائے گا اس نے سوچا نہ تھا۔ وہ اس احمر سے قطعی مختلف تھا جو کچھ عرصہ قبل اس کے سامنے چہکا کرتا تھا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتی اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ اسے افسردگی سے جاتا دیکھ کر احمر کے لبوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"اتنی آسانی سے فقط معافی ہی ملے گی' احمر علوی کی محبت نہیں۔ بڑے جتن کیے ہیں تمہارے دل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے' اب کچھ پاپڑ تم بھی بیلو مس صبوحی......" وہ زیر لب بڑبڑایا اور اس کی آنکھوں میں شرارت مچل رہی تھی۔

صبوحی اس دن کے بعد سے اس سے بات کرنے پر گریز کرنے لگی تھی پر اس کی آنکھوں میں چھائی افسردگی' ندامت اور شکوے اس کے دل کا حال بخوبی احمر تک پہنچا چکے تھے اور پھر ایک دن اچانک وہ ہوا جو صبوحی کے وہم وگمان میں دور دور تک نہ تھا۔ احمر کے گھر والے احمر کے لیے اس کا رشتہ لے کر آئے تھے۔ گھر والوں کے دلوں میں تو ویسے ہی اس کا مقام تھا مگر وہ جز بز ہو رہی تھی۔

"احمر بہت اچھا انسان ہے صبوحی...... بہت محبت کرنے والا' احساس کرنے والا' رشتوں کو نبھانے والا۔ تم بہت خوش قسمت ہو جو قسمت تمہیں اس کے ساتھ کا موقع دے رہی ہے اب پلیز اسے اپنی بے وقوفی سے گنوانہ دینا۔" وہی زبان دراز عروبہ آج اس کے سامنے ایک مخلص دوست کا روپ دھارے سمجھا رہی تھی۔ صبوحی نے بغور اس لڑکی کا چہرہ دیکھا' وہاں صرف اپنائیت اور خلوص ہی خلوص تھا' خود وہ بھی احمر کو اچھی طرح جان چکی تھی۔ وہ حیران تھی کہ وہ جو سمجھ رہی تھی کہ احمر کو کھو چکی ہے' آج قدرت نے کتنی آسانی سے اس کی جھولی میں دے ڈالا تھا۔ انسان واقعی نہیں جانتا کہ اس کی زندگی میں آنے والا نیا موڑ اس کے لیے خوشیاں لے کر آئے گا یا آزمائش اور اس ذات کریم نے جو خوشی اس کے مقدر میں لکھی تھی اس پر ناشکری کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا انکار کی گنجائش کہاں تھی۔ دل میں نگاہوں میں اور یہاں تک کہ زبان پر بھی اقرار کی ہی اجارہ داری تھی اور اس کے ایک اقرار نے اسے کچھ ہی دنوں میں نہایت دھوم دھام سے صبوحی احمر علوی کی پہچان کے ساتھ علوی ہاؤس پہنچا دیا تھا۔

"میں تم سے ناراض نہیں تھا...... ناراض ہو ہی نہیں سکتا تھا' تمہاری ان انتہائی بے وقوفانہ اور طفلانہ قسم کی باتوں پر بھی نہیں۔" شادی کی اولین رات وہ اس کے سوال پر ہنستے ہوئے بولا تھا۔

"پھر وہ کیا تھا جو اتنی سرد مہری دکھائی' اتنے سخت الفاظ سے مجھے شرمندہ کیا۔" وہ ہکا بکا سی اسے دیکھے گئی۔

"بدلہ..... بدلہ..... بدلہ......" اس نے ایک ہی لفظ کو تین مختلف انداز میں کہا۔ پہلی بار اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دوسری بار اس کے قریب ہو کر' تیسری بار اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے۔ چوتھے کی نوبت نہیں آئی تھی' صبوحی نے ایک زوردار دھکا دے کر اسے بستر سے لڑھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ایکسکیوزمی...... میں شوہر ہوں تمہارا' ذرا عزت کرو میری۔" وہ خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا' ابھی تک شوہر نامدار نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"مجھے اتنا ستایا' پہلے اس کا جرمانہ بھگتو پھر کرتی رہوں گی تمہاری عزت افزائی...... اوہ میرا مطلب ہے کہ آپ کی عزت۔" وہ دانت کچکچاتے ہوئے تکیے سے حملہ کرتی ہوئی ظالم مہارانی کی طرح چنگھاڑی تھی۔ شوہر نامدار نے پسپائی اختیار کرنے میں عافیت جانی' مہارانی کے خطرناک تیور سے مقابلہ کرنا فی الحال اس کے بس میں نہ تھا۔

زندگی حسین سے حسین تر ہو چکی تھی' وہ دونوں ایک دوسرے کو پا کر دنیا بھلانے کا عملی مظاہرہ کر چکے تھے۔ مسٹر اور مسز علوی اور عروبہ ان کی باتوں سے بھی محظوظ ہوتے تو کبھی مصنوعی خفگی کا اظہار کرتے' عروبہ تو اکثر کھلم کھلا کہتی۔

"تم دونوں نے مجھے بالکل ہی اکیلا کردیا ہے اس سے تو بہتر تھا کہ تم لوگوں کی شادی ہی نہ ہوتی۔" اور وہ دونوں اس کے جلے بھنے انداز پر قہقہہ لگا کر ہنستے۔

زندگی کچھ قدم اور آگے بڑھی احمر اور صبوحی کے آنگن میں ایک خوب صورت پری نے جنم لیا۔ وہ اس قدر حسین تھی کہ اس پر سے نگاہ ہی نہیں ہٹتی تھی۔ حیرت انگیز طور پر وہ صبوحی کے بجائے عروبہ سے مشابہت رکھتی تھی اور اس مشابہت پر ہی عروبہ نے اس ننھی پری کا نام حقیقت میں پری رکھ دیا۔ وہ صبوحی کے ساتھ ساتھ پری کا بھی بے حد خیال رکھتی تھی صبوحی پری سے اتنی محبت دیکھ مسکرا ہی دیتی۔ پری ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑی ہو رہی تھی عروہ کی محبت نے پری کو بھی اس کا گرویدہ بنا ڈالا تھا سارا دن وہ پری کے ساتھ ہی رہتی۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے عروبہ مجھ سے زیادہ پری سے محبت کرتی ہے احمر۔" اس دن وہ دونوں ٹیرس میں بیٹھے چائے پی رہے تھے جب صبوحی نے یہ بات کہی۔ احمر نے تعجب سے صبوحی کو دیکھا اس کے چہرے پر سادگی پھیلی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے نیچے لان میں پری کو گود میں بٹھائے جھولا جھولتی عروبہ کو دیکھ رہی تھی۔

"ہاں مجھے بھی اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پری ہم سے زیادہ عروبہ کے قریب ہے۔" وہ بھی بالآخر اعتراف کر بیٹھا۔

وقت نے کروٹ بدلی تھی خوشیوں سے چہکتا علوی ہاؤس اچانک غم میں ڈوب گیا۔ علوی صاحب اچانک دل کا دورہ پڑنے کے سبب انتقال کر گئے تھے۔ صدمہ بے حد تکلیف دہ تھا جہاں مسز علوی شوہر کے یوں چلے جانے پر ایک عرصے تک غمزدہ رہیں وہیں پُرشفقت باپ کا سایہ چھن جانے پر احمر اس المناک حادثے کے زیر اثر نڈھال رہا۔ پھر رفتہ رفتہ وہ سب ہی طوہاً و کرہاً زندگی کی طرف لوٹنے لگے۔ آج بہت زمانے بعد احمر اور صبوحی گھر سے باہر نکلے تھے صبوحی کی سال گرہ تھی ان کا آج باہر ڈنر کا ارادہ تھا۔ ڈیڑھ سالہ پری کو عروبہ نے اپنے پاس ہی روک لیا تھا وہ چاہتی تھی کہ آج کا دن احمر اور صبوحی مکمل طور پر ایک دوسرے کے ساتھ گزاریں۔

❁....❁....❁

عذرا کے باپ کے چہلم کے بعد جہانگیر اپنی ماں کے ذریعے کرم دین پر عذرا اور اس کی شادی کے لیے دباؤ ڈالنے لگا۔ ثمینہ کی شادی کے فرائض سے وہ پہلے سبکدوش ہو چکا تھا اور پھر کرم دین کا اصل چہرہ دیکھ لینے کے بعد وہ عذرا کے حوالے سے بے حد فکر مند بھی تھا۔ یہ مناسب تھا کہ جلد سے جلد ان دونوں کی شادی ہو جائے پر کرم دین نے ان دونوں کی شادی کو لے کر آنا کانی شروع کر دی تھی۔ ثریا بی اور جہانگیر کرم دین کے شادی ٹالنے کے بہانوں پر ٹھٹک گئے تھے۔ انہیں کرم دین کے ارادے نیک نظر نہ آئے تو برادری کے بزرگوں تک معاملہ پہنچا۔ فضل دین نے جہانگیر اور عذرا کی شادی کے بابت کرم دین سے دریافت کیا تو وہ انہیں بڑے آرام سے یہ کہہ کر مطمئن کر گیا۔

"میں کب شادی سے انکار کر رہا ہوں میں تو ثریا بہن سے صرف چند دن ٹھہرنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔ بھائی کو گزرے چند ماہ ہی ہوئے عذرا بیٹی کو بھی سنبھلنے کے لیے کچھ وقت درکار ہے وہ سنبھل جائے تو کر دیں گے دونوں کی شادی۔" فضل دین کو کرم دین کی باتوں میں وزن نظر آیا سو واپس آ کر جہانگیر کو کچھ وقت ٹھہر جانے کا اشارہ دیا۔ بات کیونکہ گھر سے نکل کر پنچایت کے سربراہ تک جا پہنچی تھی اس وجہ سے جہانگیر بھی کچھ حد تک مطمئن ہو گیا مگر پھر اچانک وہ ہوا جس کا جہانگیر کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔

ثریا بی کا ملک الموت کی جانب سے بلاوا آ گیا اور وہ داغ مفارقت دے کر اس دوڑتی بھاگتی زندگی کو خیر باد کہہ گئیں۔ غم ناقابل برداشت تھا ایک ماں ہی تو رہ گئی تھی اس کے پاس وہ ہی تو اس کا سہارا تھیں اب یہ سہارا بھی اس سے چھن گیا۔ غم شدید تھا بہت دن تک تو جہانگیر کو اپنا بھی ہوش نہ رہا وہ تب بھی بیگانہ ہی رہتا اگر اس دن عذرا اس سے ملنے نہ آتی اور پریشان کن خبر نہ دیتی۔

"کچھ دن سے ہمارے گھر بڑے عجیب قسم کے لوگ آرہے تھے چاچا انہیں کمرے میں لے کر بند ہوجاتا ہے نہ جانے کیا معاملات طے کرتا۔ ان سب کی نظریں بھی بڑی گندی تھیں' بڑے خراب انداز میں دیکھتے تھے مجھے۔ مجھے تو وحشت کے مارے دم نکلتا محسوس ہوتا تھا۔ کل رات پھر آئے تھے وہ لوگ اور اس بار میں نے بند دروازے سے کان لگا کر ساری گفتگو سن لی تھی' جہانگیر چاچا میرا رشتہ کہیں اور طے کررہا ہے۔ کچھ کر جہانگیر...... میں تیرے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔" وہ روتی ہوئی اس کے ہوش اڑا گئی۔ جہانگیر سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کرم دین اس حد تک بھی جاسکتا ہے' اس کے حالات سے فائدہ اٹھا کر وہ یوں چوری چھپے عذرا کی شادی کرنے کی سازش تیار کیے بیٹھا تھا۔ وہ شدید غصے کے عالم میں فضل دین کے پاس پہنچا اور ساری بات گوش گزار کرڈالی۔ فضل دین نے تمام باتوں پر غور کرتے ہوئے فوراً کرم دین کو بلوایا اور اس سے باز پرس شروع کردی۔

"او نہیں جی' میں ایسا کیسے کرسکتا ہوں۔ ٹھیک ہے مجھ سے ماضی میں بڑی غلطیاں ہوئیں مگر اب میں ایسی حرکتوں سے باز آیا۔ یہ جہانگیر پتر کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" کرم دین گڑگڑاتا ہوا جھوٹی وضاحتیں دینے لگا' جہانگیر اس کی بات سن کر غصے سے پہلو بدل گیا۔

"اگر ایسی بات ہے کرم دین تو تم عذرا اور جہانگیر کی شادی کی تیاری کرو۔ شادی بیاہ میں بلاوجہ کی تاخیر بدگمانی اور بڑے مسائل جنم دیتی ہے۔ عذرا بیٹی بھی اپنے گھر کی ہوجائے اور جہانگیر کا بھی گھر بس جائے یہ ہم سب کے لیے خوشی کی بات ہوگی۔" فضل دین ایک تجربہ کار زمانہ شناس انسان تھا۔ کرم دین کو بھی ایک عرصے سے جانتا تھا سو فیصلہ جہانگیر کے حق میں دے کر بات ختم کرڈالی پر کرم دین کی مثال وہی تھی جو کتے کی ٹیڑھی دُم کی ہوتی ہے۔ فضل دین کے سامنے تو وہ حامی بھر آیا تھا مگر دل میں جو بغض وعناد جہانگیر کے لیے پال رکھا تھا وہ الاؤ کے مانند اس کے اندر بھڑک رہا تھا۔ جہانگیر نے اس کی ساری منصوبہ بندی مٹی میں ملادی تھی۔ وہ جہانگیر کو کسی بھی عذرا کی صورت خوشی نہیں دینا چاہتا تھا' پہلے بھی اس کے ارادے اسی شخص کی وجہ سے خاک میں ملے تھے اور آج پھر وہ اس کے منصوبے کے بیچ آرہا تھا۔

مگر اس بار اس نے ہوش مندی سے کام لیا تھا۔ گھر جاکر ہوا بھی نہ لگنے دی عذرا کو کسی بات کی اور بڑی ہی راز داری سے اپنا کام کرتا گیا۔ کوئی ایک ہفتہ گزرا ہوگا جب عذرا دوبارہ روتی ہوئی جہانگیر سے ملنے آئی اس بار وہ کھیت کی طرف جاتی ہوئی پگڈنڈی سے ذرا پرے ملے تھے۔

"تجھ کو کوئی فکر نہیں ناں میری تو بیٹھ آرام سے اپنے گھر۔ کل بیاہ رہا ہے میرا چاچا مجھے۔" اس کے لہجے میں شکایت تھی' آنکھیں رو رو کر سوج چکی تھیں' جہانگیر تڑپ ہی اٹھا۔

"ایسا کیوں کہہ رہی ہے عذرا...... تیرا چاچا ایسا نہیں کرسکتا میں نے فضل چاچا کو سب کچھ بتادیا ہے انہوں نے خود ہماری شادی کی تیاری کا کہا ہے۔" وہ بے یقینی سے کہہ رہا تھا' عذرا کی بات نے اسے بھی پریشانی میں مبتلا کر ڈالا تھا۔

"تو کیا جانتا نہیں میرے چاچا کو' چھپ کر میری شادی کرڈالے گا تو کیا کرے گا پھر تو اور فضل چاچا۔" وہ غصے سے پھنکاری تھی۔ "جانتا بھی ہے تو چاچا کا ماضی کیسا تھا' پچھلی بار بھی پنچائیت نے جو فیصلہ کیا کتنا اس کی حفاظت کرسکی دیکھ لیتا' اس بار بھی کچھ یونہی ہوگا جب نہیں رہوں گی تو یاد آئے گی تجھے عذرا۔" وہ اشک بہاتی اسے ملامت کرتی جانے کو مڑی ہی تھی کہ دور سے آتے کرم دین کو دیکھ کر اس کے قدموں تلے زمین نکل گئی۔

❁......❁......❁

"یہ شام پھر نہیں آنی' اس شام کو اس ساتھ کو......
آؤ...... امر کرلیں...... امر کرلیں......

ائر کنڈیشن کی خنکی گاڑی میں پھیلی ہوئی تھی اور ایف ایم پہ جنید جمشید کا ہمیشہ یاد رہ جانے والا نغمہ گاڑی میں ایک رومانوی فضا قائم کررہا تھا۔ احمر کے لب بھی اس خوب

معروف صحافی ادیب اور مفسر مشتاق احمد قریشی ایک اور معرکۃ الآرا تالیف

امام الآئمہ حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہ اہل سنت اور فقہ حنفی کے بانی ہیں
حنفی فقہ کے بانی امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
کی سیرت حیات اور ان کی فقہی زندگی اور کام کے بارے میں ایک مختصر جائزہ

امام اعظم ابوحنیفہ رح

حیات و فقہی کارنامے

تلخیص و تالیف: مشتاق احمد قریشی ◆ ہدیہ: ایک سو پچاس روپے

منگوانے کا پتہ

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی 74400 فون: 021-35620771/2

اسلامی کتب خانہ الحمد مارکیٹ غزنوی روڈ لاہور فون: 042-37116257

صورت گیت کے بول گنگناتے ہوئے اپنے دل کا حال بیان کررہے تھے۔ صبوحی مسکراتی ہوئی اپنے ہمسفر کو وقفے وقفے سے دیکھ رہی تھی۔ آج اس کی سال گرہ تھی اور اس کی خواہش تھی کہ یہ اس کی زندگی کی سب سے خوب صورت شام ہو۔

"احمر...... آج میری ہر بات مانو گے ناں۔" وہ اپنے لہجے میں مٹھاس سمو کر بولی۔

"ہونہہ...... کہیں مادام' کیا خواہش کرنی ہے۔" اسے ایک لمحہ لگا تھا یہ سمجھنے میں کہ صبوحی کا فرمائشی پروگرام کا آغاز ہوا ہی جاتا ہے۔

"میری خواہش ہے کہ آج اپنی سال گرہ کے موقع پر ہم ڈنر کے بعد لانگ ڈرائیو پر جائیں اور......" اتنا کہہ کر وہ مقصدیت سے احمر کی جانب دیکھ کر خاموش ہوگئی۔

"اور کیا...... اب کہہ بھی دوناں آج کے دن تمہاری ہر خواہش پوری ہوگی سویٹ ہارٹ۔" وہ اس کی جانب محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اور یہ کہ...... آج ڈرائیونگ میں کروں گی۔" وہ شرارت سے کہتی نچلا لب دانتوں تلے دابے اسے دیکھنے لگی۔

"یار کچھ بھی فرمائش کرلو مگر ڈرائیونگ کی بات نہ کرو۔" گاڑی میں چھائی رومانیت پل بھر کو معدوم ہوئی' وہ خفگی سے بولا تھا۔

"احمر پلیز ناں' بس آج کے دن۔" صبوحی نے ملتجیانہ انداز اپنایا۔

"صبوحی تم بالکل اچھی ڈرائیونگ نہیں کرتیں' کہیں نہ کہیں ضرور گاڑی ٹھونکتی ہو اور آج کا دن میں تمہاری ڈرائیونگ کی نذر کرکے اسپائل نہیں کرنا چاہتا۔" وہ سنجیدگی سے صاف انکار کرگیا تھا۔

"اوکے۔" وہ منہ پھلا کر سامنے دیکھتے ہوئے بولی پھر سارا رستہ خاموشی میں کٹا۔ یہاں تک کہ ڈنر بھی بگڑے ہوئے موڈ کے ساتھ کیا گیا۔ ڈنر سے واپسی پر احمر نے دل پر پتھر رکھ کر فقط صبوحی کا بگڑا ہوا موڈ بحال کرنے کے لیے ڈرائیونگ کی اجازت دے دی تھی۔

ان کی شام تو اس فضول سی ضد پر خراب تو ہوچکی تھی پر اس کا اختتام وہ ایک خوشگوار انداز میں کرنا چاہتا تھا' بے پناہ محبت کرتا تھا اس سے۔

"تھینک یو سو چ احمر......! تم واقعی بہت اچھے ہو' آئی لو یو۔" وہ بچوں جیسی خوشی اور محبت کا اظہار کررہی تھی۔

"پر تم بہت بری ہو اینڈ آئی ہیٹ یو۔" وہ نروٹھے پن سے بولا۔

"تمہارے اس ظالمانہ جواب کے باوجود آئی لو یو سوچ احمر......" صبوحی نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے انتہائی محبت سے احمر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ احمر نے فقط اسے خفگی سے دیکھنے پر اکتفا کیا' اس کی بات مان چکا تھا اب نخرے دکھانے کا بھرپور موقع تھا اس کے ہاتھ۔

گاڑی اسٹارٹ ہوچکی تھی اور اپنے سفر پر گامزن تھی' ان دونوں کی چھوٹی موٹی جھڑپیں بھی ساتھ ساتھ جاری تھیں۔ احمر بار بار صبوحی کو گاڑی احتیاط سے چلانے کا کہہ رہا تھا اور وہ اسے ستانے کے لیے گاڑی کی رفتار بڑھائے جارہی تھی' ان کی گاڑی فاسٹ ٹریک پر تھی۔

"صبوحی اب آنے والا سگنل مت توڑنا' گاڑی روکنا۔" احمر نے اسے تنبیہی انداز میں کہا' وہ اب تک راستے میں آنے والے ہر سگنل کو توڑتی آئی تھی' اس کی نظر میں رات کے اس وقت سگنل پر رک کر سگنل کھلنے کا انتظار کرنا نری حماقت ہے۔ وہ ابھی بھی اس کی بات پر نچلا لب شرارت سے دابے مسکراتے ہوئے سر ہلاگئی' صاف ظاہر تھا کہ اس کے ارادے خطرناک تھے۔

اس نے اس سگنل کو بھی اسی تیز رفتاری کے ساتھ عبور کرتے ہوئے ایک فاتحانہ مسکراہٹ احمر کی جانب اچھالی تھی جو اسے غصے سے گھور رہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا دائیں جانب سے آتے ایک تیز رفتار ٹرک نے زوردار طریقے سے ان کی گاڑی کو ہٹ کیا' ٹرک اور گاڑی کے ہولناک تصادم سے فضا گونج اٹھی۔ گاڑی قلابازیاں کھاتی فٹ پاتھ سے جاٹکرائی تھی۔ رات کے

اس پہر وہاں سے گزرتی چند ایک گاڑیاں اس سنگین حادثے کو دیکھ کر رک گئی تھیں۔ گاڑی کی حالت ناقابل بیان تھی‘ انسانیت کا درد رکھنے والے کچھ لوگ اس پچکی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھے تھے۔

❀......❀......❀

کرم دین کو اس جانب آتا دیکھ کر جہانگیر عذرا کو لے کر درختوں کی آڑ میں ہوگیا۔ کرم دین اکیلا نہ تھا اس کے ہمراہ کچھ لوگ تھے۔ جہانگیر نے غور سے انہیں دیکھ کر پہچاننے کی کوشش کی مگر ان میں سے کوئی بھی ان کے گاؤں کا نہ تھا‘ وہ لحہ بہ لحہ قریب آرہے تھے اور ان کی سرگوشیاں بھی اب صاف سنائی دے رہی تھیں۔

”چاچا گھر پر نہیں تھا جب تم یہاں آئی تھیں؟“ جہانگیر نے آہستگی سے عذرا سے پوچھا‘ وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

”دیکھ کرم دین...... تجھے ہم نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تیری بھتیجی سے شادی صرف وارث کے لیے کی جارہی ہے۔ وارث ہوتے ہی اس سے تعلق ختم البتہ وہ وارث ہمارے پاس رہے گا اور کان کھول کر سن لے اگر وہ وارث پیدا نہ کرسکی تو اسے حویلی سے باہر کرنے میں ہم ایک لحہ بھی نہ لگائیں گے۔“ ان میں سے ایک مرد نے بڑے ہی سخت لہجے میں کرم دین کو باور کرایا۔

”حضور شادی کے بعد آپ جو بھی کریں‘ میں کچھ کہنے والا کون ہوتا ہوں۔ گھر سے نکالیں یا جان سے ماردیں میری کیا مجال جو ایک لفظ بھی کہوں۔“ کرم دین کا لہجہ خوشامدانہ تھا‘ عذرا یہ سب کچھ جان کر لرز اٹھی۔

”تمہارا کچھ بھروسہ نہیں کرم دین...... پیسے کے لالچ میں تم کچھ بھی کرسکتے ہو۔ یاد رکھو اگر اپنے وعدے سے پھرے تو تمہیں دنیا سے رخصت کرنے میں ہمیں ذرا بھی دیر نہیں لگے گی۔“ یہ دوسرا مرد تھا جو خطرناک انداز میں کرم دین کو دھمکا رہا تھا‘ جواب میں کرم دین کھسیا کر رہ گیا۔

”ابھی ہم فضل دین کے گھر جارہے ہیں ناں وہ بندہ مان جائے گا ناں تیری بات۔“ پہلے والے بندے نے سوال اٹھایا‘ وہ تینوں اب ان کے سامنے سے گزر رہے تھے‘ اندھیرے اور گھنے درختوں کے باعث وہ تینوں انہیں دیکھ نہ سکے۔

”بس جی رقم پکڑانے کی دیر ہے پھر تو جی جان سے ہمارے ساتھ ہوگا فضل دین۔“ کرم دین کا انداز خوشامدانہ تھا۔ وہ تینوں اب آگے نکل چکے تھے‘ ان کے قدموں کا رخ فضل دین کے گھر کی جانب تھا۔ عذرا کو لگا اس کے پیروں سے زمین کھسک گئی ہو جہانگیر اگر اسے سہارا نہ دیتا تو وہ کب کی گر چکی ہوتی۔

”سن لیا ناں تُو نے اب اپنے کانوں سے میری بات پر تو یقین نہ کرتا تھا تُو۔“ وہ تپتی نگاہوں سے جہانگیر کو دیکھتی ہوئی بولی۔

”تُو فکر نہ کر جب تک میں زندہ ہوں تیرا کوئی برا نہیں کرسکتا تو صرف میری عذرا ہے اور میری ہی رہے گی۔“ اسے اپنے ساتھ کا یقین دلا کر اب آگے کا لائحہ عمل سمجھانے لگا۔ وہ فیصلہ کرچکا تھا اس گاؤں کو چھوڑنے کا‘ اس گاؤں میں اب ان کا کوئی بھی اپنا نہ رہا تھا۔

صبح فجر سے ذرا پہلے ضروری سامان کی گٹھڑی بنائے وہ اسی جگہ موجود تھا جہاں رات کو وہ دونوں ملے تھے۔ جہانگیر پہلے ہی سے اس کا منتظر تھا‘ سفیدی پھوٹنے میں ابھی بھی کچھ وقت باقی تھا۔ وہ دونوں ساتھ تیز تیز چلتے اس گاؤں سے دور نکل آئے۔

”ہم کہاں جائیں گے جہانگیر...... لاہور؟“ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”نہیں...... لاہور نہیں ہم یہاں سے بہت دور جائیں گے‘ ہم کراچی چلے جائیں گے۔“ جہانگیر نے جواب دے کر اپنے قدم مزید تیز کردیئے۔ ذرا فاصلے پر ان کی سواری تیار کھڑی تھی‘ جسے انہیں قریبی شہر تک پہنچانا تھا‘ اس کے بعد اپنا راستہ انہیں خود بنانا تھا۔

❀......❀......❀

اس کا پورا وجود نلکیوں میں جکڑا ہوا تھا اور جسم کے بیشتر حصے پٹیوں میں لپٹے ہوئے تھے آکسیجن کے ذریعے اس کی سانسوں کو ہموار کرنے کی کوشش کی جارہی تھی اور ساتھ

ساتھ ہی دل کی دھڑکنوں کی رفتار مشین میں مونیٹر کی جا رہی تھیں۔ وہ گزشتہ پانچ دنوں سے انتہائی نگہداشت یونٹ میں نیم مردہ حالت میں زیر علاج تھا۔ اس بات سے قطعی طور بے خبر اس کی جان سے عزیز شریک حیات زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زندگی سے دامن چھڑا کر نیند کی وادی میں جا سوئی تھی۔ مسز علوی بھیگی آنکھوں سے شیشے کے اس پار سے اس کے ساکت وجود کو دیکھتے ہوئے رب تعالیٰ سے اس کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ عروبہ چھوٹی سی پری کو سنبھالے گم صم سی بیٹھی تھی۔ کچھ دیر قبل ہی ڈاکٹر اس کی حالت تشویش ناک قرار دیتے ہوئے دعاؤں کا کہہ کر گئے تھے۔

وہ دونوں اس شام کو اپنی زندگی کی حسین ترین شام بنانے نکلے تھے پھر یوں کیسے اپنی زندگی اپنی خوشیاں اجاڑ بیٹھے وہ جتنا ان کے متعلق سوچتی دل مزید تڑپ سا جاتا۔ پری نے اچانک رونا شروع کردیا تو اسے اپنی سوچوں کے گرداب سے واپس نکلنا پڑا۔ وہ ماں سے قربت کے لیے مچل رہی تھی، پچھلے کچھ دنوں سے اسے نہ ماں کا قرب میسر ہوا تھا نہ ہی باپ کی شکل دیکھنا نصیب ہوئی تھی۔ عروبہ اسے سینے سے لگائے ہسپتال کی راہداری میں ٹہلنے لگی۔ آج اسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا، پری کی محرومیاں اسے اذیت میں مبتلا کررہی تھیں، وہ ان محرومیوں کے دکھ بہت اچھی طرح محسوس کرسکتی تھی۔

آنے والے دنوں میں احمر کی حالت قدرے سنبھلنے لگی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ زندگی کی جانب لوٹنے لگا تھا، یہ خوشی کی بات تھی مگر مسز علوی کے دل میں ایک نیا خوف سر اٹھانے لگا تھا۔ وہ موت سے لڑ کر زندگی کی طرف لوٹا تھا اور اس کی زندگی اس پار جا چکی تھی جہاں سے واپسی ناممکن تھی۔ وہ کس طرح برداشت کرے گا، یہ اندوہناک خبر بس یہی ایک فکر انہیں اندر سے کھائے جا رہی تھی۔ وہ دو ہفتے بعد گھر لوٹ رہا تھا، چہرے پر نقاہت کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی طاری تھی۔ سب گھر والے اس کی نگاہوں کے سامنے تھے سوائے اس کے، وہ کہاں تھی؟ یہ سوال وہ بارہا کرچکا تھا مگر تسلی بخش جواب اب تک نہیں ملا تھا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ گاڑی کے رکنے پر آنکھیں کھول کر اردگرد کا جائزہ لینے لگا، وہ اب اس کا گھر تو نہیں تھا یہ تو ایک الگ جہان تھا، ویران سا خاموش سا۔ وہ دہل گیا، کچھ انہونی ہونے کے احساس نے اس کے اوسان خطا کردیئے۔

"چلو احمر......" عروبہ نے اس سے نظریں چراتے ہوئے گاڑی میں چھائی خاموشی کا سکوت توڑا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔ مسز علوی نے بڑی مشکل سے آنسوؤں کا سیلاب آنکھوں کے پیچھے دھکیلا۔ وہ پری کو سنبھالے گاڑی میں ہی بیٹھیں جھلملاتی آنکھوں سے ان دونوں کو شہر خاموشاں کی حدود پار کرتی دیکھتی رہیں۔

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں عروبہ؟" اس نے دھڑکتے دل سے سوال کیا پر جواب ندارد۔

"بھلا کوئی قبرستان میں کیوں آتا ہے، کسی اپنے سے ملنے جو منوں مٹی تلے سو رہا ہے پر اس کا یہاں کون اپنا ہے اس کے ابو ایک خیال ذہن میں کوندا نہیں وہ نہیں...... وہ یہاں نہیں وہ تو کہیں اور مدفون ہیں۔ اسے یاد آیا پھر کون؟ سب سے اہم سوال اب بھی سر اٹھائے کھڑا تھا اور جواب مشکل تو نہ تھا سمجھنے کے لیے تو اشارہ ہی کافی تھا مگر ایسی بات بھلا کون سمجھنا چاہے گا لوگ تو تصور کرتے ہی کانپ جاتے ہیں اور یہی تو اس پر بھی طاری تھی۔

"اپنی صبوحی سے نہیں ملو گے احمر......!" وہ بہت دھیرے سے اور قبرستان کے باہر سے ایک قبر کی طرف اشارہ کرتے گویا ہوئی اور احمر اس قبر کے قریب پہنچ کر کتبے پر درج نام کو دیکھ کر بے یقینی سے دیکھتا رہ گیا۔

❁......❁......❁

ان دونوں نے شہر پہنچتے ہی نکاح کرلیا تھا، ایک دن اپنے دوست علی نواز کے گھر قیام کرکے وہ اگلے ہی دن کراچی کے لیے روانہ ہوچکے تھے۔ ساحل کنارے آباد کراچی جو روشنیوں کے شہر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان

دونوں کو حسب روایت اپنی بانہوں میں سمیٹ چکا تھا۔

کراچی میں زندگی کی دوڑ کو ایک ہی رفتار میں متعین رکھنا ذرہ بھر بھی آسان نہ تھا۔ اجنبی شہر اجنبی لوگ سر پر چھت بھی بمشکل ملی۔ اپنے ساتھ لائی ہوئی رقم بمشکل چند روز ہی سہارہ دے سکی۔ جہانگیر پہلے روز سے ہی ملازمت کے حصول کے لیے سرگرداں رہا مگر اب تک کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ بڑی مشکلوں سے جا کر روز کی دیہاڑی پر مزدوری ملی جس سے اتنا سہارا تو ہوا کہ ایک وقت کی روٹی با آسانی مل جاتی مگر روز کی دیہاڑی کی بھی کوئی ضمانت نہ تھی۔ ہر گزرتا دن پہلے سے زیادہ کٹھنائیوں کو دعوت دے رہا تھا اور ان ہی پریشانیوں سے گھبرا کر عذرا نے گھروں میں ملازمت کرنے کا ارادہ باندھا اور یہ اس کی خوش بختی تھی کہ پہلے روز ہی اسے سارا منیر کے گھر ملازمت مل گئی۔

سارا منیر فطرتاً بہت ہی نیک و رحم دل اور انسانیت کا درد رکھنے والی خاتون تھیں' عذرا کو دیانت داری سے کام کرتا دیکھ کر بے حد متاثر ہوئیں۔ ذرا کریدا تو وہ بھی اپنی رام کتھا سنانے لگی اور باتوں باتوں میں جہانگیر کی بے روزگاری کا بھی ذکر کر بیٹھی۔ سارا اس کی تمام باتیں سن کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

اگلے دن کا سورج عذرا اور جہانگیر کی خوش بختی کا مژدہ سناتے ہوئے طلوع ہوا تھا۔ سارا نے جہانگیر کو اپنے گھر کے لیے بطور کل وقتی ڈرائیور ملازم رکھ لیا تھا اور صرف یہی نہیں بلکہ عذرا کو بھی کل وقتی ملازمہ کے طور پر رکھ لیا تھا' ان دونوں کو گھر کے سرونٹ کوارٹر میں رہنے کی اجازت بھی دے دی گئی تھی۔ بیٹھے بٹھائے ساری ہی مشکلیں آسان ہو گئیں۔ وہ دونوں میاں بیوی بہترین اخلاق کے مالک تھے۔ عذرا اور جہانگیر پورے دل سے ان کی اس اعلیٰ ظرفی کے معترف ہو چکے تھے۔ سارا کا ایک دو سالہ اکلوتا بیٹا تھا' بے حد پیارا اور معصوم سا۔ عذرا سارا کی مدد اور بچے کی دیکھ بھال کی فرائض انجام دیتی' ان دنوں وہ بھی امید سے تھی اور سارا اس کی حالت کے پیش نظر اس کی صحت کا بے حد خیال بھی رکھتی تھی۔ جہانگیر اور عذرا کی زندگی صحیح معنوں میں سہل ہو چکی تھی' عذرا کی ڈلیوری کے دن نزدیک آ چکے تھے۔ سارا اس کا اب پہلے سے بڑھ کر خیال رکھ رہی تھیں اور پھر بالآخر وہ دن بھی آ ہی گیا جب عذرا کے ہاں شہزادیوں جیسے حسن کی مالک بیٹی نے جنم لیا۔

"ماشاء اللہ بہت ہی خوب صورت بیٹی ہے تمہاری' اس کا نام بھی بہت پیارا سا رکھنا۔" سارا نے ننھی شہزادی کو بانہوں میں بھر کر پیار کرتے ہوئے کہا' ننھی شہزادی نے کسمسا کر آنکھیں بھینچ لیں۔

"سارا باجی آپ ہی بتائیں کوئی اچھا سا نام' ہمیں تو سمجھ نہیں آتا۔" جہانگیر نے مسکرا کر کہا تو عذرا نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اچھا اگر مجھے اجازت دیتے ہو تم دونوں تو پھر میں اس شہزادی کا نام رکھوں گی عروبہ۔" سارا منیر علوی نے مسکراتے ہوئے کہا تو عذرا اور جہانگیر بھی مسکرا دیے۔ انہیں بھی یہ نام بے حد پسند آیا تھا' ڈھائی سالہ احمر پیاری سی عروبہ کو پیار کرنے کے لیے مچل رہا تھا۔ سارا علوی نے اپنی بانہیں نیچے جھکا کر عروبہ کو احمر کے آگے کر دیا۔

"کتنی پیاری ہے عروبہ...... یہ میری شہزادی ہے۔" وہ اس کے گلابی رخسار کو چھو کر ہاتھوں پر پیار کرتے ہوئے معصومیت سے کہہ رہا تھا' اس کے اس انداز پر وہ سب ہی ہنس پڑے تھے۔

❀......❀......❀

آج کل اسے اپنا دل دغا دیتا محسوس ہو رہا تھا' اس کی دھڑکنیں اسے سامنے دیکھ کر اچانک ہی بے ترتیب سی ہونے لگی تھیں۔ نہ جانے کیوں؟ حالانکہ نہ ہی کبھی اس نے ایسی کوئی بات ہوئی کہ دل خوش گمانیوں میں گھرے مگر پھر بھی نہ جانے کیوں دل اس کے ہاتھ سے نکلنے کو تیار تھا۔ اپنی دلی کیفیت سے جہاں وہ کبھی پریشان ہوتا تو کبھی محظوظ بھی ہو رہا ہوتا۔ یہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ نہ چین تھا نہ قرار تھا' ہمہ وقت بس خیالوں سے آباد تھا۔ وہ آج علوی ہاؤس جانے کی تیاری کر رہا تھا' ارادہ تھا کہ وہ وہاں سے احمر کو لے کر کلب کی طرف رخ کرے گا مگر وہاں پہنچ کر

معلوم ہوا کہ آج احمر آفس سے اب تک لوٹا ہی نہیں۔

"آپ لوگوں نے کال کر کے معلوم نہیں کیا کہ اب تک کیوں نہیں آیا وہ کہیں کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔" وہ پریشانی کے عالم میں گھبرا کر بولا مگر سامنے بیٹھیں دونوں خواتین نے اسے خاموش نظروں سے دیکھا اور پھر مسز علوی دھیرے سے گویا ہوئیں۔

"وہ کال ریسیو نہیں کر رہا عارب......" اور عارب اس کے موبائل پر بے چینی سے نمبر ملاتے ہاتھ تھم گئے۔

"اور آپ دونوں پھر بھی اتنے سکون سے یہاں بیٹھی ہوئی ہیں۔" وہ جھنجلاتا ہوا حیرانگی سے بولا۔

"پریشان نہ ہو عارب آپ' وہ خیریت سے ہوگا آج صبوحی کی برسی ہے وہ آج کا سارا دن اسی کے ساتھ بیتاتا ہے۔" عروبہ نے ٹھہرے لفظوں میں اسے بتایا اور اس کے پاس مزید کچھ کہنے کے لیے نہ بچا تھا' وہ بھی خاموشی سے ان دونوں نفوس کے ہمراہ لاؤنج میں بیٹھ گیا۔

❀......❀......❀

"تم ایسا کیسے کر سکتی ہو میرے ساتھ صبوحی...... مجھے یوں اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہو۔" وہ چند دن پہلے تعمیر ہوئی تازہ قبر کے کنارے بیٹھا آہ وزاری کر رہا تھا۔

"ایسے کیسے چھوڑ کر جا سکتی ہو تم' ابھی تو مجھے تم سے بہت لڑنا تھا۔" وہ قبر پر جھک کر اب رو رہا تھا۔

"ابھی تو مجھے تمہیں یہ بھی بتانا تھا کہ تم بہت اچھی ہو اور میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں۔ تم ایسے کیسے جا سکتی ہو۔" قبرستان کی خاموش فضا اداسی اور سوگواری کے کہر میں لپٹی ہوئی تھی وہاں بہت سے اتنے انسان مٹی تلے سو رہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی نہ جاگا' ان کی گہری نیند میں خلل ڈالتی یہ آہ وزاری کسی کو بھی بُری نہیں لگ رہی تھی۔ یہ وہی انسان تھے جو زمین کے اوپر بستے تھے ہنگامہ برپا رکھتے تھے اور اب جب زمین کے نیچے جا بسے تو ہر ہنگامہ سے لاتعلق ہو گئے' وہ بھی لاتعلق سی بنی مٹی تلے گہری نیند سوئی رہی اور وہ رو رو کر نڈھال ہو گیا۔

"تم تو اتنی دیر خاموش بھی نہیں رہ سکتی تھیں اور یہاں کیسی خاموشی اختیار کر رکھی ہے بولو ناں قفل توڑ دو خاموشی کا۔" وہ قبر پر ہاتھ رکھتا اب غصے سے دھاڑا تھا۔

"احمر پلیز خود کو سنبھالو یوں نہ کرو صبوحی کو تکلیف ہوگی۔" وہ بے بسی کی تصویر بنی اسے دیکھتے ہوئے وہیں سے بولی' پر اب صبر نہ کر سکی تو اسے سنبھالنے کو آگے بڑھی پر کوچ سوچ کر ایک دم قدم روک لیے۔

"تکلیف...... میری صبوحی کو تکلیف...... ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو وہ کیسے بولے گی اس پر تو منوں مٹی ڈال دی سب نے۔ وہ سانس بھی کیسے لے گی' وہ تکلیف میں ہوگی۔ میں ہٹاتا ہوں مٹی...... ساری مٹی ہٹاتا ہوں۔" وہ جنونی انداز میں قبر سے مٹی ہٹانے لگا' عروبہ پریشانی سے اسے روکنے کے لیے تیزی سے آگے بڑھی۔ وہ بے قابو ہوا جاتا تھا' تقریباً چھ فٹ مضبوط جسامت کے مالک مرد کو سنبھالنا اس کے بس سے باہر ہوا جا رہا تھا۔

اسے ایک عرصہ لگا صبوحی کی موت کو قبول کرنے میں پر وہ پہلے جیسا احمر نہ رہا۔ وہ ان سب سے بے زار ہو چکا تھا' یہاں تک کہ پری سے بھی۔ وہ ایک مشینی انداز کی زندگی گزار رہا تھا' جیسے اس کے نہ کوئی جذبات ہوں نہ احساسات بس گزارا ہی تو کرنا ہے۔ مسز علوی کی ہزار کوششوں کے باوجود وہ زندگی کی طرف واپس نہ لوٹ سکا یہاں تک کہ پری کی بکھری بیاں اس کی حساسیت بھی اس کی توجہ اپنی جانب مبذول نہ کرا سکی۔

وہ کافی لیٹ گھر پہنچا تھا' عارب اس کا انتظار کر کے جا چکا تھا۔ گھر لوٹتے ہی وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا تھا' اس وقت وہ کسی سے بھی سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنی کھوئی ہوئی جان حیات کو ایک بار پھر رو کر آیا تھا۔ مسز علوی نے بڑی ہمت کر کے اس کے کمرے میں قدم رکھا' وہ سامنے ہی روالنگ چیئر پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے بیٹھا تھا' ایک عجب سی دہشت برستی تھی اس کے حلیے سے' مسز علوی دہل کر اس کی جانب بے قراری سے بڑھیں۔

"احمر......!" ماں کی پکار پر اس نے آنکھیں کھول کر

دیکھا' شدید گریہ وزاری سے سرخ ہوتی آنکھیں' بکھرے بال' ملگجے کپڑے' مٹی مٹی ہوتے جوتے' اس کے شب غم کی داستان سنا رہے تھے۔ مسز علوی کی آنکھیں شدت جذبات سے چھلک پڑیں۔

"آخر کب تک یوں خود کو اس کے غم میں برباد کرتے رہو گے احمر؟" وہ بے تابی سی اس کے سابقہ رویے بھلائے اس کی جانب بڑھیں۔ "تم کچھ بھی کرلو وہ اس جہان میں جاچکی ہے جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا' مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا میرے بچے......"

"مرنے والوں کے ساتھ جیا بھی نہیں جاتا ماما۔" وہ سرد نگاہوں سے انہیں دیکھتا ہوا سپاٹ لہجے میں بولا۔ اس کے اس انداز پر وہ تڑپ کر رہ گئیں۔

"تمہیں آخر صبر کیوں نہیں آتا احمر؟" اس کے ماتھے کو چوم کر ان کا لہجہ بھیگ گیا۔

"کیونکہ میں خود نہیں چاہتا کہ مجھے صبر آئے۔" وہ ایک جھٹکے سے رولنگ چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا اور کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا' مسز علوی اسے دل گرفتگی سے دیکھتی رہ گئیں۔

❀......❀......❀

اس نے کھڑکی کی سلائیڈ ہٹائیں تو ہوا کا تیز جھونکا تیزی سے کمرے میں داخل ہوا' وہ ہوا کے جھونکے سے بے نیاز اس چاند کو تکنے لگی جو وسیع آسمان پر تنہا کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کتنا اکیلا تھا وہ پھر بھی مسکرا رہا تھا' کیا مسکرانا واقعی اتنا آسان ہوتا ہے اس کے دل میں سوال ابھرا۔ چودھویں کا چاند تھا' اس کے یوں بے خودی سے تکنے پر مزید مسکرا گیا۔

"اور کیا انتہا پر کشش بھی ہو سکتا ہے۔" وہ مغموم سی چاند کو دیکھتی رہ گئی۔

"ہاں جب تنہائی کے مارے مسکراتے ہیں تو وہ ادا نرالی ہوتی ہے۔ وہ مسکراہٹ قاتل ہوتی ہے' گھائل کر دیتی ہے۔" اس کے لبوں پر ایک قاتلانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اور تنہا ہونے کا غم مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔" اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں' چاند دھندلا گیا' اس نے فوراً پلکیں جھپک ڈالیں۔ دھندلاتا عکس چاند کا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا' دو ننھے موتی اس کی آنکھوں سے نکل کر ہونٹوں پر جذب ہو گئے' چاند اب شفاف سا اسے نظر آرہا تھا۔

"وہ بھی تو تنہائی کا عذاب جھیل رہا ہے اور آج تو اس کا غم سوا ہوگا۔" اس کے اندر سے کوئی کرلایا' ایک پھیکی مسکان لبوں پر سجی۔

"پھر بھی آسانی ہے اس کے لیے کم از کم اپنا درد بانٹ سکتا ہے۔ رو تو سکتا ہے چیخ چلا کر دل کا غبار تو ہلکا کرسکتا ہے۔ اس کا غم تو نہایت عام ہے مگر ہر دکھ ہر غم بے پردہ نہیں ہوسکتا۔ دکھوں اور غموں کا بھی پردہ ہوتا ہے' بعض غم چیخ چیخ کر اپنے ہونے کا احساس دلاتے ہیں مگر انہیں سننے والا' مرہم رکھنے والا کوئی نہیں ہوتا' خود غم جھیلنے والا بھی بے اختیار ہو کر خاموشی سے نظر انداز کر کے ان سے پہلو تہی کی کوشش کرتا ہے اور اسی نظر اندازی پر وہ غم اور زیادہ چیخ چیخ کر روتے ہیں مگر انہیں سننے والا کوئی نہیں ہوتا۔

"وہ خوش نصیب ہے جو اپنے غموں پر رو تو سکتا ہے۔ فریاد کرسکتا ہے' شکوہ کرسکتا ہے' پر ہم بے بسی کے مارے کدھر جائیں اے دل......" وہ کھڑکی کے سلائیڈ برابر کر کے ایک زخمی مسکراہٹ کے ساتھ پلٹی' اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گر رہے تھے' جنہیں ہتھیلی سے رگڑتی وہ ایک نظر سوئی ہوئی پری پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

❀......❀......❀

"کیا بس وہ ہی ایک سب کچھ تھی تمہارے لیے اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔" مسز علوی دل گرفتہ سی اس سے سوال کر رہی تھیں۔ وہ لب بھینچے خاموش سا کھڑکی کے اس پار نظر آتے لان کو دیکھتا رہا جہاں چودھویں رات کی چاندنی ہر سو بکھری ہوئی تھی۔

"تمہارے بابا بھی تو ہمیں چھوڑ کر چلے گئے' تمہیں کیا لگتا ہے میں انہیں یاد نہیں کرتی۔ میں ان سے محبت نہیں کرتی' تو کیا میں بھی ان کی یاد میں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کے بیٹھ جاؤں' تم سب کو چھوڑ دوں' بتاؤ احمر...... میں بھی تمہارے نقش قدم پر چلوں؟" آج ان کا صبر ختم ہو گیا تھا' وہ

دل برداشتہ سی ہو کر پھٹ پڑیں، وہ خاموش رہا، چہرہ ہنوز سپاٹ رہا۔

"اور میں کیا سمجھوں احمر؟ محبت صرف تمہیں صبوحی سے تھی، ہم میں سے کسی سے نہیں۔ ہم جو تمہاری فکر میں ہلکان رہتے ہیں، ہماری کوئی قدر نہیں؟" وہ اس پتھر لیے انسان کو آج توڑ دینا چاہتی تھیں، وہ اس احمر کو پھر سے جگا دینا چاہتی تھیں جو جانے کتنی گہرائی میں جا سویا تھا۔ وہ احمر کے کمرے کے دروازے کے باہر آ کر رکی، کمرے کے اندر گونجتی آوازوں نے اس کے قدموں کو وہیں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تمہیں اپنی ماں سے محبت نہیں، اپنی بیٹی کا بھی احساس نہیں۔ وہ تو تمہارے اور صبوحی کے دل کا ٹکڑا تھی، اس سے کیسے منہ پھیر لیا تم نے۔" ان کے سوالات تلخ ہوتے جا رہے تھے۔

"ماما پلیز...... اب بس کر دیں۔" وہ ضبط کے آخری مراحل میں تھا، بڑی مشکلوں سے بول پایا۔

"میں بس کر دوں، بس اب تم کو احمر...... اتار دو آنکھوں سے یہ اندھی محبت کی پٹی، اپنے ارد گرد دیکھو، ان لوگوں کو دیکھو جو تمہارے منتظر ہیں۔ مجھے دیکھو مجھے تمہاری ضرورت ہے، میں اس عمر میں تمہیں یوں گھلتے دیکھ کر اندر ہی اندر ختم ہو رہی ہوں بیٹا۔" وہ اب رو رہی تھیں، احمر کو مجبوراً ان کی طرف پلٹنا پڑا۔

"ماما میں آپ سے بیگانہ نہیں ہوں مگر اب کیا کروں، میں پہلے جیسا نہیں ہو سکتا۔" وہ بے بسی سے ان کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہوا بولا۔

"کیوں نہیں ہو سکتے، تمہیں ہونا پڑے گا۔ میرے لیے اپنی بیٹی کے لیے اور عروبہ کے لیے۔" وہ اپنے موقف سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھیں، دروازے کے باہر کھڑی عروبہ اپنے نام پر چونکی۔

"عروبہ کے لیے کیوں؟" اس نے بدک کر تلخی سے پوچھا۔

"کیونکہ ایک وہی ہے جو تمہارا ساتھ دے سکتی ہے، ہمیں سمجھ سکتی ہے تمہارا اور پری کا خیال رکھ سکتی ہے۔ میں چاہتی ہوں تمہاری عروبہ سے شادی ہو جائے اب۔" وہ صاف لہجے میں بے خوف سی کہہ رہی تھیں، عروبہ کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ اب بے چینی سے احمر کے جذبات اس کا ردعمل جاننا چاہتی تھی۔

"آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں ماما......! عروبہ آخر ہماری لگتی ہی کیا ہے؟ کیا رشتہ ہے اس کا ہمارے ساتھ؟ فقط گھر کے ایک پرانے ڈرائیور کی بیٹی اور آپ مجھے کہہ رہی ہیں کہ اس سے شادی کر لوں۔ اپنی برسوں کی محبت اس لڑکی کے لیے بھلا دوں جس کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔" وہ بُری طرح بھڑک گیا تھا اور باہر کھڑی عروبہ کو یوں لگا جیسے کسی نے زہر خند خنجر سے اس پر وار کر ڈالا ہو۔

"احمر یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" مسز علوی کا لہجہ سخت حیران کن اور انداز میں ناگواری جھلک رہی تھی۔

"جو حقیقت ہے وہی کہہ رہا ہوں، خود بتائیں ہمارا کیا رشتہ ہے اس لڑکی سے فقط ہمدردی کا ناں۔ کون ہے وہ ہماری، کیا لگتی ہے، کچھ بھی نہیں۔ ایک ڈرائیور کی بیٹی جس پر ترس کھا کر ہم نے اسے گھر میں رہنے کی جگہ دی۔ معاشرے میں اعلیٰ مقام دیا کیا اتنا سب کچھ کافی نہیں جو اب میں اسے اپنی زندگی میں بھی شامل کر لوں اس سے شادی کر لوں۔" وہ جنونی انداز میں بول رہا تھا جیسے ایک زمانے سے بھرے زہر کو آج نکلنے کا موقع ملا ہو۔ عروبہ کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے مگر اس طرح اس کی تذلیل نہ ہو کہ اگلا سانس لینا بھی اسے شرمندگی سے دوچار کر جائے۔

"آپ کوئی لڑکا دیکھ کر اس کی شادی کیوں نہیں کر دیتیں، آخر کب تک ہم اس کی ذمہ داری اٹھاتے پھریں گے آخر کب تک وہ......"

"چٹاخ......" اس سے قبل وہ بات مکمل کرتا کمرے میں زوردار تھپڑ کی صدا بلند ہوئی اور گہری خاموشی طاری ہو گئی، وہ اپنے بکھرے وجود کو سنبھالتی اپنے کمرے کی سمت مرے مرے قدموں سے بڑھ گئی۔

"تم ایک بے انتہا خود غرض اور احسان فراموش انسان ہو بلکہ نہیں تم انسان کہلانے کے بھی حق دار نہیں ہو۔ جسے تم ایک ڈرائیور کی بیٹی کہہ کر اپنے احسان گنوار ہے ہو وہ لڑکی تم سے لاکھ درجے بہتر ہے۔ جو اُن احسانوں کا بدلہ ایک زمانے سے اپنے خلوص و محبت کے ساتھ ادا کرتی آئی ہے اور تم کم ظرف انسان محبت کے اندھے کنویں میں گرے دوسروں کی محبتوں کے قرض کیا اتارو گے۔ تم تو اتنا خود کو گرا چکے ہو کہ اپنے فرائض پورے کرنے کے قابل بھی نہیں رہے اس معصوم دل کی لڑکی کو بوجھ سمجھتے ہو صحیح معنوں میں اصل بوجھ تو تم ہم پر ہو۔" انہیں بے حد دکھ ہوا تھا' احمر کا یہ گھناؤنا روپ دیکھ کر وہ اسے آئینہ میں اس کا اصل چہرہ دکھائے بغیر نہ رہ سکیں۔ ان کی اولاد نے آج انہیں اپنی ہی نظروں میں گرا دیا تھا' بہت بوجھل قدموں کے ساتھ وہ اس کے کمرے سے نکلی تھیں۔

وہ مٹھی بھینچے ماں کی حقارت کا اب تک بڑے ضبط سے سامنا کرتا رہا تھا' ان کے جاتے ہی اس نے کارنر ٹیبل پر رکھا گلدان اٹھا کر زور سے دیوار پر مارا تھا۔

"تو یہ ہے تمہاری حقیقت عروبہ جہانگیر...... ایک ڈرائیور کی بیٹی' جس سے ہمدردی کر کے معاشرے میں اعلیٰ مقام دلایا گیا اور وہ اعلیٰ مقام ملنے کے بعد اس کے قدموں تلے زمین چھین لی۔ اس سے اس کا وقار چھین کر اس کی اوقات یاد دلا دی اور یہ سب کرنے والا بھی کون تھا' وہ جس کی محبت میں وہ ایک زمانے سے مبتلا تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا دل کسی اور کے لیے دھڑکتا ہے اس کے باوجود بھی وہ اس سے محبت کرنے سے' اس کا خیال رکھنے سے خود کو روک نہ سکی۔ کڑے سے کڑے وقت میں بھی اس کا سہارا بنی رہی۔ اس کی اولاد کو اپنی اولاد جان کر پالتی رہی اور آج اس شخص نے بڑی بے دردی کے ساتھ اس کی اوقات یاد دلا دی۔" اس کی آنکھوں سے اشک رواں تھے کئی بار تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے سانسیں تھمنے لگی ہوں۔ کچھ دیر قبل تک یہ گھر اس کے لیے مضبوط سائبان تھا پر اب اسے یہ ہی گھر ایک سلگتے قید خانے سے کم نہیں لگ رہا تھا' آج پہلی بار اسے اپنے ماں باپ شدت سے یاد آئے تھے۔

❀......❀......❀

احمر' سارا اور منیر کی اکلوتی اولاد تھا۔ پہلی زچگی میں کچھ ایسی پیچیدگیاں پیدا ہوگئی تھیں جس کے باعث سارا پھر سے ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہوگئی تھیں۔ جہانگیر اور عذرا کی نازک سی گڑیا میں ان کا بے حد دل لگتا تھا۔ عذرا بھی ان کی بے پناہ انسیت کی بناء پر عروبہ کو ان کے حوالے کر کے گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی۔ عروبہ زیادہ تر ان کی گود ان کی محبت میں پل رہی تھی۔ عروبہ کوئی نو ماہ کی ہوئی ہوگی جب کچھ دن سے ہونے والی طبیعت خرابی کے باعث سارا اسے جہانگیر کے ہمراہ ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھیں۔ احمر ان کے ساتھ ہی تھا' عذرا البتہ گھر پر رکی تھی اسے لنچ کی تیاری کرنی تھی کیونکہ ٹھیک دو بجے جہانگیر کو علوی صاحب کے لیے کھانا لے کر آفس بھی جانا تھا۔ عروبہ کو انفیکشن ہوا تھا' ڈاکٹر نے ہدایات کے ساتھ ادویات کا نسخہ لکھ ڈالا تھا' سارا اور جہانگیر مطمئن سے بچوں کو لے کر گھر میں داخل ہوئے تو ان کا استقبال ایک قیامت خیز منظر نے کیا تھا۔

علوی ہاؤس میں قیامت وارد ہوئی تھی' جابجا سامان پھیلا ہوا تھا اور بیچ لاؤنج میں خون میں لت پت عذرا کا وجود ساکت پڑا تھا۔ جہانگیر یہ سارا منظر دیکھ کر بدحواس سا ہوگیا۔ عذرا کا بے دردی سے قتل کیا گیا تھا' جان سے پیاری بیوی کے یوں لرزا خیز قتل نے جہانگیر کو کئی دن ہوش و خرد سے بے گانہ کر رکھا تھا۔ سارا اور علوی صاحب خود اس ہولناک حادثے کے اثر سے اب تک نہ نکل پائے تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ گھر سے ایک چیز بھی چوری نہیں ہوئی تھی یوں لگتا تھا وہ درندے صرف عذرا کے قتل کی نیت سے ہی آئے تھے۔ تھانے میں رپورٹ لکھوائی جا چکی تھی مگر اب تک کسی بھی قسم کی پیش رفت سامنے نہ آئی تھی۔ معصوم جان عروبہ جس سے ماں کی گود چھین لی گئی تھی اس کی مکمل ذمہ داری سارا نے ہی اٹھالی ویسے بھی عذرا کے قتل

کے بعد جہانگیر کافی گم صم سا رہنے لگا تھا' وہ پھول جیسی معصوم بچی اب مکمل طور پر سارا کی سپردگی میں چلی گئی تھی۔
عذرا کے قتل نے جہانگیر کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا' نہ جانے اس کا دل کیوں گواہی دیتا کہ اس قتل کے پیچھے ان کے کسی ایسے اپنے کا ہاتھ تھا جو کسی زہریلے ناگ سے کم نہ تھا۔ اس کا دھیان بار بار کرم دین کی طرف جارہا تھا' پر وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ حقیقت کس طرح معلوم کی جائے اس ادھیڑ بن میں دو ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک دن جہانگیر علوی صاحب کا کھانا آفس پہنچا کر واپس آرہا تھا کہ نامعلوم افراد کی شدید فائرنگ کا شکار ہوکر موقع پر ہی دم توڑ گیا۔
ننھی عروبہ ابھی سال بھر کی بھی نہ ہو پائی تھی کہ ماں کے بعد باپ بھی راہ عدم کوچ کر گیا۔ سارا اور علوی صاحب دونوں ہی جہانگیر کی موت پر بے حد رنجور تھے' ان کے دلوں میں عروبہ کے لیے خاص جگہ بن چکی تھی۔ اللہ نے اس ننھی پری کا انتظام اسی گھر میں کر رکھا تھا' تبھی ان کے دلوں میں عروبہ کے لیے بے انتہا محبت ڈال دی۔ سارا کو تو بیٹھے بٹھائے گڑیا جیسی بیٹی مل گئی تھی اور احمر کے لیے تو وہ اس کی شہزادی تھی ہی...... علوی صاحب اور سارا نے اس کی پرورش میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ دیکھنے والے بہت سے لوگ اسے ان کی بیٹی ہی جانتے وہ اور احمر یوں ساتھ ساتھ رہتے جیسے یک جان دو قالب ہوں۔ عروبہ کا داخلہ بھی احمر کے ہی اسکول میں کرایا گیا تھا جو شہر کے بہترین اسکولوں میں سے ایک تھا۔ احمر اس سے دو سال سینئر تھا مگر اس کے باوجود اس کا بے حد خیال رکھتا تھا' وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزر رہا تھا۔ عروبہ سے اس کے حقیقی ماں باپ کے بارے میں کچھ بھی چھپایا نہیں گیا تھا' وہ دونوں میاں بیوی اس کی حقیقت کو اس کے لیے شرمندگی کا باعث نہیں بنانا چاہتے تھے۔ وہ یہ بھی ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ کل یہ حقیقت کسی اور سے پتا چلے تو عروبہ کو دکھ پہنچے کیونکہ ایسی سچائیاں زندگی بھر مخفی نہیں رہ پاتیں۔
عروبہ فطرتاً حساس طبیعت کی مالک تھی' نہ صرف حساس بلکہ انسان کے اندر تک جھانک لینے کی صلاحیت بھی اس کے اندر موجود تھی۔ لوگوں کی باتوں' رویوں کو وہ بہت اچھی طرح پہچان سکتی تھی جب سے اسے اپنے ماں باپ کی حقیقت معلوم ہوئی تھی وہ منیر اور سارا علوی کے خلوص و محبت کی دل سے قدر کرتی تھی۔ ان دونوں نے کبھی بھی اسے اس کے ماں باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی' ہمیشہ اپنی اولاد کی طرح اسے چاہا اور یہ حقیقت تھی کہ خود عروبہ کو بھی کبھی اپنے ماں باپ کی یاد نہ آئی۔ اس کی دنیا علوی ہاؤس سے شروع ہوکر علوی ہاؤس پر ہی ختم ہوتی تھی۔
"تم فرائز بنا رہے ہو' وہ بھی اس وقت؟" گھر میں سب سوچکے تھے' خود وہ بھی نیند سے اٹھ کر پانی پینے کے لیے کچن میں آئی تھی تبھی اسے فرائز بناتے دیکھ کر اچنبھے سے بولی۔
"جب اس وقت جاگ سکتا ہوں تو پیٹ پوجا کا اہتمام بھی کرسکتا ہوں۔" وہ پلیٹ پر ٹشو پیپر سیٹ کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا پھر بولا۔
"ہونہہ...... تمہاری تیاری کیسی چل رہی ہے؟" وہ فریج سے کیچپ نکال کر چھوٹے سے پیالے میں انڈیلتی ہوئی پوچھنے لگی۔
"اے ون۔" اس نے انگوٹھا دکھاتے ہوئے کہا' وہ مسکرا اٹھی۔
"یہ لو تمہارے فرائز۔" کڑاہی سے فرائز نکال کر وہ پلیٹ میں ڈالتے ہوئے بولا۔
"میرے لیے بھی بنائے ہیں۔" اسے خوشی ہوئی۔
"تمہیں بھول سکتا ہوں کیا؟" وہ دونوں اپنی پلیٹیں اٹھائے کچن سے باہر آگئے' وہ اس کے معاملے میں ایسا ہی تھا۔ حد سے زیادہ کیئرنگ' بچپن میں وہ سب اسے شہزادی کہا کرتے تھے مگر بچپن کی سرحدوں کو پار کرنے کے باوجود بھی وہ اسے شہزادیوں کی طرح ٹریٹ کیا کرتا تھا اس کو کھانے میں کیا پسند' کیسے تحفے پسند' کون سے پھول پسند' کس طرح کے لباس پسند ہیں غرض کہ وہ اس کی پسند ناپسند سے مکمل طور پر آگاہ تھا' وہ دونوں ہی ایک دوسرے

کے بہترین دوست و ہمراز تھے۔

"پتا ہے یار کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ جتنی اچھی طرح تم مجھے سمجھتی ہو کوئی اور لڑکی سمجھ بھی پائے گی یا نہیں۔" اپنی چھبیسویں سالگرہ پر اس سے تحفہ وصول کرتے ہوئے اس نے جانے کس خیال کے تحت یہ بات کہی تھی۔

"تمہیں ضرورت ہی کیا ہے کہ کوئی اور لڑکی تمہیں اتنی گہرائی سے سمجھے میں ہوں ناں تمہاری بہترین دوست ہمیشہ تمہارا ساتھ دوں گی۔" وہ بے ریا انداز میں بول رہی تھی احمر نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا وہاں معصوم سی مسکراہٹ اور خلوص پھیلا ہوا تھا وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"تم نہیں سمجھو گی۔" وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا گویا ہوا اور واقعی اس دن وہ اس کی بات کو سمجھ نہیں پائی تھی پر کچھ مہینے بعد ہی اسے احمر نے بتایا تھا کہ اسے ایک لڑکی بے حد پسند آئی ہے اور وہ اس کے گھر کا ایڈریس وغیرہ بھی معلوم کر چکا ہے وہ پُرجوش تھا اور وہ اس کی خوشی میں اس کا ساتھ دے رہی تھی مگر اس کا دل نہ جانے کیوں اداس ہوا تھا شاید اس خوف نے سر اٹھایا تھا کہ زندگی کا سب سے قیمتی دوست اس سے دور نہ ہو جائے اور ہونی کو بھلا کون ٹال سکتا ہے۔

احمر اس لڑکی کو لے کر کافی سنجیدہ تھا اور اس کے دل میں گھر کرنے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ وہ اس کی ہر بات سے بخوبی آگاہ تھی' اپنے دل کا حال اسے سنائے بغیر وہ رہتا بھی کہاں تھا پھر ایک دن وہ بے حد ڈسٹرب تھا اس کے ذرا سا پوچھنے پر وہ پھٹ پڑا۔ صبوحی اسے انتہائی غلط قسم کا انسان سمجھ رہی تھی' اس کی شوخیوں' شرارتوں کو غلط رنگ دے رہی تھی اور اس کی باتوں نے اس کا دل بے حد دکھایا تھا۔ عروبہ کو اس لڑکی پر بے حد غصہ آیا تھا جو احمر کے اتنے خوب صورت دل کو پہچان نہ سکی' یہ اس کی ہی ہدایت تھی کہ وہ کچھ دنوں تک صبوحی کی طرف نہ جائے غلطی کا احساس ہونے دے اور احمر نے ویسا ہی کیا تھا جیسا عروبہ نے بتایا تھا۔ پھر سوئے اتفاق اس دن مال میں ان دونوں کا صبوحی سے سامنا ہو گیا اور صبوحی اسے دیکھ کر اپنے اندر کا غصہ نکالنے لگی۔ اس دن صبوحی نے غصہ ہی نہیں دکھایا تھا بلکہ یہ احساس بھی جتایا تھا کہ اتنے دن گزرنے کے بعد وہ بھی اسے بھولی نہیں تھی۔ اس دن وہ جتنا بھی بھڑکی تھی احمر کو کچھ بُرا نہیں لگ رہا تھا بلکہ دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ عروبہ نے اسے تابڑ توڑ جواب دیئے تھے اس نے پہلی بار عروبہ کو یوں اس کا ڈیفنس کرتے دیکھا تھا اور عش عش کر اٹھا تھا اس ملاقات کے بعد بھی وہ کافی دن تک صبوحی کے گھر نہیں گیا تھا۔ وہ تو کچھ دن مزید اسے ستانے کا ارادہ رکھتا تھا مگر اس کے بھائی کے ساتھ ہونے والے حادثے کی وجہ سے اسے جانا پڑا اور آنے والے دنوں نے ثابت کر دیا کہ صبوحی کی دل میں اس کے نام کے دیے جلنے لگے ہیں مگر وہ پھر بھی اس سے اکھڑا اکھڑا رہا حالانکہ دل کی رضا نہ تھی پر عروبہ نے کہا تھا صبوحی کو حاصل کرنا ہے تو پہلے اسے محبت کا احساس دلاؤ' بھکاری کی طرح جھولی اٹھائے بھیک نہ مانگو اور وہ اسی کے اشارے پر چلتا صبوحی سے لاتعلق بنا رہا۔ ان کی قسمت میں ملن لکھا تھا سو وہ مل گئے' صبوحی کے ملتے ہی وہ اس کی محبت میں اس قدر دیوانہ ہو چکا تھا کہ رفتہ رفتہ وہ ان سب کی محبت و اپنائیت بھلانے لگا۔ وہ اپنی سب سے عزیز اور قیمتی دوست عروبہ کو بھی نظر انداز کرنے لگا تھا' اس کی نظر میں اس کی زندگی صبوحی کے آنے سے مکمل ہو چکی تھی اور اس زندگی میں اسے عروبہ کی گنجائش نظر نہیں آئی تھی۔

اس کا دوست اپنی خوشیوں میں مگن تھا' اس سے دور ہو چکا تھا اور وہ شدت سے اس کی کمی محسوس کرتی تھی مگر اسے احساس تھا کہ اس کا دوست اب شادی شدہ ہو چکا ہے اور اس کی ترجیحات اب کافی حد تک بدل گئی ہیں لہٰذا وہ خود بھی اس سے دور ہونے لگی البتہ وہ اس کا اور صبوحی کا بے حد خیال رکھتی تھی' وہ اس کے سب سے عزیز دوست کی محبت تھی سو اسے بھی بے انتہا عزیز تھی پر وہ اب خود کو تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔ دوستی کے سفر پر چلتے ہوئے راستہ پہلے احمر نے بدلا' وہ نئے ہمسفر کے ہمراہ ایک نئی راہ کو چل پڑا تھا پر وہ ابھی تک اسی راستے پر کھڑی تھی۔ ظاہر ہے کمی اسی کو محسوس ہونی تھی پھر وقت تھوڑا اور سرکا اور علوی ہاؤس

میں پری نے جنم لیا۔

"یہ ہو بہو تمہاری کاپی ہے عروبہ......" مسز علوی نے گود میں سوئی ہوئی نرم و نازک گلابی سی بچی کو دیکھتے ہوئے ممتا کی محبت سے چُور لہجے میں کہا' ان کی بات سن کر احمر اور صبوحی بھی مسکرا اٹھے۔

"ایسی بات ہے تو پھر اس کا نام بھی عروبہ ہی تجویز کرے گی۔" علوی صاحب نے اپنی پوتی کو مسز علوی کی گود سے لیتے ہوئے کہا۔

"مگر صبوحی نے تو نام سوچا ہوا ہے۔" احمر فوراً بیوی کی محبت میں بول اٹھا' عروبہ جو منیر علوی کا فیصلہ سن کر خوش ہوئی تھی۔ احمر کی بات پر چپ سی ہوگئی' اس کا دوست اسے اب اتنا اختیار دینے پر بھی آمادہ نہ تھا۔

"نہیں احمر...... عروبہ کو نام رکھنے دیں' مجھے یقین ہے وہ بہت پیارا نام رکھے گی۔" صبوحی نے فیصلہ عروبہ کے حق میں دیا تو وہ ذرا سا مسکرا دی اور پھر اس نے ننھی سی گڑیا کا نام اس کے شایان شان رکھا۔

"پری ہے اس کا نام۔" اس نے منتخب کرلیا اور سب کو ہی اس کا منتخب کردہ نام بے حد پسند آیا۔ صبوحی اور عروبہ کے درمیان تعلقات بہترین تھے۔ پری کی پیدائش کے بعد وہ نہ صرف صبوحی کا مزید خیال رکھنے لگی تھی بلکہ پری کو بھی زیادہ تر وہی سنبھالتی تھی بلاشبہ یہ اس کی محبت تھی جو خود سے زیادہ ان سب کے لیے سوچتی تھی۔

❁......❁......❁
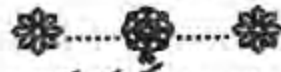
زندگی یوں ہی رواں دواں تھی کہ ایک بھیانک موڑ پر آ ٹھہری۔ پہلے منیر علوی اور پھر صبوحی کی موت کے بعد سب کچھ بدل کر رہ گیا تھا۔ خوشیوں نے تو جیسے علوی ہاؤس کا بائیکاٹ کر ڈالا تھا۔ احمر مکمل طور پر بدل چکا تھا' وہ زندگی کی طرف واپس لوٹنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ سرتوڑ کوشش کے بعد اسے زندگی کی طرف واپس لے کر آئی تھی مگر وہ پہلے جیسا ہنستا مسکراتا احمر نہ رہا۔ وہ اب بدمزاج بے پروا اور سرکش احمر کے روپ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ جو ہر وقت اپنی بچھڑی ہوئی محبت کو یاد کر کے روتا رہتا تھا' وہ پری سے بھی بے نیاز ہو چکا تھا اور وہ اس کی حالت دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتی رہتی تھی۔ پری ان دنوں بے حد حساس ہوگئی تھی' ماں کے ساتھ ساتھ باپ بھی سامنے ہو کر اس سے دور ہو چکا تھا وہ بدنصیب صرف حسن ہی نہیں قسمت بھی عروبہ کی چرا لائی تھی۔ ان حالات نے اسے بے حد حساس بنا ڈالا تھا' وہ ضدی اور چڑچڑی ہوتی جارہی تھی ایسے میں پری کو عروبہ نے ہی سنبھالا ہوا تھا۔ وہ پہلی برسی تھی جب سارا دن قبرستان میں گزار کر وہ لٹا پٹا سا گھر لوٹا تھا اور اس دن اس کی حالت دیکھ کر اس کا دل جس طرح تڑپا تھا۔ وہ خود پریشان ہوگئی تھی' پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وہ صرف اس کا بہترین دوست ہی نہیں اس کے دل کے نہاں خانوں میں چھپی محبت بھی ہے' جو دھیرے دھیرے اب اس پر آشکار ہو رہی تھی۔

نہ جانے کیوں گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ احمر کا رویہ اس کے ساتھ سرد سے سردتر ہوتا چلا جارہا تھا۔ وہ وجہ جاننے سے قاصر تھی' وہ اس کا خیال رکھنے پر بھی چڑنے لگا تھا حتیٰ کہ پری کو اس کے ساتھ دیکھ کر بھی اکثر غصہ کر جاتا وہ جو بات کہتی اس سے الٹ کر جاتا۔ یہ تبدیلی وہ پچھلے ڈیڑھ سال سے محسوس کررہی تھی مگر اس کی وجہ وہ آج تک سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ نہ جانے کب سے اس کے حوالے سے اتنی منفی سوچ رکھنے لگا وہ جان ہی نہ پائی۔ وہ اب تک اس کی دوست بن کر ساتھ دیتی رہی اور وہ اسے ڈرائیور کی بیٹی جان کر حقارت سے پیش آتا رہا۔ اس کی محبتوں کو احسان اتارنے کا ذریعہ سمجھتا رہا کس قدر گرا دیا تھا اس نے اس کو اس کی نظروں میں...... اس کی سچائی جو وہ ایک عرصے سے بھولے بیٹھی تھی۔ آج پھر سے زندہ ہو کر اس کے سامنے آ گئی تھی' زندگی میں پہلی بار وہ شدت سے اپنے مرے ہوئے ماں باپ کو یاد کرتی بے تحاشہ روئی تھی' آج اسے اس کی حقارت بہت کچھ یاد دلا گئی تھی۔

رات بھر روتے رہنے کے باعث اسے اپنی آنکھوں میں اب تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ سر درد سے پھٹا جارہا تھا' اس کی کنپٹی میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں دھند

لانے لگیں' جسم ڈھیلا پڑتا محسوس ہونے لگا' اس کے سینے پر دھرا دایاں ہاتھ ایک جانب لڑھک گیا دور مسجد میں فجر کی اذان کی صدا بلند ہوئی تھی۔

❀......❀......❀
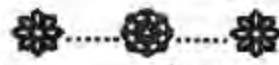
آج کی رات ان کے لیے بے حد بھاری گزر رہی تھی' آسمان پر پھیلتی سپیدی ان کی طبیعت پر گراں گزر رہی تھی۔ احمر کی باتوں نے انہیں ساری رات سونے نہ دیا تھا بہت سوچنے کے باوجود بھی یہ بات نہیں سمجھ پائی تھیں کہ احمر کے خیالات میں عروبہ کے لیے اس حد تک تبدیلی کیسے آ گئی۔ وہ تو ایک زمانہ ہوا یہ بھی بھول چکی تھیں کہ احمر ان کی اکلوتی اولاد ہے۔ عروبہ کو بھی انہوں نے خود سے الگ نہ جانا تھا اور نہ ہی عروبہ کی محبت وخلوص میں کمی آئی تھی پھر احمر کی سوچ میں یہ تبدیلی اور کہیں اس کی سوچ کی بھنک عروبہ کو پڑ گئی تو...... ان کے بدن نے ایک جھرجھری لی۔ اس سے آگے نہ وہ سوچ سکیں نہ ہی وہ سوچنا چاہتی تھیں' مضمحل سی ٹہلتی وہ صوفے پر بیٹھنے کو پلٹیں تو سامنے سیڑھیوں سے پری کو اترتے دیکھ کر چونک گئیں۔

"ارے پری...... تم اسکول نہیں گئی آج؟" وہ نفی میں سر ہلاتی ان کی طرف بڑھی' کچھ تھا اس کے انداز میں جس نے انہیں ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا۔

"دادو...... مما نہیں اٹھ رہیں' پتا نہیں کیا ہو گیا ہے انہیں۔" وہ روہانسی ہو کر بولی' مسز علوی گھبراتے ہوئے گول زینے کی جانب بڑھیں۔

وہ بے ہوش تھی اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے وہ ڈرائیور کے ہمراہ فوری طور پر اسے ہسپتال لے کر دوڑیں راستے بھر وہ احمر کو کال کرتی رہیں مگر جواب ندارد۔ کئی مرتبہ کال کرنے کے باوجود بھی جب احمر کی طرف سے کال وصول نہیں کی گئی تو انہیں مجبوراً عارب کو کال ملانی پڑی۔ اس عمر میں ایک جوان بے ہوش لڑکی اور سات سالہ بچی کو سنبھالنا ان کے لیے بہرحال مشکل تھا۔ ہسپتال پہنچ کر عروبہ کو ایمرجنسی روم میں لے جایا گیا' عارب ان کے پہنچنے کے کچھ دیر بعد ہی ہسپتال پہنچ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے ابتدائی معائنے اور رپورٹس کے بعد شدید ذہنی دباؤ کا اثر بتایا تھا جس کے باعث اس کا بلڈ پریشر خطرناک حد تک بڑھ چکا تھا۔ اسے اگلے دو دن ہاسپٹلائز رکھا گیا تھا۔ کچھ دیر قبل ہی مسز علوی کے پاس احمر کی کال آئی تھی' مسز علوی نے مختصر لفظوں میں سارا ماجرا کہہ سنایا بات سن کر اس نے بنا کچھ کہے خاموشی سے کال منقطع کر دی تھی۔ مسز علوی کا دل اس کے اس سرد رویے پر بے حد دکھا تھا۔

عروبہ کچھ لمحوں کے لیے ہوش میں آئی مگر ادویات کے زیر اثر پھر سے سو گئی تھی' اس وقت وہ روم میں اکیلی تھی۔ اس کے چہرے پر نقاہت کے آثار نمایاں تھے ہونٹوں پر پپڑی کی تہہ جمی ہوئی تھی وہ بے حد حسین تھی مگر اس وقت بے حد نڈھال دکھائی دے رہی تھی۔ دروازہ بے حد آہستگی سے کھولا گیا تھا اور وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے بستر کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔ کچھ پل یونہی اسے یک ٹک دیکھتا رہا اور پھر آہستگی سے کونے میں رکھا اسٹول گھسیٹ کر اس کے بستر کے قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں اس پل ان دونوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ البتہ مسز علوی واش روم میں موجود تھیں۔ وہ اس کے سامنے تھی مگر اس کی موجودگی سے انجان تھی۔ اس نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا' آنسو اس کی آنکھوں سے چھلک کر اس کی ہتھیلی کے پشت پر گرے اور اس کی خشک ہوتی جلد میں مدغم ہو گئے۔ اس نے اس کے ہاتھوں کو مزید مضبوطی سے تھام لیا یوں کہ اس کی ہتھیلی کا لمس عروبہ کی خشک ہوتی ہتھیلی کو تر کرنے لگا مگر وہ پھر بھی نہیں جاگی۔ وہ زندگی کی تلخیوں سے گھبرا کر اور لوگوں کے بھیانک رویوں سے خائف ہو کر گہری نیند جا سوئی تھی یوں جیسے اب اٹھنے یا جاگنے کی خواہش نہ ہو۔

"میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔" وہ رو رہا تھا' اس کے لہجے میں نمی گھلی ہوئی تھی۔ پرائیوٹ روم کے باتھ روم میں وضو کرتی مسز علوی کمرے سے آتی اس آواز پر بری طرح چونکیں۔

"میں تمہیں کسی بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا' بے انتہا محبت کرتا ہوں تم سے بے تحاشا۔" وہ پوری شدت کے

ساتھ اس سے اظہار محبت کر رہا تھا مگر وہ بے سدھ سوتی رہی البتہ مسز علوی ششدر سی رہ گئیں' وہ اس آواز کو بخوبی پہچان چکی تھیں۔

"نہیں جانتا کب سے' کیسے...... بالکل بھی نہیں جانتا۔ جانتا ہوں تو صرف اتنا کہ بے حد محبت کرتا ہوں تم سے۔" وہ اب اس کے ہاتھ پر اپنا سر لگائے روتے ہوئے اپنے دل کی حالت بیان کر رہا تھا۔ مسز علوی کا رواں رواں قوت سماعت بن بیٹھا' وہ باتھ روم کے دروازے سے کان لگائے اس کی محبت کی داستان کا ایک ایک حرف سن رہی تھیں۔

❁......❁......❁

"کہاں رہ گئے تھے تم عارب؟" مسز آفندی نے اسے آتا دیکھا تو بے تابی سے پوچھا' وہ کب سے راہداری میں ٹہلتی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

"مما وہ...... احمر کے گھر گیا تھا' وہاں ایک مسئلہ درپیش آ گیا تھا دراصل......" وہ مختصراً انہیں ساری بات بتانے لگا۔

"اوہ اللہ کرم کرے اس بچی پر چلو تم فریش ہو کر آؤ میں کھانا لگواتی ہوں۔" انہوں نے عارب کو بغور دیکھتے ہوئے کہا' اس کے چہرے سے تھکن ہویدا تھی۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

"احمر آیا پھر ہسپتال؟" وہ دونوں ماں بیٹے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے جب مسز آفندی نے یونہی پوچھا۔

"نہیں' وہ ہسپتال نہیں آیا گھر چلا گیا تھا۔ میں پری کو اس کے پاس چھوڑ کر آنٹی کا کچھ ضروری سامان ان تک ہسپتال پہنچا کر گھر آیا ہوں۔" وہ سادہ سے لہجے میں کہتا چاولوں کے ساتھ انصاف کر رہا تھا۔

"کیا...... احمر ہسپتال ہی نہیں گیا' حد ہوتی ہے غیر ذمہ داری کی بھی۔ گھر کی بیٹی بیماری سے لڑ رہی ہے اور اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا۔ الٹا تم جا کر ان کی تیمارداری میں لگے ہوئے ہو' عجیب زمانہ آ گیا ہے۔"

مسز آفندی کو احمر کا یہ بے پروا انداز ذرا نہ بھایا' وہ اپنی ناپسندیدگی جتائے بغیر نہ رہ سکیں۔

"ماما جانے دیں یہ اس کا اپنا عمل ہے' اس کی مما نے مجبوری میں مجھے کال کر کے بلایا تھا۔ انسانیت کے ناطے میرا فرض تھا کہ ان کی مدد کروں ویسے بھی عروبہ بے حد اچھی لڑکی ہے' اس کے لیے تو میں انکار ویسے بھی نہیں کر سکتا۔" ماں کو سمجھاتے وہ آخری جملہ بلا ارادہ بول گیا۔

"خیریت تو ہے ناں بیٹا! کہیں دل کا معاملہ تو نہیں کر بیٹھے۔" مسز آفندی نے چونکتے ہوئے اسے جانچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں مما...... ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ اپنی جھینپ مٹانے کو بولا مگر اس کی مسکراہٹ اس کے لفظوں کا ساتھ نہیں دے رہی تھی' مسز آفندی کو سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔

"چلو پھر ایسا کرنا صبح مجھے بھی لے چلنا عروبہ سے ملوانے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں تو وہ بے یقینی سے انہیں دیکھتا رہ گیا' اس پر چھائی کچھ دیر قبل کی کثافت و تھکن اب بشاشت میں تبدیل ہو چکی تھی۔

"ماں ہوں میں تمہاری' میں تمہیں نہیں جانوں گی تو بھلا اور کون جانے گا۔" وہ اس کے سر پر ایک چپت لگاتے ہوئے بولیں تو وہ دل کھول کر ہنس پڑا' اس کی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی ہنسی بھی دل کے تار چھیڑ دینے والی تھی۔ مسز آفندی اسے خوش دیکھ کر مطمئن سی ہو گئیں۔

❁......❁......❁

انسان سے پیچیدہ مخلوق' مشکل پہیلی کوئی نہیں' وہ حقیقتاً ہے کیا یہ اپنے آپ کو بھی پتا چلنے نہیں دیتا۔ اپنے رازوں کو' دکھوں' زخموں کو دل کے تہہ خانوں میں دبائے رکھنے کا تمنائی۔ اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں تو سامنے ہی اسے مسز علوی کا مہربان چہرہ نظر آیا' وہ میٹھی مسکراہٹ سجائے ممتا بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"اٹھ گئی میری بیٹی۔" وہ اس کا ماتھا چوم رہی تھیں۔

"میری بیٹی......" یہ لفظ اسے نشتر کی طرح چبھا مگر وہ تکلیف چھپائے ان کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھتے ہوئے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"آرام سے چندا......" وہ اٹھ کر بیٹھنے میں مدد کرنے لگیں۔ وہ بیٹھ چکی تو کمرے کے چاروں اطراف نظریں دوڑائیں اس وقت صرف وہ دو نفوس ہی تھے کمرے میں۔ مسز علوی اسے ناشتا کرانے لگیں اور اس دوران انہوں نے ایک بار بھی اس سے نہ پوچھا کہ اس کے اس حال تک پہنچنے کے محرکات کیا تھے۔ ناشتے کے کچھ دیر بعد ہی ڈاکٹر راؤنڈ پر آئے اس کا معائنہ کیا ہدایات دیں اور ڈسچارج کرنے کا عندیہ دے دیا۔

کچھ دیر بعد پری عارب کے ساتھ بکے لے کر آئی تھی اور آتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ پری کو پیار کرتے ہوئے اس نے عارب کو دیکھا وہ اپنی مسحور کن مسکراہٹ کے ساتھ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اس سے نظریں چراتے دروازے کی جانب دیکھنے لگی جو ہنوز بند تھا وہ نہیں آیا تھا۔ ایک ڈرائیور کی بیٹی کی عیادت کرنے کے لیے یقیناً اس کے پاس وقت نہ تھا نہ چاہتے ہوئے بھی ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ ڈسچارج کے تمام مراحل طے پا چکے تھے وہ لوگ عارب کی ہمراہی میں علوی ہاؤس کے لیے روانہ ہوگئے۔ یہ گھر کبھی اس کا اپنا آشیانہ تھا مگر اب یہ آشیانہ اس سنگ دل انسان کے ترش لفظوں نے اس سے چھین لیا تھا۔ وہ اس گھر کو کبھی اب اپنا نہیں سمجھ سکتی تھی۔ اس نے علوی ہاؤس کو ایک نظر دیکھ کر نگاہیں جھکالیں اور مسز علوی کی ہمراہی میں اندر داخل ہوگئی۔ عارب انہیں علوی ہاؤس چھوڑ کر جا چکا تھا وہ گھر پہنچا تو مسز آفندی اسی کی منتظر تھیں۔

"میں نے کہا بھی تھا آج مجھے لے چلنا احمر کی طرف۔" اسے جوس کا گلاس پکڑاتے اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے مسز آفندی نے خفگی سے کہا۔

"آج وہ ڈسچارج ہوگئی ہے میں آپ کو شام میں لے چلوں گا ان لوگوں سے ملوانے۔" وہ جو صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے سوچوں میں گم تھا ماں کی بات پر مسکراتے ہوئے بولنے لگا۔

"ہونہہ...... ٹھیک ہے ویسے اب کیسی طبیعت ہے اس کی؟" انہوں نے اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے پوچھا شاید کچھ کھوجنا چاہ رہی تھیں۔

"کافی بہتر ہے اب مگر ابھی اسے آرام کی ضرورت ہے۔" اس کا انداز سادہ ہونے کے باوجود عروبہ کے لیے فکر انگیز تھا۔

"ٹھیک ہے پھر چلتے ہیں شام کو۔" مسز آفندی یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں اور وہ وہاں بیٹھا پھر سے اپنے خیالوں میں کھو گیا۔ آج اور کل کا دن پوری جزئیات کے ساتھ اس کے ذہن میں اترتا چلا گیا۔ وہ پیاری لڑکی جو نجانے کیوں اسے بے حد عزیز ہوتی چلی گئی تھی اسے اس حال میں دیکھ کر اسے بے حد تکلیف ہو رہی تھی۔ ڈاکٹرز نے اس کی علالت کی وجہ شدید ذہنی دباؤ قرار دیا تھا مگر اچانک ایسا کیا ہوا تھا جو اس ہنستی مسکراتی نازک سی لڑکی کے دل و دماغ کو اپنے شکنجے میں جکڑ کر اس حال تک پہنچا گیا اور احمر...... وہ ایک بار بھی اسے جھانکنے تک نہ آیا۔ وہ اس کے گھر کی فرد تھی صرف فرد ہی نہیں گھر کا اہم ترین ستون جس نے اپنی محبتوں اور خلوص سے گھر کے ہر فرد کو جوڑے رکھا تھا اور آج جب وہ اس حال کو پہنچی جب اسے ان سب کے سہاروں کی ضرورت تھی تو وہ اس سے بے نیاز ہو کر گھر میں سکون سے بیٹھا رہا۔ اسے احمر کی یہ بے نیازی بُری طرح چبھ رہی تھی۔ وہ اسے بچپن سے جانتا تھا وہ ایسا بھی نہیں رہا تھا بلکہ وہ ایک حساس دل کا مالک دوسروں کا بے حد خیال رکھنے والا انسان۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ اس کے ساتھ ہونے والے حادثے نے اسے کافی دکھ پہنچایا یہاں تک کہ اس کی شخصیت کو بھی بدل ڈالا مگر زندگی میں ہونے والے خوف ناک حادثے بھی انسانی سوچ اور اس کے دل کو تو بدل سکتے ہو مگر اس کی فطرت کو نہیں اس کے ضمیر میں جو خصوصیات ڈال دی جائیں وہ مٹی میں ملنے دم تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں اور احمر کا ضمیر

خلوص ومحبت سے گوندھا ہوا تھا' وہ وفادار اور اپنوں سے بے حد محبت کرنے والا انسان تھا۔ اسے احمر کے اس بے حس اور سنگ دلانہ رویے نے صحیح معنوں میں الجھا دیا تھا۔

❁......❁......❁

وہ موت سے جنگ لڑ کر واپس لوٹی تھی مگر اسے اس کی ذرا پروا نہ تھی۔ وہ فارملیٹی کے طور پر بھی اس کی خیریت دریافت کرنے نہیں آیا تھا۔ وہ آتا بھی کیوں؟ وہ اس کی آخر تھی ہی کون' اس لڑکی کے احساسات وجذبات کی پروا بھلا اسے کیوں ہو؟ اس کے لب طنزیہ انداز میں مسکرا اٹھے اور آنکھوں سے جھلکتا آنسو اپنے حال' اپنی کیفیت پر بے بسی کی تصویر بنا اس کی طنزیہ مسکان پر آ ٹھہرا۔

''آپ رو رہی ہیں مما؟'' اس کے پاس بیٹھی پری غور سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''ہونہہ......نہیں پری...... بالکل بھی نہیں۔'' وہ اپنے خیالوں سے چونکتی پری کی جانب متوجہ ہوئی۔

''نہیں' آپ رو رہی تھیں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی اس کے اور بھی قریب ہوگئی اور اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرنے لگی۔

''اتنی پیاری پری میرے پاس ہے میں کیوں روؤں گی پھر بھلا۔'' اسے بے اختیار اس معصوم بچی پر پیار آیا جو اس کے لیے فکر مند ہو رہی تھی۔

''آپ کے سر میں درد ہو رہا ہے ناں' آپ آنکھیں بند کریں میں آپ کا سر دبا دیتی ہوں۔'' پری اچانک بڑی بن گئی اور اس کی فکر میں ہلکان ہو رہی تھی اس نے پری کی بات مانتے ہوئے آنکھیں موند لیں' پری اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کا سر دبانے لگی۔

''پری دادو کہاں ہیں؟'' اسے سکون مل رہا تھا آنکھیں موندے موندے ہی پوچھا۔

''وہ پاپا کے کمرے میں ہیں' مجھے کہہ کر گئی ہیں کہ آپ کا خیال رکھوں اب میں بڑی ہوگئی ہوں ناں اور آپ کو اس وقت میری ضرورت بھی ہے۔'' پری بڑے ہی بچگانہ انداز میں اپنی ذمہ داری جتا رہی تھی اس کے اتنے معصوم اور پیارے انداز پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''تو تم نے اس کا حال دریافت کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ اتنی نفرت کرنے لگے ہو اس سے۔'' وہ اس کے سامنے سخت تاثرات چہرے پر سجائے بیٹھی تھیں جبکہ وہ بے رخی سے منہ پھیرے پتھر کا بُت بنا بیٹھا تھا۔

''محبت کے ساتھ ساتھ نفرت میں بھی بڑے ثابت قدم ہوگئے ہو تم میرے بچے۔'' وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے جتا کر بولیں' وہ لب بھینچے پھر بھی خاموش رہا۔

''خیر میں تم سے یہ کہنے آئی ہوں کہ یہ اصول ہے کہ جس سے نفرت کرتے ہیں اس سے احسان نہیں لیتے......'' وہ اب اپنے مطلب کی بات کر رہی تھیں۔

''کیسا احسان؟'' وہ چونکا۔

''بیٹا آپ کی والدہ کی ذمہ داری بلاوجہ عروبہ نے اٹھائی ہوئی ہے اور فی الوقت وہ اس قابل نہیں کہ تمہاری بیٹی کے ناز نخرے اٹھائے تو بہتر ہے کہ تم اپنی ذمہ داری اب خود سنبھالنا سیکھو۔'' وہ سرد لہجے میں دوٹوک بات بڑے آرام سے کہہ گئیں' ان کی بات سن کر وہ سُن سا ہوگیا۔

''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری اولاد کو پالنا تمہارے کسی احسان کا بدلہ ہے تو میں تم پر اچھی طرح واضح کردوں کہ تمہارا عروبہ پر آج تک کوئی احسان نہیں بلکہ ایمان داری سے کہوں تو اس لڑکی نے تم پر بڑے احسان کیے ہیں اور اس میں سے کسی ایک کا بھی تمہیں احساس ہوجائے تو اپنی سوچ پر ماسوائے ماتم کے تم اور کچھ نہ کرسکو۔'' وہ تلخی سے کہتیں اسے آج آئینہ دکھا رہی تھیں اور وہ جوان کے تھپڑ پر ہی ان سے ناراض پھر رہا تھا ان کی تلخ باتوں پر مزید بپھر گیا۔

''آپ اس لڑکی کے لیے مجھ سے اتنی کر رہی ہیں جس سے نہ تو کوئی رشتہ ہے نہ تعلق۔ ایک ہمدردی کی بنیاد پر بنے رشتے کے لیے آپ مجھے میری نظروں سے گرانے کی کوشش کر رہی ہیں ماما......!'' اس کے تلخ لہجے میں بھی حیرانی جھلک رہی تھی۔

''غلط سمجھ رہے ہو تم' میں اس لڑکی کے لیے تم پر تمہاری

ہی حقیقت واضح کر رہی ہوں جو مجھے اپنی سگی اولاد جیسی عزیز ہے جسے میں نے ماں بن کر پالا ہے۔ تم میں اور اس میں کبھی کوئی فرق نہ کیا' میں تو یہ بھی بھول چکی تھی کہ اس نے میری کوکھ سے جنم نہیں لیا پر سلام ہے تم پر جو اپنی دنیا لٹا کر اس حد تک ظالم بن گئے ہو کہ دوسروں کے رشتوں میں بھی زہر گھولنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ذرا تم نے نہ سوچا کہ تمہاری اس دن کی باتوں سے مجھے کتنی تکلیف ہوئی ہوگی۔ میں نے اس پر اپنی ممتا نچھاور کی اور تم میری ممتا کو احسان کا نام دیتے ہو تم کیا جانو اولاد کی محبت کو احمر...... تم نے تو اپنی اولاد کو خود سے کاٹ کر اس ڈرائیور کی بیٹی کی گود میں ڈال رکھا ہے۔ تم سے تو قع بھی کیسے کروں کہ تم اولاد کی محبت کو جانو گے۔" وہ استہزائیہ انداز میں اس پر جملے کس رہی تھیں۔

"ماما پلیز......" وہ بُری طرح تلملایا' اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ لفظوں کی یہ سنگ دلانہ سنگ باری کرنے والی اس کی اپنی ہی ماں ہے۔

"کیوں بُرا لگا نہیں؟ ڈرائیور کی بیٹی ہی تو سمجھتے آ رہے ہو زندگی بھر وہ تمہارے کبھی نہ کیے گئے احسانوں کے بدلے تو اتارتی آ رہی ہے۔ کبھی تمہاری صبوحی سے محبت کو کامیاب بنانے میں' تمہاری شادی میں خوشیوں کے رنگ بکھیرنے میں' تمہارے بُرے وقت میں ساتھ دے کر تو کبھی تمہاری بن ماں کی بچی کو ماں کا پیار دے کر......" وہ نخوت سے کہتیں سر جھٹکتے ہوئے جانے کو مڑیں مگر پھر کسی خیال کے آنے پر رکیں اور پلٹ کر اس کے طوفانوں کی زد میں گھرے وجود کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"مگر بیٹا...... سب سے بڑی بات تو تم سوچنے سے رہ گئے۔" چند لمحوں کا توقف کیا اسے گہری نظروں سے دیکھا اور پھر سلسلہ کلام جوڑا۔

"عروبہ اور پری میں فرق رہ بھی کیا گیا' وہ ماں باپ کے چھینے جانے پر ہمارے احسانوں تلے آ دبی اور واہ ری قسمت تمہارے حیات ہوتے ہوئے بھی تمہاری بیٹی اس کے احسانوں تلے جا دبی۔ بے چاری دونوں ہی ایک جیسا حسن اور ایک جیسا نصیب لکھوا کر لائی ہیں دنیا میں۔" وہ افسوس سے بولیں اور پتھر کے مجسمے کے اندر موجود دل بڑی زور سے دھڑکا تھا۔

"خیر تم اپنی بیٹی کی ذمہ داری سنبھالو اب' میری بیٹی کی حالت ایسی نہیں کہ اس کی ناز برداری کرے۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ کمرے سے نکل گئیں۔

"اس سے بہتر تھا ماما کہ آپ آج بھی دو تھپڑ میرے چہرے پر جڑ دیتیں مگر یوں انگاروں جیسی سلگتی سنگ باری نہ کرتیں۔" وہ نڈھال سا بستر پر ڈھے گیا' اس کی ماں نے آج اسے لاجواب کر ڈالا تھا۔

❁......❁......❁

شام میں عارب مسز آفندی کے ساتھ علوی ہاؤس پہنچا تھا' مسز علوی نے بہت خوشدلی و خوش مزاجی کے ساتھ ان سے ملاقات کی۔ وہ دونوں خاتون عروبہ کے کمرے کا رخ کر گئیں جب کہ عارب احمر کے ہمراہ لاؤنج میں بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ وہ پری کی ننھی سی گود میں سر رکھے میٹھی نیند سو رہی تھی اور پری بڑے پیار سے اس کے بالوں کو سہلا رہی تھی۔ ان دونوں خواتین کی کمرے میں آمد سے عروبہ کی آنکھ کھل گئی' مسز آفندی کو سلام کرتی وہ اٹھ بیٹھی۔

"یہ مسز آفندی ہیں' عارب کی والدہ۔" اس کے شیشے جیسی جگمگاتی آنکھوں میں جھلکتا سوال دیکھ کر مسز علوی نے تعارف کروایا۔

"اب کیسی طبیعت ہے بیٹی؟" مسز آفندی نے میٹھے لہجے میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی خیریت دریافت کی۔

"بہتر ہے۔" اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

ان کے درمیان معمول کی گفتگو ہوتی رہی پر اس دوران وہ اچھی طرح جان چکی تھیں کہ پری اور عروبہ ایک دوسرے کے بے حد قریب ہیں۔ اس تمام عرصے میں پری ایک ثانیے کو بھی عروبہ سے جدا نہیں ہوئی تھی یہاں تک کہ اس کی نظروں میں بھی ان کی آمد پر ناپسندیدگی جھلک رہی تھی

البتہ عروبہ کو دیکھ کر انہیں عارب کی پسند پر فخر محسوس ہو رہا تھا‘ وہ واقعی دل موہ لینے والی پیاری لڑکی تھی۔

”یار سچ سچ بتا کیا معاملہ ہے‘ تُو کیوں اتنا پریشان لگ رہا ہے مجھے۔“ عارب احمر کے کھوئے کھوئے انداز کو پہلی نظر میں ہی تاڑ گیا تھا۔ اتنی دیر سے وہ اس سے باتیں گھما گھما کر پوچھتا رہا مگر احمر چکنا گھڑا بنا سنتا رہا‘ آخر کار اس نے سیدھا سیدھا پوچھ ہی ڈالا۔

”کچھ نہیں یار...... بس ایسے ہی آفس کے کچھ معاملات ہیں اور بس۔“

”دیکھو پاگل کسی اور کو بنانا‘ کوئی نہ کوئی تو بات ہے جو تم عروبہ کی عیادت کرنے ہسپتال بھی نہ آئے جب کہ وہ تمہاری عزیز ہے گھر کی فرد بھی۔“ عارب کو لگا اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا‘ احمر کے دل کی بات جاننے کا مگر انجانے میں وہ بھڑ کے چھتے پر ہاتھ مار بیٹھا تھا۔

”یار عروبہ کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں میری زندگی میں۔ ماما‘ پری‘ تم سب ہی تو لگے ہوئے ہو اس کے ساتھ پھر اگر میں مصروفیت میں الجھا ہوا ہوں تو اس میں ایسا کیا ہوگیا اور جہاں تک اس کی خیریت کی بات ہے لمحہ بہ لمحہ اس کی خبر تم لوگوں کے ذریعے مل ہی جاتی ہے۔“ وہ سخت جھنجلاتے ہوئے انداز میں چیخ پڑا۔ عارب کچھ پل تو اسے حیرت سے دیکھتا رہا پھر دھیرے سے بڑبڑایا۔

”تُو ایسا بدلحاظ تو کسی زمانے میں نہ تھا احمر......!“ نہ جانے احمر نے سنا تھا یا نہیں مگر اس کے چہرے کے تاثرات ہنوز سخت اور نظریں سامنے ایل سی ڈی کی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ عارب کو لگا اس کا دوست صبوحی کے ساتھ ہی ابدی نیند جا سویا ہے‘ سامنے بیٹھا یہ شخص کوئی بہروپیا ہے اس نے بے حد افسردگی سے احمر کو دیکھا۔

❁ ❁ ❁

”تمہاری پسند تو واقعی بے حد پیاری ہے عارب۔“ مسز آفندی نے واپسی پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”پتا ہے مما...... وہ بظاہر جتنی پیاری ہے اس کا دل بھی اتنا ہی پیارا ہے۔“ اس کے خوب صورت چہرے پر نرم مسکراہٹ پھیلی تھی۔

”اچھا ظاہری خوب صورتی کی تو سمجھ آتی ہے مگر اس کا دل خوب صورت ہے یہ کیسے جان لیا تم نے۔“ وہ اسے شرارت سے کہتیں چھیڑ رہی تھیں۔

”آپ چند ایک بار اور ملیں گی تو آپ بھی میری اس بات سے متفق ہو جائیں گی۔“ وہ بڑے وثوق سے کہہ رہا تھا‘ مسز آفندی نے اس کی بات پر محض مسکرانے پر اکتفا کیا‘ کافی حد تک وہ پہلی ملاقات میں ہی عروبہ کی شخصیت سے متاثر ہو چکی تھیں۔

❁ ❁ ❁

سونے سے قبل وہ اپنا موبائل چیک کر رہا تھا تبھی پری اپنا تکیہ اٹھائے اس کے کمرے میں داخل ہوئی‘ اس سے قبل وہ کچھ پوچھتا وہ بول اٹھی۔

”پاپا...... دادو نے کہا ہے آج سے میں آپ کے پاس سوؤں گی۔“ اسے دادو کا یہ فیصلہ ناپسند تھا اس کے لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

”ہونہہ...... آؤ بیٹا‘ میرے پاس‘ یہاں آ کر سو۔“ وہ پیار سے اسے اپنے پاس بلا کر سلانے لگا۔ پری کے ریشمی بالوں میں ہاتھ پھیرتے‘ اسے سلاتے ہوئے احمر کو مسز علوی کے وہ تمام الفاظ یاد آنے لگے جو انہوں نے آج کہے تھے۔ سخت اور ترش الفاظ جو سوئے ہوئے کو بھی جھنجھوڑ ڈالیں۔ پتھر دل کو بھی چیر ڈالیں‘ وہ سر جھٹک کر پری کی جانب متوجہ ہوا‘ پر چاہتے ہوئے بھی وہ ماں کے ان سوالوں سے پیچھا نہ چھڑا پا رہا تھا۔

”کن خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو بیٹا؟“ وہ کافی دیر سے چھت پر نظریں گاڑھے لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر سوچ لکیریں رقم تھیں‘ کچھ تو چل رہا تھا اس کے دل و دماغ میں اتنا تو مسز علوی جان چکی تھیں اسے بغور دیکھتے ہوئے خیالوں کی دنیا سے واپس لے آئیں۔

”کچھ نہیں ماما...... بس ایسے ہی نیند نہیں آ رہی۔“ وہ

سرسری انداز میں گویا ہوئی۔
"نیند کیسے آئے گی بیٹا؟ تم نے اپنے ذہن کو جو نہ جانے کن بکھیڑوں میں الجھایا ہوا ہے۔" وہ دھیرے دھیرے اصل مدعے پر آ رہی تھیں۔ اس نے گردن موڑ کر ان کی جانب دیکھا وہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھیں ہمیشہ کی طرح مہربان مسکراہٹ' ایسی مسکراہٹ جس کے آگے اپنا آپ سرنگوں ہو جائے اسے لگا وہ ان سے کچھ چھپا نہیں پائے گی سو گھبرا کر رخ پھیر گئی۔
"تمہیں کیا لگتا ہے عروبہ...... میں تمہیں جانتی یا سمجھتی نہیں۔ کچھ نہ کچھ تو ہے میرے بچے جس کی پردہ داری ہے تم ایسے ہی تو اس حال تک نہیں پہنچیں۔" وہ اب اس کے ساتھ اس کے قریب آ بیٹھیں' اسے مشکل لگنے لگا تھا ان سے کچھ بھی چھپانا۔ اس نے انہیں کبھی بھی ماں سے ہٹ کر کوئی رتبہ نہ دیا تھا مگر آج احمر کی باتوں نے اسے ان سے دور ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔
"تم بہت بُرے ہو احمر...... بہت ظالم......" وہ دل ہی دل میں اسے کوسنے لگی تھی' اداس آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور پلکوں سے ٹوٹ کر رخسار پر جا پھیلے۔
"مجھ سے باتیں چھپانا کب سے شروع کر دیا عروبہ؟ کب سے اپنی ماں سے غیریت برتنے لگیں تم۔" وہ اب خفگی سے پوچھ رہی تھیں۔
"ماں...... میری ماں تو کب سے منوں مٹی تلے سو رہی ہے میں تو غریب ڈرائیور کی غریب سی بیٹی ہوں جس پر آپ لوگوں نے رحم کھا کر احساس کیا اور معاشرے میں اسے اعلیٰ مقام دلایا۔" وہ مزید ضبط نہ کر سکی اور کہہ گئی وہ بات جو اسے اندر ہی اندر گھلائے جا رہی تھی۔
آخر وہی بات نکلی جس کا اندیشہ انہیں اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا' انہیں اب یقین ہو چلا تھا کہ عروبہ نے اس رات ہونے والی احمر اور ان کی ساری گفتگو سن لی تھی اور اسی کے صدمے نے اسے اس حال تک پہنچایا تھا۔
"آہ...... کاش تم جان پاتے احمر کہ تم ان کے دکھوں کا باعث بن رہے ہو جنہوں نے تمہیں خوش دیکھنے کے لیے اپنا آپ بھلا دیا ہے۔" وہ دل ہی دل میں احمر سے شکوہ کر بیٹھیں۔
"کیا کہیں گی ماما اب آپ' اب تو جان چکی ہیں ناں آپ کہ میں اس حال تک کیسے پہنچی؟" وہ انہیں خاموش دیکھ کر شکوہ کناں ہوئی' انہیں لگا وہ اب بول نہیں پائیں گی۔
"میں نے کبھی آپ لوگوں کو خود سے الگ نہیں سوچا میں تو اپنے ماں باپ کو بھی بھولی بیٹھی تھی شاید انہیں بھلانے کی سزا ملی مجھے جو یوں احمر نے عرش سے مجھے فرش پر لا پٹخا۔ ماما مجھے اب یہ گھر میرا اپنا نہیں لگتا یوں لگتا ہے جیسے یہاں میری سانسیں بند ہو رہی ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے میں آپ کے سینے سے لگ کر روؤں مگر آپ کو اب اپنی ماں سمجھنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ مجھ پر اتنی شدت سے وار کیا ہے احمر نے کہ اب جینا محال لگتا ہے۔ اس نے میرا سب کچھ چھین لیا' میرا مان' میرا وقار' میرا اخلوص میری محبت میرے رشتے...... سب کچھ بے نام ہو گیا میرا وجود بھی' ایسا کیوں کیا اس نے' میں نے کیا بگاڑا تھا اس کا ماما؟" وہ شاید تھک چکی تھی خود سے لڑ لڑ کر اس لیے آج اپنا دل کھول کر رکھ دیا مسز علوی کے سامنے۔ آنسو ایک تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے وہ بلک بلک کر رو رہی تھی' مسز علوی نے تڑپ کر اسے سینے سے لگا لیا۔
"ماما...... میرا آپ لوگوں کے سوا ہے ہی کون' میں کیسے جیوں گی آپ لوگوں کے بغیر وہ کیسے میرے خلوص کو احسانوں کے بدلے کا نام دے سکتا ہے۔ اسے شرم کیوں نہیں آئی ماما......" وہ ان کی آغوش میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ مسز علوی اس کے بالوں کو پیار سے سہلاتی ہوئی اسے چپ کرانے لگیں' کچھ آنسو بہا کر دل ہلکا کرنے کے بعد تھوڑا سکون ملا تو وہ ان سے الگ ہو کر آنسو پونچھنے لگی۔
"جانتی ہو عروبہ...... تمہیں میری گود میں قدرت نے ڈالا۔" اس کے کچھ پُرسکون ہونے پر انہوں نے بولنا شروع کیا۔
"احمر کی پیدائش میری شادی کے پانچ سال بعد ہوئی تھی بہت منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہوا تھا وہ مگر ڈلیوری

کے وقت کچھ ایسی پیچیدگیاں ہوگئیں جن کی بناء پر میں دوبارہ ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہوگئی۔ مجھے اولاد نرینہ عطا ہوئی تھی اصولاً تو مجھ میں صبر آجانا چاہیے کہ اگر ایک ہی اولاد قسمت میں ہوتی تھی تو خوش نصیبی سے وہ بیٹا تھا مگر کبھی خواہشوں کو بھی زوال آیا ہے نہ ہی آسکتا ہے ایک کے بعد ایک وہ بڑھتی ہی جاتی ہیں۔ میرے دل میں بھی بیٹی کی خواہش بھرپور انداز میں جاگی لیکن اس خواہش کو پورا کرنے کی صلاحیت مجھ میں نہ رہی تھی۔" وہ اتنا کہہ کر لحظہ بھر کو سانس لینے رکیں، اسے اپنی جانب مکمل طور پر متوجہ پاکر پھر سے سلسلہ کلام جوڑا۔

"جہانگیر اور عذرا بے حد ایمان دار اور فرض شناس لوگوں میں سے تھے یہ بات میں نے ان کی ملازمت کے اوائل دنوں میں ہی جان لی تھی۔ میرا سلوک اگر ان کے ساتھ بہترین تھا تو ان کی محبت اور وفا بھی میرے ساتھ بہترین تھی۔ تمہاری پیدائش کے وقت عذرا کی حالت بے حد خراب تھی، پر اللہ کا کرم تم بخیر و خوبی کے ساتھ اس دنیا میں آگئیں، تمہیں دیکھتے ہی نہ جانے مجھے یہ کیوں محسوس ہونے لگا جیسے میرے دل کی مراد پوری ہوگئی ہو۔ تمہاری من موہنی صورت، دل موہ لینے والی اداؤں نے تو مجھے تمہارا دیوانہ بنادیا تھا۔ بڑی خوش نصیبی سے تم جو دو ماؤں کا پیار وصول کررہی تھیں۔" وہ ماضی کی یادوں میں کھوئی تھیں، آخری جملہ ان کے لبوں سے مسکراتے ہوئے ادا ہوا تھا، ان کی مسکراہٹ پر وہ بھی بے اختیار مسکرائی۔

"جانتی ہو وہ قیامت خیز دن کیسا بھاری تھا، تمہاری ماں سے اس کی زندگی چھین لی گئی تھی مگر تم اور جہانگیر محفوظ رہے اور پھر جہانگیر کو بھی ابدی نیند سلادیا گیا مگر تم پھر بھی محفوظ رہیں، کبھی سوچا ہے کیوں؟" وہ اچانک اس پر نظریں جما کر سوال پوچھ بیٹھیں، وہ جو ان کی باتوں میں کھو چکی تھی بے اختیار نفی میں سر ہلاگئی۔

"میرے لیے عروبہ...... صرف میرے لیے...... تم میری گود بھرنے کے لیے اس دنیا میں آئی تھیں، ذرا سوچو اگر اس دن تمہاری طبیعت خراب نہ ہوتی اور تم اپنی ماں کے ساتھ معمول کے مطابق گھر پر ہوتیں، میں احمر کو لینے اسکول جاچکی ہوتی پھر...... پھر کیا ہوتا...... کیا وہ قاتل تمہاری زندگی بخش دیتا؟ یا پھر اس دن جہانگیر کے ساتھ ساتھ تم سے بھی زندگی چھین لی جاتی، تب کیا ہوتا؟ یہ سارے ممکنات میں سے ہیں ناں عروبہ...... مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا بلکہ ہوا یوں کہ تم میری گود میں آگئیں۔ عروبہ تمہیں اللہ نے زمین پر اتارا ہی میرے لیے تھا اب تم خود ان کڑیوں کو آپس میں ملاؤ اور سمجھو یقیناً تم میری باتوں سے اتفاق کروگی۔ تم میری بیٹی ہو عروبہ...... پھر ایک نادان انسان کی باتوں کو ذہن پر سوار کرکے خود کو اور مجھے کیوں اذیت میں ڈال رہی ہو میری جان۔" انہوں نے بڑے مطمئن انداز میں یہ ثابت کرڈالا تھا کہ ان دونوں کا رشتہ اٹوٹ ہے یوں بدلنے یا ٹوٹنے والا نہیں۔ بھلے کوئی کچھ بھی کہہ لے کچھ بھی کرلے وہ بے یقینی سے مسز علوی کو دیکھے چلی گئی۔ کتنی خوب صورتی سے انہوں نے دل میں بندھنے والی گرہ کھول ڈالی تھی، وہ ان کے سینے سے جالگی، مسز علوی نے بڑی محبت سے اسے اپنی بانہوں میں سمولیا تھا۔

"جانتی ہو ہمیں مشکل میں ڈالنے سے قبل وہ ہمیں اس مشکل سے نکالنے کے وسیلے بناتا ہے۔" انہوں نے اس کا ماتھا چوم کر سمجھایا، وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھے گئی۔

"نہیں سمجھ پائیں، چلو مزید تفصیل سمجھاتی ہوں۔ تمہارے والدین کی زندگیوں کا اختتام ان کے مقدر میں یونہی لکھا تھا مگر تمہاری زندگی اس نے بچانی تھی، تمہارے لیے ہی اس پاک ذات نے تمہارے والدین کو ہم سے ملایا، تمہاری محبت میرے دل میں ڈالنے کے لیے ممتا کی تڑپ جگائی۔ تم سے مکمل ہونے کے لیے اللہ نے مجھے ادھورا رکھا، دیکھو اس مہربان نے تمہارا کتنا خیال رکھا اور میرا کتنا خیال رکھا۔ تم فطرتاً حساس اور نیک دل لڑکی واقع ہوئیں، ہمارے گھر میں اپنی محبتوں سے اجالا کرتی رہیں۔ تم نے ہر موڑ پر ہمارا ساتھ دیا مگر پھر وہی زندگی کی ہولناک شام وقوع پذیر ہوئی جو تمہارے ساتھ ہوا تھا وہی پری کے ساتھ بھی دہرایا گیا۔ پری بھی اپنی ماں کھو بیٹھی، غیب کا علم تو

فقط اللہ جانتا ہے تو پھر ذرا غور کرو کیسا شاندار اسٹیج بنایا میرے مالک نے۔ ایک عرصہ پہلے ہی تمہیں میری گود بھرنے اور ماں کی ممتا سے محروم بچی کو ماں کا پیار دینے کے لیے تمہیں منتخب کیا کیونکہ تم اس درد سے گزر چکی تھیں تو کیا اب بھی نہیں سمجھوگی کہ ہمیں مشکل میں ڈالنے سے قبل وہ مشکل سے نکالنے کے وسیلے بناتا ہے۔ پری ماں کو کھو کر بھی ماں جیسی محبت کے قریب رہی یہ تو تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تمہارے لیے اتنا مضبوط اور اہم کردار منتخب کیا گیا۔ تم دوا، دعا اور محبت کا روپ دھارے اس زمین پر اتریں، کبھی اس کا سوچا تم نے عروبہ...... اور تم روتی ہو ایک نادان شخص کی نادانی پر جو اتنا بدنصیب ہے کہ اولاد ہو کر بھی اس خوب صورت رشتے کے احساس سے دور ہے۔ تم اس شخص کی فضول گوئی کو دل سے لگائے بیٹھی ہو۔ مجھے حیرت ہے اس بات پر میرے بچے......“ انہوں نے بڑے پیار سے ساری گتھیاں سلجھادی تھیں، اس کا دل اچانک بے حد ہلکا ہوگیا تھا۔

”ہم کہنے کو تو اشرف المخلوقات میں سے ہیں مگر انتہائی ناسمجھ اور نادان مخلوق ہیں، کبھی اللہ کی محبت کو سمجھ نہ پاتے۔ وقت کتنا ہی دشوار گزرا ہو آزمائشیں کتنی ہی سخت ترین ہوں، وہ بڑے پیار سے اپنے بندوں کو اس مشکل وقت سے نکال لیتا ہے اور بدلے میں وہ اپنے بندوں سے صرف امید اور خود پر بے تحاشہ یقین چاہتا ہے مگر ہم ناشکرے انسان وقتی دکھ، غم، کمی کا رونا پوری زندگی روتے رہتے جب کہ وہ غم دکھ یا کمی گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ بہت دھندلے بھی ہوجاتے اور کبھی پورے بھی ہوجاتے ہیں مگر ہم ناسمجھ بچوں کی طرح روتے رہتے ہیں۔ احمر تو ناشکرا بن ہی چکا تم کب سے ناسمجھ بن بیٹھیں عروبہ؟“ وہ اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اپنے سامنے کرتے ناصحانہ انداز سمجھاتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

”آپ کی سب باتیں درست ہیں مگر میں اب دوسروں کو خوشیاں بانٹتے بانٹتے تھک چکی ہوں، کیا میرے لیے اللہ نے کوئی ایک بھی ایسا وجود نہیں بنایا جو میرے لیے گھنا سایہ بنے۔“ وہ سر جھکائے آزردگی سے بول رہی تھی اس کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے اور حقیقت تھی بھی یہی کہ وہ ہی ہمیشہ سے سب کے زخموں پر مرہم رکھتی آئی تھی۔ کوئی تو ایسا ہو جو اس کے تپتے وجود کو سایہ دے، وہ تنہا تھی کسی ہمدرد کی ضرورت اسے بھی تھی۔

”عروبہ...... میں یہ نہیں کہتی کہ تم نے تلخ لمحات نہیں گزارے یا مشکل وقت نہ دیکھا مگر کیا یہ مشکل وقت بڑی سہولت سے اس پاک ذات نے گزار نہ دیا۔ خود سوچ کر بتاؤ کبھی تمہارے ساتھ بُرا ہوا ہے۔ جواب ہوگا' کیا تم جس سے محبت کرتی ہو اس کے ساتھ برا کرسکتی ہو؟ پھر اپنی سوچ اس رب کے لیے کیوں رکھتی ہو جو بے لوث محبت کرنے والا مہربان ہے۔ عروبہ...... انسان کی سب سے بڑی خوش نصیبی یہ ہے کہ اس کی زندگی کی کہانی لکھنے والا مصنف اپنے کرداروں سے شدید محبت کرتا ہے۔ اس پر یقین رکھو وہ اب بھی تمہیں ہر مشکل سے نکال لے گا۔“ اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے وہ اس رب کائنات کی محبت سے بھی روشناس کرارہی تھیں، وہ اب مطمئن ہوچکی تھی اس کے کرچی کرچی دل کو مسز علوی نے بہت محبت سے سمیٹ لیا تھا۔ نفرت محبت سے زیادہ طاقتور نہیں، محبت کرچی کرچی دل بھی جوڑ سکتی ہے بشرطیکہ خالص ہونی چاہیے اور اللہ اور ماں کی محبت سے زیادہ خالص محبت کس کی ہوگی۔ وہ بھی اپنی مہربان ماں کے آغوش میں سر چھپائے مطمئن سی سو رہی تھی۔

❀......❀......❀

صبح ایک نئے پیغام کے ساتھ بیدار ہوئی تھی، روشن، چمک دار اجلی سی گزشتہ دنوں کی کڑواہٹ و کثافت اب اس کے اندر سے دور ہوچکی تھی۔ خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کرتی وہ مسز علوی کے ہمراہ لان میں بیٹھی چڑیوں کی چہچہاہٹوں اور تازہ مہکتی فضا سے لطف اندوز ہورہی تھی، تبھی اسکول کے لیے تیار پری بھاگتے ہوئے آکر اس سے لپٹ گئی۔

”ماما...... آج پاپا نے مجھے تیار کیا ہے دیکھیں میں صبح

لگ رہی ہوناں۔" وہ خوشی خوشی کہہ رہی تھی' عروبہ نے ایک طائرانہ نگاہ پری پر ڈالی اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہمیشہ کی طرح بہت پیاری لگ رہی ہے میری پری۔"

"پری میری جان...... آج سے آپ کو آپ کے پاپا ہی تیار کریں گے۔" مسز علوی نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی جانب کھینچ کر پیار کرتے ہوئے کہا۔

"مما کی طبیعت خراب ہے اس لیے؟" وہ معصومیت سے پوچھنے لگی۔

"ہاں بیٹا...... آپ کی مما کو ابھی آرام کی ضرورت ہے اور ہم نے مل کر ان کا خیال رکھنا ہے۔" وہ اس کی ڈھیلی ہوتی پونی کو ٹائٹ کرتے ہوئے سمجھانے لگیں۔

"چلو پری...... دیر ہورہی ہے۔" گاڑی کی جانب بڑھتے احمر نے صدا لگائی۔

"پری ناشتا صحیح سے کیا تھا۔" اس سے قبل پری احمر کی طرف بھاگتی وہ فکر مندی سے پوچھنے لگی۔

"جی مما...... پاپا نے کرادیا تھا' آپ اپنا خیال رکھیے گا۔" وہ جلدی سے اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر احمر کی جانب بھاگی۔ عروبہ اسے خود سے دور اور احمر کے قریب ہوتا دیکھتی رہی۔ پری کے پہنچتے پر احمر اس کا ہاتھ تھامے گاڑی کی طرف بڑھ گیا' ان کی گاڑی اب گیٹ سے باہر نکل چکی تھی۔

"آپ نے ہر ذمہ داری اس پر ڈال دی ہے' وہ نبھا نہیں پائے گا ماما۔" گیٹ پر نگاہیں جمائے وہ کچھ سوچتی ہوئی ان سے مخاطب ہوئی' مسز علوی کی نگاہیں اس کے چہرے پر ہی جمی ہوئی تھیں۔

"اب ذمہ داریاں اس پر پڑیں گی تو ضرور نبھائے گا' نہیں پڑیں گی تو ہرگز نہیں نبھا پائے گا۔" وہ بے پروائی سے سر جھٹکتی ہوئی بولیں۔

"پری اس تمام چکر میں بہت متاثر ہوگی' اس کے ساتھ زیادتی نہ ہوجائے۔" وہ پری کو لے کر پریشان ہورہی تھی۔

"نہیں اب کوئی زیادتی نہیں ہونے دوں گی اس کے ساتھ' اپنے باپ کی اب بھرپور توجہ ملے گی اسے۔ عروبہ بہت ہوگیا اب اس گھر کے ہر فرد کو وہ سب کچھ ملنا چاہیے جس کی وہ خواہش بھی رکھتا ہے اور حق دار بھی ہے۔" وہ نہ جانے کیا ٹھان چکی تھیں عروبہ ان کے تاثرات سے جان نہ پائی اسی اثناء میں ان کے موبائل پر آنے والی عارب کی کال نے انہیں اپنی جانب متوجہ کرلیا' رسمی گفتگو کے بعد انہوں نے عارب کو گھر بلالیا۔

"بہت اچھا بچہ ہے عارب...... تمہاری بیماری میں بے حد ساتھ دیا اس نے ہمارا۔ کل اس کی والدہ سے بھی مل کر بے حد خوشی ہوئی۔" وہ کال منقطع کرکے عارب کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگیں' وہ ان کی اس خیال آرائی پر فقط مسکرا کر رہ گئی۔

❀......❀......❀

"بیماروں کی طرح اکیلے بیٹھے بیٹھے بور نہیں ہوجاتیں آپ۔" وہ کچھ دیر قبل ہی اس کے لیے خوب صورت بکے لے کر آیا تھا' اسے سر جھکائے گم صم بیٹھا دیکھ کر چپ نہ رہ سکا۔

"بیماروں کے پاس اور چارہ بھی کیا ہے۔" وہ ہنس دی' اسے ہنستا دیکھ کر وہ بھی مسکرا اٹھا۔

"کافی کچھ سوچا جاسکتا ہے' کسی اچھی سی کتاب پر بحث کی جاسکتی ہے۔" وہ اسے بغور دیکھتا سوچ کر بولا۔

"بس اتنا ہی کیا جاسکتا ہے یا مزید کوئی گنجائش ہے؟" اس نے نرم سی مسکان سجائے پوچھا۔

"گنجائش تو بہت کچھ نکالی جاسکتی ہے' اگر آپ اجازت دیں تو۔" وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا کہہ رہا تھا۔

"چلیں اجازت دی آپ کو اب بتائیں۔" اس کی نرم مسکان ابھی بھی لبوں پر قائم تھی' البتہ نگاہیں مقابل کے اندر تک جھانک لینے میں مصروف تھیں۔

"اجازت کا شکریہ' آپ چاہیں تو ہم شطرنج کی بازی بھی کھیل سکتے ہیں' لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے شعر و شاعری پر بھی بات کرسکتے ہیں اور کچھ نہیں تو ایک اچھی سی

موودی چائے کے ایک کپ کے ساتھ بھی دیکھ سکتے ہیں۔"
وہ تمام آپشنز اس کے سامنے رکھتا ہوا پُر امید نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔
"ارے واہ...... آپ نے تو کافی کچھ سوچ رکھا ہے میرے خیال سے لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے حالات حاضرہ پر بحث کی جائے آپ کی کیا رائے ہے؟"
وہ فیصلہ کرتے ہوئے ابرو چڑھا کر اس سے اس کی رائے مانگ رہی تھی یہ اس کا کسی سے بھی سوال کرنے کا مخصوص انداز تھا۔
"جو حکم جناب کا۔" وہ سرخم کر کے کہتا ہوا سیدھا دل میں اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عروبہ نے اس سے بے اختیار نظریں چرالیں دل تک جانے والے وہ تمام راستوں پہ پہرے بٹھا چکی تھی وہ ایک مکین ہی دل میں بیٹھ کر تخریب کاری کرتا کافی تھا مزید کی گنجائش نہ تھی۔
وہ دونوں لان میں قدم سے قدم ملاتے چہل قدمی کرتے نظروں کو بے حد بھلے معلوم ہو رہے تھے بالکل یوں جیسے ایک دوسرے کے لیے بنے ہوں۔ اس دن انہوں نے ہر اس موضوع پر بات کی جس میں ان دونوں میں سے ایک کو بھی دلچسپی تھی غرض شاعری سے لے کر سیاست تک پہ بات کر چکے تھے۔ ان کے درمیان اختلاف رائے موجود تھا مگر وہ ایک دوسرے کی رائے کا احترام کر رہے تھے۔ پری بھی ان دونوں کے ساتھ لان میں موجود تھی کبھی براؤ کے ساتھ کھیلتی اور کبھی ان دونوں کے ساتھ باتیں بگھارنے لگ جاتی۔ وہ تینوں ایک دوسرے کا ساتھ واضح طور پر انجوائے کر رہے تھے۔ مسز علوی کچن کی کھڑکی سے جھانکتی اس منظر کو دیکھ رہی تھیں ان کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں مگر لبوں پر مسکراہٹ سجی تھی کچھ ہی لمحوں میں احمر کی گاڑی زن سے پورچ میں داخل ہوئی۔ عارب اور عروبہ چہل قدمی کرتے رک گئے پری دوڑ کر احمر کے پاس جا پہنچی۔ عارب منتظر تھا کہ احمر بھی ان کی طرف آئے گا مگر احمر نے ایک نظر ان دونوں کو ساتھ کھڑا دیکھا اور پری کا ہاتھ تھام کر اندر چلا گیا۔ عارب حیرت زدہ سا رہ گیا عروبہ نظریں چرا گئی جانتی تھی احمر کے نظر انداز کرنے کی وجہ وہی تھی۔
"میرے خیال سے ہمیں بھی اب اندر چلنا چاہیے۔"
عارب نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔
"جی آپ چلیں میں ابھی تھوڑی دیر یہیں بیٹھنا چاہتی ہوں۔" وہ یقیناً احمر کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی تبھی بہانہ بنا گئی۔ عارب نے الجھتے ہوئے اسے دیکھا اور اس کے بے لچک انداز پر سر ہلاتا اندر چلا آیا مسز علوی نے یہ تمام منظر بخوبی دیکھا تھا۔
عارب احمر سے ملاقات کے کچھ ہی دیر بعد علوی ہاؤس سے جا چکا تھا اس کی سنگت میں آج کا دن بلاشبہ اچھا گزرا تھا۔ وہ اس دن کی تمام جزئیات کو یاد کر کے مسکراتی رہی ضروری تو نہیں کہ محبت ہو پُر خلوص دوستی بھی تو اثر رکھتی ہے اور آج کافی عرصے بعد اسے ایک اچھا دوست میسر آیا تھا۔
"یہ کیا چکر ہے ماما...... عارب میرا دوست ہے پھر میری غیر موجودگی میں کیوں گھر آتا ہے؟" وہ اپنے پیروں پر کریم سے مساج کر رہی تھیں کہ وہ کمرے میں داخل ہو کر ان پر برس پڑا۔
"تم صبوحی کے گھر رافع کی غیر موجودگی میں کیوں چکر لگایا کرتے تھے احمر؟" انہوں نے سرسری سی نظر اس پر ڈالی اور ٹھنڈے ٹھار لہجے میں سوال کیا۔
"آپ کہنا کیا چاہتیں ہیں ماما......!" وہ ناگواری سے بولا۔
"حیرت ہے احمر...... جب عروبہ بیمار تھی تب تم نے نہیں پوچھا کہ عارب میرے موجود ہونے کے باوجود کیوں آپ لوگوں کے کام آ رہا ہے۔ اس وقت تو کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے تم اپنے کمرے میں بند رہے آج نہ جانے کیوں تمہاری نام نہاد انا غیرت اور مردانگی میرے آگے غضب دکھا رہی ہے۔" مسز علوی نے بستر سے اٹھ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔
"ماما پلیز...... وہ ذمہ داری ہے ہماری میں نہیں چاہتا

کل کلاں کو کوئی اونچ نیچ ہو اور بات ہم پر آئے۔" وہ اتنی ہمت نہیں رکھتا تھا کہ جواب دے سو ڈھیلا پڑتا ہوا اپنے سوال کی وضاحت دینے لگا۔

"وہ ہماری نہیں صرف میری ذمہ داری ہے' تم اس کی پروا کرنا چھوڑ دو۔ تمہاری ذمہ داری صرف پری ہے لہٰذا اس کا خیال رکھو اس پر دھیان دو اور ہاں یاد آیا پری کا اسکول یونیفارم رات میں ہی استری کر دینا اور اس کا ہوم ورک اسکول بیگ بھی لازمی چیک کر لینا۔ اب مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ پری کے سارے کام بھاگ بھاگ کر کروں۔" وہ سوال کیا لے کر آیا تھا جواب کیا مل رہا تھا' وہ جھنجلا اٹھا۔

"آپ یہ سب کچھ جان بوجھ کر کر رہی ہیں ناں میرے ساتھ' مجھے سبق سکھانا چاہتی ہیں ناں آپ؟" وہ اب سینے پر ہاتھ باندھے ان کے سامنے تن کے کھڑا باز پرس کر رہا تھا۔

"سبق تو تم نے سکھایا ہے میرے بچے...... مجھے خود غرضی واحسان فراموشی کا۔ میں تو بس اس گھر کے ہر فرد کی ذمہ داری اس فرد کو سونپنا چاہتی ہوں تم نے زندگی کیسے اور کس کے ساتھ گزارنی ہے تم فیصلہ کر چکے ہو۔ مجھے عروبہ کا گھر بسانا ہے بس اس کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں تو مطمئن ہو کر زندگی گزاروں۔" انہوں نے ایک گہری سانس لے کر اپنی بات مکمل کی اور اس کی نظروں کے سامنے سے ہٹ گئیں۔

"تو یہ عارب کی روز روز آمد غالباً آپ کے فرض کا حصہ ہے۔" وہ طنزیہ لب ولہجہ اختیار کرتا بولا۔

"ہاں وہ اسے پسند کرتا ہے اس کی ماں بھی ملنے آئی تھی اور عروبہ کے لیے میری نظر میں وہ ایک بہترین انتخاب ہے۔" وہ سادہ سے لہجے میں اعتراف کر گئیں۔

"ہونہہ...... بہترین انتخاب......" وہ استہزائیہ ہنسی ہنسا' مسز علوی نے چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

"جب تک اسے عروبہ کی حقیقت نہیں معلوم تب تک ہی بہترین نظر آ رہا ہے' حقیقت معلوم پڑتے ہی وہ بدترین انتخاب کا روپ دھار لے گا۔" وہ بے دردی سے سفاک لہجے میں کہتا سر جھٹک رہا تھا' مسز علوی اس کے اس ردعمل کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔

"ہر کوئی تمہاری طرح گھٹیا ذہنیت کا مالک نہیں ہوتا احمر...... مجھے تو اب افسوس ہونے لگا ہے کہ تم میری اولاد ہو۔ میں اب آرام کرنا چاہتی ہوں' تم اب جا سکتے ہو۔" وہ ملامتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے رخ پھیر گئیں۔ احمر سختی سے لب بھینچے کچھ پل دیکھتا رہا اور پھر کمرے سے نکل گیا۔ مسز علوی اسے دل گرفتگی سے کمرے سے جاتا دیکھتی رہ گئیں۔

❀......❀......❀

عارب اب اکثر علوی ہاؤس ان سب سے ملاقات کی غرض سے آیا کرتا تھا گو کہ اب عروبہ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکی تھی مگر عارب کی دوستی کی اب اسے بھی عادت پڑنے لگی تھی۔ وہ اس کے ساتھ گھنٹوں اپنی پسندیدہ کتابوں پر بحث کرتی' کبھی کبھی تو مسز علوی بھی اس مباحثے میں شامل ہو جاتیں' کبھی شطرنج کی بازی کھیلی جاتی تو کبھی لیڈو اور ایسے میں پری بھی ان کے ساتھ پیش پیش رہتی۔ اس بار عارب تقریباً ہفتے بعد آیا تھا وہ اپنے سیٹ اپ کے آغاز کے سلسلے میں مصروف رہنے لگا تھا پھر بھی جونہی وقت ملتا وہ علوی ہاؤس کا ضرور چکر لگاتا تھا۔ آج انہیں لائبریری جانا تھا' عروبہ کو کچھ کتابیں ایشو کروانی تھیں' وہ اب جاب کرنا چاہتی تھی اس نے بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹر کیا ہوا تھا اور اسی سلسلے میں لائبریری سے کچھ کتابیں ایشو کروانا چاہتی تھی۔ وہ اپنی مطلوبہ کتابیں ڈھونڈ چکی تو پری نے اکتائی ہوئی شکل بنا کر اسے مخاطب کیا۔

"مما...... اب چلیں بھی۔"

"ہاں بس میں یہ ایشو کروا کر آتی ہوں۔" وہ کتابیں اٹھائے وہاں سے چلی گئی۔

"آپ کو پتا ہے پہلے مما' میرے پاپا کے ساتھ اس لائبریری میں آتی تھیں۔" پری اچانک یاد آنے پر عارب سے سرگوشیانہ انداز میں مخاطب ہوئی۔

"اچھا...... یہ آپ کو کس نے بتایا؟" عارب نے بھی

پری والا انداز اختیار کرکے سرگوشی کی۔

"مما نے...... مگر یہ بہت پہلے کی بات ہے' میرے پیدا ہونے سے بھی پہلے کی۔" وہ اب اسے وضاحت سے سمجھا رہی تھی۔

"چلیں جناب۔" اس نے ان دونوں کے عقب سے آ کر مداخلت کی اور وہ تینوں باہر نکل گئے۔

"عارب میں آج کل جاب ڈھونڈ رہی ہوں اگر تمہاری نظر میں میرے لیے کوئی جاب ہو تو ضرور بتانا۔" وہ لائبریری سے پارکنگ ایریا تک کے راستے سے گزرتے ہوئے مخاطب ہوئی۔

"ہونہہ...... ارادہ اچانک بن پڑا تمہارا۔"

"نہیں اچانک تو نہیں مگر کافی دنوں سے سوچ رکھا تھا' خود بھی ایک دو جگہ اپلائی کیا ہے۔ آج سوچا تم سے بھی کہہ دوں۔"

"اوکے چلو میں تمہیں جلد ہی بتاؤں گا اس بارے میں۔" وہ تینوں گاڑی تک پہنچ چکے تھے۔

"پری کون سے آئس کریم پارلر جانا ہے؟" عارب نے پری سے پوچھا' پری سوچ میں پڑ گئی۔

"تم چلو میں بتاتی ہوں۔" عروبہ نے پری کو سوچ میں گم دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

"اوکے باس......" وہ خوشدلی سے کہتا گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

"اچھا سنو کل پانچ بجے ریڈی رہنا تمہیں ایک جگہ لے جانا ہے۔" اچانک یاد آ جانے پر وہ بولا۔

"کہاں؟" عروبہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

"یہ تو سرپرائز ہے۔" وہ چہکا' گاڑی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔

❁......❁......❁

"پاپا...... آپ اکیلے رہ گئے ناں؟" وہ احمر کے بازو پر سر رکھے آج کے دن کا سارا احوال سناتے اچانک پوچھ بیٹھی۔

"کیا مطلب' یہ کس نے کہا آپ سے؟" وہ حیرت سے اس کی طرف رخ موڑ کر پوچھنے لگا۔

"کسی نے نہیں بس مجھے خود ہی پتا چل گیا۔" وہ معصومیت سے اس کی شرٹ کے بٹن کو کھول بند کرتے ہوئے بولی۔

"کیا ہوا ہے پری...... مجھے پوری بات بتاؤ۔" وہ اب مکمل طور پر پری کی جانب متوجہ تھا۔

"پاپا......" اس نے نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا' اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو جھلملا رہے تھے' اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ "پاپا اب آپ کے ساتھ کوئی نہیں رہتا ناں' مما بھی نہیں' دادو بھی نہیں۔ مما کی دوستی عارب انکل سے ہو گئی ہے ناں اب...... آپ نے انہیں دیکھا وہ دونوں ایک ساتھ کتنا خوش رہتے ہیں۔ مما آپ کا کتنا خیال رکھتی تھیں پہلے مگر آپ نے ان سے دوستی نہیں کی ناں۔ پاپا آپ نے ان سے دوستی کیوں نہیں کی؟" وہ اپنے ننھے ہاتھوں سے احمر کے گال تھپتھپاتے پوچھ رہی تھی اور احمر کے تو گویا لب سل گئے تھے۔

"آج اگر آپ نے دوستی کی ہوتی تو ہم تینوں ایک ساتھ گھوم رہے ہوتے' دادو بھی ہوتیں ساتھ۔ کتنے خوش ہوتے ہم ایک ساتھ' کبھی آئس کریم کھانے جاتے' کبھی پلے لینڈ تو کبھی لائبریری۔" وہ بلا تکان بولتی چلی جا رہی تھی' اس کے لہجے میں اس کی محرومیاں عیاں تھیں' ادھورے رشتے جیتی بچی کی یہ خواہش بھی ادھوری تھی۔

"میری جان میں آپ کو لے چلوں گا ہر جگہ جہاں آپ کہو گی وہاں۔ چلو اب آرام کرو' صبح اسکول بھی تو جانا ہے۔" اسے خود میں بھینچتے ہوئے چپ کرایا' اس میں اب حوصلہ نہ تھا اپنی بیٹی کی محرومیوں کو سننے کا۔

"پاپا...... مگر مما تو نہیں ہوں گی ناں' ان سے تو آپ نے لڑائی کر لی ناں' میں نے سنا تھا اس دن آپ ان کی دادو سے شکایتیں کر رہے تھے۔ مما تو اب عارب انکل کی دوست ہیں' آپ تو دوستی ختم کر چکے ناں۔" وہ افسردہ تھی' تبھی افسردگی سے کہہ گئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوا پری...... کوئی لڑائی نہیں ہوئی' تم

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

اب سو جاؤ میری جان۔" وہ اسے بہلا رہا تھا۔
"کیا ہو عروبہ جہانگیر...... ایک جادوگرنی یا پھر ساحرہ...... یہ سحر پھونکنا تم نے کہاں سے سیکھا۔ یہ کیسا جادو ہے تمہارا؟ تمہارے سحر سے نکلنا مشکل نکلنے کی کوشش میں...... میں مزید تمہارے حصار میں قید ہوتا جارہا ہوں۔ جتنی بھی کوشش کرلوں بے بس محسوس کرتا ہوں خود کو۔ تمہارے سحر کے شکنجے میں جکڑا ہوا تمہارا قیدی......" آج بالآخر احمر علوی نے اپنے بے بس ہونے کا اعتراف دل ہی دل میں کرلیا تھا۔

❀......❀......❀

"آخر اور کتنا انتظار کرواؤ گے عارب...... کب لے کر جاؤں تمہارا رشتہ عروبہ کے لیے میں نے تو آفندی صاحب سے بھی اس سلسلے میں بات کرلی ہے۔" مسز آفندی کب سے تیار بیٹھی تھیں رشتہ لے جانے کے لیے مگر وہ نہ جانے کیوں ٹال مٹول کررہا تھا۔
"بس کچھ دن اور ماما...... میں اپنے حوالے سے اس کے احساسات جاننا چاہتا ہوں بس کچھ دن اور۔" وہ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جمائے اپنے کام میں مصروف تھا۔ مسز آفندی کی بات پر اس کا دھیان کام سے ہٹا ایک خوب صورت سا خواب اس کی آنکھوں میں جگمگانے لگا۔
"ہونہہ...... جیسا تم مناسب سمجھو کام کیسا چل رہا ہے تمہارا؟" انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔
"بہت زبردست...... الحمدللہ سب کچھ امید سے بڑھ کر اچھا ہورہا ہے۔" وہ دوبارہ سے اپنے کام کی جانب متوجہ ہوگیا۔ "ویسے آج ہمیں سیما خالہ کی طرف جانا ہے آپ چلیں گی ہمارے ساتھ؟" یاد آنے پر اس نے مسز آفندی سے پوچھا۔
"سیما سے تو میں دو دن پہلے ہی ملی ہوں ایسا کرو تم دونوں مل آؤ۔ اچھا ہے سیما سے بھی عروبہ کی ملاقات ہوجائے گی۔" کچھ لمحے قبل ہی ملازمہ میز پر ان دونوں کے لیے چائے رکھ گئی تھی وہ کپ اٹھا کر پینے لگیں۔
"ہونہہ...... ٹھیک ہے مام۔" وہ اب اپنی ساری فائلز کلوز کررہا تھا کچھ دیر بعد اسے علوی ہاؤس کی طرف نکلنا تھا۔

❀......❀......❀

آج وہ جلدی گھر آگیا تھا لاؤنج میں مسز علوی اور پری ساتھ بیٹھے تھے۔ مسز علوی نے ایک عرصے بعد اپنا ننگ کا سامان نکالا تھا سو اسی میں مصروف تھیں جب کہ پری اپنا ہوم ورک کرنے میں مصروف تھی۔ وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا وہیں صوفے پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کے انگ انگ سے تھکن آویزاں تھی۔
"پاپا میں پانی لاؤں آپ کے لیے۔" پری کچھ دیر بغور اسے دیکھتی رہی پھر پوچھا۔
"ہاں بیٹا...... پلیز۔" وہ تھکاوٹ سے چور لہجے میں بولا۔
مسز علوی نے نگاہ بھر کر دونوں باپ بیٹی کو دیکھا اور پھر سے ننگ میں مصروف ہوگئیں پری فوراً ہی ٹھنڈے پانی کا گلاس لے کر حاضر ہوئی۔ پانی پی کر کچھ حواس بحال ہوئے تو اسے یہ منظر کچھ ادھورا سا لگا۔ وہ کہاں تھی ان سب کے درمیان موجود کیوں نہ تھی۔
"پری آپ کی مما کہاں ہیں؟" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا مسز علوی نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا تو وہ گھبرا کر وضاحت دینے لگا۔ "آپ اکیلے ہوم ورک کررہی ہیں مما مدد نہیں کروارہیں۔" پری سے زیادہ اس نے ماں کو اپنے سوال کا مقصد جتایا تھا۔
"وہ تو عارب انکل کے ساتھ باہر گئی ہیں۔" پری جواب دے کر واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی پھر نہ جانے کیا سوچ کر اس نے اضافی بات کہی۔
"آپ کو بتایا تو تھا پاپا...... ان کی اب عارب انکل سے اچھی دوستی ہوگئی ہے ہم سے بھی زیادہ۔" کچھ تو تھا پری کے انداز میں جس نے ان دونوں ماں بیٹے کو چونکا دیا تھا۔ احمر کے چہرے پر ایک رنگ آیا تو دوسرا گزرا وہ بنا کچھ کہے وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔
"یہ لڑکا خود اپنی جان کا دشمن بنا بیٹھا ہے۔" انہوں نے

احمر کی پشت کو افسردگی سے گھورتے ہوئے دل ہی دل میں کہا اور اگر اس دن وہ ہسپتال میں اسے عروبہ سے اپنی محبت کا اظہار کرتے سن نہ لیتیں تو کبھی بھی اس کے دل کا حال نہ جان پاتیں اور نہ ہی اس پر روز یوں ضربیں لگا کر اس کے پتھر ہوتے وجود کو توڑنے کی کوشش کرتیں' وہ دن اپنی تمام جزئیات سمیت ان کے ذہن کے پردے میں محفوظ تھا۔

"نہیں جانتا کب سے کیسے' بالکل بھی نہیں جانتا' جانتا ہوں تو صرف اتنا کہ بے حد محبت کرتا ہوں تم سے۔" وہ اس کے ہاتھ پر اپنا سر لگائے رو رہا تھا۔

"مگر میں اتنی ہمت نہیں رکھتا عروبہ کہ تمہیں بتا سکوں' نہ ہی میں تمہارے ساتھ زیادتی کرنا چاہتا ہوں نہ ہی صبوحی کے ساتھ' تم نے ہمیشہ ہر موڑ پر میرا ساتھ دیا۔ تمہاری اپنی زندگی ہے' تمہارا بھی خوشیوں پر اتنا ہی حق ہے جتنا میرا۔ اپنے حصے کی خوشیاں وصول کر کے میں تمہاری خوشیوں کے رنگ میں بھنگ نہیں ڈال سکتا۔ تم بہت مجھے عزیز ہو عروبہ...... مگر میں تمہاری زندگی برباد نہیں کر سکتا۔" اس کی گھٹی گھٹی سی آواز بمشکل ان تک پہنچ رہی تھی' ان کا پورا وجود اس وقت قوت سماعت کا روپ دھار ہوا تھا۔

"نہ میں تم پر بوجھ بن سکتا ہوں نہ ہی صبوحی سے بے وفائی۔ میں ایک ادھورا انسان ہوں' بٹا ہوا نہ تمہیں خوش رکھ پاؤں گا نہ ہی صبوحی کو کبھی بھلا پاؤں گا۔ بہت بدنصیب ہوں میں عروبہ...... مگر تمہیں میں اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔ میں آج اعتراف کرنے پر مجبور ہوں عروبہ...... کیونکہ میں جانتا ہوں تمہاری اس حالت کا ذمہ دار میں خود ہوں۔ کل میں نے تمہارے لیے جو بھی کہا تھا' وہ سب کچھ تم نے سن لیا' میں چلا جاؤں گا تمہاری زندگی سے۔ بہت دور' شکل بھی نہ دکھاؤں گا تمہیں مگر آج مجھے کہہ لینے دو سب کچھ۔" وہ ہچکیوں سے رو رہا تھا' اس کی آواز اب واضح ہوئی تھی غالباً سر اٹھا کر بول رہا تھا۔

"کتنے عرصے تک لڑتا رہا تمہاری محبت سے' کبھی بے رخی کا اظہار کر کے تو کبھی نفرت کا اظہار کر کے خود کو یہ جتاتا رہا کہ تم میرے لیے کچھ بھی نہیں ہو' تمہاری کوئی حیثیت نہیں میرے نزدیک' تمہاری محبت سے لڑتے لڑتے میں اتنا گر چکا کہ کل ماما سے وہ کچھ کہہ گیا جو کبھی تمہارے لیے سوچا تک نہ تھا۔ جانتی ہو کل پہلی بار میں صبوحی سے ملنے گیا تو تمہاری باتیں کرتا رہا' تم پر غصہ کرتا رہا۔ تمہاری وجہ سے میں اس کے سرہانے بیٹھ کر بھی اس سے بے وفائی کرتا رہا' میں اس وقت شدید کوفت میں مبتلا تھا۔ تم پر شدید غصہ تھا مجھے' میں وہ ساری باتیں کہہ کر خود کو تم سے نفرت کرنے پر مجبور کر رہا تھا مگر تمہیں اس طرح اذیت نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں...... میں بہت بُرا ہوں...... بُرا ہوں بہت...... اور میری سزا یہی ہے کہ تم سے بے تحاشہ محبت کرنے کے باوجود بھی خود کو تم سے دور رکھوں۔ مجھے معاف کردو عروبہ...... مگر آج یہ اعتراف کر لینے دو کہ میں تم سے شدید محبت کرتا ہوں۔" انہوں نے بے اختیار ہو کر باتھ روم کے دروازے کو ذرا سا کھول کر جھانکا' وہ ہاتھ جوڑے اس سے معافی مانگ رہا تھا' اعتراف محبت کر رہا تھا۔ آج ان کے بیٹے احمر علوی نے اپنا آپ کھول کر رکھ دیا تھا اور یہ خدا کا ہی کرنا تھا کہ وہ ساری حقیقت آج جان گئی تھیں۔

"دادو...... مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" پری کی آواز انہیں حال میں واپس کھینچ لائی' وہ اس کے لیے سینڈوچ تیار کرنے کچن میں آ گئیں۔

"اے اللہ تُو جانتا ہے میری نیت' میرے ارادے۔ تُو میری مدد فرما یارب...... میرا ساتھ ضرور دینا مالک......" وہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھیں' ان کے لیے احمر اور عروبہ دونوں ہی برابر تھے' وہ کسی کے ساتھ بھی بُرا ہوتے نہیں دیکھنا چاہتی تھیں وہ احمر کو اس کے کھینچے گئے خود ساختہ حصار سے باہر نکالنا چاہ رہی تھیں وہ اس پر اتنی سختی اسی لیے کر رہی تھیں کہ وہ اپنے خول سے نکل جائے واپس پہلے کی طرح ہو جائے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی بنائی ہوئی مسجد سے باہر نکلے ان کی محبتوں کی قدر کرے جو اس کے منتظر ہیں ان کا سہارا بنے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ عروبہ اور احمر رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں' وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بہترین تھے مگر ان کے حالات ایک

دوسرے کے لیے بہترین نہ تھے۔

وہ اتنا کچھ ہونے کے بعد عروبہ کے ساتھ بھی کوئی زیادتی نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں اور جب سے عارب کی نظروں میں انہوں نے عروبہ کے لیے پسندیدگی کے جذبات دیکھے تھے وہ دل سے چاہتی تھیں کہ عروبہ کے نصیب کی خوشیاں بھی اب اسے مل جائیں۔ اس دن عروبہ کی باتوں نے انہیں شدت سے احساس دلایا تھا کہ زندگی کے اس موڑ پر وہ آ کھڑی ہوئی ہے جہاں ایک ہمدرد، مخلص ہمراہی کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے اور عارب ان تمام خوبیوں پر بخوبی پورا اترتا دکھائی دیتا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ بیٹے کے دل کا حال جان کر کہیں نہ کہیں ان کے دل میں عروبہ اور احمر کے ایک ہونے کی خواہش اب بھی کہیں دبی ہوئی تھی۔

❀......❀......❀

وہ دونوں گلوریا جینز کے خوابناک ماحول سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"تم نے یہاں کا پروگرام بنایا آج' کوئی خاص وجہ اس کی۔" اس نے کریمی کوکیز کا مزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"وجہ تو بہت خاص ہے اس لیے آج کی شام خاص بنانے کی کوشش کی۔" وہ ذومعنی انداز میں اسے نظروں کے حصار میں قید کرتے ہوئے بولا' وہ بہت کچھ سمجھ کر بھی انجان بنی رہی۔

"اچھا تو پھر اس وجہ پر ہی بات کرتے ہیں جس کے لیے عارب آفندی نے آج کی شام کو خاص بنا ڈالا۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے چھیڑ' وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"سیریسلی عروبہ...... تم باکمال ہو۔" نہ جانے اس نے یہ بات کیوں کہی تھی مگر وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اس وجہ کو جاننے کی منتظر رہی۔

"عروبہ...... میں بنا کسی لگی لپٹی رکھے صاف صاف جملوں میں کہتا ہوں کہ میں تمہیں دل کی گہرائیوں سے پسند کرتا ہوں اور پورے خلوص و محبت سے تمہیں اپنانے کی خواہش بھی رکھتا ہوں۔ کیا تم زندگی کے اس سفر میں میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی؟" اس کی زندگی میں پہلی بار کسی نے یوں اظہارِ محبت کیا تھا وہ بھی دوٹوک' وہ نظریں جھکا گئی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وقت خواہ کتنا ہی مشکل ہو' حالات کتنے ہی کٹھن ہوں' ہمیشہ تمہارا ساتھ دوں گا۔ کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا' تمہارا سایہ بن کر تمہارے ساتھ ساتھ چلوں گا۔" وہ دلچسپی سے اس کے چہرے پر پھیلتے رنگ دیکھ کر اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔

"اپنی زندگی کے ہمسفر کا انتخاب کرنا ہو فیصلہ فوری طور پر نہیں کیا جا سکتا عارب...... یقیناً تم نے بھی اتنے دنوں تک مجھے جانچا ہوگا پرکھا ہوگا تب جا کر مجھے پرپوز کرنے کا فیصلہ کیا۔ تم نے اب تک مخلص دوستوں کی طرح میرا ساتھ دیا مگر ہمسفر کی حیثیت سے قبول کرنے کے فیصلے کے لیے مجھے وقت درکار ہوگا۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ نپے تلے لفظوں میں اسے جواب دیا تو عارب نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے سو فیصد یقین تھا کہ تم یہی جواب دو گی' تمہارے پاس وقت ہی وقت ہے عروبہ...... اچھی طرح سوچ لو' میری جانچ پڑتال کر لو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں' ٹھونک بجا کر فیصلہ لو مگر میں اتنا جانتا ہوں تمہارا فیصلہ میرے حق میں ہی ہوگا۔" وہ خود اعتمادی کے ساتھ اسے شوخی سے دیکھتے ہوئے بولا' عروبہ نے بمشکل مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"کیا آج صرف اس کافی ہاؤس کا پروگرام تھا۔" وہ باتوں کا رخ اب بدل چکی تھی۔

"نہیں' دراصل آج تمہیں اپنی خالہ سے ملوانا چاہتا تھا اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو۔" اس نے ویٹر سے بل منگواتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔

"آہاں...... تمہاری خالہ سے ملنا یقیناً ایک خوشگوار احساس ہوگا تو پھر نکلتے ہیں خالہ کی طرف۔" وہ اپنا کلچ تھامے اٹھ کھڑی ہوئی۔ گلوریا جینز سے نکل کر وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے گاڑی کی جانب بڑھ رہے تھے۔

ڈاکٹر سیما ایک نفیس اور قابل ڈاکٹر تھیں' ان سے مل کر عروبہ کو بے حد خوشی ہوئی تھی غالباً مسز آفندی نے سیما کو پہلے ہی کال کر کے ان دونوں کی آمد کی اطلاع دے دی تھی تبھی وہ خاص پُرتپاک انداز میں ان دونوں سے ملی تھیں۔ انہیں باتیں کرتے کچھ ہی پل گزرے تھے کہ انہیں انتہائی ایمرجنسی کال پر آئی سی یو کی طرف بھاگنا پڑا۔ وہ دونوں بھی ان کے ساتھ ہی انتہائی نگہداشت یونٹ کی طرف بڑھے' ڈاکٹر سیما خود تو آئی سی یو کے اندر داخل ہوگئیں البتہ وہ دونوں آئی سی یو کے شیشے کے پار سے اندر کا منظر دیکھتے رہے۔

وہ عمر رسیدہ شخص انتہائی اذیت ناک حالت میں تھا' ڈاکٹر سیما اپنی ٹیم کے ہمراہ اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش میں لگی ہوئی تھیں مگر زیادہ دیر نہ لگی اس کی روح پرواز کرگئی۔ ڈاکٹر سارہ اسے بچانے میں ناکام ہوچکی تھی۔ اسے سرتک چادر اوڑھا دیا گیا' ڈاکٹر سیما سر نفی میں ہلاتیں باہر نکل آئیں۔ وہ افسردہ سی انہیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی' اس نے پہلی دفعہ کسی کو یوں اپنے سامنے دم توڑتے دیکھا تھا' ڈاکٹر سیما اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بتانے لگیں۔

''ایڈز کا مریض تھا وہ اور مرض آخری اسٹیج پر داخل ہوچکا تھا۔ اسے بچانا ہمارے لیے اب ناممکنات میں شمار ہوچکا تھا ویسے بھی وہ بہت اذیت میں تھا شاید یہ اس کے کرموں کا پھل ہو۔'' وہ چہرے سے ماسک اور دستانے اتارتے ہوئے بول رہی تھیں۔ ان کے آخری جملے پر وہ دونوں بُری طرح ٹھٹکے۔

''کیا مطلب کہ اس کے کرموں کا پھل؟'' عارب نے حیرانگی سے پوچھا' عروبہ بھی حیرت زدہ سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

''یہ مریض جس کا نام کرم دین تھا' دراصل پیشہ ور مجرم تھا۔ کچھ عرصہ قبل پولیس کی طرف سے اسے یہاں داخل کرایا گیا تھا جب اسے جیل میں رکھنا وہاں کے حکام اور قیدیوں کے لیے مشکلات کا باعث بننے لگا تو اسے یہاں داخل کروا کر چھوڑ دیا گیا ویسے بھی چار ماہ بعد اسے پھانسی ہوجاتی تھی۔ پھانسی سے پہلے ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔'' ڈاکٹر سیما بالکل نارمل لہجے میں مرنے والے کے بارے میں انکشاف کر رہی تھیں۔

''کیا یہ قاتل تھا؟ اسے پھانسی کی سزا ہو رہی تھی آخر کس کا قتل کیا تھا اس نے؟'' عروبہ نے ان کے قدم سے قدم ملاتے متجسس سا سوال کیا۔

''کچھ نہ پوچھو عروبہ...... بہت ہی درندہ صفت اور ظالم فطرت کا مالک تھا یہ شخص' اس نے تو اپنی جوان بیٹیوں کو بیچ ڈالا اور اپنی بیوی اور چھوٹی بیٹی کو قتل بھی کر ڈالا۔ صرف یہی نہیں اپنی بھتیجی اور اس کے شوہر کا بھی لرزہ خیز قتل کر ڈالا اور ان سب کے بعد یہ کسی سیاسی جماعت میں شامل ہوگیا' گناہوں سے اپنے ہاتھ مزید سیاہ کیے اور جب یہ موذی مرض اس سے آچمٹا تو اپنے آقاؤں کے لیے ناکارہ ہوگیا تب پولیس کی حراست میں بھی آگیا' بچانے کے لیے کوئی آگے نہ بڑھا۔ مرض شدت اختیار کرگیا تو پولیس نے بھی اسے یہاں لا چھوڑا اور آج دیکھ لو۔ معصوموں' بے گناہوں کا سفاکی سے قتل کرنے والا کس اذیت ناک موت سے دوچار ہوا ہے۔ بے شک اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔'' ڈاکٹر سیما مختصر لفظوں میں ساری کہانی سناتی چلی گئیں اور وہ ششدر رہ گئی۔ یہ کہانی سنی سنی سی تھی' اسے لگا وہ ان بے گناہ کرداروں کو بھی جانتی ہے اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا اور سب یاد آگیا۔ برسوں پہلے مسٹر اینڈ مسز علوی نے اس کے حقیقی ماں باپ کے بارے میں بتاتے ہوئے کچھ ایسی ہی کہانی سنائی تھی تو یہ شخص اس کے ماں باپ کا قاتل تھا' ان کی خوشیوں کو اجاڑنے والا۔

''یہ شخص کس علاقے کا...... میرا مطلب ہے کس گاؤں کا رہائشی تھا۔ آپ کچھ بتا سکتی ہیں ڈاکٹر؟'' وہ مکمل یقین حاصل کرنا چاہتی تھی تبھی پوچھنے لگی۔ ڈاکٹر نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے اسے اس گاؤں کا نام بتا دیا۔ شک یقین میں بدل گیا تھا' آج اس نے اپنے ماں باپ کے قاتل کو اس کے انجام تک پہنچتے دیکھ لیا تھا' کچھ دیر قبل

دل میں پیدا ہونے والی افسردگی اب شدید نفرت میں بدل چکی تھی۔

وہ شام جتنی اپنے آغاز میں خوب صورت تھی اب ایک عبرت ناک سبق دیتی محسوس ہو رہی تھی۔ علوی ہاؤس پہنچ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں جانا چاہتی تھی مگر لاؤنج میں بیٹھے احمر کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا جیسے اسی کے ہی انتظار میں ہو۔ کچھ تھا اس کی نظروں میں چھپا ہوا پیغام مگر وہ نظر انداز کرتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی البتہ عارب کچھ دیر بیٹھا ان سب سے باتیں کرتا رہا۔ پری فوراً ہی اس سے اپنی ناراضگیاں جتانے میں مصروف ہوگئی مگر وہ ہر بات سے بے نیاز عروبہ کے اس رویے پر الجھتا رہا اور عارب کے جانے کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔

وہ جب سے آئی تھی بے حد بے چینی محسوس کررہی تھی کبھی کمرے میں ٹہلنے لگتی تو کبھی کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے لگتی مگر ایسا فقط چند لمحوں کے لیے ہوتا پھر وہ بستر پر بیٹھ کر اپنی کنپٹی سہلانے لگتی غرض ہر تھوڑی دیر بعد وہ یہی عمل دہرانے میں لگی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی وہ کمرے میں تیز قدموں سے ٹہلنے میں مصروف تھی تبھی مسز علوی اس کے کمرے میں داخل ہوئیں اور اسے مضمحل دیکھ کر وجہ دریافت کی۔

"ماما آج میں اپنے ماں باپ کے قاتل کو دیکھ کر آرہی ہوں انتہائی بُری اور اذیت ناک حالت میں تھا۔ میری نظروں کے سامنے دم توڑا اس نے۔" اس کے لہجے میں نفرت کی آمیزش بھی تھی اور گہرے دکھ کی پرچھائی بھی وہ مسز علوی کو گزرے دن کی روداد سنانے لگی۔ یہ سب کچھ سن کر وہ ابھی سنبھل بھی نہ پائی تھیں کہ عروبہ کی اگلی بات نے انہیں چونکا دیا۔

"ماما...... عارب نے مجھے آج پرپوز بھی کیا ہے۔"

"واقعی...... پھر تم نے کیا جواب دیا؟" وہ خوش ہوئی تھیں مگر دل میں کچھ تھا جو ٹوٹا تھا۔

"میں نے سوچنے کے لیے وقت مانگا ہے۔" وہ دائیں ہاتھ کی لکیروں پر انگلیاں پھیرتی ابھی ابھی سی لگی مگر وہ چاہ کر بھی کچھ نہ پوچھ سکیں وہ فی الوقت کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھیں۔

"خوب اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا میری جان۔" وہ اس کے ماتھے پر بوسہ دیتی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

فیصلہ کرنے میں اسے دو دن لگے مگر فیصلہ اس نے مسز علوی کو عارب کے رشتے کے لیے آمادگی کی صورت سنایا تھا۔ مسز علوی کے بعد وہ عارب کو بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کرچکی تھی عارب نے اگلے ہی روز اسے مسز آفندی کے سنگ علوی ہاؤس آنے کا مژدہ سنایا تھا۔

"اللہ تمہارے لیے اس رشتے کی صورت بے انتہا خوشیاں جھولی میں ڈالے۔ وہ خوشیاں جو تمہیں مطمئن و پُرسکون رکھیں۔" اس رات مسز علوی نے اس کے ماتھے کو چومتے ہوئے بے خلوص دل سے دعا دی تھی۔

"ماما...... مگر میری ایک شرط ہے۔" وہ سر جھکائے بولی۔

"کیسی شرط؟" وہ ٹھٹکیں۔

"آپ مسز آفندی کو میرے حوالے سے سب کچھ سچ سچ بتائیں گی کچھ بھی نہیں چھپائیں گی۔" وہ ان کا ہاتھ تھامے بولی۔

"مگر بیٹا......!" وہ اتنا ہی کہہ پائی تھیں کہ عروبہ نے انہیں بولنے سے روک دیا۔

"ماما پلیز...... میں نہیں چاہتی کہ بعد میں انہیں میرے ماضی سے متعلق کچھ علم ہو اور پھر ان کے دلوں میں میرے لیے گرہیں پڑیں۔ سو جو ہونا ہے وہ ابھی ہوجائے۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی مسز علوی اس کی بات سمجھ کر اثبات میں سرہلا گئیں۔ وہ جن حالات سے گزری تھیں اس کے بعد اس کا یہ فیصلہ انہیں مناسب بھی لگا ویسے بھی جھوٹ اور غلط بیانی پر استوار رشتوں کی بنیاد کمزور ہوتی ہے۔

"ٹھیک ہے تم جیسا کہو میری جان...... میری دعائیں میرا پیار میرا ساتھ ہمیشہ تمہارے لیے تھا اور رہے گا۔" وہ

اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کمرے سے نکل گئیں۔ عروبہ کے لیے وہ دل سے دعا گو تھیں۔ احمر کو مطلع کرنے کی غرض سے وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں وہ سونے کی تیاری کررہا تھا مگر رات کے اس پہر مسز علوی کی آمد نے اسے چونکا دیا۔ اس نے سوالیہ نگاہیں مسز علوی پر جمائیں۔

"کل عارب اپنی والدہ کے ہمراہ عروبہ کے رشتے کے سلسلے میں آرہا ہے۔" مسز علوی کی بات سن کر احمر کچھ پل کے لیے خاموش سا ہوگیا۔ اس لمحے مسز علوی کو اپنے بیٹے پر بڑا ترس آیا اس نے اپنی خوشیاں خود ہی اجاڑ ڈالی تھیں۔

"تمہاری موجودگی ضروری ہے کوشش کرنا کہ کل جلدی گھر آجاؤ۔" اسے خاموش دیکھ کر اپنی بات مکمل کرکے وہ جانے کو مڑیں۔

"وہ خوش ہے؟" وہ بمشکل کہہ پایا۔ مسز علوی نے اسے پلٹ کر دیکھا اور جواب دیا۔

"اس کا صحیح جواب تو وہی دے سکتی ہے تمہیں۔" اتنا کہہ کر وہ رکیں نہیں' دروازے سے باہر نکل گئیں۔ احمر جز بز ہوتا انہیں جاتا دیکھتا رہا۔

صبح آفس جانے سے قبل اس نے عروبہ کے کمرے کی جانب رخ کیا تھا' دستک دے کر وہ اندر داخل ہوا۔ عروبہ نے چونک کر اسے دیکھا' وہ وارڈ روب میں تھی لباس کا انتخاب کرنے میں مصروف تھی۔

"تم.......!" وہ اس کے بیمار ہونے پر بھی اس سے خیریت دریافت کرنے نہیں آیا تھا پھر آج اچانک اس کے یوں آجانے پر حیران ہونا فطری امر تھا۔

"ہاں.......وہ میں تم سے پوچھنے آیا تھا کہ عارب سے رشتے پر آمادگی کا فیصلہ تم نے اچھی طرح سوچ سمجھ کر کیا ہے ناں؟" ایک عرصے بعد اس سے مخاطب ہوا تھا۔ برسوں کی شناسائی عروبہ کی آنکھوں سے معدوم ہوتی نظر آرہی تھی۔ سوالتی ہمت نہ کرسکا کہ اس فیصلے سے وہ کتنی خوش ہے یہ پوچھ سکے۔

"یہ میری اب تک کی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ ہے ایسا کیسے ممکن ہے کہ میں نے بنا سوچے سمجھے فیصلہ لیا ہو۔"

عروبہ کے لہجے میں در آئی اجنبیت نے احمر کو خاموش ہونے پر مجبور کردیا تھا۔

"میں صرف تمہارے بھلے کے لیے پوچھ رہا تھا۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"میں اپنا برا بھلا بخوبی جانتی ہوں مسٹر احمر...... برائے مہربانی میری فکر میں آپ کو ہلکان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔" اس کی بات پر وہ اندر تک سلگ بیٹھی تھی تبھی ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولی۔

"میں صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں' اس لیے فکر......" وہ بے چارگی سے بولا مگر عروبہ نے اس کا جملہ مکمل نہ ہونے دیا۔

"بہت شکریہ آپ کی فکر و تشویش کا' میں کچھ مصروف ہوں اس وقت اگر آپ بُرا نہ مانیں تو اپنا کام مکمل کرلوں؟" وہ بالواسطہ طور پر اسے کمرے سے بے دخل ہونے کا حکم دے رہی تھی۔ غصے کی ایک شدید لہر اس کے اندر بھڑک رہی تھی۔ یہی وہ شخص تھا جس نے اسے اس کی بچپن کی محبت سے دستبردار ہونے پر مجبور کیا' اس کی جنت کو چھین لیا۔ اس کے سب سے عزیز دوست کو اس سے دور کردیا' اس کی انا مجروح کی' وقار کی دھجیاں اڑائیں اور آج اس کی خوشیوں کی باتیں کرتا یہ شخص اسے بہت بڑا منافق لگ رہا تھا۔

عروبہ کا ہتک آمیز رویہ اسے تپ پا کر گیا' وہ انتہائی طیش کے عالم میں اس کے کمرے سے باہر نکلا۔ دل کے بے حد مجبور کرنے پر آج وہ اس کے پاس آیا تھا' وہی پرانا دوست بن کر مگر دوستی کی رسی پھر سے تھامنے میں بہت دیر ہوچکی تھی۔ اب تک وہ اس کی ذات کے پرخچے اڑاتا آرہا تھا مگر آج پہلی بار اس نے عروبہ کی نگاہوں میں اپنے لیے نفرت دیکھی تھی اور یہ بات اس کے لیے ناقابل برداشت ہوئے جارہی تھی۔

❁ .... ❁ .... ❁

مسز آفندی مٹھائی کے ہمراہ علوی ہاؤس پہنچی تھی۔ احمر مسز علوی کے تاکید کے باوجود اب تک گھر نہیں پہنچا تھا' وہ مسلسل اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کررہی تھیں مگر وہ ان کی کال وصول نہیں کررہا تھا۔ وہ اچھی طرح جان چکی تھیں کہ وہ نہیں آئے گا' عروبہ بنفشی اور کریم رنگوں کے امتزاج کے انگرکھے میں ملبوس مغلئی دور کی شہزادی معلوم ہورہی تھی۔ عارب نے اس کا استقبال مسکراتی نگاہوں سے کیا اور مسز علوی سے اجازت لے کر واپس چلا گیا۔ چائے کے پُراہتمام دور کے بعد مسز آفندی جیسے ہی اصل مدعے پر آئیں۔ عروبہ پری کو لے کر ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی' مسز آفندی عروبہ کی شخصیت اور اخلاق کی تعریفوں پر رطب اللسان تھیں وہ بہت چاہت سے عارب کے لیے عروبہ کا ہاتھ مانگ رہی تھیں۔

"مسز آفندی...... عارب بہت ہی پیارا اور فرماں بردار بچہ ہے بلاشبہ وہ میری عروبہ کے لیے ایک بہترین انتخاب ثابت ہوگا مگر میں آپ کو عروبہ کے حوالے سے کچھ حقائق سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔"

"جی...... جی کہیے مسز علوی۔" مسز علوی نے تمہید باندھتے ہوئے کہا تو مسز آفندی جز بز ہوتی ان کی اگلی بات کی منتظر ہوئیں اور پھر مسز علوی نے بڑی ہمت کے ساتھ عروبہ کے ماضی کے حوالے سے مسز آفندی کو آگاہ کرنا شروع کردیا۔ دوران گفتگو مسز آفندی کے چہرے کے بدلتے رنگ ان کی نظروں سے مخفی نہ رہ سکے تھے۔ مسز آفندی ان سب کو انتظار کی سولی پر چڑھا کر واپس جاچکی تھیں۔

آفس پہنچ کر بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوسکا بلکہ وقفے وقفے سے میز پر دھری چیزوں اور اسٹاف پر نکل رہا تھا۔ کتنی ہی دیر اضطرابی کیفیت میں ٹہلتے اب وہ نڈھال سا اپنی نشست پر بیٹھا تھا' سامنے میز پر علوی ہاؤس کی فیملی تصویر رکھی تھی جس میں وہ اور عروبہ ساتھ کھڑے مسکرا رہے تھے وہ اس تصویر کو دیکھ کر چیخ پڑا۔

"آخر تم خود کو سمجھتی کیا ہو عروبہ جہانگیر...... تم سے محبت کرتا ہوں اس بات کی سزا دے رہی ہوں نا مجھے۔ تم سمجھتی ہو میں ہار مان لوں گا مگر نہیں...... میں نہیں مانوں گا ہار جو

کرنا ہے کرلو تم' مجھے تمہاری کوئی پروا نہیں۔" وہ ہذیانی کیفیت میں بولے جارہا تھا۔

"لیکن کیا کروں میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔" وہ ضبط کرتے کرتے بھی غصے سے تصویر دیوار پر مارتے ہوئے چیخ پڑا' اس کے لہجے میں درد تھا' اقرار تھا اور اپنی ہار کا واضح اعلان تھی۔

❁.......❁.......❁

"تم نے تو ساتھ دینے کے بڑے دعوے کیے تھے عارب آفندی...... بھلا دعوے کرنا بھی کوئی بڑی بات ہے۔ محبت کو یہ جھوٹے دعوے ہی تو مار ڈالتے ہیں اور ان دعوؤں کو نبھانے والا' اپنے وعدوں پر پورا اترنے والا ہی تو محبت کو زندہ کرتا ہے۔ دیکھتے ہیں عارب آفندی تم محبت کو مارنے والوں میں سے ہو یا زندہ جاوید کرنے والوں میں سے۔" وہ پوری رات عروبہ کی ان ہی سوچوں میں گزری نہ جانے کتنی بار وہ دل ہی دل میں عارب سے ہمکلام ہوئی' آزمائش سخت تھی تب ہی آج اس کے سیل فون پر عارب کا شب بخیر کا پیغام بھی نہیں آیا تھا۔

رات دیر تک جاگنے کے باعث صبح دیر سے بیدار ہوئی تھی۔ بیدار ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے اپنا سیل فون چیک کیا۔ موبائل نیٹ ورک والوں کے معمول کے پیغامات کے بعد اور کوئی پیغام نہ تھا اس کا دل بے چین ہوا۔ خیال آیا کہ وہ خود کوئی پیغام بھیجے مگر نہیں' یہ مناسب نہیں تھا۔ اسے انتظار کرنا چاہیے وہ اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹتی بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے سوچنے لگی۔

کیا تھا ان دونوں کے بیچ صرف اعتماد' دوستی اور خلوص کا جذبہ۔ اسے عارب سے محبت تو نہ تھی مگر اس نے اس کے خلوص پر یقین کرکے اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا تھا اور اب جب وہ دونوں ایک دوسرے کے ہمراہی بننے پر رضامند تھے تب اس نے اپنی زندگی کی ایک تلخ حقیقت اس کے سامنے رکھی تھی۔ نہ جانے دل کو کیوں یقین تھا کہ وہ محبت کے دعوے کرنے والا شخص ضرور اس کا ساتھ دے گا مگر اب اس کا یہ یقین ڈگمگانے لگا تھا خود کو ہمت بندھائی

اور خیالات کو مثبت رخ پر ڈالتی وہ نیچے آگئی۔ حیرت کا شدید جھٹکا لگا' ماما' احمر اور پری ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتا کرنے میں مصروف تھے۔

"احمر آج آفس نہیں گیا مگر کیوں؟" وہ خود سے ہمکلام ہوئی' وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے نیچے آنا پڑا۔

"اٹھ گئیں تم...... چلو آؤ ناشتا کرلو۔" ماما نے اسے آتا دیکھ کر پکارا' ان کی کھوجتی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ خاموشی سے وہاں آگئی اس سے قبل کہ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتی عارب آفندی تمتماتے چہرے کے ساتھ دندناتا ہوا اندر داخل ہوا۔ میز پر براجمان نفوس حیرانگی سے اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"آؤ عارب...... اچھے موقع پر آئے ہو' بیٹھو یار۔" وہ خوشدلی سے اس کی جانب بڑھا' پہلے وہ فقط اس کے دوست کی حیثیت سے آتا تھا مگر اب وہ عروبہ کا انتخاب بننے جارہا تھا۔

"میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا احمر۔" اس کا صرف لب و لہجہ ہی نہیں انداز بھی بدلے ہوئے تھے۔ مسز علوی اور عروبہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"پھر......؟" احمر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں معذرت چاہتا ہوں آنٹی...... میں اس رشتے سے تعلق نہیں جوڑ سکتا۔" وہ احمر کو نظرانداز کرکے دوٹوک اور بے لچک انداز میں مسز علوی سے مخاطب ہوا۔ مسز علوی کے ہاتھ سے کانٹا چھوٹ کر پلیٹ میں جا گرا' وہ گھبرا کر عروبہ کو دیکھنے لگیں' اس کا چہرہ تنے ہوئے تاثرات لیے سفید پڑتا جارہا تھا۔

"میں آپ لوگوں کی طرح اعلیٰ ظرف نہیں جو ملازم کی بیٹی کو سر کا تاج بنا کر رکھوں۔ میرے بھی کچھ اصول ہیں' معیار ہیں' اسٹیٹس ہے۔ ایک معمولی ڈرائیور کی بیٹی اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے اور اونچے محل میں رہ کر بھی اسی ڈرائیور کی ہی بیٹی کہلائے گی۔ کوا ہنس کی چال چلے تو ہنس نہیں بن جاتا' کوا ہی رہتا ہے۔" وہ کتنا بے رحم تھا' کس ستم

ظریفی سے اس پر لفظوں کے وار کررہا تھا۔ احمر بُت بنا کھڑا عارب کو شعلہ بیانی کرتا دیکھتا رہا' مسز علوی عروبہ کا پھیکا پڑتا رنگ دیکھ کر بے اختیار اس کی طرف بڑھیں۔

"عارب آفندی...... تمہیں یہ رشتہ نہیں جوڑنا تو بے شک نہ جوڑو مگر تمہیں کوئی حق نہیں کہ یوں نشتروں کی بارش کرو۔" وہ بمشکل خود کو سنبھالتی مضبوط لہجے میں تنبیہہ کے انداز میں بولیں۔ کچھ بھی ہوجائے وہ نہیں ٹوٹے گی اب' وہ نہیں روئے گی۔ یہ اس نے خود سے عہد کیا تھا' عارب استہزائیہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے ٹھیک اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"مجھے واقعی کوئی حق نہیں اور میں ایسے حقوق رکھنے میں دلچسپی رکھتا بھی نہیں۔" وہ حقارت سے کہہ رہا تھا۔ عروبہ نے بمشکل اسے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا۔

"عارب تمہیں......" مسز علوی اسے روکتے ہوئے آگے بڑھیں تو وہ انہیں ہاتھ کے اشارے سے روک کر بات کاٹتے ہوئے ترشی سے بولا۔

"رک جائیں آنٹی...... جب اتنے دنوں سے اس کے ساتھ پھر رہا تھا تب تو آپ نے نہیں روکا تھا۔ آج جب اس سے صاف بات کررہا ہوں تو آپ بیچ میں کیوں آرہی ہیں۔" وہ بدتمیزی کی انتہا پر پہنچ چکا تھا۔

"جب تک اسے عروبہ کی حقیقت نہیں معلوم تھی تب تک ہی بہترین نظر آرہا ہے' حقیقت معلوم پڑتے ہی وہ بدترین انتخاب کا روپ دھار لے گا۔" احمر کے کچھ دن قبل کے کہے گئے الفاظ ان کی سماعتوں میں گونجے۔ انہوں نے بے اختیار احمر کی جانب دیکھا وہ ابھی تک بُت بنا کھڑا تھا۔

"بات یہ ہے عروبہ...... تم سونے کی بھی بن جاؤ تو کوئی بھی تمہاری حقیقت جان کر اپنانے کے لیے آگے نہیں بڑھے گا۔ تم لاکھ حسین' لاکھ ذہین مگر کوئی فائدہ نہیں۔ ہزار تم دوسروں کی خدمتیں کرلو' بچوں کو پال لو' ہمدردی حاصل کرسکتی ہو مگر دل میں جگہ نہیں۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کوئی نہیں لگاتا' بہتر ہے تم اپنی حیثیت پہچان لو ورنہ ہمیشہ دکھ اٹھاؤ گی۔" عارب کی آنکھوں سے شعلے پھوٹ رہے تھے

عروبہ کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں' اس کا عہد ٹوٹنے لگا تھا۔ وہ ٹوٹ رہی تھی وہ رو رہی تھی' انسان اتنا بھی اختیار نہیں رکھتا کہ خود سے کیے عہد ہی پورے کرلے۔ احمر کا سکتہ غالباً اپنا نام سن کر ٹوٹا تھا' عارب کی بکواس سن کر وہ طیش میں اس کے گریبان تک جا پہنچا۔

"آرام سے یار...... غصہ کیوں کررہا ہے' اتنی ہی ہورہی ہے ہمدردی تو خود کرلے نا شادی۔ میرے سر کیوں منڈھ رہا ہے اسے' اپنے لیے تمہارا یہ معیار کے شادی شدہ ہو کر بھی اس کی طرف دیکھنا پسند نہیں کرتے اور مجھ سے توقع کرتے ہو کہ اسے اپنی بیوی بنا کر رکھوں' ہونہہ......" وہ بے حد عامیانہ انداز میں احمر سے اپنا گریبان چھڑاتا حقارت کی ایک نظر عروبہ پر ڈالتا وہاں سے تن فن کرتا چلا گیا۔

"عروبہ...... میری بچی......" مسز علوی بے قراری بُت بنی عروبہ کی جانب بڑھیں اس کا سرد پڑتا ہاتھ تھاما اور عروبہ کو جیسے کرنٹ لگا' وہ جھٹکے سے ہاتھ چھڑاتی چیخ اٹھی۔

"کیوں...... آخر کیوں...... کیوں ہوتا ہے یہ میرے ساتھ' میں سب کی زندگی میں محبتوں اور خوشیوں کے رنگ بھرتی ہوں پھر کیوں سب آ کر مجھے یوں لفظوں سے سنگ بار کرتے ہیں؟" وہ اونچی آواز میں چیخ کر روتے ہوئے بول رہی تھی' مسز علوی اور احمر اسے سنبھالنے کو آگے بڑھے تھے۔

"چھوڑ دو مجھے' مت چھوؤ...... گندے ہوجاؤ گے تم لوگ' دور رہو مجھ سے......" وہ بے قابو ہورہی تھی پہلے سے ڈری سہمی ہوئی پری نے عروبہ کی یہ حالت دیکھ کر رونا شروع کردیا۔

"عروبہ میری جان...... میری بچی...... میری بات سنو بیٹا......" مسز علوی نے بمشکل اس کا ہاتھ تھام کر خود سے لگانے کی کوشش کی۔

"نہیں...... ہوں میں آپ کی بچی...... میں غریب ڈرائیور کی بیٹی ہوں' کوئی حق نہیں مجھے جینے کا۔ مسکرانے کا' خواب دیکھنے کا' میں محبت کروں تو بھی جرم' میں دوستی کروں

تو بھی جرم...... سنو ایک بار ہی مجھے مار ڈالو تم لوگ کیوں قطرہ قطرہ زہر دیتے ہو۔" وہ اب حواسوں میں نہ تھی جو جی میں آتا بولے چلے جارہی تھی۔ مسز علوی سے وہ سنبھل نہیں پارہی تھی اور احمر کو وہ پاس نہیں آنے دے رہی تھی یونہی چیختے چلاتے بے دم ہوکر وہ مسز علوی کی بانہوں میں جھول گئی پری کے رونے میں مزید شدت آ گئی۔

"احمر گاڑی نکالو جلدی...... ہسپتال لے چلو اسے۔" مسز علوی روتے ہوئے اس سے بول رہی تھیں۔

❁......❁......❁
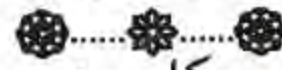
اس کی آنکھیں ذرا سی کھلیں اور پھر دوبارہ بند ہوگئیں وہ آئی سی یو میں تھی اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اور گزشتہ چار دنوں سے مسلسل زندگی اور موت کی کشمکش میں جھول رہی تھی۔

"اسے کچھ ہوا احمر تو نہ میں تمہیں معاف کروں گی نہ ہی اس کم ظرف عارب کو۔" وہ اسے سخت لہجے میں کئی بار دھمکی دے چکی تھیں اور وہ انہیں کیسے بتاتا کہ وہ خود اپنے آپ کو معاف نہیں کرسکتا اگر اسے کچھ ہوگیا تو۔

آج اسے پرائیوٹ روم میں شفٹ بھی کردیا گیا تھا وہ اس وقت گہری نیند سو رہی تھی اور اس وقت صرف وہ ہی کمرے میں تھا۔ مسز علوی پری کے لیے کچھ کھانے پینے کا سامان لینے کینٹین تک گئی تھیں۔

"مجھے معاف کردو عروبہ...... مجھے معاف کردو۔ میں بہت بُرا ہوں ناکام ہوں میں تمہیں خود سے دور رکھنا چاہتا تھا خوشیوں کے قریب دیکھنا چاہتا تھا مگر صرف تمہیں دکھ دیتا رہا۔ مجھے معاف کردو عروبہ......" وہ اتنے دنوں سے ضبط کیے بیٹھا تھا آج ضبط کے سارے پل اس کے آنسوؤں کے آگے ڈھے گئے۔ مسز علوی اسی وقت کمرے میں داخل ہوئی تھیں اسے یوں روتے ہوئے اعتراف جرم کرتا دیکھ کر دل گرفتگی سے اس کی جانب بڑھیں۔

"دعا کرو کہ وہ ٹھیک ہوجائے۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکیں۔

"ماما...... اسے ٹھیک ہونا ہوگا میں اسے کھو نہیں سکتا بہت نقصان کرچکا ہوں اب مزید نقصان کا متمنی نہیں۔" وہ ماں کے سینے میں سر چھپائے رو رہا تھا پری گم صم سی اپنے باپ کو یوں بچوں کی طرح روتے دیکھتی رہی۔

"میں جھوٹ بولتا تھا کہ اس سے نفرت ہے سچ تو یہ ہے کہ بے تحاشہ محبت کرتا ہوں ماما اس سے اور اسی محبت سے گھبرا کر دور بھاگتا تھا اس سے۔" وہ اعتراف کررہا تھا محبت کا۔ اسی پل گہری نیند سوئی عروبہ کی بند آنکھوں کے پیچھے ڈھیلے تیزی سے حرکت کرتے محسوس ہوئے۔

وہ سب اس کی زندگی کے لیے دعائیں کررہے تھے اور وہ زندگی کی طرف واپس لوٹ آئی تھی۔ آج وہ اسے گھر لے آئے تھے ڈاکٹر نے اسے مکمل آرام اور ذہن کو پُرسکون رکھنے کے ساتھ ساتھ خوش رہنے کی بھی ہدایت کی تھی۔ اس میں واضح تبدیلی در آئی تھی وہ اب بے حد خاموش رہتی اور خلاء میں گھورتی سوچتی رہتی۔ وہ تینوں کافی کوششیں کرتے تھے اسے اپنے ساتھ باتوں میں مصروف رکھنے کی مگر وہ ان سب کو نظر انداز کرتی کسی ان دیکھے نقطے پر نگاہیں جمائے اپنی سوچوں میں کھوئی رہتی۔

آج صبح بیدار ہوئی تو اپنے سرہانے گل دان میں تازہ گلاب اور موتیے کے پھولوں کو دیکھ کر بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"یہ پھول کس نے لگائے ہیں؟" مسز علوی نے کندھے اچکاتے ہوئے لاعلمی کا اظہار کیا بالکل یہی حرکت پری نے بھی اس کے سوال کو سن کر دہرائی وہ خاموش ہوگئی۔

شام میں مسز علوی وو یجیٹیبل کارن سوپ کا باؤل اس کے کمرے میں رکھ گئیں پہلا چمچ منہ میں ڈالتے ہی وہ پوچھ بیٹھی۔

"پری یہ سوپ کس نے بنایا ہے؟" جواب میں پری نے ایک بار پھر کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

دو دن بعد سے اس نے لان میں چہل قدمی کا آغاز کیا تھا پری آج بھی اس کا ہاتھ تھامے اسے لان میں لے کر آئی تھی۔ وہ اس کا بالکل بچوں کی طرح خیال رکھ رہی تھی

کبھی کبھی تو اسے پری کی اس معصوم محبت پر پیار آ جاتا پر وہ کسی کی محبت کے قابل کہاں۔ اسے عارب آفندی کے دہکتے جملے سماعتوں میں گونجتے محسوس ہوتے اور وہ ایک بار پھر خاموشی کا لبادہ اوڑھ کر بُت بن جاتی۔ وہ لان کے وسط میں رکھی کرسیوں کی جانب بڑھ رہی تھی تبھی اسے کسی احساس نے پلٹنے پر مجبور کیا۔ اس کے پیچھے کچھ فاصلے پر احمر کھڑا تھا' اسکن فٹنگ اسکائی بلیو ٹی شرٹ میں ملبوس مگر وہ شرٹ اسے تنگ ہو رہی تھی' اس نے غور سے دیکھا تو اچانک اس کے ذہن میں کلک ہوا۔ یہ ٹی شرٹ اس نے تین سال قبل اسے اس کی سالگرہ پر دی تھی جو اس نے بے زاری کے ساتھ لے کر الماری میں ڈال دی تھی یعنی تین سال میں احمر نے اپنا وزن بڑھا لیا تھا۔ اس کی سوچیں کسی اور دھارے پر ہی چل پڑیں' اسے یوں دیکھتا پا کر وہ دو قدم مزید آگے بڑھا اور تب اس نے دیکھا اس نے پچھلے سال دی گئی گھڑی کلائی میں باندھ رکھی تھی۔ وہ متعجب ہوئی وہ دو قدم اور نزدیک ہوا اس کے پرفیوم کی مسحور کن خوشبو نے اس کے نتھنوں کو چھوا۔ اس کا فیورٹ پرفیوم وہ اسے اکثر یہ پرفیوم گفٹ کرتی تھی۔ آج وہ سرتاپیر اس کے پسند کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا مگر کیوں؟ اس نے اچانک اپنی نظروں کا زاویہ پھیر لیا۔

"کیا ہم کچھ دیر ایک ساتھ چہل قدمی کر سکتے ہیں؟" وہ اس کے نزدیک...... اس کے بالمقابل کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"نہیں......" وہ قطعیت سے انکار کرتی واپس جانے کو مڑی مگر احمر نے اس کا ہاتھ تھام کر روک لیا۔

"بہت تنہا رہ گیا ہوں' اب مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ عروبہ......" ٹیرس سے دور دو سایوں میں کھلبلی سی مچلی۔

"میں خود کو بھی سزا دیتا رہا اور تمہیں بھی اذیتیں پہنچاتا رہا مگر اب مزید اس نادانی کے سلسلے کو قائم نہیں رکھنا چاہتا' میں انا کا بُت اپنی فضول ضد سب توڑ چکا ہوں اور تم سے تمہیں مانگنا چاہتا ہوں۔" وہ عاجزی سے بولا' اس کے چہرے پر شکستگی کے تاثرات تھے۔

"مگر میں اب ایسا کچھ بھی نہیں چاہتی' میرا ہاتھ چھوڑ دو۔" وہ دوٹوک انکار کر کے اس سے ہاتھ چھڑانے لگی۔

"نہیں چھوڑوں گا۔" اسے ہاتھ چھڑاتا دیکھ کر وہ ضدی لہجے میں بولا۔

"ساتھ چھوڑنے والے ہاتھ کب سے تھامنے لگے۔" وہ تلخی سے کہتی اب اس کی طرف مڑ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہی تھی' وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

"میری ذات پر اپنے لفظوں سے سنگ باری کرنے والے آج میرے زخموں پر مرہم رکھنے میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔ سوچنا پڑے گا مجھے کہ اب کس لیے میرا استقبال کیا جا رہا ہے۔ کوئی نئی سازش تیار کی جا رہی ہے مجھے قبر تک پہنچانے کی۔ بڑی ڈھیٹ جان ہوں ناں مرتی نہیں......" اس کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی' وہ شدید اضطراب میں لب بھینچ کر رہ گیا۔ "سنو اس بار جو چال چلو تو ایسی چلنا کہ پھر زندگی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ میں بھی تنگ آ گئی ہوں اس روز کے جینے مرنے سے۔" اب کی بار اس کے لہجے میں بلا کی اذیت بول رہی تھی' وہ تڑپ کر بولا۔

"ایسے نہ کہو عروبہ...... میں سازش تو کر رہا ہوں مگر تمہیں قبر میں اتارنے کی نہیں بلکہ تمہارے دل میں اترنے کی۔" عروبہ اس بات پر ٹھٹکی یہ تو اسی احمر کی جھلک اسے دکھائی دے رہی تھی جو پاگل تھا' دیوانہ تھا' جذباتی تھا۔ محبت کرنے والا' خیال رکھنے والا اس کا سب سے قیمتی دوست' وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ وہ پتھر دل احمر تو اسی دن سے آخری سانسیں لے رہا تھا جب سے تم نے اس عارب کے ساتھ گھومنا پھرنا شروع کر دیا تھا اور اس دن تو باقاعدہ قبر میں اتار آیا ہوں جب تمہارا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔" وہ بڑی سادگی سے اپنے دل کا حال بیان کرتا آرام سے کرسی پر بیٹھ گیا' اس کا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا مجبوراً اس کی تقلید میں اسے بھی بیٹھنا پڑا مگر وہ بیٹھی بھی تو رخ موڑ کر وہ اسے خاموشی سے یک ٹک دیکھتا رہا' بالآخر وہ جھنجھلا اٹھی۔

"تم پلیز یہ بچپنا چھوڑ دو اور سیدھے سیدھے بتاؤ کیا چاہتے ہو؟"

"تمہیں...... پتا ہے کہ کتنی دشمنی کی ہے تم نے مجھ سے...... زندگی کی سب سے خاص دوست سے دشمن بن چکی تھیں تم میری۔" وہ اب سنجیدہ ہوگیا تھا' اس کی بات پر وہ حیران ہوئی۔

"میں تمہاری دشمن...... دشمن تم بنے ہو یا میں؟"

"تم بنی ہو دشمن عروبہ جہانگیر...... اور کبھی تمہیں اپنی ناانصافیوں کا خیال بھی نہیں آیا۔" اس کے لہجے میں دبا دبا سا غصہ جھلک رہا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو مسٹر احمر علوی؟" وہ بھی اسی کے انداز میں غرائی۔

"سننا چاہتی ہو تو سنو عروبہ جہانگیر...... تم سے عشق کرنے لگا تھا آج سے نہیں گزشتہ تین سال سے اور تم بے خبر بنی پھرتی تھیں۔ جانتی بھی ہو کہ میں اپنے جذبات دوسروں تک پہنچانے کے معاملے میں بالکل کورا ہوں یوں تو میرے دل کی ہر بات تمہیں چٹکی بجاتے سمجھ آجاتی تھی پھر اس معاملے میں کیوں اناڑی بنی رہیں۔ یار میں کبھی خود سے لڑتا کہ اس لڑکی کے لیے میں ہی رہ گیا ہوں' پوری دنیا میں جو شادی شدہ ایک بچی کا باپ ہے۔ کبھی یہ خوف کہ دنیا مجھے بے وفا نہ کہے' کبھی یہ ڈر کہ تم میری محبت کو خود غرض نہ سمجھو۔ خود سے لڑتا رہا' تکلیف دیتا رہا' تمہیں جان کر دکھ پہنچاتا رہا مجھ سے دور ہو جاؤ' کبھی یوں خود کو احساس دلاتا کہ تمہیں تمہارا دل دکھنے پر مجھے کچھ محسوس نہ ہوتا مگر ہر بار میں دل ہی دل میں روتا۔ جانتی ہو صبوحی کی برسی پر قبرستان جا کر تمہاری ہی باتیں کیا کرتا۔" وہ سانس لینے کو رکا' وہ آنکھیں پھاڑے حیرت زدہ سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"جانتی تو ہو تمہارے بغیر میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ محبت کرنا بھی نہیں آتی' حاصل کرنا بھی نہیں آتا۔ خود دیکھ لو تمہیں اپنی حرکتوں سے کھو ہی بیٹھا تھا' وہ تو بھلا ہو عارب کا جو تمہیں چھوڑ کر چلا گیا۔" وہ اب کرسی سے اٹھ کر زمین پر اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہوا معصومیت سے بولا۔

"نام نہ لو اس کا میرے سامنے۔" وہ جو اس کا انوکھا اظہار محبت سننے میں ہمہ تن گوش تھی بدمزہ سی ہو کر چڑ کر بولی۔

"ہاں...... نام لینا بھی نہیں چاہتا اس بدنصیب کا۔ میرے اور تمہارے بیچ کسی اور کے نام کی گنجائش بھی نہیں ہونی چاہیے۔" وہ بے ساختہ بول اٹھا۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے اپنا چہرہ ہاتھ کی ہتھیلی پر ٹکائے اسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ ابھی بھی احمر کے ہاتھوں میں تھا' جسے اس نے مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ وہ اس کی قاتلانہ نگاہوں کا وار سہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مسکرا رہا تھا۔ وہ دونوں کچھ دیر تک یونہی ایک دوسرے کو بغور دیکھتے رہے۔

"تم بہت بُرے ہو۔" بالآخر اس نے بولنے میں پہل کی۔

"تمہارے کمرے میں تازہ پھولوں کے گل دستے میں رکھا کرتا تھا۔" جواب میں اسے اپنا کارنامہ بتایا۔

"پھر بھی بُرے ہو۔" اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔

"اسپتال دیجی ٹیبل کارن سوپ بھی میں نے بنایا تھا۔" ایک اور کارنامہ بتایا۔

"پھر بھی بہت بُرے ہو۔" وہ اب بھی اسے بُرا اقرار دے رہی تھی۔

"تم جب ہسپتال میں ایڈمٹ تھیں تو تمہارے پاس بیٹھ کر تم سے اظہار محبت کرتا' روتا رہتا تھا۔" وہ بے چارگی سے اب اپنا سب سے بڑا کارنامہ بتا رہا تھا۔

"جانتی ہوں...... پر تم پھر بھی بہت بُرے ہو۔" وہ اسے کسی طور بھی اچھا کہنے پر راضی نہ تھی۔

"ہونہہ...... اچھا ٹھیک ہے' مگر پھر بھی...... آئی لو یو سو مچ......" اس نے جتنا اسے ستایا تھا وہ اتنا ہی اس سے اقرار کروا رہی تھی۔

"بٹ آئی ہیٹ یو......" اس نے ایک ادا سے اتراتے ہوئے جواب دیا۔

"بٹ اسٹل آئی لو یو......" وہ اس کی شرارت سمجھ چکا تھا اور مسکراتے ہوئے پورے دل سے اقرار کررہا تھا۔ ٹیرس میں کھڑے دونوں سائے اب ہاتھ ملا کر ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے اندر جارہے تھے اور آج اسے اچھی طرح پتا چل گیا کہ وہ کوئی بھگوڑا نہیں تھا۔

❁......❁......❁

انسان کی سب سے بڑی خوش نصیبی یہ ہے کہ اس کی زندگی کی کہانی لکھنے والا مصنف اپنے کرداروں سے شدید محبت کرتا ہے۔ حالات کتنے ہی کٹھن ہوں وقت کتنا ہی دشوار ہو آزمائش کتنی ہی سخت ہو۔ بڑے پیار سے اپنے بندوں کو اس مشکل وقت سے نکال لیتا ہے اور بدلے میں وہ صرف اپنے بندوں سے امید اور اس کی ذات پر یقین چاہتا ہے وہ اللہ کی اس محبت پر آج یقین لے آئی تھی۔

وہ انتہائی خوب صورت سیاہ مخملی سرخ بارڈر والی ساڑھی میں ملبوس اپنے خوب صورت گھنے بالوں کو دائیں طرف ڈالے آنکھوں میں کاجل کی دھار لگائے اور ہونٹوں کو سرخ گلاب کی پنکھڑی میں ڈھالے بڑی نزاکت سے گرے ڈنر سوٹ میں ملبوس مردانہ وجاہت کا شاہکار احمر علوی کے ہمراہ سیاہ گاڑی کی جانب بڑھ رہی تھی۔ احمر نے بڑے احترام سے اس کے لیے گاڑی کا فرنٹ ڈور وا کیا اور خوب صورت سی مسکان کے ساتھ اسے گاڑی میں بٹھا کر اپنی سیٹ پر جا بیٹھا۔ ان دونوں کے لب محبت سی گوندھی ہوئی مسکان سے سجے تھے گاڑی میں سی ڈی پلیئر آن ہو چکا تھا۔

غم ہے یا خوشی تُو...... میری زندگی ہے تُو......

میری زندگی ہے تُو......

خان صاحب کے بول کیا گونجے محبت گاڑی میں محو رقص ہوگئی۔ کاجل سے سجی تیکھی نظریں جان لیوا انداز میں اپنے ہمسفر کی جانب اٹھیں۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی آج اس کے ہمراہ تھی' تین دن قبل ہی بہت سادگی کے ساتھ وہ احمر کی زندگی میں داخل ہوئی تھی۔

آفتوں کے دور میں...... چین کی گھڑی ہے تُو

میری زندگی ہے تُو......

ایسا ہی تو تھا' وہ ایک احساس تھی جو سکون بن کر ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کے کٹھن وقت' مشکل حالات کی پُرخلوص ساتھی' اس نے اس کے نازک سے ہاتھ کو ملائمت سے تھام لیا۔ ایک طرح سے وہ اس کے پُرخلوص ساتھ کا شکر گزار ہوتے ہوئے یقین دہانی کروا رہا تھا کہ وہ اب ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔

میری رات کا چراغ...... میری نیند بھی تُو

میری زندگی ہے تُو

گاڑی برق رفتاری سے سیاہ سڑک پر رواں دواں تھی' شور مچاتا سمندر' محبوب ہمسفر' ترجمانی جذبات کرتی غزل اور اس نغمہ محبت پر محو رقص رم جھم برستی بارش' برسوں کا خواب آج حقیقت کا روپ دھار چکا تھا۔ اس کا ہاتھ احمر کے ہاتھ میں تھا' اس نے پُرسکون سے انداز میں احمر کے شانوں پر اپنا سر لگا دیا۔ اسے لگا تھا کہ وہ اسے ہار چکا ہے' مگر تقدیر لکھنے والے نے عروبہ کو اس کی جیت بنا کر اس کی زندگی میں شامل کردیا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے بغیر اب تک ایک ادھوری زندگی گزار رہے تھے پر اب ایک دوسرے کو پاکر مکمل ہو چکے تھے۔ ٹریفک کے باعث گاڑی چند ثانیے کے لیے رکی تھی تبھی کھڑکی کے شیشے پر دستک ہوئی۔

"سر...... میڈم کے لیے یہ خوب صورت پھولوں کا تحفہ لے لیجیے۔" شیشہ اتارنے پر وہ لڑکا گل دستہ ہاتھ میں تھامے پیشہ وارانہ مسکراہٹ سجائے پُرامید انداز میں چہکا تھا۔ احمر نے سب سے خوب صورت گل دستہ عروبہ کے لیے منتخب کیا۔

"اس شخصیت کے لیے جس کے نام میں اپنی ذات کرچکا ہوں۔" محبت پاش نظروں سے عروبہ کو دیکھتے ہوئے احمر نے گل دستہ اس کی جانب بڑھایا۔ عروہ نے سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے گل دستہ ہاتھوں میں تھام لیا۔

نکاح کے دو بولوں نے ان کے دلوں کو مضبوطی سے محبت کے رشتے میں باندھ دیا تھا۔ وہ اپنا آپ بھلائے ایک دوسرے کے رنگ میں رنگ چکے تھے۔ احمر نے اپنے

کاندھے پر لٹکائے اس کے سر پر جذب کے عالم میں ایک بوسہ دیا تو وہ سرشاری مسکرادی۔ ان کی محبت کی گاڑی اپنی تمام تر خوب صورتیوں سمیت زندگی کے سفر پر گامزن تھی۔

❁......❁......❁

ائیر پورٹ پر بین الاقوامی فلائٹ کی روانگی کی اناؤنسمنٹ جاری تھا لوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ بھی نقطہ عروج پر تھا۔ ایسے میں اپنے مخصوص انداز میں ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے مقابل کے دل کو فتح کر لینے والی شان کے ساتھ اپنی فلائٹ کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ وہی سلک ہیئر اسٹائل اور اسمارٹ بزنس شیو قیمتی لباس سے اٹھتی مسحور کن خوشبو سب کچھ ویسا ہی تھا بس فرق اتنا تھا کہ آنکھوں میں شوخی کی جگہ ویرانی نے لے لی تھی۔ وہ اتنا بُرا نہ تھا جتنا اس نے بُرا بننے کی کوشش کی تھی صرف اپنے دوست کی زندگی میں خوشیوں کے رنگ بھرنے کی خاطر اس نے اپنی محبت قربان کردی تھی۔

اس دن وہ علوی ہاؤس سے نکلنے کے بعد احمر کے آفس پہنچا تھا اور یہ وہی وقت تھا جب احمر ہذیانی کیفیت میں عروبہ سے محبت کا دم بھر رہا تھا۔ وہ دن اس کے لیے انکشافات کا دن ثابت ہوا تھا۔ احمر کے عروبہ کے لیے جذبات وہ اچھی طرح جان چکا تھا وہ رات اس نے بہت کچھ سوچتے ہوئے گزاری تھی۔ اس مشینی دور میں جب احساس عنقا ہوتا جارہا ہے اسے احمر کا درد شدت سے محسوس ہوا اور اس درد کی اذیت کا احساس اس سے وہ فیصلہ کرا گیا جو اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔

اس کے لیے یہ اہم نہ تھا کہ عروبہ کا ماضی کیا ہے وہ کس کی بیٹی ہے اس کے ماں باپ جس بھی طبقے سے تعلق رکھتے تھے مگر وہ ایک اصول لڑکی تھی پر ستم ظریفی یہ ہے کہ کچھ لوگ دل میں تو ہمارے بستے ہیں مگر درحقیقت کسی اور کی زندگی میں رنگ بھرنا ان کا مقصد ہوتا ہے سو یہ پڑاؤ بھی اس کی منزل نہ تھا بلکہ وہ تو ذریعہ بنا تھا کسی اور کو اس کی منزل تک پہنچانے کا۔

اس کی فلائٹ کی اناؤنسمنٹ جاری تھی وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھائے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنی منزل کی جانب روانہ ہوگیا۔ وہ محبت کو جان چکا تھا محبت جان چکا تو اپنے رب کو بھی جان گیا تھا وہ رب جو اپنے تخلیق کردہ کرداروں سے شدید محبت میں مبتلا ہے اور انہیں وہ کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا اس کے لبوں پر ایک آسودہ سی مسکان نے احاطہ کرلیا۔ وہ اپنی منزل سے قریب اور دو دلوں کو ملا کر ان سے دور ہوتا جارہا تھا۔

بھلے دنوں کی بات ہے بھلی سی ایک شکل تھی
نہ یہ کہ حسن تام ہو نہ دیکھنے میں عام سی
نہ یہ کہ وہ چلے تو کہکشاں سی راہ گزر لگے
مگر وہ ساتھ ہو تو پھر بھلا بھلا سا سفر لگے
کوئی بھی رُت ہو اس کی چھب
فضا کا رنگ و روپ تھی
وہ گرمیوں کی چھاؤں تھی
وہ سردیوں کی دھوپ تھی
نہ مدتوں جدا رہے نہ ساتھ صبح و شام ہو
نہ رشتہ وفا پر ضد نہ یہ کہ اذن عام ہو
نہ ایسی خوش لباسیاں کہ سادگی گلہ کرے
نہ اتنی بے تکلفی کہ آئینہ حیا کرے
کبھی تو بات بھی خفی، کبھی سلوک بھی سخن
کبھی تو کشتِ زعفران، کبھی اداسیوں کا بن
نہ اس کو مجھ پر مان تھا نہ اس کو مجھ پر زعم تھا
جب عہد ہی کوئی نہ ہو تو کیا غم شکستگی
سو اپنا اپنا راستہ ہنسی خوشی بدل لیا
وہ اپنی راہ چل پڑی، میں اپنی راہ چل دیا
بھلی سی اس کی شکل تھی، بھلی سی اس کی دوستی
اب اس کی یاد رات دن؟ نہیں مگر کبھی کبھی!

ناول

میرے ہم نوا

اقبال بانو

ثناء کتنی دیر سے رکشہ کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اسے جلد از جلد اسکول پہنچنا تھا۔ کیونکہ جس اسکول میں وہ تدریس کے فرائض نبھا رہی تھی وہاں آج سے پانچویں کلاس کے بچوں کے بورڈ کے امتحان ہو رہے تھے۔ ثناء کی تقرری کو صرف ایک ہفتہ ہوا تھا۔

انسپکٹر آف ایجوکیشن بھی آنے والے تھے اور کل ہی ہیڈ مسٹریس مسز جعفری نے تمام ٹیچرز کو تاکید کی تھی کہ وہ وقت سے آدھے گھنٹے پہلے تو ضرور آ جائیں اور ثناء کو کتنی ہی دیر ہو گئی تھی۔ اسٹاپ پر کھڑا ہر رکشا اسے ہری جھنڈی دکھا جاتا۔

"جی ہم ادھر نہیں جا رہا۔"

"ایک تو یہ بھی اپنی مرضی سے چلتے ہیں۔" جل بھن کر اس نے سوچا۔ تب ہی ایک وائٹ کرولا اس کے قریب آ کر رکی وہ پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ مگر کار میں بیٹھے نوجوان نے جھکتے ہوئے کہا۔

"محترم خاتون آپ خاصی دیر سے پریشان کھڑی ہیں کہیں ضروری پہنچنا ہے تو آیئے میں ڈراپ کر دوں۔ یہاں سے صبح کے وقت رکشہ، ٹیکسی مشکل سے ہی ملتی ہے۔" ثناء تذبذب کا شکار تھی۔ اسے تو وہ کوئی فرشتہ ہی لگ رہا تھا جو کہ اس کی مدد کو آ گیا تھا اسے خاموش دیکھ کر وہ بولا۔

"اپنے منہ میاں مٹھو کیا بنوں۔ مگر ہوں بہت شریف آدمی اور دنیا میں پانچوں انگلیاں ایک سی تو نہیں ہوتی نا؟ میں چالیس منٹ قبل یہاں سے گزرا تھا تو آپ کھڑی تھیں۔ ایک اہم فائل بھول آیا ہوں گھر، وہ لینے آیا تو آپ کو کھڑا پایا۔ اس وقت آپ کافی فریش تھیں اور اب روہانسی ہو رہی ہیں۔ ہری اپ!" اس نے نہایت خلوص سے ثناء کو آفر کی اور پچھلا دروازہ کھول دیا۔ ثناء بھی بغیر حجت کے بیٹھ گئی اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

"کہاں جانا ہے؟" اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اسلامیہ پرائمری اسکول!" ثناء نے آہستہ سے کہا۔

"چلیے جی میرا آپ پر کوئی احسان نہیں رہے گا وہ میرے راستے میں ہی آتا ہے۔" وہ بولا۔ ثناء کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"بھئی میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ آپ بات کیجیے۔ پہلے ہم دونوں کا تعارف ہو جائے۔ میرا نام عبدالواحد ہے اور آپ؟" اس نے مڑ کر ثناء کی جانب دیکھا تو ثناء نے نجانے کیوں اسے غلط نام بتا دیا۔

"سارہ۔"

"خوب صورت نام ہے۔" عبدالواحد بولا تو وہ مسکرا دی۔ پھر اس نے عبدالواحد کو بتایا کہ اسے کیوں اسکول جلد پہنچنا ہے۔

"لیجیے جناب آپ کی منزل گئی۔" عبدالواحد نے اسکول گیٹ کے سامنے ہی کار روک دی تو وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

"آپ کا بہت......"

"بس یہ فارمیلٹی پوری کرنے کی ضرورت نہیں۔" عبدالواحد ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ثناء نے اس کی جانب دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا

کہ اس کے جسم کا بادشاہ یعنی دل کانپ کر رہ گیا۔ اور وہ خدا حافظ بھی نہ کہہ سکی۔

جب وہ اسکول گیٹ میں داخل ہوئی تو مسز جعفری کے دیئے گئے وقت سے دس منٹ لیٹ تھی اور یہ زیادہ نہیں تھی۔

عبدالواحد ایک گارمنٹس فیکٹری کا مالک تھا۔ پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی۔ سب بہنیں اس سے بڑی تھیں۔ صرف تین کی شادی ہوئی تھی۔ دو بہنوں کی شادی عید کے بعد تھی اور اب اماں چاہتی تھی کہ عبدالواحد بھی بیوی لے آئے۔ مگر عبدالواحد کی نظر میں کوئی لڑکی جچتی ہی نہ تھی۔ اور آج بالکل اچانک ہی وہ سادہ سی شانوں تک کٹے بالوں والی بوٹے سے قد کی سارہ اسے پسند آ گئی تھی۔ اور اس نے سوچ لیا کہ وہ سنگاپور سے آتے ہی اماں سے بات کرے گا۔ کیونکہ دوسرے دن اس کو سنگاپور جانا تھا۔ اور ابھی تو سارہ سے بھی مل کر بات کرنی تھی۔ ادھر ثناء پریشان تھی ۔ میں نے ایک شریف آدمی کو غلط نام کیوں بتایا؟

"چلو کبھی ملا تو سچ بتادوں گی کہ ایک غیر آدمی پر اتنی جلدی اعتبار کس طرح کر سکتی تھی؟" ثناء نے اس دلیل سے خود کو سمجھایا۔

پھر اسے عبدالواحد نظر نہ آیا۔ وہ انجانے طور پر سڑک پر بھاگتی سفید موٹروں میں بیٹھے مردوں کو غور سے دیکھتی مگر اسے عبدالواحد نہ نظر آیا۔ یہ لڑکیاں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ کوئی ذرا سی لفٹ کرادے تو اسی کے خوابوں کو پلکوں کی منڈیروں پر سجالیتی ہیں۔ کچی عمر کی لڑکیاں بالی عمر اور قدم رکھتے ہی خواب دیکھنے لگتی ہیں۔ ایسے خواب جن کا کوئی سر پیر تو ہوتا نہیں اور جب خوابوں کی بھیانک تعبیر ملتی ہے تو روتی ہیں۔

ثناء بھی کم عمر تھی بی اے کے بعد بی ایڈ کا کورس کرلیا تھا۔ اور اب اسکول میں جاب کے ساتھ ایم اے کی پرائیویٹ تیاری کر رہی تھی۔ حالانکہ اماں ابا نے کتنا منع کیا تھا کہ وہ صرف اپنی پڑھائی سے غرض رکھے مگر اس نے ضد کر کے بی ایڈ کیا۔ اپنی ضد پر ہی سروس کر رہی تھی ورنہ گھر میں کیا کچھ نہ تھا۔

ابا بھی پولیس انسپکٹر تھے۔ محنت اور بلا محنت ہی ہن برستا تھا۔ گھر میں ادھر بچوں کے منہ سے کوئی فرمائش نکلی اور ادھر وہ پوری ہوئی۔ مگر کہتے ہیں کہ اپنی محنت کا ثمر پانے کا نشہ ہی کچھ اور ہوتا ہے اور یہی سرشاری حاصل کرنے کے لیے ثناء نے سروس کی تھی۔

دو ماہ بعد اچانک ہی عبدالواحد اس کے سامنے آ گیا۔ ان دنوں اسکول میں داخلے ہو رہے تھے۔ عبدالواحد کو کسی سے پوچھنا بھی نہ پڑا ورنہ تو بھانڈا پھوٹ جاتا۔ کیونکہ اسکول میں کوئی سارہ بھی نہیں تھی۔ وہ ایک بچے کو لیے کوریڈور میں آ رہا تھا کہ ثناء مل گئی۔

"ارے آپ؟" ثناء نے کہا اور وہ خوش تھا کہ شکر ہے پہچانا تو...... اور ثناء نے سوچا میں جسے کھوجتی رہی وہ یوں اچانک سامنے آ گیا۔

"کیسے آئے؟"

''ایک بچے کو داخل کروانا تھا۔'' عبدالواحد کے خمیدہ لبوں پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ تھی۔
''کہاں ہے بچہ؟''
''یہ...... یہ رہا۔'' اس نے ایک بچے کو سامنے کردیا۔ کالا کلوٹا سا آٹھ دس سال کا۔ میلے کچیلے کپڑوں والا وہ اسکول کے سامنے والے گیراج میں کئی بار موٹروں کے پرزوں سے دھینگا مشتی کرتے دیکھ چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی وہ بچہ بولا۔
''صاحب میرا استاد انتظار کررہا ہوگا۔ ویسے بھی کام بہت ہے۔'' اور عبدالواحد نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا وہ بھاگ گیا۔
''یہ جوک کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''
''بھئی ویسے اسکول میں داخل کون ہونے دیتا۔ گیراج میں اپنی موٹر ٹھیک کروانے دی ہے۔ استاد کہنے لگا آدھے گھنٹے کا کام ہے اب بتاؤ میں تیس منٹ کہاں گزارتا۔ بس اس بچے کو لے آیا۔'' عبدالواحد ہنس دیا۔
''بڑے اچھے لگ رہے ہیں۔'' ثناء نے اسے چڑایا۔
''اچھا تو میں ہوں سارہ۔''
''اتنے دن سے کہاں غائب تھے؟''
''انتظار کیا تھا؟''
''میں...... مجھے کیا ضرورت تھی؟'' ازلی لڑکیوں والی بات کی اس نے۔
''نہ مانو مگر مجھے پتہ ہے کہ تم نے میرا انتظار کیا ہوگا۔ میں ذرا سنگاپور گیا تھا۔'' عبدالواحد نے بے پروائی سے کہہ رہا تھا جیسے کہ حیدرآباد تک گیا ہو۔
''پتہ ہے وہاں بھی تم مجھے یاد آتی رہیں۔'' وہ ایسی بے تکلفی سے بول رہا تھا جیسے کہ برسوں سے آشنائی ہو اور واقعی جب دلوں کے رشتے جڑ جائیں تو ایسا ہی لگتا ہے کہ کوئی تکلف درمیان میں نہیں رہتا۔
''سمجھ نہیں آتا تھا کہ تمہارے لیے کیا گفٹ لوں۔ آخر یہ لے لیا۔'' عبدالواحد نے کوٹ کی جیب سے ایک چھوٹا سا پیکٹ نکال کر ثناء کی طرف بڑھایا۔
''یہ ہے کیا؟''
''تمہارے لیے مجھے یہی پسند آیا۔'' عبدالواحد نے زبردستی اس کے ہاتھ میں وہ پیکٹ تھمادیا۔ وہ بہت خوب صورت سی انگوٹھی تھی۔
''مگر...... مگر......!''
''انکار نہیں، کوئی چیز اگر محبت اور اپنے دل کے پورے خلوص سے دے تو لے لینی چاہئے۔ اتنی عقل نہیں بچوں کو کیسے پڑھاتی ہو؟'' وہ شرارت سے بولا تو ثناء ہنس دی۔
پھر مسز ڈکیہ اعوان کے آنے پر وہ دونوں خاموش ہوگئے مگر عبدالواحد بولا۔
''تو میں امید رکھوں نا کہ ایڈمیشن ہوجائے گا؟''
''ضرور۔'' ثناء نے کہا۔
''تھینک یو سوچ۔'' عبدالواحد ذرا سا جھکا اور پھر پلٹ گیا۔
ثناء وہ پیکٹ بیگ میں رکھ چکی تھی۔ گھر آکر دروازہ بند کرکے جلدی سے پیکٹ کھولا ہے خوب صورت ریپر میں لپٹا ہوا باکس سامنے آیا تھا اور اس کا دل بدن کی عمارت میں زخمی کبوتر کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا۔ ثناء نے کانپتے ہاتھوں سے وہ ریپر اتارا اور اندر ایک ڈبہ تھا اس میں موبائل تھا۔ وہ حیران نظروں سے اس قیمتی موبائل کو دیکھ رہی تھی۔
تبھی موبائل کی بپ ہوئی۔ اس کے ہاتھ سے فون گرتے گرتے بچا۔ اسکرین پر عبدالواحد کا نام جھلمل کررہا تھا وہ موبائل الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی اور پھر ایک بٹن نظر آیا تو وہ دبا دیتی ہے وہی کال ریسیو کا بٹن تھا۔
''جی۔''
''ہوں تو سارہ ہونا۔''
''آپ نے اتنا قیمتی گفٹ دیا۔''
''تم سے باتیں کرنے کو جی چاہا تو سوچا فون ہی

دے دوں۔ تم تو نمبر نہیں دو گی۔"
"میرے پاس فون ہی نہیں ہے۔"
"واٹ؟" وہ حیران ہوا۔
"یار آج کل تو گھروں میں کام کرنے والی ماسیاں بھی فون رکھتی ہیں۔"
"میں ماسی نہیں ہوں۔" ثناء کی بات پر وہ ہنس دیا۔
"آپ نے مجھے یہ کیوں دیا ہے مجھے تو آپریٹ کرنا بھی نہیں آتا۔"
"ملو میں تمہیں چند منٹوں میں سکھا دوں گا۔"
"ملوں مگر......؟"
"اگر مگر کچھ نہیں بس تم مجھ سے ملو۔ کل میں اسکول آؤں گا تم گھر سے کوئی بہانہ کر دینا اوکے۔" عبدالواحد نے فون بند کر دیا۔ تب ہی اماں کی آواز آئی۔
"اے ثناء کہاں ہو۔ اسکول سے آتے ہی کمرے میں گھس گئیں۔" ثناء نے فون جلدی سے بیڈ کے میٹرس کے نیچے چھپا دیا اور ڈر کر کمرے سے باہر آ گئی۔
"جی اماں آ رہی تھی تھک گئی تھی تو لیٹ گئی۔"
"بیٹا کھانا تو کھا لیتی۔"
"بھوک نہیں تھی اسکول میں سموسے کھا لیے تھے۔"
"دیکھو تمہارے ابا آنے والے ہوں گے۔ دھیان رکھنا میں ذرا نفیسہ آپا کی طرف جا رہی ہوں ابھی آ جاؤں گی دو روز سے بلا رہی ہیں۔"
"بہتر اماں......" ثناء نے کہا اور اماں چادر اوڑھ کر گیٹ کی طرف بڑھیں مڑ کر بولیں۔
"دروازہ اچھی طرح بند کر لو آج کل حالات اچھے نہیں ہیں۔" اماں کے جانے کے بعد اس نے گیٹ کی کنڈی لگائی اور اندر آ گئی اب وہ کمرے میں بیٹھی فون کر رہی تھی اور آنکھوں میں ڈھیروں چمک اتر آئی تھی۔

پھر وہ دونوں محبت کے ہنڈولوں میں جھولنے لگے اب دونوں رات بھر فون پر باتیں کرتے ان کی باتیں ہی ختم نہ ہوتیں۔ اور ایک روز عبدالواحد نے ساحل سمندر پر اسے پرپوز کردیا۔ اس کا انداز بہت ہی خوب صورت تھا۔

''سارہ تم عبدالواحد کی جمع بننا پسند کروں گی۔''
ثناء چونک کر رہ گئی۔

''بتاؤ نا؟'' اور ثناء نے سوچا یہ کیسے ممکن ہے کیا ہم پلہ ہیں ہم؟''

''محبت تو امارت غربت نہیں دیکھتی مگر..... مگر حقیقت میں یہی چیزیں دیکھی جاتی ہیں۔'' ثناء نے پہلے نام کے بارے میں جھوٹ بولا تھا۔ تو اب ایک اور بول دیا۔

''میری منگنی ہوچکی ہے۔''
''جھوٹ۔'' وہ بڑے یقین سے بولا۔
''بالکل سچ۔''
''کہاں ہوئی ہے؟''
''میرا کزن ہے۔''
''پسند ہے؟'' عبدالواحد نے کریدا۔

''والدین کی پسند ہے ہمارے گھر میں لڑکیوں سے نہیں پوچھا جاتا۔''
''بس تو تم انکار کردو۔'' اس نے مشورہ دیا۔
''ممکن نہیں۔''

''ناممکن کا لفظ میری زندگی کی ڈکشنری میں نہیں ہے۔'' عبدالواحد مضبوط لہجے میں بولا۔
''پھر بھی۔''
''بس تم میرا ساتھ دوگی ہر صورت میں۔''
''وقت تو آئے۔'' ثناء مسکرادی۔

اور عبدالواحد جو ملکوں ملکوں گھوما ہوا تھا۔ وہ اس کے لہجے کے انداز سے جان گیا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ بعض لڑکیوں کو اپنی اہمیت جتانے کا خبط ہوتا ہے۔ اور چھوٹی عمر کی لڑکیاں تو یوں بھی اپنی فرضی کزنز کے قصے سنا کر دل ٹھنڈے کرتی ہیں۔

عبدالواحد اور ثناء آپس میں ملتے رہے۔ راتوں کو گھنٹوں فون پر باتیں ہوتیں۔ یونہی دو برس بیت گئے۔ عبدالواحد کی دونوں بہنوں کی شادیاں بھی ہوگئیں اور اماں کے تقاضے بھی بڑھ گئے تھے۔ آخر وہ کب تک جان چھڑاتا بس وہ یہ چاہتا تھا کہ سارہ (ثناء) خود ہی بتادے کہ اس نے کزن والی بات جھوٹ کہی تھی۔ مگر وہ بھی گنوں کی پکی تھی پھر عبدالواحد نے محسوس کیا کہ وہ کبھی کبھی کہتے کہتے بتاتے بتاتے رک جاتی ہے۔

شاید انا کی زنجیر اس کی زبان پکڑ لیتی ہے اور اس روز جب سمندر سے آنے والی ہوائیں ثناء کے بالوں سے اٹھکیلیاں کررہی تھی۔ وہ سمندر کی لہروں پر نظریں جمائے ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھی تھی۔ قریب ہی عبدالواحد بھی بیٹھا تھا اور وہ خیالوں میں مستغرق تھی۔ اسے پریشانی تھی کہ اس کے لیے رشتے آئے ہوئے تھے اور امی چاہتی تھیں کہ وہ ہاں کردے اور اس نے ایک ہفتے کی مہلت لی تھی۔

''ثناء'' عبدالواحد نے پکارا مگر ثناء نہ سن سکی۔ تب وہ مسکراتے ہوئے بولا۔
''مجھے لگتا ہے تمہیں وہ ہوگئی ہے۔''
''وہ......وہ کیا؟'' ثناء چونک گئی۔

''وہی جو ہوجاتی ہے دل میں نئے احساسات اور جذبات جاگتے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے تم کام سے گئیں۔'' عبدالواحد کا لہجہ شوخ تھا۔

مگر ثناء کچھ نہ بولی۔ خاموش رہی اور واحد جانتا تھا کہ اگر اس کی واقعی کہیں منگنی وغیرہ ہوئی ہوتی تو وہ کبھی بھی اس کے ساتھ تنہا نہ گھومتی نہ اس کے کہنے پر ملتی۔
عبدالواحد نے ثناء کو گفٹ میں جو انگوٹھی دی تھی وہ ہمیشہ اس کی انگلی میں پڑی رہتی۔ وہ سب سمجھتا تھا مگر کہتا نہ تھا اسے تو اس کے گھر کا بھی علم تھا مگر کبھی عبدالواحد نے اسے جتایا نہ تھا۔

آمنہ رحمن مسکان

سب سے پہلے تمام آنچل اسٹاف ریڈرز رائٹرز کو میرا چاہتوں بھرا اسلام۔ جی مجھے کہتے ہیں آمنہ رحمن مسکان مری کے ایک گاؤں ریالی میں 23 جولائی 1999ء کی ایک گرما گرم صبح آنکھ کھولی۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں میرا نمبر تیسرا ہے میری فیملی بہت نائس ہے آئی لو یو مائی آل فیملی ممبرز۔ یاسمین مامی جو کہ میری ٹیچر بھی ہیں بیسٹ ہیں۔ بابر ماموں طارق ماموں بیسٹ ہیں میری تعلیم ایف اے ہے۔ رزلٹ کا انتظار ہے سب سے دعا کی اپیل ہے میری سسٹر جو کہ مجھ سے دو سال بڑی ہیں عائشہ رحمن (دیدی) میری بیسٹ فرینڈ ہے اس کے بغیر میں ادھوری ہوں مطلبی اور دو غلے لوگ زہر لگتے ہیں۔ خود بھی مخلص ہوں تو چاہتی ہوں سبھی مخلص ہوں۔ کچھ اپنے رشتوں نے مجھے گہرے گھاؤ لگائے اور میری ہنسی چھین لی پھر بھی دعا ہے کہ خوش رہیں آپ لوگ۔ سرخ گلاب خوشبو لیو پرڈ اور کلرز میں پنک وائٹ اینڈ بلیک بیسٹ ہیں پہنتی بھی ہوں۔ فراک پاجامہ ود آنچل پسند ہے زیادہ لانگ شرٹ ٹائٹ پہنتی ہوں۔ ڈرائیونگ میرا شوق ہے میرا جنون ہے۔ کھانے میں بھنڈی بریانی اور فیملی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پسند ہے۔ ایک سال پہلے تک بہت شرارتی تھی اب ٹھوکروں نے بدل ڈالا سنجیدہ ہوں۔ غصہ آتا ہے کنٹرول کر لیتی ہوں نازیہ نمرہ حمیرا سمیرا آپیز اینڈ عائشہ نور محمد بیسٹ رائٹرز ہیں۔ ''موم کی محبت' شب ہجر کی پہلی بارش'' ہاشم ندیم کا ''خدا اور محبت' بچپن کا دسمبر'' بیسٹ ناولز ہیں۔ درد ملے ہیں تو خود شاعری کرنے لگی ہوں۔ ضیاب ماموں میرے بیسٹ ماموں فرینڈ بھی ہیں۔ فیورٹ پرسنالٹی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنی بھیا اویس رحمن اور ماموں ہیں۔ دوستیں بہت ہیں مگر بشریٰ رحمن میری جان ہے جو میٹرک کے بعد بچھڑ گئی ہے ویسے مدیحہ فضل حنا شبینہ مونا بشریٰ خورشید شمسہ مری (پلک) بھی فرینڈ ہیں۔ مس عروسہ مس رزمہ اینڈ مس فوزیہ سمیرا بیسٹ ہیں۔ ایکٹر شاہ رخ خان اور ایکٹریس میں مادھوری ڈکشٹ اور سنبل علی جو کہ مجھ سے ایک سال بڑی ہیں بیسٹ ہیں۔ سنبل میری جان ہے رانی باجی طیبہ آپی نائلہ باجی حمیرا سمیرا باجیز کشور مہوش سحرش آپیز نمرہ ضوبینہ مدیحہ کبریٰ (منھی) میری آنچل فرینڈز کزنز ہیں اللہ حافظ دوستی کے لیے حاضر ہوں۔

''سارہ......'' عبدالواحد نے اسے پکارا۔

''ہوں۔'' وہ چونکی۔

''تم کچھ کہنا چاہتی ہو مگر کہتی نہیں مجھے سب بتادو۔''

''کیا بتاؤں؟'' اس نے اپنی سپنوں سے بھی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''جو تم نے مجھ سے چھپایا ہے۔''

''عبدالواحد میں نے تمہیں اپنا صحیح نام بھی نہیں بتایا۔ صرف اس لیے کہ میں اتنی جلدی تم پر اعتماد نہیں کرسکتی تھی۔'' ثناء نے ایک دم ہی سچ بتانے کا فیصلہ کرلیا۔

''اچھا۔'' وہ مسکرایا۔

''ہاں میرا صحیح نام ثناء ہے۔ سارا نہیں؟''

''پھر یہ بھی غلط ہوگا کہ تمہاری منگنی ہوچکی ہے۔''

''ہاں۔''

''بہت افسوس ہوا ثناء کہ تم نے مجھے عام لڑکا سمجھا۔'' پتہ نہیں کیوں عبدالواحد کے لہجے میں دکھ گھل سا گیا۔ ثناء نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک دم ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو میں تمہیں ڈراپ کردوں۔'' اس کا لہجہ بہت اوپری سا تھا جس کی وہ عادی نہ تھی۔ ثناء خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر راستے بھر خاموشی ہی رہی۔ ثناء ہمیشہ کی طرح گھر سے ذرا فاصلے پر راشن شاپ کے قریب ہی اتری۔

''ثناء میں تم سے نہایت دکھ سے کہہ رہا ہوں کہ ہمارے راستے آج سے علیحدہ ہیں۔ تم نے ابتداء میں

جھوٹ بولا میں ساری زندگی تم پر اعتبار کیسے کرسکتا ہوں اور ازدواجی زندگی کی بنیاد کے لیے اعتماد پہلی اینٹ ہے اور مجھے بھی تم پر اعتماد نہیں رہا۔" نہایت گمبھیر لہجے میں وہ بولا۔

اور زن سے گاڑی بڑھا لے گیا۔ ثناء اپنی صفائی میں کچھ نہ بول سکی۔ اس کے دل کو جو دھڑکا تھا وہ پورا ہوگیا تھا۔

وہ جب بھی سوچتی تھی کہ عبدالواحد کو سچ سچ بتادے تو دل کے وسوسے اور دھڑکے اپنی لپیٹ میں لے لیتے تھے کہ سچ بول کر اسے کھو نہ دوں اور کھونا تو ثناء کے لیے سوہان روح تھا۔ مگر آج اسے بتانا ہی تھا آخر کب تک وہ اس سے ملتی۔

گھر میں اس کی شادی کی باتیں گردش کررہی تھیں۔ اماں نے جواب مانگا تھا اور اس کو کہیں نہ کہیں تو ہاں کرنی ہی تھی۔ ثناء نے سوچا تھا کہ اگر عبدالواحد نے حامی بھرلی تو وہ اسے بتادے گی اور کہے گی کہ اپنی ماں بہنوں کو بھیجے۔ مگر یہ موقع تو آیا ہی نہ تھا اور اس نے دلوں کے رشتے کو ایک جھٹکے سے توڑ دیا تھا۔ اور ثناء سراسر خود کو قصوروار سمجھتی تھی کیونکہ وہ دو سال تک واحد سے ملتی رہی تھی اور شروع ہی میں اگر سچ بتادیتی تو آج یہ نہ ہوتا۔ وہ پہلے ہی راستہ الگ کرلیتا۔

پھر وہ سوچتی رہی اور اپنی قسمت پر آنسو بہانے کے سوا وہ کچھ بھی نہ کرسکی۔ رات کو پہروں وہ روتی رہتی دل کا درد سو سو طرح کروٹیں لیتا یہ درد تو اس نے خود ہی مول لیا تھا۔ عبدالواحد کو فون کرنے کی بھی اس میں ہمت نہ تھی۔

اس روز بھی اسے کچھ خواتین دیکھنے آئیں۔ ہر طرح سے پرکھا گیا اور کھوئی کھوئی سی ثناء انہیں بہت پسند آئی۔ اماں کو بھی وہ لوگ بہت پسند آئے تھے اور اباجی نے بھی شہزاد امین کا رشتہ منظور کرلیا۔

گھر میں تیاریاں شروع ہوگئیں کیونکہ لڑکے والے جلدی کررہے تھے۔ ثناء نہایت کھوئی کھوئی سی رہتی۔ فون کی گھنٹی بجتی تو اس کا دل دھڑک اٹھتا۔ لگتا تھا کہ شاید عبدالواحد نے اسے یاد کیا ہو مگر ایسا کب ہوا؟

وہ تو نجانے کہاں کھو گیا تھا۔ کوئی تعلق ہی نہ رکھا تھا اس نے۔ یونہی تین ماہ گزر گئے اور ایک گلابی سی شام وہ شہزاد امین کی ہوکر امین ہاؤس آگئی۔ مختلف رسمیں ہوتی رہیں۔ اس کی نندوں نے اسے خوب سنوارا اور وہ دل میں درد چھپائے بیٹھی رہی آنکھوں میں بار بار نمی جم جاتی۔

اور پھر سب اسے خالی کمرے میں چھوڑ کر چلی گئیں۔ تب وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر بلک پڑی کتنے ہی دن سے وہ رو رہی تھی۔

عبدالواحد کے آفس اس نے کئی بار فون کیا مگر پتہ چلا کہ وہ ملک سے باہر ہے وہ شہزاد امین کی ہونے سے پہلے صرف ایک بار اس سے ملنا چاہتی تھی مگر نہ مل سکی اس کی منزل تو شہزاد امین تھا۔ بس عبدالواحد راستے میں آگیا تھا اور وہ مٹ گئی رل گئی۔ اسے دل میں بسا بیٹھی۔

"یا اللہ...... میں کس طرح اس انجان شخص کے ساتھ زندگی گزاروں گی؟" بس یہی سوچ کر اس کے دل میں ہول اٹھ رہے تھے۔

اسے تو پتہ بھی نہ چلا کہ کب شہزاد امین کمرے میں آیا دروازہ بند کیا اور اس کے بیڈ کے قریب چلا آیا۔ وہ اپنے خیالات میں مستغرق تھی۔ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی رہی۔

تب ہی ثناء کو اپنے قریب کسی وجود کا احساس ہوا تو اس کا پورا جسم سنسنا گیا۔ وہ جان گئی کہ یہ وہی شخص ہے جو اس کا مقدر ہے اور تب اس نے نہایت رسان سے دل میں بیٹھے عبدالواحد سے کہا۔

"مجھے آج کے بعد یاد مت آنا مجھے سکون سے زندگی گزارنے دینا۔"

"بیگم صاحبہ بہت گم صم ہیں آپ؟ کہیں آپ کو وہ

تو نہیں ہوگئی؟'' وہی لہجہ وہی انداز اور وہی جملہ۔ ثناء نے ایک دم ہی ساری شرم بالائے طاق رکھ کر جھکا ہوا سر اٹھایا اور پھر وہ حیران وششدر رہ گئی۔

''و.....وا.....حد آپ؟''

''جی ہم نے اپنا تم کو بنالیا ہے۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''وہ بھی ہم ہی ہیں۔'' عبدالواحد نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''تو.....تو آپ نے بھی جھوٹ.....؟''

''نہیں محترمہ جھوٹ نہیں بولا تھا میں نے۔ میرا نام عبدالواحد بھی ہے زیادہ تر لوگ اسی نام سے جانتے ہیں۔ شہزاد تو صرف اسکول سرٹیفکیٹ تک محدود ہے۔ پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں۔''

''ابا جی نے عبدالواحد نام رکھا مگر دادی اماں نے کہا کہ نہیں شہزاد رکھو۔ پتہ نہیں ابا جی کو کیسے پتہ چلا کہ میں ان کا ایک ہی بیٹا ہوں گا۔ اس لیے تو وہ عبدالواحد پکارتے تھے۔ سب ہی عبدالواحد کہتے ہیں۔ مگر ابا جی نے دادی اماں کی پسند کا خیال رکھا اور جب اسکول میں داخل کروایا تو شہزاد امین ہی لکھوایا۔ بس یہ ہے داستان تمہاری طرح تھوڑی کہ سارہ کا وجود ہی نہیں اور تم خود کو سارہ بنا بیٹھیں۔''

''مگر.....مگر آپ نے کیسے بھیجا اماں کو؟''

''مجھے پتا تھا کہ تم نے مجھ سے خاصے جھوٹ بولے ہیں اور مجھے تم چھوڑنا بھی نہیں چاہتی۔ جب کہ ادھر بھی یہی حال تھا ورنہ اگر میں تم سے کھیل رہا ہوتا تو اس ملاقات کے بعد ڈراپ سین ہوجاتا اور آج تم میرے کمرے کے بجائے کہیں اور ہوتیں کوئی بھی مرد اسی جھوٹ کو وجہ بنا کر قطع تعلق کرلیتا۔ تم کیا کرتیں پھر میں نے سوچا تم کو ذرا سی سزا دی جائے۔ اماں اور بہنوں کو حقیقت بتا کر بھیجا اور کہہ دیا کہ تمہاری اماں کو بھی بتادیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ بس تمہیں پتہ نہ چلے اور پھر تمہارے ابا جان مجھ

یہ دل کچھ اور سمجھا تھا

وہ جذبوں کی تجارت تھی، یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
اسے ہنسنے کی عادت تھی، یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
ہمیشہ اس کی آنکھوں میں دھنک رنگ اترے ہوتے تھے
یہ اس کی عام حالت تھی، یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
مجھے اس نے کہا آؤ نئی دنیا بساتے ہیں
اسے سوجھی شرارت تھی، یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
میرے کاندھے پر سر رکھ کر کہیں کھوگیا تھا وہ
یہ ایک وقتی عنایت تھی، یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
وہ مجھ کو دیکھ کر اکثر نگاہیں پھیر لیتا تھا
یہ درپردہ حقارت تھی، یہ دل کچھ اور سمجھا تھا

مشی خان

سے ملے اور میں ہوں ہی ایسا بندہ کہ..... کیوں نہ پسند آتا۔'' وہ اکڑ کر بولا۔

''ہونہہ بڑے اچھے لگ رہے ہو نا؟'' ثناء نے مسکرا کر کہا۔

''اب اچھا ہوں یا برا تمہیں تو واحد کی جمع بنالیا نا؟'' عبدالواحد نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

''اور بھئی گھونگھٹ نکالو کیسی بے شرم دلہن ہو کہ دلہا کو پٹر پٹر دیکھ رہی ہو۔ نظر مت لگانا یوں بھی تمہاری نظر بہت خراب ہی کہیں کا نہیں چھوڑتی۔'' عبدالواحد نے شوخی سے کہا تو ثناء نے شرما کر سر جھکالیا۔

قسط نمبر 13

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

زرتاشہ کی غیر موجودگی سے لالہ رخ بے حد متفکر ہوجاتی ہے شام کے ڈھلتے سائے اسے مزید بوکھلاہٹ کا شکار کردیتے ہیں ایسے میں مہر بینہ اور بٹو کے سنگ وہ اس کی تلاش میں نکلتی ہے اور قبرستان میں اسے موجود پاکر شاکڈ رہ جاتی ہے۔ زرتاشہ ذہنی ابتری کے ساتھ باپ کی قبر پر موجود ہوتی ہے زرتاشہ کا رویہ لالہ رخ کو اپنی غلطی کا احساس دلاتا ہے وہ اس احساس جرم میں مبتلا ہوجاتی ہے کہ بروقت تاشو کو اطلاع نہ دے کر ہمیشہ کی محرومی اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔ تاشو اپنی تعلیم کو بھی ترک کرنا چاہتی ہے ایسے میں فراز زرتاشہ کو کسی طور منانے میں کامیاب رہتا ہے اور وہ لالہ رخ کے سنگ کراچی جانے پر آمادہ ہوجاتی ہے۔ ماریہ اپنی ذات میں تنہا ہوجاتی ہے وہ اپنے احساسات اپنی دوست جیسکا سے بھی شیئر نہیں کرنا چاہتی دوسری طرف ابرام اس کے رویے پر بے حد مضطرب رہتا ہے وہ جیسکا کے سنگ کالج جاتی ہے لیکن واپسی پر اس کے ساتھ نہیں ہوتی اور کافی ٹائم گزرنے کے بعد بھی اس کی غیر موجودگی ابرام کو تشویش میں مبتلا کردیتی ہے۔ فراز سونیا کے رویے پر دنگ رہ جاتا ہے جب ہی وہ کامیش سے بات کرکے اس کی رضامندی لینا چاہتا ہے لیکن کامیش کی اس سلسلے میں اپنی کوئی خاص پسند یا آئیڈیل نہیں ہوتا جب ہی وہ بطور ہمسفر سونیا کو قبول کرنے پر آمادہ ہوتا ہے سونیا اپنی باتوں میں الجھا کر فراز کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے کہ والدین کی پسند اور اپنی مرضی سے وہ کامیش کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتی ہے۔ فراز شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوکر ایک دوست کی حیثیت سے سونیا کا ساتھ دیتا ہے لیکن سونیا کے دماغ میں کچھ اور ہی خیالات ہوتے ہیں اور ان کی تصدیق اس وقت ہوجاتی ہے جب شادی کی اولین رات سونیا تنہائی میں رات کے پہر فراز کے بیڈروم میں داخل ہوتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁......❁

فراز کو اس پل نجانے کیوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا انکشاف ہونے والا ہے۔ ایسی خوف ناک حقیقت اور بے حد غیر یقینی سچائی لاعلمی وغفلت کا پردہ اٹھا کر اپنے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ سجا کر اس کے سامنے کھڑی ہونے والی ہے اور انتہائی استہزائیہ انداز میں اس سے یہ کہنے والی ہے کہ مسٹر فراز شاہ اب کرو میرا سامنا' کرو میرا مقابلہ اور مجھے قبول کرو کیوں کہ میں مجسم حقیقت اور سچائی ہوں جس نے تمہارے ہوش وحواس اڑا دیے ہیں۔ فراز کے دماغ میں جیسے جوالہ مکھی پکنے لگا تھا اسے یوں محسوس ہوا کہ اس کے پھٹنے کے ساتھ ساتھ اس کے دماغ کے بھی پرخچے ہوجائیں گے۔ آنکھوں میں بے تحاشہ تحیر وحیرانی بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا فراز کی حالت اس سمے قابل رحم تھی مگر مقابل جیسے ہر قسم کے احساس سے عاری ہوچکا تھا۔

اسے تو بس یہ یاد تھا کہ سامنے کھڑا شخص وہ ہے جس نے اس کی محبت وچاہت اور بے پایاں وفاؤں کو صرف ایک ہی لمحہ میں بڑی رعونیت سے ٹھکرا دیا تھا جس نے اتنی طویل رفاقت کا ذرا بھی احساس اور پاس نہیں کیا تھا جس نے اس کی

ذات کی تحقیر اور توہین کی تھی جس نے اسے خوش گمانی اور خوش فہمی کے ساتویں آسمان پر پہنچا کر بڑی بے دردی اور سفاکی سے منہ کے بل نیچے گرا دیا تھا۔ اپنی روح اور دل اپنی وفاؤں و چاہتوں کے قاتل کو وہ اتنی آسانی سے معاف نہیں کر سکتی تھی اور سب سے بڑھ کر وہ اس کی نسوانی انا اس کی پندار کو چھیننے والا ڈکیت بھی تھا وہ بھلا اتنے بڑے قصوروار کو کیسے معاف کر سکتی تھی اسے صرف سزا دینی تھی کڑی سے کڑی سزا ایسی سزا ایسی تکلیف جو اس کی دی ہوئی تکلیفوں سے کہیں زیادہ اذیت ناک اور وحشت ناک ہو۔

''سونیا یہ...... یہ کیا مذاق ہے۔ تمہیں اس وقت میرے کمرے میں نہیں آنا چاہئے تھا۔'' فراز نے خود کو سنبھالتے ہوئے قدرے اٹک اٹک کر کہا تو سونیا نے اپنی مخمور نگاہیں ایک خاص ادا سے گھماتے ہوئے اسے بے حد عجیب نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''میری جان کون کم بخت تم سے یہاں اس پل مذاق کرنے آیا ہے میں تو بہت سنجیدہ ہوں اس وقت۔''

''فار گاڈ سیک سونیا...... تم اس وقت میرے کمرے سے جاؤ۔''

''کیوں فراز؟''

''کیا مطلب کیوں......''

''مجھے بتاؤ نہ کیوں جاؤں؟''

''کامیش تمہیں کمرے سے غائب پا کر نجانے کیا سوچے گا؟''

''وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ہے تم بے فکر رہو۔''

''واٹ؟'' بے تحاشا چونکتے ہوئے اس نے سونیا کی جانب دیکھا پھر تیزی سے گویا ہوا۔

''او کے تمہیں یہاں رہنا ہے شوق سے رہو میں ہی باہر چلا جاتا ہوں۔'' اس نے انتہائی طیش کے عالم میں باہر کی جانب قدم بڑھائے تب ہی بے حد سرعت سے سونیا نے اپنے حنائی ہاتھ سے اس کا بازو پکڑا۔

''میں اس وقت تو یہاں سے جا رہی ہوں...... مگر فراز ڈیئر بہت جلد پھر آؤں گی۔'' وہ اتنے عجیب لب و لہجہ میں اس سے مخاطب تھی کہ فراز پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ گئے۔ وہ بے پناہ عجب انداز میں بول کر وہاں سے بڑی مست سی چال چلتے ہوئے نکل گئی تھی کمرے میں فراز اور سونیا کے ملبوسات سے اٹھتی مہک کے سواء کچھ نہیں تھا مگر فراز کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے در و دیوار میں سے جیسے بہت سارے عجیب الخلقت لوگ باہر نکل کر اسے بڑی طنزیہ نگاہوں سے دیکھ کر بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہو۔

یک دم فراز کا سر بہت زور سے چکرانے لگا تو بے ساختہ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھاما کانوں میں شور تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا اور اندر جیسے آن واحد میں وحشت کا جنگل اگ آیا تھا۔

❁......❁......❁......❁
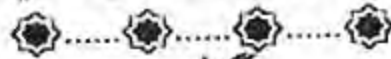
صبح بہت تر و تازہ تھی۔ نیلگوں آسمان کی وسعتوں میں مگن و مسرور پرندے محو پرواز تھے۔ سبک روی سے چلتی نرم و خنک ہوا کے زیر اثر پودے اور ان کی ٹہنیاں ہولے ہولے جھوم رہی تھیں۔ آسمان بادلوں سے اٹا دھوپ اور سورج کی کرنوں کو زمین پر آنے سے روک رہا تھا۔ موسم بے حد سہانا تھا۔ زرمینہ اور زرتاشہ یونیورسٹی جانے کو بالکل تیار تھیں۔ زرمینہ بہت چہک رہی تھی جب کہ زرتاشہ حسب معمول خاموش تھی۔ جب وہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر جانے کو تیار ہوئیں تو زرمینہ نے لالہ رخ سے کہا۔

''آپی آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے ناں ہمارا ڈپارٹمنٹ بھی دیکھیے گا اور کلاس روم بھی...... پھر ہم تینوں کینٹین میں جا

کر چائے کے ساتھ گرما گرم سموسے بھی کھائیں گے۔ کیسا رہے گا؟" زرینہ نے تو جیسے جھٹ پٹ پروگرام بھی بناڈالا تھا۔ جب ہی زرتاشہ اپنی کشادہ پیشانی پر ان گنت سلوٹیں سجا کر کافی ناگواری سے بولی۔

"کیوں وہاں لالہ کا کیا کام ہے اور ڈپارٹمنٹ وہ پہلے بھی دیکھ چکی ہے یہاں پہلی بار نہیں آئی۔" زرتاشہ کے اتنے روکھے انداز پر زرینہ بے ساختہ بالکل خاموش ہو کر اسے دیکھتی گئی جو ڈارک بلو اور کریم رنگ کے امتزاج کے سوٹ میں بہت بے زار اور کوفت زدہ سی لگ رہی تھی۔

"نہیں زرینہ تم دونوں جاؤ میں یہیں پر رہوں گی تھوڑا آرام بھی کرلوں گی کل صبح مجھے یہاں سے نکلنا بھی ہے۔" لالہ رخ بہت نارمل آواز میں سہولت سے بولی تو زرینہ اسے اللہ حافظ کہہ کر زرتاشہ کے ہمراہ باہر نکل گئی۔ لالہ رخ کچھ دیر یونہی اپنی جگہ کھڑی رہی پھر کچھ سوچ کر کمرے میں موجود بستر کی چادر درست کرنے لگی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁
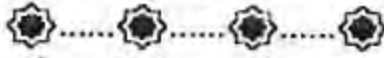
باسل حیات کی آنکھ یک دم کھلی تھی چند ثانیے تو وہ یونہی چت لیٹا کمرے کی چھت کو خالی الذہن گھورتا رہا۔ اس وقت اس کا دماغ سلیٹ کی مانند بالکل صاف تھا کچھ دیر یونہی گزر گئی جب ہی باسل کا ذہن نیند کے خمار سے پوری طرح باہر آیا تو اس نے فوراً ہڑبڑا کر دیوار پر لگی گھڑی کی جانب دیکھا جو صبح کے دس بجے کا عندیہ دے رہی تھی گھڑی کی سوئیوں پر نظر پڑتے ہی وہ دوسرے لمحے اچھل کر بستر سے اٹھا۔ آج کل کیمپس میں چھٹیاں چل رہی تھیں۔ لہٰذا باسل صبح دیر سے ہی جاگتا تھا مگر آج اس کی آنکھ خلاف توقع جلدی کھل گئی تھی۔ حالانکہ وہ رات کافی دیر سے سویا تھا اچانک گزشتہ رات کی باتیں ذہن میں در آنے لگیں تو وہ یک دم بے چین ہوا تھا۔ اضطراب کی لہریں اس کے اندر سے اٹھنے لگیں دل ایک دم بوجھل سا ہو گیا بلاشبہ کل کی شادی کا فنکشن بہت شاندار تھا سب ہی نے اسے بے حد انجوائے کیا تھا۔

باسل بھی ماحول کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا مگر جب فراز شاہ نے اسے کچھ شاپرز ہوٹل میں موجود روم میں رکھنے کا کہا جو ساحرہ آنٹی نے اسے عجلت میں تھما دیئے تھے تب ہی وہ اپنی جون میں وہاں پہنچا اور جب بیگز رکھتے ہوئے اس کی نگاہ ایک بے حد خوب صورت سے باکس پر بنی ڈانسنگ ڈول پر پڑی تو وہ بے اختیار چونکا تھا اگلے ہی لمحے اس کے اندر کی طمانیت بشاشیت گہری سوچ اور اضطراب میں بدل گئی تھی۔ باسل حیات کو فراز شاہ اپنے بھائیوں کی طرح عزیز تھا۔ وہ کل رات سے ہی کافی ڈسٹرب تھا اور اسی وجہ سے وہ رات بھر ٹھیک سے سو بھی نہیں سکا تھا۔ فریش ہو کر جب وہ نیچے ڈائننگ ہال میں پہنچا تو ناشتے کی میز پر موجود حورین اور خاور نے اسے دیکھ کر خوش گوار حیرت کا اظہار کیا۔

"گڈ مارننگ مام اینڈ ڈیڈ۔" باسل جب کرسی کھسکا کر بیٹھا تو خاور حیات اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ کر گویا ہوا۔

"گڈ مارننگ مائی سن...... سب ٹھیک تو ہے نا، آج اتنی صبح صبح تم کیسے جاگ گئے؟" جب کہ اسی پل حورین اپنی دونوں کہنیاں میز کی ہموار سطح پر ٹکا کر اپنی تھوڑی ہتھیلی میں رکھ کر اسے استفامیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ باسل حیات کی آنکھوں کے سرخ ڈورے اس کی بے آرامی کی بھرپور غمازی کر رہے تھے جب کہ چہرے پر بے زاری کے رنگ بھی خاصے نمایاں تھے۔

"کچھ خاص نہیں ڈیڈ...... بس اچانک آنکھ کھل گئی تو پھر دوبارہ نیند نہیں آئی۔" وہ ٹی پاٹ کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے خاصی نرمی و بے زاری سے بولا تو حورین اور خاور نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا پھر خاور کچھ سوچ کر گویا ہوا۔

"تمہاری یونیورسٹی کب کھل رہی ہے؟"

"دو دن بعد۔" وہ چائے کا بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے مختصراً بولا تو خاور حیات نے حورین کی جانب رخ موڑتے ہوئے کہا۔

''آج کامیش اور سونیا کا ولیمہ ہے میں کوشش کروں گا کہ ٹائم پر گھر آجاؤں ورنہ تم باسل کے ساتھ وقت پر چلی جانا ۔کل سمیر بہت خفا ہو رہا تھا۔'' حورین نے خاور حیات کی بات پر اثبات میں سر ہلایا تب ہی باسل تیزی سے بولا۔

''آئی ایم سوری ڈیڈ میرا آج ولیمے میں جانے کا کوئی موڈ نہیں ہے آپ لوگ پلیز چلے جائیے گا میں نے شادی کا فنکشن اٹینڈ تو کرلیا ہے۔''

''مگر بیٹا کامیش اور فراز تمہیں اپنے چھوٹے بھائی کی طرح سمجھتے ہیں اگر تم نہیں جاؤ گے تو ہوسکتا ہے انہیں برا لگے۔'' حورین نے جب باسل کی بات سنی تو اسے دیکھ کر سمجھانے والے انداز میں بولی۔

''تمہاری مام ٹھیک کہہ رہی ہیں باسل یہ فنکشن ہمارے گھر جیسا ہی ہے تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی مگر ہمیں جانا ضرور ہے۔'' خاور حیات قطعیت بھرے انداز میں بولا تو باسل نے ناچار اثبات میں سر ہلا دیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁
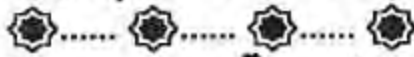
گھڑی کی سوئیاں جیسے جیسے اپنے مدار میں سرک رہی تھیں ویسے ویسے ان کی وحشت اضطراب اور بے قراری میں اضافہ ہو رہا تھا ابرام اور جیسکا نے ہر جگہ ماریہ کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی وہ ہر اس جگہ پر گئے تھے جہاں ماریہ کی موجودگی کا احتمال تھا مگر ماریہ انہیں کہیں پر بھی نہیں ملی تھی سوائے مایوسی اور ناامیدی کے کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا مارے بے بسی ولاچاری کے ابرام کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر ڈالے کس طرح سے ماریہ کو برآمد کرے فضاء میں رات کی تاریکی پوری طرح سے پھیل چکی تھی مصنوعی روشنیوں سے لندن خوب جگمگا رہا تھا جب کہ ابرام اور جیسکا سڑکوں کی خاک چھان کر بہت تھک چکے تھے۔

''ابرام اب ہمیں پولیس کو انفارم کردینا چاہیے ہم نے پوری طرح سے اپنی کوشش کرلی ہے اور سوائے ناکامی کے ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔ میرے خیال میں تو ہمیں بہت پہلے پولیس کی مدد لینی چاہیے تھی۔'' فرنٹ سیٹ پر ابرام کے ساتھ بیٹھی جیسکا ونڈ اسکرین پر نگاہیں جمائے انگریزی میں بولی تو اپنے شل ہوتے اعصاب سمیت ابرام نے ڈرائیو کرتے ایک نگاہ جیسکا کو دیکھا جس کے خوب صورت چہرے پر اس لمحے پریشانی' بے چینی' تھکن پوری طرح سے مترشح تھی وہ دوپہر سے اس کے ہمراہ ماریہ کو ڈھونڈ رہی تھی۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا ابرام...... پلیز اب جو کرنا ہے جلدی کرو ماریہ کو غائب ہوئے سات گھنٹے ہوچکے ہیں میرا دل بیٹھا جارہا ہے ابرام۔'' ابرام کو ہنوز مہر بہ لب بیٹھا دیکھ کر جیسکا وحشت سے بولی تو ابرام کی ذہنی روح بھٹکی اس نے بے اختیار ریسٹ واچ کی جانب دیکھا۔

''اوہ گاڈ مام کے گھر آنے کا وقت ہوچکا ہے۔'' وہ خود سے بڑبڑایا جب کہ جیسکا نے بھی اس کی بڑبڑاہٹ واضح طور پر سنی تھی۔ جیکولین آنٹی وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی پھر بے تحاشہ پریشان ہوکر ابرام کو دیکھ کر بولی۔

''ابرام اب جیکولین آنٹی کو کون فیس کرے گا؟ نجانے ان کا ری ایکشن کیا ہوگا؟ ماریہ تم کہاں چلی گئیں پلیز واپس آجاؤ۔'' ابرام کا دماغ اس پل کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے مفلوج ہوچکا تھا۔ ماریہ کی گمشدگی نے اس کے اعصاب پر بے حد برا اثر ڈالا تھا مگر ایک مرد ہونے کے ناطے اس نے خود کو بمشکل سنبھالا ہوا تھا ورنہ اس کا تو دل چاہ رہا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر رونا شروع کردے۔

''ابرام کیا ہم واپس گھر جارہے ہیں۔'' جیسکا نے گھر کی جانب جاتی سڑکوں کو پہچان کر استفسار کیا تو ابرام بے حد دھیمی آواز میں بولا۔

''ہوں مام کو اب تمام حقیقت بتانی ہے جیسکا اب ہم اور زیادہ ان سے چھپا نہیں سکتے۔'' جیسکا نے ایک نگاہ ابرام کو

دیکھا پھر خاموشی سے نگاہ باہر کی جانب ٹکادی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁
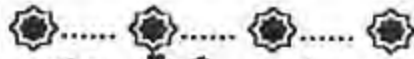
موسم نے اپنی تبدیلی کا اعلان کردیا تھا فضاء یک لخت بدل گئی تھی خوش گوار سی ٹھنڈک میں اب چبھن سی آ گئی تھی جو جسموں میں سرائیت کر کے تھرتھرانے پر مجبور کرنے لگی تھی خوب صورت وسہانی شام نے اپنا حسن وادی میں پوری طرح سے پھیلا دیا تھا مہرینہ فیروزی رنگ کے شلوار سوٹ میں لال رنگ کی شال اوڑھے اس خوب صورت سی شام کا ہی حصہ لگ رہی تھی وہ بٹو کے ہمراہ اپنی مخصوص جگہ پر براجمان تھی۔

”مہرو باجی لالہ جی ان شاء اللہ کل صبح آ جائے گی نا ان کے بناء تو دل ہی نہیں لگ رہا۔“ بٹو نے مہرو کو دیکھ کر استفسار کیا تو مہرینہ نے بے اختیار ایک گہری سانس بھری۔

”ہوں وہ کل صبح کراچی سے روانہ ہوگی تو پھر یہاں ان شاء اللہ پرسوں پہنچے گی۔“ مہرو کا دل بھی لالارخ اور زرتاشہ کے جانے سے بہت اداس اور افسردہ سا ہو رہا تھا وہ اپنی اماں کے ہمراہ اسی کے گھر پر ٹھہری ہوئی تھی مگر وہاں عجیب سی یاسیت اور اداسی نے اس کے دل کو بے چین کر دیا تھا اس پر ماموں کے وجود کی کمی نے بھی اسے بہت ڈسٹرب کر دیا تھا۔

”دعا کرو بٹو سب ٹھیک ہو جائے سب کچھ پہلے کی طرح ہو جائے تاشو کی لالا سے خفگی و بدگمانی دور ہو جائے لالا پہلے کی طرح ہنسنے بولنے لگے۔“ مہرو بجھے بجھے لہجے میں بولی تو بٹو نے مہرو کی جانب بے حد ہمدردی سے دیکھا۔

”باجی آج آپ بہت اداس ہو رہی ہو رب سوہنے نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا آپ بالکل فکر نہ کرو جی...... آپ دیکھنا سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا بلکہ پہلے سے بھی اچھا ہو جائے گا۔“ بٹو کے مضبوط اور یقین آمیز لہجے پر مہرو نے چونک کر اسے دیکھا پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا کر بولی۔

”اللہ تمہاری بات پوری کرے بٹو۔“ وہ دونوں باتیں کر ہی رہے تھے جب ہی ایک جیپ ان کے پاس سے تیزی سے گزری تھی اور پھر کچھ ہی دور جا کر وہ رکی اور پھر اس نے ریورس گیئر لگایا تھا مہرو نے تو خاص توجہ نہیں دی البتہ بٹو یہ سب کچھ دیکھ کر کچھ چونکا تھا جیپ ریورس میں چلتی اب ان کے پاس آ کر رک چکی تھی اس بار مہرو کا دھیان بھی جیپ کی جانب گیا تھا۔

”او بٹو تو یہاں کہاں کی سیریں کرتا پھر رہا ہے۔“ فرنٹ سیٹ پر ہی بیٹھے ہوئے نوارو نے آواز لگا کر بٹو کو مخاطب کیا تھا جب کہ بٹو تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا۔

”سلام داور بابو صاحب۔“

”وعلیکم السلام...... بھئی بٹو کیا ہمارے ساتھ کوئی ناراضگی چل رہی ہے تیری...... تو نے تو حویلی میں آنا بالکل ہی بند کر دیا ہے۔“ وہ بے حد عجیب سے لب و لہجے میں بات تو بٹو سے کر رہا تھا مگر اس کی نگاہیں مہرینہ کے چہرے کا بڑی بے باکی سے طواف کر رہی تھیں جنہیں محسوس کر کے مہرو کے اندر بے پناہ کڑواہٹ اور ناگواری پھیل گئی تھی۔

”نہیں نہیں بابو صاحب میں بھلا آپ سے ناراض کیسے ہو سکتا ہوں جی۔ بس آج کل ابے کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے تو زیادہ وقت گھر پر ہی رہتا ہوں۔“ بٹو جلدی جلدی بول رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ داور فوراً سے پیشتر یہاں سے چلا جائے مگر وہ تو جم کر ہی کھڑا تھا۔

”اچھا اگر ایسی بات نہیں ہے تو کل سویرے آ جانا میرے اصطبل کی صفائی کرنے کے لیے۔“ اسے ہنوز گھورتے پا کر مہرو رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”عجیب بے ہودہ بدتمیز انسان ہے یہ۔ حیرت ہے کہ یہ لفنگا ٹائپ شخص زمین دار صاحب کا بیٹا ہے میرا تو دل چاہ رہا

ہے کہ اس کمینے کی آنکھیں نوچ کر مچھلیوں کو کھلا دوں ہونہہ۔" مہرو اس شخص کی جانب سے پیٹھ موڑے دل ہی دل میں کلس کر بولی جب ہی عقب سے اسے بٹو کی کچھ گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اچھا باجی آپ جاؤ میں آپ کا پیغام بے بے کو دے دوں گا۔" مہرو پل کی پل تھوڑا چونکی پھر سمجھ گئی کہ بٹو بات بنا رہا ہے جب ہی خاموشی سے جانے کے لیے قدم اٹھائے۔

"جی بابو جی میں سویرے ہی اصطبل جا کر صفائی کر دوں گا۔" وہ داور سے مخاطب ہو کر بولا تو داور نے اسے بے حد معنی خیزی سے دیکھ کر ہنس کر کہا۔

"تو تو بڑا سیانا ہو گیا ہے بٹو اچھا چل آ جائیو سویرے۔" جب تک مہرینہ اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوئی وہ وہیں نگاہیں گاڑھے کھڑا رہا پھر جیپ اسٹارٹ کر کے زن سے اسے لے اڑا جب کہ بٹو پریشان و متفکر سا وہیں کھڑا بہت دیر تک کچھ سوچتا رہا۔

❁.......❁.......❁.......❁

زرینہ اور زرتاشہ کا آج ڈیپارٹمنٹ میں دن نارمل گزرا تھا کچھ اسٹوڈنٹس جن سے ان دونوں کی سلام دعا تھی انہوں نے زرتاشہ سے اس کے ابا کی تعزیت کی تھی جس پر زرتاشہ نے محض خاموشی کا اظہار کیا تھا جو بولنا تھا وہ زرینہ نے ہی بولا تھا سارا وقت وہ خاموش خاموش اور کچھ کھوئی کھوئی سی تھی زرینہ واپسی پر لالہ کے لیے بریانی اور کولڈ ڈرنکس لے آئی تھی تینوں نے ساتھ ہی مل کر کھانا کھایا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر زرتاشہ سونے لیٹ گئی تھی اور اب شام تک وہ محوخواب تھی زرینہ اور لالہ رخ نے قصداً اسے نہیں جگایا تھا زرتاشہ آج کافی تھک گئی تھی وہ فی الحال ذہنی اور جسمانی طور پر کمزور ہو رہی تھی لہٰذا دونوں ہی چاہ رہی تھیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ آرام کرے اسی لیے ان دونوں نے اسے اٹھایا نہیں تھا اس پل وہ دونوں ہاسٹل کے چھوٹے سے باغیچے میں شام کی چائے پی رہی تھیں زرینہ نے لالہ رخ کو زرتاشہ کی بابت سب کچھ بتایا تھا کہ وہ کس طرح آج کیمپس میں خاموش اور ڈل سی رہی تھی۔

"زری مجھے تاشو کو یہاں چھوڑنے پر کچھ فکر سی ہو رہی ہے وہ ابھی تک نارمل نہیں ہو سکی ہے وہاں میں اور امی اس کے ساتھ ہمہ وقت رہتے تھے مگر یہاں......" وہ خود ہی اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی تو زرینہ فوراً گویا ہوئی۔

"اُفوہ آپی میں نے آپ سے کہا نا کہ اس بات کی ٹینشن آپ بالکل چھوڑ دیجیے میں تاشو کا پورا پورا خیال رکھوں گی اور آپی تاشو یہیں رہ کر ہی نارمل ہو سکے گی آپ دیکھیے گا کہ ان شاءاللہ وہ جلد ہی پہلے والی تاشو بن جائے گی۔"

"ان شاءاللہ۔" زرینہ کی بات پر لالہ رخ بے ساختہ بولی تو معاً زرینہ کے ذہن میں اسپارک ہوا۔

"کیا ہوا زری؟"

"اُف آپی میں اتنی ضروری بات کیسے بھول گئی۔" وہ بے اختیار اپنی کشادہ پیشانی پر دھیرے سے ہاتھ مارتے ہوئے بولی جب کہ لالہ رخ نے ناسمجھی والے انداز میں اسے دیکھا۔

"کون سی اہم بات؟"

"ہائے اللہ آپی فراز بھائی بھی ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے کہ کتنے خود غرض ہیں ہم لوگ اپنا مطلب نکل جانے کے بعد ہم نے ان سے رابطہ تک نہیں کیا۔" زرینہ کچھ پشیمانی سے بولی تو یک دم لالہ رخ کو بھی فراز شاہ کا خیال آیا اس نے بے ساختہ اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبایا۔

"اوہ یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو زری...... واقعی ہمیں فراز صاحب سے کانٹیکٹ تو کرنا چاہیے تھا آج تاشو صرف ان کے سمجھانے اور کہنے پر یہاں آنے کو راضی ہوئی ہے مجھے ان کو فون کرنا چاہیے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے آپی مگر آج ان کے بھائی کا ولیمہ ہے اور انہوں نے ہمیں انوائیٹ بھی کیا تھا میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر زرتاشہ یہاں آ بھی گئی تو وہ نہیں آ سکے گی البتہ میں ضرور آ ؤں گی......اب کیا کروں وہ تو رات آٹھ بجے اپنا ڈرائیور بھی بھیج دیں گے مجھے لینے کے لیے۔" وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مروڑتے ہوئے متفکرانہ انداز میں بولی تو لالہ رخ نے آف وائٹ اور پنک رنگ کے امتزاج کے سوٹ میں ملبوس زرینہ کو چند ثانیے دیکھا پھر کچھ سوچ کر گویا ہوئی۔

"ابھی تو آٹھ بجنے میں وقت ہے تم اپنی تیاری شروع کردو۔" لالہ رخ کی بات پر زرینہ اپنے دھیان سے چونکی پھر فوراً سے پیشتر گویا ہوئی۔

"میں تاشو کے بنا اکیلی تو ہرگز نہیں جاؤں گی اور پھر میرا موڈ بھی نہیں۔"

"تو پھر تم ان سے معذرت کرلو......وہ بہت سلجھے ہوئے انسان ہیں مجھے امید ہے کہ وہ برا نہیں مانیں گے اور پھر اکیلی لڑکی کا یوں ہاسٹل سے نکل کر رات کو تقریب اٹینڈ کرنا کچھ مناسب بھی نہیں لگتا نا۔" آخری جملہ وہ رسانیت بھرے لہجے میں بولی تو زرینہ نے تائیدی انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپی میں ایسا کرتی ہوں فراز بھائی کو کال کرکے ایکسکیوز کرلیتی ہوں۔" زرینہ اپنی جگہ سے اٹھی تو لالہ رخ بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

❁......❁......❁......❁......❁

اس کا دماغ سوچ سوچ کر پھٹے جارہا تھا مگر کوئی واضح سرا اس کے ہاتھ میں نہیں آرہا تھا یا پھر وہ جان بوجھ کر کوئی سرا خود ہی اپنے ہاتھ میں پکڑنا نہیں چاہتا تھا۔

"فراز شاہ حقیقت کا سامنا کرو جو کچھ تمہارے سامنے ہے یہی سب سچائی ہے مائی ڈیئر......یوں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرکے تم راہ فرار نہیں اپنا سکتے۔" کوئی اس کے بالکل قریب سے بولا تو فراز بری طرح ہڑبڑا کر رہ گیا اس نے بے اختیار گردن ادھر ادھر گھما کر اپنے اردگرد دیکھا مگر اسے کوئی نظر نہیں آیا بے اختیار وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"واہ فراز شاہ......واہ......سونیا خان کی دی ہوئی مات سے تم اس طرح سے گھبرا گئے مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اس قدر کمزور اور بزدل ہو کے حقائق کو ہی ماننے سے انکاری ہورہے ہو۔" ایک بار پھر کوئی اس کے اندر سے فہمائشی انداز میں بولا تو اس بار فراز بخوبی سمجھ گیا کہ اس کا ہم زاد اس سے محوکلام ہے وہ ایک گہری سانس کھینچ کر بولا۔

"میں بزدل اور کمزور نہیں ہوں دوست بس غیر یقینی اور شاکڈ کے سمندر میں غوطہ زن ہوں۔" فراز کے جواب پر اس کا ہم زاد طنزیہ انداز میں مسکرایا پھر تمسخرانہ لہجے میں بولا۔

"اس غیر یقینی اور شاکڈ کے سمندر سے جتنی جلدی باہر آجاؤ تو تمہارے لیے اچھا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس میں ڈوب کر کوئی بڑی غلطی کر بیٹھو۔" فراز نے بے ساختہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرالیا پھر ایک ہنکارا بھرتے ہوئے بولا۔

"ہوسکتا ہے کہ مجھے کوئی غلط فہمی ہورہی ہے۔" جواباً ہم زاد نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"کب تک خود کو طفل تسلیاں دیتے رہو گے فراز تم حقیقت اچھی طرح جان گئے ہو مگر تم جان بوجھ کر خود کو غلط فہمی کی چادر میں چھپا رہے ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" فراز اسے ابھی کوئی جواب دیتا کہ اس دم اس کے دروازے پر کسی نے دستک دی وہ اٹھ کر اپنے کمرے کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

❁......❁......❁......❁......❁

جیکولین شاکڈ و مستعجاب میں کھڑی ابرام اور جیسکا کو نجانے کتنی ہی دیر دیکھتی رہ گئی جو اس وقت مجرموں کی طرح اس

کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے جب کہ کافی دیر یونہی گزر گئی تب آہستہ آہستہ جیکولین کی حسیات دوبارہ بیدار ہوئیں اشتعال کی ایک تیز لہر اس کے اندر سے ابھری۔

''کیا مطلب ہے تم دونوں کا ماریہ کہاں غائب ہوگئی ہے۔'' جیکولین اتنے زور سے گرجی کہ ابرام اور جیسکا دونوں اندر ہی اندر خائف سے ہوگئے۔

''مام ماریہ کالج سے گھر لوٹی ہی نہیں ہم نے اسے ہر جگہ تلاش کرلیا مگر اس کا کہیں پر کچھ پتہ نہیں ہے مام۔'' ابرام روہانسا ہوکر بولا تو جیکولین کو لگا جیسے اس کے وجود کو روندتے ہوئے کوئی تیز رفتار ٹرین گزر گئی ہو سینے میں پھڑ پھڑاتا دل جیسے کچھ لمحوں کے لیے اپنی جگہ سے سرکا ہو۔

''یہ کیا بکواس کررہے ہو ابرام؟ کہاں چلی گئی ماریہ وہ دن بھر سے غائب ہے اور تم مجھے اب بتارہے ہو۔'' جیکولین حلق کے بل دھاڑی ابرام اپنی جگہ جز بز سا ہوگیا۔

''او گاڈ اس لڑکی نے میری ناک میں دم کردیا ہے کہاں چلی گئی یہ بدذات۔'' وہ بے تحاشا غصے میں گھر کر اپنی دونوں مٹھیوں کو بھینچ کر خود سے بولی تو ابرام تیزی سے اس کے قریب آ کر گویا ہوا۔

''مام میرے خیال میں ہمیں پولیس کو انفارم کردینا چاہیے میں صرف آپ کی اجازت کا انتظار کررہا تھا ورنہ شام کو ہی کمپلین کردیتا۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا؟ پولیس کو ہرگز انفارم نہیں کرنا سمجھے۔ جو بچی کھچی عزت ہے وہ بھی خاک میں مل جائے گی اس لڑکی نے ہماری عزت دوکوڑی کی کردی ہے اب رہی سہی کسر پولیس کو بتا کر پوری ہوجائے گی۔'' وہ ہنوز لہجے میں انگارے اپنے دانتوں تلے چباتے ہوئے بولی تو ابرام نے بے حد ہراساں ہوکر جیکولین کو دیکھا۔

''مگر مام ایسے کیسے چلے گا ماریہ نجانے کس حال میں ہوگی کہاں ہوگی ہمیں اسے جلد سے جلد ڈھونڈنا ہے مام۔''

''اونہہ...... جب اس نے ہماری عزتوں کی فکر نہیں کی تو ہم کیوں اس کی پروا کریں یہ میرا آخری فیصلہ ہے ابرام کہ پولیس سے کوئی مدد نہیں لی جائے گی میں اپنی عزت کو یوں اچھلتا ہوا نہیں دیکھ سکتی سمجھے۔'' جیکولین قطعیت بھرے لہجے میں بولی وہ ایک مہذب اور عزت دار گھرانے سے تعلق رکھتی تھی جن کے یہاں عزت و حرمت ہر چیز سے پہلے تھی۔

''مام پلیز آپ......''

''ابرام اب میں مزید کچھ نہیں سنوں گی او کے۔'' جیکولین بے حد ناگواری سے اس کی بات درمیان میں ہی قطع کرکے صوفے پر گرنے والے انداز میں بیٹھتے ہوئے بولی تو جیسکا اور ابرام دونوں نے ایک دوسرے کو بے حد بے بسی اور لاچاری سے دیکھا پھر جیسکا خاموشی سے کچن میں جاکر پانی کا گلاس بھر لائی اور جیکولین کی طرف بڑھایا جیکولین نے کچھ چونک کر اسے دیکھا پھر بنا کچھ کہے گلاس تھام لیا۔

''مام ہم اس طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھ بھی تو نہیں سکتے۔'' ابرام قدرے توقف کے بعد سنجیدگی سے بولا تو جیکولین نے سر اٹھا کر ابرام کو طنزیہ نظروں سے دیکھا پھر زہر خند لہجے میں گویا ہوئی۔

''وہ اپنی مرضی سے گئی ہے تو دفع ہوجائے اور پھر کبھی یہاں کا رخ بھی نہ کرے۔'' انتہائی غیر متوقع بات جیکولین کے منہ سے سن کر ابرام اور جیسکا نے بھونچکاں ہوکر اسے دیکھا جو اس وقت سپاٹ چہرہ لیے سامنے غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔

''ک...... کیا مطلب مام......'' ابرام نے بے حد الجھ کر استفسار کیا پریشانی و گھبراہٹ اس پل اس کے چہرے سے ہویدا تھی وہ بے پناہ ڈسٹرب لگ رہا تھا سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ جیکولین کو کس طرح سے ہینڈل کرے اور اسے پولیس

کمپلین کرنے پر رضامند کرے۔

"ماریہ اپنی مرضی سے گھر سے گئی ہے ابرام اب اگر وہ یہاں آ بھی گئی تو میں اسے یہاں رہنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گی۔" جیکولین کے اتنے سخت اور غیر متوقع جملے اور لہجے کو سن کر جیسکا اور ابرام انگشت بدنداں رہ گئے۔

"کیا مطلب آنٹی۔" وہ بے پناہ غیر یقینی کے عالم میں گھر کر بولی۔

"ابرام وہ اسی لڑکے کے ساتھ دفع ہوگئی ہے اب ماریہ کا قصہ اس گھر میں تمام ہو چکا ہے او کے۔" یہ کہہ کر جیکولین وہاں سے اٹھ کر تیزی سے اپنے کمرے میں جا کر بند ہوگئی جب کہ جیسکا ایک انکشاف ایک شاکڈ کی کیفیت میں کھڑی ابرام کو الجھن آمیز نظروں سے دیکھتی رہ گئی جو نڈھال سا صوفے پر گر گیا تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁
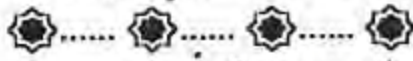
مہرینہ نے رات کا کھانا تیار کرلیا تھا اس لمحے دونوں خواتین ایک دوسرے سے محو کلام تھیں جب مہرو نے کھانا لگانے کی بابت استفسار کیا۔

"مجھے تو بھوک ہی نہیں لگ رہی گڈو...... ایسا کرو تم دونوں کھالو مجھے جب طلب ہوگی تو میں خود ہی تھوڑا سا کھالوں گی۔" لالہ رخ کی امی رسانیت سے بولی تو مہرو نے قطعیت سے ان کی بات کو رد کر کے کہا۔

"ہرگز نہیں مامی...... لالہ میرے اوپر یہ ڈیوٹی لگا کر گئی ہے کہ آپ کو وقت پر کھانا کھلاؤں اور پھر آپ کو دوا بھی تو دینی ہے چلیے تھوڑا سہی مگر کھانا وقت پر کھالیجیے۔" مہرو کی بات پر وہ مسکرائیں پھر اپنی نند کو مخاطب کر کے بولیں۔

"کیا کروں گڈو...... تمہارے بھائی کے جانے کے بعد سے میری بھوک پیاس ہی اڑ گئی ہے کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہتا اور اب یہاں تاشو اور لالہ بھی نہیں ہیں تو بالکل ہی کھانے سے جی اچاٹ ہوگیا ہے۔"

"نہیں بھابی یہ تو بہت غلط بات ہے بھائی کے جانے کے بعد اب تم ہی دونوں بچیوں کا واحد سہارا ہو اگر کھانے پینے سے دل چراؤ گی تو اللہ نہ کرے تمہاری صحت خراب ہوجائے گی۔ اپنے لیے نہ سہی اپنی بیٹیوں کے لیے کھاپی لیا کرو۔" گڈو انہیں سمجھانے والے انداز میں بولیں تو مہرو بھی فوراً سے پیشتر گویا ہوئی۔

"اماں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں مامی...... آپ کا وجود آپ کا سایہ ہمارے لیے بہت اہم ہے نہ صرف لالہ اور تاشو بلکہ ہم دونوں کو بھی آپ سے بہت ڈھارس ملتی ہے۔" مہرو کی بات پر وہ دھیرے سے مسکرادیں پھر نرمی سے بولیں۔

"اچھا تم کھانا لے آؤ میں ہاتھ دھو کر آرہی ہوں۔" جواباً مہرو بھی مسکرادی اور سر ہلا کر واپس باورچی خانے کی جانب بڑھ گئی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁
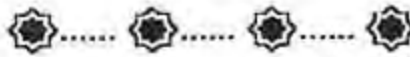
فراز نے دروازہ کھولا تو سامنے ان کا ملازم کھڑا تھا۔

"فراز صاحب وہ میڈم کہہ رہی ہیں کہ اگر آپ تیار ہوگئے ہوں تو جلدی سے نیچے آجائیں۔ بڑے صاحب اور میڈم جانے کے لیے تیار ہیں۔" رشید اسے دیکھ کر جلدی جلدی بولا تو وہ کچھ پریشان سا ہوگیا پھر بے اختیار اس نے ایک نظر اپنے رف سے حلیے پر ڈالی وہ تو تیار ہی نہیں ہوا تھا۔

"ایسا کرو رشید ڈیڈ سے کہہ دو کہ وہ لوگ چلے جائیں میں بس آدھے گھنٹے میں ریڈی ہو کر یہاں سے نکلتا ہوں او کے۔" رشید سر اثبات میں ہلا کر وہاں سے پلٹ گیا جب کہ فراز اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے اپنی پیشانی کو مسلنے لگا اس وقت سونیا اور کامیش کے ولیمے کی تقریب اسٹارٹ ہوچکی تھی مگر کل رات سے اب تک فراز شاہ خود کو کمپوز نہیں کر پایا تھا وہ کچھ دیر یونہی خالی الذہن کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا رہا جب ہی اس کی نگاہ اپنے سیل فون پر

پڑی جس کی لائٹس اس پل بلنک ہو کر بند ہوئی تھیں معاً اسے یاد آیا کہ اس نے اپنا سیل فون سائیلنٹ پر سے ہٹایا ہی نہیں تھا وہ تیزی سے موبائل فون کی جانب آیا اور اسے آن کیا دیگر لوگوں کی کالز کے علاوہ باسل اور زرینہ کی بھی ان گنت مسڈ کالز موجود تھیں۔

''اوہ مائی گاڈ کتنے لوگوں نے مجھے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں بولا پھر تیزی سے زرینہ کو کال بیک کیا۔

''سوری گڑیا میرا فون سائیلنٹ پر تھا تمہیں پریشانی ہوئی۔'' وہ زرینہ کا ہیلو سننے بنا تیزی سے بولتا چلا گیا جب ہی دوسری طرف سے لالہ رخ کی آواز ابھری۔

''فراز صاحب میں لالہ رخ بات کر رہی ہوں۔'' بے حد دلکش لہجے میں بولتی لالہ رخ فراز کو چند ثانیے کے لیے حیران کر گئی۔

''آپ......!'' وہ فقط اتنا ہی بول سکا۔

''ایم سوری فراز صاحب دراصل زرتاشہ کے راضی ہوتے ہی میں فوراً اس کے ہمراہ یہاں کراچی آ گئی اور آپ کو بتانا بھی بھول گئی۔'' لالہ رخ شرمندگی وندامت کے ملے جلے تاثرات میں بولی تو فراز شاہ کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''اٹس اوکے مس لالہ رخ میں نے بالکل مائینڈ نہیں کیا۔'' فراز کی بات سن کر لالہ رخ نے فی الفور کہا۔

''دراصل زرینہ آپ کو کافی دیر سے کال کر رہی تھی آپ غالباً فون پک نہیں کر رہے تھے وہ نیچے گئی ہے ابھی۔'' کچھ لوگوں کے لہجے اور لفظوں میں عجیب قسم کی مٹھاس اور چاشنی ہوتی ہے بے پناہ نرمی اور طمانیت سی ہوتی ہے لالہ رخ کے بھی لہجے اور لفظوں میں قدرت نے بہت انوکھا سا رچاؤ دیا تھا فراز جو گزشتہ رات سے بے حد مضطرب اور بے چین تھا اس وقت لالہ رخ سے محو کلام ہو کر دھیرے دھیرے اس کے اندر سکون سا اترتا چلا جا رہا تھا۔

''اوہ آئی ایم ویری سوری دراصل میں کچھ بزی تھا اور میرا فون سائیلنٹ موڈ میں تھا۔'' فراز تیزی سے وضاحت کرتے ہوئے بولا تو لالہ رخ سر ہلا کر گویا ہوئی۔

''کوئی بات نہیں فراز صاحب...... آج آپ کے بھائی کا ولیمہ ہے نا میری طرف سے آپ سب کو بہت بہت مبارک ہو۔'' فراز شاہ اس کی بات پر دھیرے سے مسکرایا پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔

''مجھے بے حد خوشی ہوتی کہ آپ بھی اس تقریب میں شرکت کرتیں۔''

''میں ضرور شرکت کرتی فراز صاحب مگر آپ جانتے ہیں ابا کو گزرے ابھی زیادہ وقت بھی نہیں ہوا۔'' وہ رسانیت بھرے لہجے میں بولی۔

''میں سمجھ سکتا ہوں مس لالہ رخ...... مگر ایک کپ چائے پلانے کا شرف تو آپ ہمیں بخش سکتی ہیں نا...... آپ ہمارے شہر میں آئیں اور ہمیں میزبانی کا موقع بھی نہیں دیا۔''

''کیوں نہیں فراز صاحب میں چائے ضرور پیتی مگر ایسا ہے کہ کل صبح ہی میں یہاں سے روانہ ہو رہی ہوں دراصل وہاں امی اکیلی ہیں نا اور ان کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ تفصیل بتاتے ہوئے نرم لہجے میں بولی تو فراز کا دل چاہ رہا تھا کہ لالہ رخ اس سے محو گفتگو رہے اندر جو دھواں اور کثافت بھری ہوئی تھی وہ تیزی سے غائب ہونے لگی تھی۔

''اوہ اچھا تو کل صبح کتنے بجے روانگی ہے آپ کی۔''

''دوپہر ایک بجے کی ٹرین ہے۔'' وہ مختصراً بولی تو فراز کچھ دیر سوچنے کے بعد گویا ہوا۔

"اوکے تو پھر مس لالہ رخ میں آٹھ بجے آپ کو لینے ہاسٹل آجاؤں گا پھر ناشتا آپ میرے ساتھ کریں گی۔"
"ارے نہیں فراز صاحب ان تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں...... ان شاء اللہ اگلی بار میں کراچی آؤں گی تو......" وہ ٹالنے والے انداز میں بولی جب ہی فراز نے اس کی بات درمیان میں ہی سے اچک کر کہا۔
"سوری مس لالہ رخ اس حوالے سے میں آپ کا کوئی بھی ایکسکیوز نہیں سنوں گا اور نہ مانوں گا آپ ہماری مہمان ہیں اب پلیز منع مت کیجیے گا۔" وہ اتنے خلوص اور اپنائیت سے کہہ رہا تھا کہ لالہ رخ جز بز سی ہوگئی فراز کے ساتھ یوں کہیں جا کر چائے پینا بھی اسے اکورڈ لگ رہا تھا اور اس کے خلوص کو ٹھکرانا بھی اسے مشکل لگ رہا تھا آخر کو وہ ان کا محسن تھا ان لوگوں پر فراز کے کافی احسانات تھے اب اگر وہ اس کے ساتھ چلنے کو انکار کر دیتی تو فراز شاہ کو اپنی کتنی ہتک محسوس ہوتی دوسری صورت میں وہ اسے اپنی نگاہوں میں بے اعتبار ٹھہراتی جس بناء پر وہ بہت ہرٹ ہوتا یہ سب سوچتے ہوئے لالہ رخ ہار مانتے ہوئے بولی۔
"ٹھیک ہے فراز صاحب جیسی آپ کی مرضی۔"
"او تھینک یو...... تھینک یو سو مچ مس لالہ رخ میں کل ٹھیک آٹھ بجے آپ کو ہاسٹل سے پک کرلوں گا پھر اسٹیشن بھی ڈراپ کردوں گا۔" فراز لالہ رخ کی رضامندی پا کر یک دم کھل اٹھا وہ تیزی سے بولا تو لالہ رخ ذرا سا مسکرا کر گویا ہوئی۔
"ٹھیک ہے فراز صاحب۔" اسی دم زرتاشہ اور زرینہ کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ فوراً بولی۔
"فراز صاحب یہ زرینہ آگئی ہے آپ پلیز اس سے بات کر لیجیے۔" پھر لالہ رخ زرینہ کو فون تھما کر فریش ہونے کی غرض سے واش روم کی جانب بڑھ گئی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁
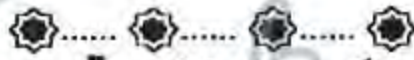
"ابرام یہ...... یہ سب کیا ہو رہا ہے...... آنٹی کس لڑکے کا ذکر کر رہی تھیں۔ ماریہ بھلا خود سے کیسے گھر چھوڑ کر جا سکتی ہے؟ نہیں میں یہ بات نہیں مان سکتی کہ ماریہ ہم سب کو یوں پریشان چھوڑ کر ایسے جا سکتی ہے نہیں وہ ایسی لڑکی نہیں ہے وہ ایسا بھلا کیسے کر سکتی ہے؟" جیسکا بے حد متفکر و ہراساں سی خود سے ہی سوال و جواب کرتی چلی گئی جب کہ ابرام یونہی بے حس و حرکت سا بیٹھا رہا۔
"یقیناً آنٹی کو کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے میں پورے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ ماریہ کی زندگی میں کوئی لڑکا نہیں ہے وہ خود سے ایسے کیسے غائب ہو سکتی ہے۔" خود سے بولتے بولتے جیسکا نے ابرام پر نگاہ ڈالی پھر قدرے وحشت سے گویا ہوئی۔
"اب ہم کیا کریں گے ابرام...... ماریہ کو کیسے ڈھونڈیں گے آنٹی نے تو صاف انکار کر دیا ہے کہ وہ پولیس کی کوئی مدد نہیں لیں گی نجانے ماریہ کس حال میں ہوگی کہاں ہوگی۔" ابرام نے پل کے پل نگاہ اٹھا کر جیسکا کے حواس باختہ چہرے کو دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر بولا۔
"کچھ بھی ہو جیسکا میں مام کی طرح ماریہ کے لیے اس قدر سنگ دلی کا مظاہرہ ہرگز نہیں کر سکتا مجھے ماریہ کو ڈھونڈنا ہے۔ ہر صورت میں اسے گھر لانا ہے چاہے اس کے لیے مجھے پولیس کے پاس ہی کیوں نہ جانا پڑے۔" وہ قطعیت بھرے لہجے میں بولتا بے حد بے قراری سے اپنی جگہ سے اٹھا تو جیسکا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا پھر الجھن آمیز لہجے میں گویا ہوئی۔
"اور آنٹی...... انہوں نے تو سختی سے منع کر دیا ہے ابرام اس طرح ان کی عزت......" وہ خود ہی اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گئی جب کہ ابرام بے چینی سے لاؤنج میں چکر لگانے لگا پھر ایک جگہ رکتے ہوئے بولا۔

"ماریہ کسی بھی لڑکے میں انوالونہیں ہے مجھے پورا یقین ہے کہ وہ خود سے غائب نہیں ہوئی ہے۔ یہ صرف مام کی خود ساختہ سوچ اور غلط خیال ہے۔" جیسکا نے اس وقت اسے بغور دیکھا پھر بے حد متفکرانہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"تو کیا ہم اس وقت پولیس میں کمپلین کرنے والے ہیں۔" ابرام نے اس کی بات پر سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں جیسکا اب میں مزید اور انتظار نہیں کرسکتا مام کو بعد میں ہینڈل کرنا ہے وہ بعد کی بات ہے فی الحال پہلی میں فرصت ہمیں پولیس اسٹیشن چلنا چاہئے۔" یہ کہتے ہوئے ابرام نے اپنی گاڑی کی چابیاں میز پر سے اٹھائیں کہ اسی دم دروازے کی بیل بجی دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

مہرو اور لالہ رخ کی امی دونوں دھیمی آواز میں باتیں کررہی تھیں جب کہ مہرو اپنے پلنگ پر لیٹی نیند آنے کی منتظر تھی وہ یونہی ساکت سی لیٹی نجانے کیا سوچے جارہی تھی جب ہی اماں کی متفکرانہ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"بھابی میرا تو دل ڈوبا جارہا ہے مومن جان بھی بس دو ایک دن میں دھمکنے والا ہے اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ آتے ہی اسی بات کی رٹ لگانے لگے گا میں کیا کروں بھابی بہت ضدی اور اڑیل ہے مومن جان۔" اماں کے جملوں پر اپنے پلنگ پر لیٹی مہرو کچھ حیرت زدہ سی ہوئی تھی بھلا کس بات کی رٹ لگائی ہوئی ہے ابا نے اس نے بے پناہ الجھ کر سوچا پھر وہ یونہی دم سادھے لیٹی رہی البتہ اپنے کان پوری طرح ان دونوں کی باتوں پر لگادیئے تھے۔

"گڈو تم اتنی خوف زدہ کیوں ہورہی ہو...... اللہ نے چاہا تو دیکھنا ایسا کچھ نہیں ہوگا مومن جان اپنے ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔" لالہ رخ کی امی نے بے حد دھیمی آواز میں کہا جب کہ مہرو نے یہ سب بخوبی سن لیا تھا وہ دونوں مہرو کو سوتا سمجھ کر ہلکی آواز میں ایک دوسرے سے محو گفتگو تھیں۔

"یہ اتنا آسان نہیں ہے بھابی مومن جان بہت خود غرض اور لالچی شخص ہے اپنے مفاد کے آگے وہ مہرو کی بھی بالکل پروا نہیں کرے گا۔"

"یا اللہ یہ کیا گورکھ دھندہ ہے...... ابا میرے ساتھ کیا کرنا چاہ رہا ہے یا کیا کرنے والا ہے۔" اماں کی خوف و شکستگی میں ڈوبی آواز سن کر مہرو کچھ خائف سی ہو کر اپنے آپ سے دل ہی دل میں بولی۔

"گڈو میں تم سے کہہ رہی ہوں نا کہ ان شاء اللہ کچھ نہیں ہوگا میرے اور لالہ رخ کے ہوتے ہوئے وہ مہرو کا رشتہ اس نشی کے ساتھ بالکل نہیں کرسکتا تم ہم پر بھروسہ تو کرو۔" مامی کی مضبوط آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اپنی جگہ لیٹی مہرو یہ سن کر حیرت سے ساکت و صامت سی رہ گئی۔

"تم لوگوں پر مجھے کیوں نہیں بھروسہ ہوگا بھابی...... مگر یہ بھی حقیقت ہے نا کہ ہم عورتیں ہیں اور مومن جان توانا اور طاقت ور مرد ہے۔" اماں رنجوری آواز میں بولیں جب کہ مہرو بھونچکا سی بس یہی سوچ گئی کہ کیا کوئی باپ اتنا سنگ دل اور مفاد پرست ہوسکتا ہے کہ محض اپنی غرض کی خاطر اپنی بیٹی کی زندگی کو داؤ پر لگادے وہ بچپن سے اس بات سے بخوبی آگاہ تھی کہ اس کا باپ دوسرے بچوں کے باپ سے بہت مختلف ہے کبھی اس سے پیار و شفقت سے پیش نہیں آتا ہے مگر وہ اتنا گھٹیا ہوسکتا ہے یہ اسے اب معلوم ہوا تھا ایک بدکردار شخص کے ساتھ اس کو صرف اپنے فائدے کے عوض نتھی کررہا تھا یک دم مہرو کی آنکھوں سے دو موتی نکلے تھے اور بے حد خاموشی سے اس کے بالوں میں جذب ہوگئے تھے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁
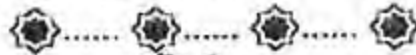
سونیا اور کامیش کے ولیمے کی تقریب بخیر و عافیت انجام پاگئی تھی فراز شاہ اس لمحے بے حد تھکا ہوا تھا اپنے روم میں آتے ہی اس نے فوراً سے بیشتر اپنا دروازہ لاک کیا تھا اسے یک دم خود شدید قلق ہوا کہ کہیں سوچا گزشتہ رات کی طرح آج

علم مومن کی میراث ہے یہ جہاں سے ملے اسے حاصل کرو (حدیث)

تشنگان علم کیلئے محترم مشتاق احمد قریشی کی

جانب سے ایک اور تحفہ قرآن آسان تحریک کے تحت

اللہ کون ہے اور کیوں ہے۔ جانیے اور سمجھیے صرف کلام اللہ کی روشنی میں
بقول ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ یہ کتاب بطور خاص
ان لوگوں کیلئے ہے، جو عصری تعلیم کے دلدادہ اور سائنسی ترقی کی چمک سے
چندھیائے ہوئے اور اللہ کی صفت خالقیت، مالکیت اور رزاقیت سے ناآشنا
بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ہی منکر ہیں

اسلامی کتب خانہ الحمد مارکیٹ غزنوی روڈ اردو بازار لاہور۔ 0423-7116257

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز، 7 فرید چیمبر زعبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 0213-5620771/2

بھی نہ آ دھمکے وہ سہولت سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں دھرے کاوچ پر گر سا گیا سونیا نے آج کی تقریب میں اسے بھرپور طریقے سے نظر انداز کیا ہوا تھا جب کہ فراز شاہ بھی قصداً اسٹیج کی جانب بھٹکا بھی نہیں تھا اسے سونیا سے عجیب سا خوف محسوس ہو رہا تھا یونہی ادھر ادھر کی سوچتا سوچتا فراز یک دم چونکا پھر اپنی جیب سے سیل فون نکال کر باسل کو کال کرنے لگا تھا۔

''سوری برادر میں تمہاری کال پک نہیں کرسکا تم نے مجھے کافی بار فون کیا تھا۔'' وہ ندامت بھرے لہجے میں بولا تو باسل مسکرا کر گویا ہوا۔

''ارے فراز بھائی آپ کو میرے ساتھ اتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں جانتا ہوں کہ آپ یقیناً کہیں انگیج ہوں گے۔''

''تھینکس ڈیئر......'' فراز سہولت سے بولا پھر اچانک اسے کچھ یاد آیا تو وہ استفسار کرتے ہوئے گویا ہوا۔

''تم آج آئے نہیں۔'' جواباً باسل نے ایک گہری سانس بھری پھر رسانیت سے بولا۔

''فراز بھائی میں آیا تھا مجھے کچھ ضروری کام تھا اس لیے جلدی لوٹ آیا۔'' معاً فراز کو یاد آیا کہ وہ آج ہوٹل میں کافی تاخیر سے پہنچا تھا جس پر ساحرہ نے کافی ناگواری کا اظہار کیا تھا۔

''حد ہوگئی فراز اپنے بھائی کے ریسپشن میں تم اتنا لیٹ آرہے ہو سب تمہارا پوچھ رہے ہیں اور میں یہ بول بول کر تھک گئی ہوں کہ بس ابھی آرہا ہے۔'' ساحرہ اپنی قیمتی ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے خفگی سے بولی تھی۔

''سوری مام میری ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔'' فراز نے بہانہ بنایا تھا۔

''ہاں باسل انجیو لی میں ذرا لیٹ ہوگیا تھا اور تم غالباً وہاں سے نکل گئے تھے۔'' فراز سہولت سے بولا پھر قدرے توقف کے بعد استفہامیہ لہجے میں گویا ہوا۔

''تم مجھے کال کررہے تھے باسل۔ کوئی خاص بات تھی کیا؟'' باسل جو اپنی سوچوں میں گم تھا یک دم فراز کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ اپنے دھیان سے چونکا۔

''آ......ہاں......نہیں فراز بھائی کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔'' اس لمحے وہ کچھ کنفیوز سا ہوگیا وہ بات جو وہ پچھلی رات سے اسے بتانے کے لیے بے چین تھا اب موقع میسر آیا تو وہ الجھ کر رہ گیا کہ آیا وہ یہ بات فراز کے علم میں لے آئے یا پھر پوشیدہ رکھ لے ہوسکتا ہے جیسا وہ سوچ اور سمجھ رہا ہو ایسا نہ ہو۔

''اچھا خاص نہیں تو عام ہی بتادو یار۔'' فراز یونہی لیٹا لیٹا اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا ہوا مگن لہجے میں بولا تو باسل بے اختیار ہنسنے لگا۔

''عام بات بھی بتادوں گا مگر اس وقت آپ بہت تھکے ہوئے ہیں آپ آرام کریں اچھی سی نیند لیں پھر فریش ہوکر ہم بات کریں گے۔'' باسل ٹالتے ہوئے شوخ انداز میں بولا تو فراز نے بے اختیار گہری سانس بھری۔

''یو آر رائٹ مائی برادر۔ سچ اس وقت تو میرے پورے جسم میں درد ہورہا ہے اوکے یار پھر تم سے کل بات ہوتی ہے۔'' پھر فراز نے اسے گڈ نائٹ کہہ کر فون بند کردیا تو باسل کچھ دیر کے لیے اپنی جگہ یونہی بیٹھا رہ گیا پھر سر جھٹک کر واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

❁......❁......❁......❁
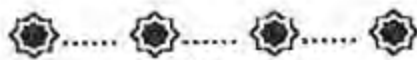
ابرام نے ایک نگاہ جیسکا کو دیکھا پھر دوسرے ہی لمحے چیتے کی تیزی سے دروازے کی جانب دوڑا اور بے پناہ عجلت میں دروازہ کھولا سامنے ہی ماریہ کھڑی تھی اس پل ابرام کے وجود کو بری طرح جھٹکا لگا ماریہ بالکل صحیح سلامت اس کی

نگاہوں کے آگے ایستادہ تھی۔

''ماریہ تم......تم آ گئیں۔'' جیسکا بھی ابرام کے پیچھے لپک کر دروازے کی جانب آئی تھی ماریہ کو باہر کھڑا دیکھ کر وہ حیرت ومسرت کے ملے جلے تاثرات میں گھر کر بولی۔

''کہاں چلی گئی تھیں تم ماریہ...... تمہیں اندازہ بھی ہے کہ ہم سب کس قدر پریشان اور ہراساں ہو رہے تھے میں بس ابھی پولیس میں کمپلین کرنے والا تھا تم تھیں کہاں۔'' ابرام حیران و پریشان سا بولے گیا جب ہی اسے عقب سے جسیکا کی دوبارہ آواز سنائی دی۔

''ابرام تم اسے اندر تو آنے دو پھر پوچھ لینا جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو۔'' ابرام کو بھی جیسے ہوش آیا تھا وہ سرعت سے دروازے کے آگے سے ہٹا تو جیسکا نے نرمی سے ماریہ کا بازو پکڑ کر اسے اندر کی جانب کھینچا اس پل ماریہ عجب سی کیفیت میں گھری اندر داخل ہوئی ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے کسی نے مسمرائز کر دیا ہو وہ یونہی چلتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی جیسے گہری نیند میں چل رہی ہو۔

''ماریہ تم ٹھیک تو ہونا۔'' جیسکا اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے فکر مند لہجے میں بولی مگر ماریہ کی کیفیت میں فرق نہیں آیا وہ یونہی سپاٹ سی صوفے پر بیٹھ گئی جب ہی ابرام بے حد مشتعل سا ہو کر اس کے قریب آیا اور سخت لہجے میں بولا۔

''تم کہاں تھیں ماریہ اتنا وقت کہاں گزار کر آئی ہو۔ بولو ماریہ جواب دو تم کہاں چلی گئی تھیں۔'' بولتے بولتے آخر میں ابرام نے اس کے دونوں بازوؤں کو بری طرح جھنجوڑا تو یک لخت ماریہ جیسے گہری نیند سے جاگی تھی اس نے بے پناہ چونک کر پہلے ابرام اور پھر جیسکا کو دیکھا جو حیران و پریشان اسے ٹکر ٹکر دیکھے جا رہے تھے۔

''برو......'' ماریہ دوسرے ہی لمحے بے اختیار ابرام کے سینے سے لگ گئی اور اس کے وجود کو بری طرح سے بھینچ ڈالا۔

''ماریہ کیا ہوا تھا کہاں چلی گئی تھیں تم۔ پلیز ہمیں کچھ بتاؤ' تم جانتی ہو آنٹی تم سے کتنی خفا ہیں۔'' جیسکا سے صبر ہی نہیں ہو رہا تھا وہ تیزی سے بولتی چلی گئی جب ہی لاؤنج سے آتی آوازوں سے چونک کر جیکولین اپنے کمرے سے باہر نکلی سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا خون کھول اٹھا وہ بے حد تیزی سے ماریہ کے قریب آئی اور چیل کی مانند اس پر جھپٹی ماریہ اس سے پہلے کہ اس افتاد کو سمجھتی یکے بعد دیگرے جیکولین کے تھپڑوں نے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر ڈالے۔

''مام پلیز......'' ابرام کے ساتھ ساتھ جیسکا نے بھی جیکولین کو روکنے کی کوشش کی مگر جیکولین اپنا کنٹرول پوری طرح سے کھو چکی تھی آن کی آن ہی اس نے ماریہ کو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا۔

''مام پلیز بس کریں سنبھالیں خود کو۔'' ابرام انتہائی لاچاری سے بولا تو جیکولین تھک کر صوفے پر گری۔

''اس بدذات سے کہہ دو ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے دفع ہو جائے میں اس کی صورت تک دیکھنا نہیں چاہتی آخر یہ لڑکی چاہتی کیا ہے۔'' آخر میں جیکولین چیختے ہوئے بولی جب کہ حال سے بے حال ہوئی ماریہ نے بمشکل اپنے لبوں کو سختی سے بھینچ کر اپنے اندر سے اٹھنے والی سسکیوں کو روکا جیسکا نے خاموشی سے ماریہ کا ہاتھ تھاما۔

''مام پہلے ماریہ سے پوچھ تو لیں کہ آخر اس کے ساتھ ہوا کیا تھا وہ کہاں تھی اور اب کہاں سے آ رہی ہے۔'' ابرام ماریہ کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جیکولین کو مخاطب کرتے ہوئے بولا تو جیکولین یک دم دھاڑی۔

''مجھے کچھ نہیں پوچھنا نہ ہی کچھ جاننا چاہتی ہوں بس فوراً کے فوراً اسے میری نظروں سے دور کر دو نجانے کس کے ساتھ منہ کالا کر کے یہ یہاں واپس آئی ہے۔'' ماریہ جیکولین کے لفظوں پر جیسے بنا پانی کی مچھلی کی مانند تڑپ اٹھی وہ تیزی سے اس کے قریب آئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے مام آپ بالکل غلط سمجھ رہی ہیں کالج سے واپس آتے ہوئے مجھے راستے میں بہت زور کا چکر آ گیا تھا میں وہیں سڑک پر گر گئی تھی پھر مجھے کچھ یاد نہیں ہے جب میری آنکھ کھلی تو ایک اولڈ ایج کی لیڈی میرے قریب بیٹھی تھیں انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے پورے نو گھنٹے بعد ہوش آیا ہے وہ وہیں سے اس وقت گزر رہی تھیں جہاں میں بے ہوش ہو کر گری تھی میرا بیگ بھی شاید وہیں کہیں گر گیا تھا اس وجہ سے انہیں میرے گھر کا ایڈریس یا فون نمبر نہیں مل سکا۔" ابرام اور جیسکا بھونچکاں سے کھڑے ماریہ کی روداد سنتے گئے البتہ جیکولین کینہ توز نگاہوں سے اسے ہنوز گھو رتی رہی۔

"پلیز مام میرا یقین کیجئے مجھے جیسے ہی ہوش آیا میں نے فوراً گھر جانے کا کہا انہوں نے کیپ منگوا کر مجھے اس میں روانہ کر دیا۔" ماریہ جلدی جلدی ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

"تو تم ہمیں ان کے گھر سے کال کر لیتیں میں تمہیں پک کرنے آ جاتا۔" ابرام اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا تو ماریہ نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر مارا۔

"اوہ...... مجھے گھبراہٹ اور جلدی میں اس بات کا خیال ہی نہیں آیا مجھے بس گھر پہنچنے کی جلدی تھی اسی لیے میں فوراً وہاں سے نکل آئی۔"

"ہوں کہانی تو تم نے بہت اچھی بنائی ہے ماریہ مگر میں تمہارے اس فریب میں آنے والی نہیں ہوں سمجھیں۔" جیکولین ایک ہنکارا بھرتے ہوئے زہر خند لہجے میں بولی تو ماریہ نے بے بس نگاہوں سے ابرام اور جیسکا کو دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر گویا ہوئی۔

"مسز ڈی سوزا نے مجھے اپنا نمبر بھی دیا ہے آپ ان سے بات کر کے اس بات کی تصدیق کر سکتی ہیں کہ میں ان کے پاس ہی تھی اور پچھلے نو گھنٹے سے بے ہوش بھی تھی۔" پھر ماریہ صوفے کے قریب جا کر وہاں گرے ایک کارڈ کو اٹھا لائی جو یقیناً جیکولین کا حملہ کرتے پرس سے یہیں گر گیا تھا۔

"آپ پلیز ان سے بات کر کے کنفرم کر لیجئے۔" جواباً جیکولین کچھ بھی نہیں بولی بس سلگتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی جب ہی ابرام نے سہولت سے وہ کارڈ ماریہ کے ہاتھ سے لیا اور اپنے سیل فون سے نمبر ملانے لگا تھوڑی ہی دیر میں کسی لیڈی کی آواز ابھری۔

"ہیلو مسز ڈی سوزا اسپیکنگ ہو از ویئر۔" ابرام نے سرعت سے اپنا فون جیکولین کی جانب بڑھایا تو نا چاہتے ہوئے بھی اس نے فون ابرام کے ہاتھ سے لے کر اپنے کان سے لگا کر محض ہیلو کہا پھر پورے وقت وہ ماریہ کو دیکھتی رہی مسز ڈی سوزا نجانے کیا کچھ بولے جا رہی تھیں۔ جیکولین بس خاموشی سے سن رہی تھی۔

"اوکے مسز ڈی سوزا تھینک یو اینڈ گڈ نائٹ۔" یہ کہہ کر اس نے ابرام کو اس کا سیل فون تھمایا اور بنا کچھ کہے صوفے سے اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی جب کہ تینوں نے بے حد خاموشی سے جیکولین کو وہاں سے جاتا ہوا دیکھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁
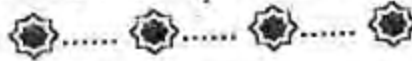
صبح ٹھیک آٹھ بجے فراز شاہ ہاسٹل پہنچ گیا زرینہ اور زرتاشہ دونوں یونیورسٹی جانے کے لیے تیار تھیں جب کہ لالہ رخ نے بھی اپنا بیگ وغیرہ پیک کر لیا تھا۔

"ارے واہ فراز بھائی آپ تو بالکل ٹائم پر پہنچ گئے...... !ہوں اچھی بات ہے وقت کی پابندی کرنا۔" زرینہ فراز کو دیکھ کر چہک کر بولی تو لالہ رخ کے ساتھ ساتھ زرتاشہ بھی دھیرے سے مسکرائی زرتاشہ کو مسکراتا دیکھ کر لالہ رخ کو خوش گوار سی حیرت ہوئی مگر اس نے اپنی حیرت اور خوشی کا اظہار نہیں کیا۔

''وقت کی پابندی کرنا اچھی بات ہے گڑیا انسان ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔'' وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا تو زرینہ شدومد سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''بالکل صحیح کہہ رہے ہیں آپ...... لہٰذا اب آپ کی بات کو مانتے ہوئے ہم دونوں یونیورسٹی جانے کے لیے نکلتے ہیں۔'' وہ ہنوز انداز میں بولی تو فراز کچھ حیران کن لہجے میں بولا۔

''ارے تو کیا آپ دونوں ہمارے ساتھ نہیں جارہیں۔'' بلو جینز پر رائل بلو ہی شرٹ پہنے وہ اپنے دراز قد اور سحر انگیز شخصیت سمیت بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

''نہیں فراز بھائی ہم تو نہیں جاسکیں گے ابھی ابھی نیا سیشن اسٹارٹ ہوا ہے پڑھائی بھی زور و شور سے چل رہی ہے۔'' وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولی پھر دونوں اسے خدا حافظ کہہ کر وہاں سے نکل گئیں فراز نے واضح طور پر دیکھا کہ جاتے وقت زرینہ تو لالہ رخ سے بڑی گرم جوشی سے ملی جب کہ زرتاشہ یونہی منہ پھیرے بے زار سی کھڑی رہی لالہ رخ ہی اسے مخاطب کرکے بولی تھی۔

''اپنا خیال رکھنا تاشو میں تمہیں فون کرتی رہوں گی۔'' جواباً زرتاشہ نے اسے ہوں ہاں میں بھی جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی فراز شاہ کے ہمراہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی جب ہی فراز دھیرے سے گلا کھنکھار کر گویا ہوا۔

''لالہ رخ آپ پلیز پریشان مت ہوئیے مجھے پورا یقین ہے کہ زرتاشہ کی ناراضگی بہت جلد ختم ہوجائے گی۔'' فراز کی آواز جب گاڑی میں گونجی تب ہی لالہ رخ اپنے دھیان سے چونکی پھر ایک گہری سانس بھر کر بولی۔

''مجھے بھی یقین ہے فراز صاحب تاشو مجھ سے زیادہ وقت خفا نہیں رہ سکتی۔'' پھر رخ موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے قدرے جھجک کر گویا ہوئی۔

''فراز صاحب مجھے اندازہ ہے کہ آپ بہت بزی رہتے ہیں آفس کے علاوہ آپ کی اور بھی مصروفیات ہوں گی میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ اگر کچھ وقت نکال کر آپ کبھی کبھار تاشو سے آ کر مل لیں تو آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔'' فراز نے لالہ رخ کو ایک نگاہ دیکھا پھر بے اختیار انتہائی دلکشی سے کھل کر مسکرایا جب کہ لالہ رخ کو اس کی مسکراہٹ کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی وہ استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی ڈارک پرپل رنگ کی شلوار سوٹ میں کالی چادر سر پر اوڑھے وہ اپنے سادے سے حلیے میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

''سب سے پہلے تو آپ پلیز مجھے فراز صاحب کہنا بند کریں مجھے تو فراز صاحب سن کر ایسا لگتا ہے جیسے میں پچاس پچپن سال کا کوئی مرد ہوں۔'' فراز کی بات پر وہ خفیف سی ہوئی جو مزید کہہ رہا تھا۔

''آپ پلیز اتنا فارمل مت ہوں زرینہ اور زرتاشہ میری چھوٹی بہنوں کی طرح ہیں میں ضرور ان سے ملنے آیا کروں گا یہ بات کہتے ہوئے آپ اتنا لحاظ کرکے مجھے بالکل غیر کررہی ہیں۔'' آخر میں وہ مصنوعی خفگی سے بولا تو لالہ رخ بھی دھیرے سے مسکرادی پھر فراز اسے ایک اچھے سے ریسٹورینٹ میں لے آیا لالہ رخ اس کے ہمراہ آتے ہوئے ہچکچا رہی تھی فراز لمحے بھر میں اس کی کیفیت بھانپ گیا۔

''آئی ایم سوری لالہ رخ یقیناً آپ میرے ساتھ یہاں آنے پر ان کمفرٹ فیل کررہی ہیں مجھے آپ کو لے کر نہیں آنا چاہئے تھا۔'' لالہ رخ جس ماحول میں رہتی تھی وہاں اس طرح کی باتیں بہت معیوب تصور کی جاتی تھیں فراز شاہ کو اس بات کا بھی احساس ہوا تھا وہ بے حد شرمندگی محسوس کررہا تھا۔

''نہیں فراز صاحب میرا مطلب ہے فراز...... آئیے اندر چلتے ہیں۔'' وہ اپنی طرف کے دروازے کا کھول کر بولی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں میں یہاں ایزی فیل نہیں کروں گی۔" جواباً فراز قہقہہ لگا کر ہنس دیا جب کہ لالہ رخ مزید جھینپ گئی۔

"اوکے لالہ رخ آپ پلیز تھوڑی دیر میرا یہیں گاڑی میں ویٹ کیجئے میں کچھ پیک کروا کر لاتا ہوں پھر میں آپ کو اپنا شہر دیکھاؤں گا پھر اسٹیشن چھوڑ دوں گا فائن۔"

"اوکے۔" لالہ رخ نے مسکرا کر کہا۔

❁......❁......❁......❁......❁
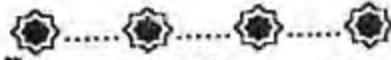
ابرام دوبار ماریہ کے کمرے میں جھانک چکا تھا وہ بے حد گہری نیند سو رہی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ طویل مسافت طے کر کے یہاں پہنچی ہے اور اب اپنی تھکن اتار رہی ہے۔

"کیا ہوا ابرام ماریہ ابھی تک سو رہی ہے۔" جیسکا اسے آتا دیکھ کر استفسار کرتے ہوئے بولی تو وہ محض ایک ہنکارا بھر کر رہ گیا پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ گھمبیر لہجے میں بولا۔

"ہمیں ماریہ کا پراپر چیک اپ کرانا چاہئے اس کا اس طرح چکرا کر بے ہوش ہو جانا کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔" اس بات پر جیسکا نے اسے لحظہ بھر دیکھا پھر سہولت سے گویا ہوئی۔

"ابرام کہیں ماریہ کے ساتھ کوئی دماغی مسئلہ تو نہیں...... میرا مطلب ہے اسے کوئی نفسیاتی ایشو تو نہیں ہے۔" جیسکا صبح ہوتے ہی ابرام کے گھر آ گئی تھی وہ رات گئے یہیں پر تھی ابرام نے ہی اسے گھر ڈراپ کیا تھا وہ ماریہ کو لے کر بے حد اپ سیٹ تھی۔ ابرام کے کہنے پر اس نے اپنی مما سے بھی ماریہ کی گمشدگی کو چھپا لیا تھا مگر وہ اندر سے بے حد ڈسٹرب تھی ماریہ اس کی عزیز از جان سہیلی تھی نجانے پچھلے کچھ ماہ سے اس کے ساتھ عجیب و غریب صورت حال پیش آ رہی تھی پہلے اچانک اس کا رویہ اور انداز بدلا تھا پھر وہ یک دم خاموش اور گم صم سی ہو گئی تھی پھر یک لخت وہ بیمار پڑی اور اب یہ حادثہ جیسکا ماریہ کی طرف سے حقیقی معنوں میں بہت پریشان تھی۔ وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ اس کی دوست پہلے جیسی ہو جائے مگر یہاں تو دن بدن اس کی ذات اور شخصیت میں حیران کن تبدیلیاں آ رہی تھیں جو اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔

"میرا خیال ہے ابرام ماریہ کو ہمیں کسی اچھے سے سائیکاٹرسٹ کو دکھانا چاہئے اور اس کا علاج فی الفور شروع کرا دینا چاہئے اسپتال میں اس کے تمام ٹیسٹ تو کلیئر آئے تھے نا؟" آخر میں وہ اس سے استفسار کرتے ہوئے بولی تو ابرام نے محض ہوں کہنے پر اکتفا کیا پھر کچھ سوچتے ہوئے گھمبیر لہجے میں گویا ہوا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ وہ آسانی سے سائیکالوجیکل ٹریٹ مینٹ لینے پر آمادہ ہو گی۔"

"ہمیں اسے آمادہ کرنا ہے ابرام...... یہ اس کی صحت کے لیے بے حد ضروری ہے وہ تو شکر ہے کہ کل وہ بے ہوش ہو کر کسی نیک خاتون کے ہاتھ لگ گئی ورنہ صورت حال اس سے مختلف بھی ہو سکتی تھی۔"

"مام ماریہ سے بے حد ناراض ہیں۔"

"انہوں نے ماریہ کی بات کا یقین نہیں کیا؟"

"معلوم نہیں۔"

"کیا معلوم نہیں...... اوہ تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ماریہ پر بھروسہ نہیں کر رہیں۔"

"شاید۔"

"یہ تو بہت غلط ہو رہا ہے ابرام۔"

"نجانے آگے کیا کیا غلط ہونے والا ہے۔"

"ابرام تم مجھے خوف زدہ کررہے ہو۔" اس پل وہ حقیقی معنوں میں سہم گئی تھی جب ہی ابرام نے ایک ہنکارہ بھر کر جیسکا کو دیکھا۔

"جیسکا مجھے آگے کی صورت حال کافی گھمبیر نظر آرہی ہے۔" وہ سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ کو گھورتا ہوا سپاٹ لہجے میں بولا۔

"کیا کچھ غلط ہونے والا ہے ابرام پلیز مجھے کھل کر بتاؤ۔" جیسکا اس کے قریب کھسکتے ہوئے متوحش سی ہوکر بولی جو اس لمحے لاؤنج میں پڑے کاؤچ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"ماریہ کا رویہ ناقابل فہم ہونے کے ساتھ ساتھ ناقابل برداشت بھی ہوتا جارہا ہے مجھے لگتا ہے کہ وہ ولیم سے کسی بھی طور شادی کرنے پر راضی نہیں ہوگی۔" وہ جیسکا کی جانب گردن موڑ کر بولا اس پل اس نے بے حد مہارت سے بات اصل نقطے سے ہٹا کر دوسری جانب کردی تھی۔

"اوہ......!" جیسکا کے منہ سے بے ساختہ نکلا پھر کافی بے زاری سے وہ گویا ہوئی۔

"میری تو سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ آنٹی ماریہ کو کیوں زبردستی ولیم سے انگیج کررہی ہیں جب کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی تو وہ کیوں ضد پر اتر آئی ہیں۔" کچھ دیر دونوں کے درمیان گہری خاموشی چھائی رہی پھر جیسکا سنجیدگی سے بولی۔

"مجھے ماریہ بہت عزیز ہے ابرام اس کی یہ حالت مجھے بھی دکھی کردیتی ہے تم پلیز آنٹی کو سمجھاؤ کہ وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ دیں کم از کم اپنی اکلوتی بیٹی کی خوشیوں کی خاطر اپنا فیصلہ بدل لیں ولیم کے ساتھ اس کی انگیج منٹ توڑ دیں۔"

"مام اپنی ضد کی بہت پکی ہیں جیسکا اور اس سے بھی کہیں زیادہ اپنی زبان کی پختہ وہ کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹیں گی۔" ابرام بولا تو بے ساختہ جیسکا نے چڑ کر اپنا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

یونیورسٹی کی رونقیں بحال ہوچکی تھیں بے فکر شوخ و شنگ قہقہے اور کھلکھلاتی ہوئی ہنسی سے اکنامکس ڈپارٹمنٹ گونج رہا تھا زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں اور رنگوں سمیت محورقصاں تھی وہ دونوں کلاس لے کر باہر نکلیں تو دانیال ان کے سامنے یک دم آ گیا۔

"ہیلو گریس فل لیڈیز۔" وہ اپنے مخصوص شوخ و شریر انداز میں بولا تو بے اختیار زرینہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی البتہ زرتاشہ کے چہرے پر ہنوز سنجیدگی چھائی رہی۔

"ہیلو۔" زرینہ جواباً بولی تو دانیال اسے دیکھتے ہوئے بڑے جوش سے گویا ہوا۔

"کیا آپ دونوں کو معلوم ہے کہ ہماری جامعہ میں عنقریب فن فیئر ہونے والا ہے۔ جس میں مینا بازار لگے گا۔ بیت بازی اور تقریر کا مقابلہ ہوگا اور اسٹیج ڈرامہ نجانے کیا کچھ ہوگا۔" دانیال کا اس لمحے جوش و خوشی دیدنی تھی وہ بچوں کی طرح چہک رہا تھا۔

"یہ اچھی خبر ہے لیکن آپ کس چیز میں حصہ لیں گے مسٹر دانیال۔" زرینہ اپنے دونوں بازو سینے پر فولڈ کرتے ہوئے مسکرا کر گویا ہوئی تو یک دم دانیال نے بے حد برا سا منہ بنایا۔

"یا وحشت زرینہ کیا ہوگیا ہے آپ کو...... مسٹر دانیال غضب خدا کا آپ مجھے مسٹر دانیال کہہ کر مخاطب کررہی ہیں اب اگر میں آپ کو محترمہ زرینہ کہوں تو پھر آپ کو کیسا لگے گا۔" وہ لڑاکا عورتوں کی طرح اپنا دایاں ہاتھ کمر پر ٹکا کر بولا تو اس پل بے اختیار ایک مسکراہٹ زرتاشہ کے لبوں پر بکھری تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-
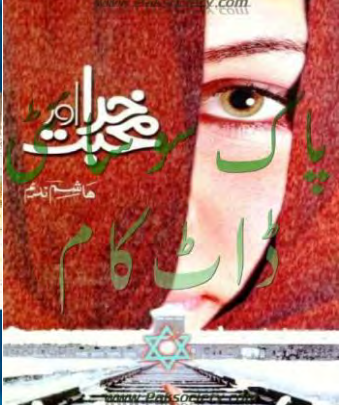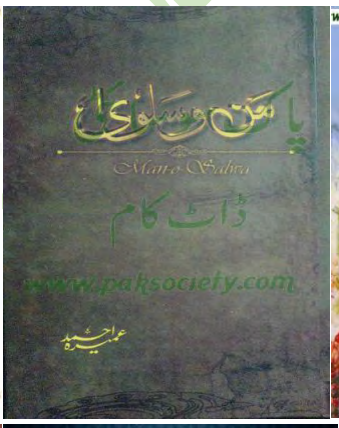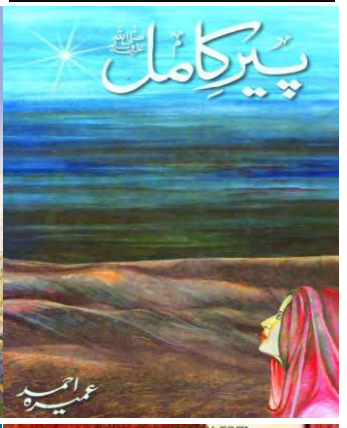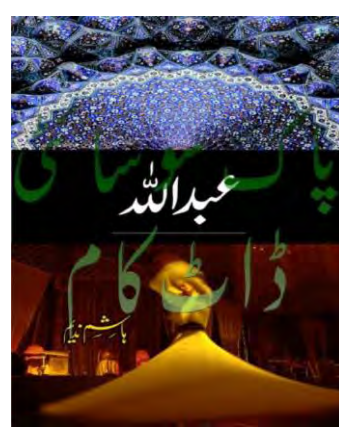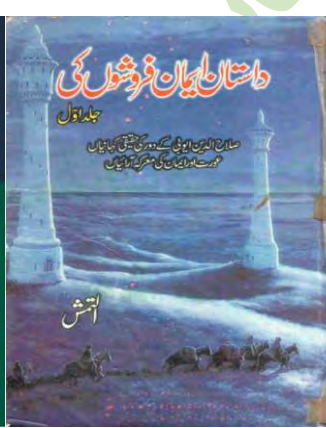
"تو لیے بولیے جواب دیجیے۔" وہ مصر ہوا تو زرینہ کچھ گڑبڑا سی گئی۔
"اچھا بابا دانیال صرف دانیال او کے۔" وہ صلح جو انداز میں بولی تو وہ کچھ بگڑے تیوروں سے گویا ہوا۔
"صرف دانیال نہیں...... دانیال۔"
"ہاں ہاں بھئی وہی...... اچھا تو آپ کہنا کیا چاہ رہے تھے۔"
"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں اسٹیج ڈرامہ پروڈیوس کر رہا ہوں۔" وہ کافی فخریہ انداز میں بولا تو زرینہ زرتاشہ کی جانب قدرے جھک کر بولی۔
"پھر تو ڈرامے کا اللہ ہی حافظ ہے۔" دانیال کے حساس کانوں نے اس کا جملہ سنا تو کافی برا مان کر بولا۔
"جی نہیں زرینہ اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے آپ دیکھیے گا کہ میں کتنا شاندار ڈرامہ بناؤں گا کہ سب لوگ تالیاں برساتے میرا مطلب ہے بجاتے رہ جائیں گے۔" آخر میں اس نے اپنا جملہ بڑے لہک کر ادا کیا تو زرینہ نے قدرے رازدارانہ انداز میں کہا۔
"دھیان رکھیے گا دانیال کہیں تالیوں کی جگہ انڈے اور ٹماٹر نہ آپ کے سر پر بج جائیں۔"
"یا اللہ آپ تو مجھے ڈرا رہی ہیں۔" وہ قدرے سہم کر بولا تو زرینہ بے پروائی سے شانے اچکا کر بولی۔
"میں ڈرا نہیں رہی بس آپ کو محتاط کر رہی ہوں۔" اس بات پر دانیال نے تھوڑا پریشان سا ہو کر زرینہ کو دیکھا پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔
"اگر آپ ڈرامہ بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ سب کیوں بتا رہے ہیں جائیے جا کر اپنا ڈرامہ بنائیے یہاں کیوں وقت ضائع کر رہے ہیں۔" زرتاشہ جو پورے وقت خاموش سامع بنی دونوں کی باتیں سن رہی تھی کافی بےزاری سے بولی تو دانیال نے چونک کر اسے دیکھا پھر یک لخت خوش ہو کر بولا۔
"آپ کا سوال بہت اچھا ہے زرتاشہ یہ کہ میں نے آپ دونوں کا رستہ کیوں روک رکھا ہے۔"
"جی ہاں یہی بتا دیجیے۔" زرینہ طنزاً بولی تو دانیال نے دونوں کو ایک نگاہ دیکھا پھر بڑے ڈرامائی انداز میں بولا۔
"میں نے آپ دونوں کو اس لیے روک رکھا ہے کیونکہ میں آپ دونوں کو رول آفر کرنے لگا ہوں۔"
"رول آفر کرنے کے لیے۔" زرینہ کچھ حیران سی ہو کر خود سے بولی پھر کافی الجھ کر دانیال کو دیکھتے ہوئے بولی۔
"کیا مطلب؟"
"اُفوہ مطلب تو آپ مجھ سے ایسے پوچھ رہی ہیں جیسے میں نے آپ سے اسپینش زبان میں کچھ بولا ہے۔" وہ کافی جھنجلا کر بولا تو زرینہ خفیف سی ہو گئی پھر فوراً سے پیشتر گویا ہوئی۔
"اچھا تو آپ ہمیں اپنے ڈرامے میں کاسٹ کرنا چاہ رہے ہیں۔"
"شکر ہے آپ کو سمجھ میں آ گیا۔" وہ طنزاً بولا۔
"واؤ زبردست تو کون سا رول ہمیں دے رہے ہیں آپ۔" وہ اس کا طنز نظر انداز کر کے کافی جوشیلے لہجے میں بولی تو دانیال فٹ سے بولا۔
"انارکلی۔"
"انارکلی......" وہ تو جیسے کھل گئی۔
"اوکے اوکے میں یہ رول کرنے کو تیار ہوں بتائیے ریہرسل کب سے شروع کرنی ہے۔"
"ارے آپ میری پوری بات تو سن لیجیے آپ کا رول انارکلی کا نہیں ہے یہ رول میں زرتاشہ کو دینا چاہتا ہوں۔"

"مجھے......!" زرتاشہ جو بے پروائی سے وہاں کھڑی تھی دانیال کی بات پر بے ساختہ دو فٹ اچھل پڑی۔
"نہیں...... ہرگز نہیں۔ میں ہرگز کوئی رول وول نہیں کروں گی اور وہ اسٹوپڈ سا انارکلی والا رول تو ہرگز نہیں۔" زرتاشہ بری طرح بدکی تھی۔
"زرتاشہ اس رول میں بھلا برائی کیا ہے پلیز مان جایئے نا۔"
"لگتا ہے آپ کا دماغ کھسک گیا ہے اول تو مجھے کسی بھی ڈرامے میں کوئی حصہ نہیں لینا اور انارکلی کا رول وہ تو میں کبھی بھی نہیں کروں گی۔ آپ ایسا کریں عروبہ سے یہ رول کروالیں۔" معاً زرتاشہ کی نظر دور سے آتی عروبہ پر پڑی تو وہ بے اختیار بول اٹھی جواباً دانیال نے برا سا منہ بنا کر کہا۔
"مجھے انارکلی کا رول کروانا ہے پھولن دیوی کا نہیں۔" دانیال کی برجستگی پر زرینہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی جب کہ زرتاشہ بھی کھل کر مسکرائی وہ دانیال کی باتوں سے محظوظ ہو رہی تھی اور یہی بات زرینہ کو دل ہی دل میں بہت مسرور کر رہی تھی۔
"اچھا دانیال میرا رول تو بتایئے آپ مجھے کون سا کردار دینے والے ہیں۔" زرینہ کے لہجے میں اس پل تجسس واشتیاق کے رنگ نمایاں تھے۔
"اکبر بادشاہ کا۔" وہ فوراً بولا۔
"اکبر بادشاہ کا۔" زرینہ نے بے حد الجھ کر پوچھا۔
"جی اکبر بادشاہ کا...... سلیم تمہاری انارکلی کو زندہ دیوار میں چنوا دیا جائے گا۔" وہ اس پل بالکل اکبر بادشاہ کی ٹون اور اداکاری اپناتے ہوئے بولا تو زرتاشہ کا قہقہہ بے ساختہ فضا میں گونجا جب کہ دانیال کی بات اس کے پلے پڑی تو وہ جیسے جلتے توے پر جا بیٹھی۔
"آئی کل یو دانیال یہ کیسا مذاق ہے۔"
"یہ مذاق نہیں ہے حقیقت ہے بس آپ کو آرٹی فیشل مونچھیں دے دوں گا اور سر پر گول بحرانی ٹوپی پہنا دی جائے گی آپ پوری کی پوری اکبر بادشاہ لگیں گی ایمان سے یہ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔" دانیال کی گوہر افشانی جاری تھی جب کہ زرتاشہ کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا تھا۔
"او مائی گاڈ زری ذرا تصور کرو تم اکبر بادشاہ کے رول میں کتنی فنی لگ رہی ہو گی نا۔" وہ بمشکل اپنی ہنسی پر بریک لگاتے ہوئے بولی پھر دوسرے ہی پل ہنستی چلی گئی جب کہ مارے طیش واشتعال کے زرینہ نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔
"دانیال میں تمہیں کچا چبا جاؤں گی۔" بولتے بولتے زرینہ کو اچانک کوئی احساس ہوا تو یک دم اس کی زبان کے آگے اسپیڈ بریکر آ گیا پھر اس نے بے حد اچنبھے سے گردن موڑ کر زرتاشہ کو دیکھا جو بے پناہ ہنس رہی تھی زرینہ کو اس پل ایسا محسوس ہوا جیسے بہت دنوں سے آسمان پر چھائے اندھیرے کو چیر کر آج سورج نے اپنی کرنیں بکھیر کر ماحول کو یک دم بے حد روشن اور پرنور سا کر دیا ہو اس نے اگلے لمحے دانیال کی جانب دیکھا جو چہرے پر دھیمی مسکراہٹ سجائے وہاں سے پلٹ رہا تھا۔
"اب آیا نا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔" زرتاشہ اپنے سابقہ انداز میں شوخی سے بولتی اس کا بازو کھینچ کر آگے قدم بڑھانے لگی جب ہی زرینہ نے عجیب سی کیفیت میں گھر کر گردن گھما کر دانیال کو بے حد ممنون آمیز نگاہوں سے دیکھا تو دانیال نے پرخلوص مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر اپنے سر کو ہلکا سا جنبش دے کر اسے خفیف سا اشارہ دیا جواباً زرینہ بھی مسکرا دی وہ

دانیال کی اچھائی اور عظمت کی اس وقت دل سے معترف ہوگئی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁
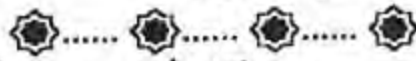
لالہ رخ خیریت سے مری لوٹ آئی تھی امی نے اسے دیکھ کر شکرانے کے نوافل ادا کیے تھے مہرینہ نے بھی اطمینان اور سکون کا سانس لیا تھا زرتاشہ کا واپس کراچی جا کر دوبارہ پڑھائی شروع کرنا ایک بہت بڑا مرحلہ تھا جو شکر ہے خدا کا طے ہوگیا تھا لالہ رخ بھی زرینہ اور فراز کے وہاں سے ہونے سے کافی مطمئن تھی ان شاء اللہ زرتاشہ کا ذہن وہاں کی سرگرمیوں میں دوبارہ مصروف ہونے کی اسے پوری امید تھی اس پل اسے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے کوئی بے حد وزنی بوجھ اس کے سر پر سے سرک گیا ہو۔ دوپہر کا کھانا کھا کر دونوں سہیلیاں آپس میں باتیں کررہی تھیں جب ہی لالہ رخ نے وہاں فراز سے ملاقات کی بابت اسے سب کچھ بتادیا تھا اور اب مہرو اس کو بری طرح سے زچ کررہی تھی۔

''اوہ تو اب تم انہیں فراز صاحب نہیں کہوگی؟'' وہ اپنی آنکھیں مٹکا کر بولی تو لالہ رخ نے اسے فہمائشی نگاہوں سے گھورا۔

''وہ فراز صاحب کی جگہ فراز بھائی کہنے کی بھی ہدایت کرسکتے تھے نا۔''

''ہدایت کی بچی زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے سمجھی۔'' وہ دانت پیس کر بولی تو مہرینہ سوچنے والے انداز میں اپنی شہادت کی انگلی اپنی کنپٹی پر بجا کر گویا ہوئی۔

''تمہیں ان موصوف نے کراچی کی بھی سیر کرائی۔'' پھر کچھ یاد آیا تو تپ کر بولی۔

''لالہ تمہیں شرم نہیں آئی میرے بغیر کراچی کی سیر بھی کرڈالی تمہیں معلوم ہے نا مجھے کتنا شوق ہے کراچی دیکھنے اور گھومنے کا اور تم اکیلے اکیلے سیر سپاٹے کرآئیں۔'' مہرو تو باقاعدہ برا مان رہی تھی لالہ رخ نے انتہائی چڑ کر اپنا سر ہاتھوں سے تھاما تھا۔

''اف نادان دوست سے دانا دشمن بھی۔''

''اب زیادہ مجھ پر طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے اچھا یہ بتاؤ اور کیا کیا کہا تمہارے فراز نے۔'' آخر میں وہ بے پناہ اشتیاق بھرے لہجے میں بولی تو لالہ رخ نے انتہائی طیش کے عالم میں چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مہرو تم تو پوری عقل و سمجھ سے پیدل ہوگئی ہو نجانے کیا کیا اناب شناب بکے جارہی ہو...... فراز ایسے انسان بالکل نہیں ہیں جیسا تم اپنے خرافاتی ذہن سے سوچ رہی ہو۔'' اس لمحے لالہ رخ کے خوب صورت چہرے پر بے زاری ہی بے زاری تھی مہرو کی باتوں نے اس کے دماغ کی چولیں جیسے ہلا ڈالی تھیں۔

''اچھا میری بنو پھر وہ فراز بھلا کیسے انسان ہیں۔'' مہرو لہک کر بولی تو اس پل لالہ رخ کا بے اختیار دل چاہا کہ گل دان اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔

''بہت بڑی غلطی ہوگئی مجھ سے جو تم جیسی ناقص العقل لڑکی کے سامنے میں نے یہ تمام باتیں کہہ ڈالیں۔''

''ہاں ہاں نہ بتاؤ مجھ سے چھپالیتی نا یہ ساری باتیں۔ ویسے میری جان عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے تم لاکھ اپنے دل کا بھید چھپاؤ مگر مجھے ایک لمحے میں سب معلوم...... اچھا اچھا میں جارہی ہوں لالہ تم پلیز اب آرام کرو۔'' لالہ رخ کو گل دان اٹھاتے دیکھ کر مہرو یک دم بات بدلتے ہوئے تیزی سے بولتی باہر کی جانب لپکی تو لالہ رخ نے سکھ کا سانس لیا پھر اپنے بستر پر دراز ہوکر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

باسل کی یونیورسٹی میں آج سے کلاسز اسٹارٹ ہوچکی تھیں وہ یونیورسٹی سے آکر لنچ کرکے سوگیا تھا شام کو اٹھا تو اسے

اپنے سیل فون پر ان نون کالز دکھائی دیں باسل نے ایک نگاہ دیکھا پھر موبائل فون سائیلنٹ موڈ سے ہٹا کر اسے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور فریش ہونے کی غرض سے واش روم کی جانب بڑھ گیا تھوڑی دیر بعد جب وہ باتھ لے کر باہر نکلا تو اس کا موبائل فون بڑی زور و شور سے بج اٹھا بالوں کو تولیے سے رگڑتے ہوئے اس نے ایک نگاہ اپنے سیل کی جانب دیکھا پھر سیل فون اٹھا کر دیکھا تو اسکرین پر وہی ان نون نمبر بلنک کر رہا تھا باسل نے کچھ لمحے سوچا پھر یس کا بٹن دبا کر کان سے لگاتے ہوئے ہیلو کہا دوسری جانب سے بے حد دلکش سی نسوانی آواز ابھری۔

''اوہ تھینک گاڈ آپ نے فون تو پک کیا ورنہ مجھے تو لگ رہا تھا کہ آپ لڑکیوں کی طرح ان نون نمبر ریسیو ہی نہیں کرتے۔''

''کون بات کر رہا ہے؟'' باسل اس کی بات کو نظر انداز کر کے سنجیدگی سے بولا تو وہ فوراً سے پیشتر بولی۔

''ہاؤ روڈ باسل آپ نے مجھے کیا واقعی میں نہیں پہچانا۔'' باسل کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ کچھ بے زاری سے گویا ہوا۔

''آئی ایم سوری میڈم میں نے آپ کو بالکل نہیں پہچانا اب آپ اپنا نام بتاتی ہیں یا پھر میں فون بند کردوں۔'' آج دن میں گرمی کی شدت اور دھوپ کی تمازت کی وجہ سے اس کے سر میں درد ہو گیا تھا۔ کھانا کھا کر وہ سو بھی گیا تھا مگر ابھی بھی اس کا سر کافی بھاری سا ہو رہا تھا اس لیے اس انجان لڑکی کی شوخیاں ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھیں۔

''ارے ویٹ...... باسل جی آپ تو خفا ہونے لگے پلیز فون بند مت کیجیے گا۔'' وہ ایک بار پھر اٹھلا کر بولتی باسل کے ضبط کا امتحان لینے پر تل گئی تھی باسل کوئی سخت جملہ بولتے بولتے یک دم رکا تھا پھر کچھ سوچ کر روڈ انداز میں بولا۔

''میں یوں اجنبیوں سے بات نہیں کرتا۔ میڈم نیکسٹ ٹائم آپ مجھے کال مت کیجیے گا اوکے۔'' وہ فون بند کرنے ہی والا تھا جب ہی وہ تیزی سے بولی۔

''پلیز فون بند مت کیجیے گا ہم اجنبی نہیں ہیں ان فیکٹ ہماری تو ملاقات بھی ہو چکی ہے۔'' بغور اس کی بات سنتے باسل کو یک دم اس کی آواز اور یہ لہجہ کچھ سنا سنا سا محسوس ہوا وہ اس لڑکی سے شاید پہلے بھی بات کر چکا تھا۔

''آپ پلیز مجھے اپنا نام بتائیے ورنہ میں فون بند کر رہا ہوں۔'' دوسرے ہی لمحے وہ ناگواری سے بولا تو یک دم اس کے کانوں میں اس کا نام گونجا۔

''عنایہ...... عنایہ ابراہیم۔''

''عنایہ ابراہیم۔'' باسل کچھ حیرت سے بڑبڑایا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

"بی بی جی ہر وقت کا رونا دھونا چھوڑ کر صابر وشاکر ہوجائیں یا میرے مشورے پر کان دھر کر سوچیں۔ آپ بڑے لوگ ہیں۔ میری بات پر یقین نہیں کریں گے۔ مگر میں بھی تو آخر لیڈی ہیلتھ وزیٹر اور حکیم جی کی اولاد ہوں۔ مڈل پاس ہوں۔ میں بھی ماں کی طرح ڈاکٹر ہی بننے کے خواب دیکھا کرتی تھی مگر قسمت نے یاوری نہ کی۔" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"مجھے صبر کی تلقین کرنے والی خود اتنی کم ہمت ہوسکتی ہے یقین نہیں آرہا۔" مریم نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو اس نے اپنے آنسو ضبط کرلیے۔ لرزش زدہ آواز میں بولی۔

"آپ کو روتا اور تڑپتا دیکھ کر میرا دل دہل جاتا ہے۔ اللہ کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ بعض اوقات ایک حقیر انسان وسیلہ بن جاتا ہے اور وارے نیارے ہوجاتے ہیں۔ شاید میں آپ کی پریشانی دور کرنے کا ایک معمولی سا بہانہ ہی بن جاؤں۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" مریم جاء نماز سے اٹھ کر بولی۔ "تمہاری زندگی گھر گھر کی ملازمت کرتے گزر رہی ہے۔ تم نے زمانے اور دنیا کو خوب پرکھا ہے مجھے جو بتانے چلی ہو۔ اس میں تمہاری سمجھ داری اور منطق ضرور ہوگی۔ بولو کیا مشورہ دینا چاہتی ہو؟" وہ نہایت ملائمت سے بولی۔

"میری بیٹی دس سال بعد ماں کے رتبے کو حاصل کر پائی تھی۔ ہمارے شاہ صاحب کی دعا اور ان کے چلے کی بدولت اس کی گود ہری ہوئی تھی۔ آج بھی وہ اس کے گھر آتے جاتے اپنی عنایتوں اور مہربانیوں سے نواز رہے ہیں۔ دنیا کے ہر مسئلے کا حل ان کے پاس موجود ہے۔ اللہ کے خاص الخاص بندوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ خاص کر بانجھ پن کے مرض کے ایسے ماہر اور تجربہ کار واقع ہوئے ہیں کہ ان کے حجرے میں جوان لڑکیوں کی ہر وقت بھیڑ لگی رہتی ہے۔ عاشق رسول ﷺ ایسے کہ ہر فقرے کے بعد یا رسول اللہ ﷺ کا بلند نعرہ سب کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ ان کے پرنور چہرے کی تجلی کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھ نہیں سکتا۔" وہ مارے اعتقاد کے جھوم رہی تھی۔

"سب بکواس اور شعبدہ بازی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر سب ناممکن ہے۔ پاکھنڈی اور ڈھونگ باز ہوتے ہیں یہ لوگ۔ اپنی بیٹی کو سمجھاؤ ورنہ اس سے مراسم رکھنے سے کسی نئی مصیبت کا شکار ہوجائے گی۔" مریم زہر خند سے بولی۔

"بی بی جی وہ جب سے اس کے گھر آنے لگے ہیں رزق کی بھرمار ہوگئی ہے۔ شاہ جی کے توسط سے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رحمتوں کے دروازے اس پر کھل گئے ہیں۔ آپ وہم میں پڑ کر خود کو گناہ گار مت کریں۔ بہتر ہوتا اگر آپ ان سے ایک دفعہ مل لیتی۔ آگے آپ کی اپنی مرضی۔ دعا اور عطا آپ کو چاہیے ہوگی تو ان کو دیکھ کر ہی آپ فیصلہ کرنے کا پورا حق رکھتی ہیں۔ آپ کو ان کے حجرے میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میری بیٹی کے گھر ملاقات ہوسکتی ہے۔ آپ اپنا مدعا انہیں بھی بتائیں گی تو وہ سمجھ جائیں گے۔ بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ عمر تو ان کی چالیس سال کے لگ بھگ ہوگی مگر بزرگی تو نیلی چھت والے کا کمال ہے کہ ہر انداز میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔" وہ اب بھی شاہ صاحب کی ستائش میں گم تھی۔

"بی بی جی مرض کو ختم کرنے کے لیے ڈاکٹر کو دکھانا

ضروری ہوتا ہے ناں۔ آگے مریض کی اپنی مرضی پر منحصر ہے کہ اس کی دوا پر بھروسہ کرے یا نہ کرے۔ کسی اور ڈاکٹر سے رجوع کرنے کا اسے مکمل طور پر حق حاصل ہے۔ میری بات فقط ایک بار مان لیں۔ ہماری انعم بچی کی گود ہر سال ہری ہوگی۔ مجھے پوری امید ہے۔ وقت پر لگا کر اڑتا جارہا ہے بیٹی کی عمر بڑھتی جارہی ہے۔ سوچنے سمجھنے کا مقام ہے۔"

"میں تمہیں بہت معتبر اور دانش مند عورت سمجھتی تھی مگر تم بھی بیکار ہی نکلی۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔" وہ اسے تنبیہہ کرنے لگی مگر وہ اپنی بات پر اڑی رہی۔

"یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے شاہ جی اتنے عظیم اور پرہیزگار انسان ہیں جو کہ ہر ایک کے محسن اور غموں کے مداوا ہیں تمہاری قسمت کیوں نہ سنوار سکے۔ تمہارے چرسی شوہر کا نشہ ہی چھڑوادیں تو مان جاؤں گی۔ فوراً تمہارے ساتھ چل پڑوں گی۔ میرا تم سے وعدہ ہے۔" مریم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"شاہ جی ایسے خبیث اور منحوس لوگوں کو منہ نہیں لگاتے۔ میری تو قسمت ہی پھوٹ گئی اس کی وجہ سے میرے تمام رشتے دار مجھ سے منہ موڑ چکے ہیں کیونکہ انہیں مجھ سے ملنے میں توہین اور ہتک کا احساس ہوتا ہے۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"ظاہر ہے تم اچھے بھلے خاندان سے ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ تمہارا خاندان نہایت توہم پرست اور شرک و کفر جیسی ناقابل معافی غلطیاں اور کوتاہیاں کرنے میں بہت آگے نکل چکا ہے۔ کاہے کو تم نے اس مزاروں پر چرس اور بھنگ پینے والے سے شادی کرلی۔" مریم نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"بابا جی کی فال اس کے نام جو نکل آئی تھی۔ میں نے محنت مزدوری کرکے بچے پالے۔ جو کمایا شوہر کی مار پیٹ اور افیم اور چرس کی نذر ہوگیا۔ اب تو بوڑھی ہڈیاں بھی دکھنے لگی ہیں۔ مگر ابھی تک اس کی روش نہ بدلی۔"

"کس قدر ضعیف الاعتقاد اور احمق لوگ ہیں آپ سب۔ فال پر رشتے طے کرتا پانسے کے ذریعے نیک اور بدشگون دنوں کی پیشن گوئی پر شادی کی تاریخیں مقرر کرنا۔ کاروبار کی شروعات، بچے کا نام پیروں سے تجویز کروانا تمام کفر اور شرک ہیں۔ ماسی تم جیسے بدعتی لوگ سب جہنمی ہیں۔" مریم لمحہ بھر توقف کے بعد گویا ہوئی۔

"تمہارے کہنے پر میں شاہ جی کے دیدار کا شرف حاصل کرنے ان کے حجرے میں تمہارے ساتھ ضرور جاؤں گی۔ ذرا دیکھوں تو سہی خدا کے مدمقابل آنے والا دیالو کون ہے۔" اس نے سرگوشی کی۔

"سو بسم اللہ بی بی جی۔ میں آج ہی ان سے آپ کے لیے اجازت نامہ لے لیتی ہوں۔ ان شاءاللہ کل بیٹی کو لے چلیں گے۔ آپ یاد کریں گی کہ ماسی نے کس پیر سے ملوادیا ہے۔" وہ خوشی سے چہک اٹھی تھی۔ مریم اثبات میں سر ہلا کر گہری سوچ میں غرق ہوگئی۔

❁......❁......❁......❁

شاہ صاحب کے حجرے سے باہر برآمدہ اور چھوٹا سا

صحن تھا۔ جس کے وسط میں بکائن کا درخت ہوا سے جھومتا ہوا اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔ درخت کی ٹہنیوں پر ہر رنگ کے کپڑوں کے ٹکڑے مرادیں بر آنے پر عقیدت مند باندھ کر اپنی لگن اور تشکر کا اظہار کرتے تھے۔ ناقدانہ انداز میں جائزہ لیتے ہوئے مریم کو اس ماحول میں کہیں بھی علیت اور حقیقت نظر نہ آئی تھی۔ سب نہایت مصنوعی معلوم ہو رہا تھا۔ مگر پھر بھی اس دنیا کی تہہ تک پہنچ کر سچائی سے بہرہ ور ہونا چاہتی تھی۔

برآمدے میں چٹائی پر ہر قماش کی عورت جن میں برقعہ پوش۔ حجاب پوش چادر پوش اور کٹے ہوئے بالوں میں خوش شکل اور خوش لباس خواتین جنھوں نے دوپٹے سے سر ڈھانپنے کا سب کو جھانسا دے رکھا تھا۔ مریم بھی اسی طبقے سے تعلق رکھنے والی خاتون تھی۔ تین لڑکیاں نومولود بچوں کو اٹھائے بیٹھی تھیں۔ چھ عدد بھاری پاؤں سے تھیں۔ جن کا پیر کی عنایت کا دعویٰ تھا۔ دو جوان لڑکیاں کسی بھوت پریت کے آسیب کی شکار تھیں۔ چار پانچ پر جادوگری کے اثرات تھے۔ کینسر کی مریضہ بھی سر پکڑے اپنی باری کے انتظار میں تھی۔ کوئی جوڑوں کے بخار میں مبتلا تھی تو کسی ماں کو بچے کے لیے دودھ نا کافی تھا۔ کوئی شادی کی فال کی خواہش مند تو کوئی رشتے کی تلاش تو کسی کو محبوب کی واپسی کی تمنا تو کوئی ساس کے ہاتھوں تنگ اور کوئی خاوند کی بے روزگاری سے نالاں اور اولاد کی نافرمانیوں سے دل آزردہ۔ غرض یہ کہ ہر طرح کے مسائل سے فضا میں عجیب اور انوکھی بے کلی تھی۔ حجرے کا در کھلتے ہی لوبان اور اگربتیوں کا ایک بگولا نتھنوں کو چھو کر مرشد کی موجودگی کا تاثر چھوڑ کر ہوا میں تحلیل ہو جاتا۔ ان کے کرشمات کی سرگزشت کی ایک فہرست اس کی سماعتوں میں منتقل ہو کر لمحے بھر کو اس کے ایمان کو متزلزل کر جاتی۔ مگر اگلے سے خود کو اس سے نکالنے میں کامیاب ہو کر سر جھٹک کر سب کو نہایت حقارت آمیز نظروں سے گھورتی۔

تین ادھیڑ عمر خواتین حجرے کے دروازے کے ساتھ چپکی ہوئی چہرہ سے کبر و پندار کی کیفیت میں مبتلا سب کو بے نیازی و بے پروائی سے دیکھ کر باری سے شاہ صاحب تک لے جا رہی تھیں۔ تینوں نے ہرے پیلے اور زرد رنگ کے جاپانی سلک کے جوڑے پہن رکھے تھے پہلے وہ خاتون کا مسئلہ دریافت کرنے میں فقط ایک سوال پر اکتفا کرتیں مگر دوسری جانب مسائل میں گھری ہوئی خاتون اسے لے کر اپنی روداد ان کے گوش گزار کر کے ایسے مطمئن ہو جاتیں جیسے ان عورتوں کی سفارش سے ہی تو ان کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی رونما ہونے والی ہے۔

پیر و مرشد ولی اور بزرگوں کی محفلوں کا فسوں صنف نازک کے مزاج پر ایسا اثر انداز ہوتا ہے کہ جاہل نابلد اور تعلیم یافتہ اور پختہ معزز خواتین کی سوچ میں رتی بھر فرق محسوس نہیں ہوتا۔ باتوں کے جادو اور حصار میں آ جانا ان کا فطری مسئلہ ہے۔ ہمیشہ یہی کمزوریاں ان کی پشیمانی اور مایوسی کا سبب بنتی ہیں۔ تعلیم یافتہ خاتون بھی پرلے درجے کی جاہل اور ان پڑھ معلوم ہونے لگتی ہے۔ جیسے آج ماسی اور مالکن کے درمیان جو طویل و سیع خلیج اس کے شاداں و فرحاں حالات کی وجہ سے حائل تھی۔ آج دونوں کو ایک ہی نقطے پر منجمد کر دیا تھا۔

شاہ صاحب کے پاس اسی لیے تو ہر کلاس کی عورت ایک ہی صف میں نظر آ رہی تھی۔ مریم جیسی جہاندیدہ اور دانش مند سینکڑوں عورتیں باتوں کے سحر کا شکار ہو چکی تھیں۔ نجانے ان حجروں میں ایسا کون سا جادو پنہاں ہوتا ہے کہ عقل ماری جاتی ہے۔

مریم سبز رنگ میں ملبوس خاتون کے ساتھ حجرے میں داخل ہوئی تو دروازے کے سامنے دیوار کے پاس تخت پوش پر شاہ صاحب کا حلیہ اگربتی اور لوبان کے دھوئیں میں دھندلا نظر آ رہا تھا۔ سر پر ہرے رنگ کی دستار اور خاکی رنگ کی شلوار قمیص میں ملبوس ہاتھ میں موٹے دانے دار تسبیح پکڑے یا رسول اللہ ﷺ اللہ اکبر کے بلند نعرے سے مریم دہل گئی۔

انہوں نے سرسری نظر اس خاتون پر ڈالی جو اسے ان کے پاس لائی تھی۔ مریم کا آس پاس کا جائزہ لینے کا

منصوبہ ذہن کے کسی انجان کونے میں جا چھپا۔ کمرے کی ملگجی روشنی میں ایسا فسوں تھا کہ وہ مارے احترام وعقیدت کے ان کے قدموں میں بیٹھ کر ان سے نظریں ملانے کی جرات نہ کرسکی۔ دوپٹے کو کھسکا کر پیشانی تک لائی اور عقیدت مندی میں سر جھکالیا۔ حاجت خاموشی میں بھی چیخ اٹھی تھی۔

''بڑھیا مجھ سے گڑیا لینے آئی ہو۔ رحمت اور نعمت دونوں سے تمہارا آنگن مہک اٹھے گا۔'' اللہ اکبر بارعب نعرہ بلند ہوا۔ مریم حقیقت پر مبنی خواہش شاہ صاحب کی زبانی سن کر حواس باختہ ہوگئی۔ جو بات اس کے دل میں مقید تھی وہ شاہ صاحب کی زبان پر تھی۔

''ادھر بیٹھو۔'' انہوں نے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بنیر کسی جھنجھلاہٹ کے ان کے سحر میں کھوگئی تھی۔ ہری رنگ کی پگڑی درست کر کے لمبی کھچڑی نما ڈاڑھی میں انگلیاں پھیرتے ہوئے قرآنی آیات پڑھنے لگے۔ ایک طویل پھونک کے بعد سر پر دم کیا۔ عرق گلاب کا اسپرے کیا اور بولے۔

''بڑھیا جس کے لیے اولاد چاہیے کل اسے لے آنا۔ نیلی چھت والے کی مرضی سے اس کی گود ہری ہوگی۔ اس میں میرا کمال ہرگز نہیں۔ تمہارے لیے خوش خبری ہے۔ جاؤ ابھی سے شرینی تقسیم کردو۔'' مریم نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اتنا بڑا مژدہ سن کر دل اچھلا۔ پانچ ہزار کا کڑکتا ہوا نوٹ نکال کر ان کے پاؤں پر رکھ کر گڑگڑاہٹ سے بولی۔

''یہ دیرینہ تمنا پوری کردیں شاہ صاحب۔ آپ کو منہ مانگا انعام ملے گا۔''

''ہم بے لوث خدمت کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ہمیں پیسے کی طمع ہے نہ رتبے کا لالچ۔ بس درویشی ہی ہمارا انعام ہے۔ جو نیلی چھت والے نے مجھے بخشا ہے۔'' ان کے لہجے میں مجذوبانہ پن عود کر آیا تھا۔ پھر انگشت اٹھا کر بولے۔

''جاؤ بڑھیا تمہارا کام ہوگیا کل آنا۔'' وہ دل ہی دل میں ماسی کو دعائیں دیتی باہر نکل آئی۔ ماسی اس کی منتظر تھی۔ اس کے چہرے پر طمانیت و تسکین دیکھ کر اس کے قریب آ گئی۔

''میرے شاہ صاحب کا تجمل کیسا لگا۔'' لہجے میں تجسس تھا۔

''بہت خوب۔ انہیں پہلے سے ہی میرے مسئلے کی خبر ہوچکی تھی ماسی یہ کیسے؟ تم نے پہلے سے ذکر تو نہیں کردیا؟'' وہ ابھی بھی غیر متحرک تھی۔

''نہیں جی وہ بہت پہنچے ہوئے ولی اللہ ہیں جی۔ مستقبل میں درپیش آنے والے حالات قسمت کا حال جادو ٹونے کا توڑ۔ مقناطیسی علاج اور بھوت زدہ گھروں کو آسیب سے پاک صاف کرنا۔ جن پریت سے چھٹکارا تمام علاج ان کے غلام ہیں بی بی جی۔ ان کے اشارے پر روح کی دنیا ناچتی ہے۔'' ماسی ان کی مدح سرائی میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتے ہوئے تفاخر سے تنی ہوئی تھی۔

''آج سے ہم دونوں پیر سکھیاں بن گئی ہیں۔''

''زیادہ تعریفیں مت کرو۔ میری زندگی کے کچھ اٹل اصول ہیں۔ میں پہلے آزماتی ہوں پھر ٹھونک بجا کر اپنی رائے قائم کرتی ہوں۔ بے شک وہ خدا تعالیٰ کی محبت میں غرق اور عاشق رسول ﷺ نظر آتے ہیں۔ لیکن عالم الغیوب تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ علم بلاغت کی حدوں کو چھونا مذاق نہیں۔ میں حتیٰ الامکان سچائی کا کھوج لگا کر چھوڑوں گی۔ خدانخواستہ جذباتی پن میں پانچ ہزار ضائع کرآئی۔ اور جناب فرماتے ہیں۔ مجھے پیسے کا کوئی لالچ نہیں اگر ایسا تھا تو رقم میرے منہ پر دے مارتے...... تو بات بھی بنتی۔'' پچھتاوا ہر لفظ میں تھا۔ وہ ابھی تک یہ معمہ حل نہ کرسکی تھی کہ پیر صاحب کی موجودگی میں اس کی ذہنی کیفیت میں زمین وآسمان کا فرق کیوں آ گیا تھا۔

''بی بی جی ذرا خبردار رہو۔ یہ تخریب کار یا دھوکے باز نہیں ہیں۔ اللہ کے پیارے بزرگ ہیں۔ انہیں آپ کی سوچ تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ ان کی بددعا انسان کو اپاہج کردیتی ہے۔ ایڑیاں رگڑ رگڑ کرتے کی موت مرجاتا ہے گناہ گار۔'' وہ کانوں کو چھوتے ہوئے بولی۔

"میں تو مذاق کر رہی تھی۔ ان سے تمہارا واسطہ کئی سالوں سے ہے تم بہتر جانتی ہو۔ اس میں شک نہیں۔ کیا پرسنلٹی پائی ہے۔ نورافشاں مبارک چہرہ درافشاں زبان اور دبدبہ وجلال ایسا کہ اپنا مدعا بتانے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس ہونے لگے اور کم مائیگی اور کمتری کا احساس زندہ درگور کردے۔ لیکن پھر بھی سوچتی ہوں کہ باطن میں کیا پل رہا ہے۔ اس کی خبر تو تمام قوتوں کے مالک کو ہی ہوسکتی ہے۔ پیر صاحب کو کیسے معلوم ہوجاتا ہے۔" وہ خوف سے اضطرابی کیفیت میں بولی۔ "کل انعم کو لانے کا حکم صادر ہوا ہے۔ حکم کی تعمیل میں تاخیر ان کی ناراضگی اور غصے کی دعوت دینے کے برابر ہے۔" وہ نرم پڑ گئی کہ مبادا اسے بددعا نہ لگ جائے۔

"جی بی بی جی۔ آپ نے بالکل صحیح سوچا۔" ماسی نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔ دونوں برآمدے سے باہر نکل کر گاڑی کی جانب سرعت سے چل دیں۔ ابھی مریم گاڑی میں بیٹھی ہی تھی کہ موبائل پر بیل بجی۔ نمبر کسی انجان کا تھا مگر آواز کچھ شناسا سا لگ رہی تھی۔ وہ بے تسکین اور متفکر ہوکر بے ہوش ہونے والی تھی کہ دوسری طرف سے گونج دار آواز نے کانوں کے پردے پھاڑ دیئے۔

"اگر تمہارے یقین وایمان میں پختگی نہیں تو بڑھیا میرے پاس کیوں آئی ہو؟ کیا کسی مخبر ایجنسی سے تمہارا تعلق اور رابطہ ہے۔ بدبخت اگر تم کل بانجھ بیٹی کے لیے مجھ سے دعا کروانا چاہتی ہو تو مکمل یقین و محکم کے ساتھ میرا سامنا کرنا۔ ورنہ تمہیں چارپائی سے لگادوں گا۔ میں کوئی مذاق یا لطیفہ نہیں ہوں۔ تم کس قدر دوغلی اور منافق عورت ہو۔ اگر دعا لینے کی خواہش نہیں تو کم از کم مرشد کی بددعا تو نہ لو۔" اور کال کٹ گئی۔ مریم تھر تھر کانپتے ہوئے بولی۔

"ماسی میں مان گئی۔ تمہارے شاہ صاحب کو۔" اب تو ذہن سوالات کی بھرمار میں الجھ گیا۔ ہر لمحہ خود کو تسلیاں دیتی گھر پہنچی۔ اب ضیائے شعور پر ایسا پردہ پڑا کہ سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں سلب ہوکر رہ گئیں۔

انعم کے والد بیرون ملک کاروباری دورے پر گئے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے مریم آئی ہوئی تھی۔ ماں کو ناگفتہ بہ حالت میں دیکھ کر گھبرا گئی۔ چپ کا روزہ ٹوٹنے کا نام نہ لے رہا تھا کہ مبادا کہیں پھر غیر مناسب بات منہ سے نکل جائے۔ آخر بڑی مشکل سے تمام آپ بیتی اس کی سماعتوں میں انڈیلنے کے باوجود تسکین اور طمانیت نام کو نہ ملا۔

"ماما اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ شاہ صاحب کے دیدار اور جلوہ گری کا شرف میں بھی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ ممکنات میں سے ہے کہ ایسے نیک بزرگ کی دعا سے میں ماں کے مقدس اور بالا درجے کو پالوں۔ انتظار کر کر کے اب تو میں بھی ڈیپریشن کا شکار ہوچکی ہوں۔ سسرال ہر وقت مجھ سے جان چھڑانے کے بہانے ڈھونڈتا رہتا ہے۔ علیم الگ طعنوں تشنوں سے مجھے تنگ کر کے دن بدن مجھ سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ میرے رونے اور تڑپنے کا ان پر رتی بھر اثر نہیں ہوتا۔ وہ دن دور نہیں جب وہ مجھے طلاق دے کر دوسری شادی کرلیں گے۔ ماما میں اپنی اس توہین کو برداشت نہیں کرسکوں گی۔" اس کی آنکھوں میں ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی۔ مریم کو خوف کی شدت نے ایسا بے کل اور بے تاب کیا کہ انعم رات بھر ماں کے پاس بیٹھی تسلی و تشفی دیتی رہی اور دونوں رونما ہونے والے حیران کن حادثے کے متعلق بارہا تبادلہ خیالات کرتی رہیں۔ اور آخر امید وبیم کی کشمکش میں سونے کی ناکام کوشش کرنے لگیں۔ مگر پہاڑ سی رات گزرنے کا نام نہ لے رہی تھی صبح دونوں تیار ہوکر ماسی کے ساتھ شاہ صاحب کو ملنے چل پڑیں۔ سبز کپڑوں والی عورت انہیں سب سے پہلے شاہ صاحب کے پاس لے گئی۔ انہوں نے نیم وا نگاہوں سے ماں بیٹی کی اسکریننگ کی۔ حسب معمول یارسول اللہ ﷺ اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر گویا ہوئے۔

"اس میں کوئی نقص نہیں کس نے اس ناری کو بانجھ پن سے موسوم کیا ہے۔" تیر بہدف ایسا تھا کہ دونوں وجود خوشی کے عالم میں جھوم اٹھیں۔

"شاہ صاحب بچی کو کوئی وظیفہ پڑھنے کو دیں۔ اس کے سر پر اپنا شفقت بھرا بابرکت ہاتھ رکھیں ورنہ اس کا شوہر اسے طلاق دے دے گا۔ خاوند کا بے بہا پیسہ بھی عورت کے لیے عذاب الٰہی ہے۔" وہ دکھی لہجے میں بولی۔

"وہ اپنا ٹیسٹ کرانے سے کیوں گھبراتا ہے کیا مردانگی پر حرف آتا ہے۔ خودداری کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ اس لیے بلا تامل بیوی کو ہر موقع پر سولی پر لٹکائے رکھو۔ بزدل کہیں کا۔ پیسے سے عورت خرید سکتا ہے مگر ایسی باوفا اور حسین و جمیل ناری ڈھونڈے سے بھی حاصل نہ کر پائے گا۔ اگر تم اس کو میرے پاس لانے میں ایک مہینہ بھی لیٹ ہوجاتی تو پھر میرا علاج بھی ناکام ہی ثابت ہوتا۔ مبارک ہو تمہیں۔ خوش خبری ہے اس کے لیے۔ بڑھیا تم نے مجھے اپنا پیر و مرشد تسلیم کیا ہے میری صواب دید پر چلو گی تو خدا کی اس محفل میں نشست و برخاست اور برتاؤ کے علم کو پا کر عالم بالا کا درجہ حاصل کرلوں گی۔" وہ منجھی ہوئی آواز میں بول رہے تھے۔

"جی۔" وہ دونوں اس کی پیشن گوئی پر حیرت و اشتیاق میں ڈوبی قوت گویائی کھو چکی تھیں۔

"مجھے اس ناری کے لیے چلہ کاٹنا پڑے گا۔ بہت مشکل کام ہے۔ بعض اوقات میں خود بیمار پڑ جاتا ہوں چلے کے آخری دن ناری بھی میرے سنگ عبادت کرے گی۔ اگر منظور ہے تو میں آج رات سے اپنا وظیفہ شروع کیے دیتا ہوں۔" وہ اپنی باتوں کا تاثر ان کے چہرے کے ہر نقش پر ثبت ہوتے دیکھ کر بے نیازی سے بولے۔ "مجھے کسی سے کسی قسم کا لالچ نہیں نہ ہی میں کسی کی ایک پائی کا روادار ہوں۔ طمع میری دعا کے تمام اثرات کو زائل کر کے مجھے گناہ گار بنادے گی۔ استغفار...... سبحان اللہ۔"

"میں آپ کے ہمراہ عبادت کرنے میں فخر محسوس کروں گی شاہ صاحب۔" انعم بے تابی سے بولی۔

"ناری دانش مند ہے۔ اس در سے بامراد ہو کر لوٹو گی۔" لہجے میں خوشی تھی۔ پھر شاہ صاحب نے ایک لمبی فہرست صدقے اور خیرات کے لیے گنوا کر بولے۔

نظم

بارشوں کے موسم میں
تم کو یاد کرنے کی
عادتیں پرانی ہیں
اب کہ میں نے سوچا ہے
عادتیں بدل ڈالیں
پھر خیال آیا کہ
عادتیں بدلنے سے
بارشیں نہیں رکتیں

کرن شہزادی...... مانسہرہ

"بڑھیا میں شرطیہ کہتا ہوں کہ یہ کام تمہارے بس کا روگ نہیں۔ اگر تمہارا عقیدہ پختہ ہے ارادہ مستحکم ہے تو میرے مجاور اور موکل وغیرہ تمہارا یہ کام کردیں گے۔ سب سے پہلے قبرستان میں ایک بکرے کو دفن کرنا ہے۔ نمبر دو سو من کالے ماش کسی ویرانے میں چرند پرند کو کھلاتے ہیں ایک سو ایک انڈوں کو مجھ سے دم کروا کر کسی چوراہے پر روزانہ سات انڈے پھوڑتے ہیں۔" آگے وہ کچھ اور تمہید باندھنے کو تھے کہ انعم بول اٹھی۔

"آپ صحیح فرما رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ہم سے نہ ہوگا۔ ہم آپ کو نقدی دے دیتے ہیں۔ آپ کل سے عملیات کی شروعات کریں۔ کاش آپ مجھے پہلے مل جاتے۔" وہ حیرت زدہ لہجے میں بولی۔

"میں نے کہا ناں ناری سمجھ دار ہے۔ بڑھیا عمر کی وجہ سے کھسک گئی ہے۔ وہم میں پڑ جاتی ہے۔ جوڑ توڑ اور جمع تفریق اس کی فطرت کا حصہ ہے۔" وہ قدرے خشمگین لہجے میں بولے۔

"ہائے میں اتنی عمر رسیدہ تو نہیں ہوں جتنی شاہ صاحب نے سمجھ رکھا ہے۔ بچپن سے کون ہے جو بڑھیا کہلائے۔ کوئی اور مجھے بڑھیا کہہ کر تو دیکھے۔ ذرے کی مانند ملیامیٹ کردوں۔" وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ ان کے جلال کا ایسا تاثر تھا کہ ایک لفظ ادا نہ کرسکی بلکہ

مسکرانے پر ہی اکتفا کر گئی۔

"ماما آپ کو نجانے کیوں شاہ صاحب کے کردار پر شک ہونے لگتا ہے۔ بہت اچھے ہیں وہ۔ بائی گاڈ مجھے بے حد دین دار اور متقی ہونے کے احساس نے خاصا پرامید بنا دیا ہے۔ان کے چہرے مبارک پر کس قدر روحانیت اور جاہ وجلال کی چھاپ ہے۔ جسے آپ رعونیت کا نام دیتی ہیں۔ ان کی جلوہ گری اور نوازشات کے انتظار میں امیر گھرانوں کی ویل ایجوکیٹڈ لیڈیز بھی برآمدے کی غلیظ چٹائی پر بیٹھی ان کے دیدار و دعا کو ترس رہی ہیں۔ آخر ان میں کوئی تو بات ہے ناں۔ کیا صرف ہم ہی بہت سمجھ دار ہیں باقی یہ تمام عورتیں احمق اور ناقابل فہم ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ بے شمار لڑکیوں کی گود ان کی عنایت اور مہربانی سے ہری ہوتی ہے۔ کتنے بیماروں کو صحت نصیب ہوئی۔ کتنے ہی بے روزگاروں اور مفلسوں کا روزگار لگ گیا۔ آپ خود بھی اس بات کی چشم دید گواہ ہیں۔ ماما پلیز شک اور وہم کو دل سے نکال دیں ورنہ میں اس کی سزا میں ماں نہیں بن سکوں گی۔" وہ ماں کے پاؤں دباتے ہوئے خوشامدی لہجے میں بولی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ ویسے ہی کبھی کبھار ذہن میں فتور آجاتا ہے۔ ابھی تک وہاں کے ماحول میں ہم نے کوئی فریب اور دھوکے بازی نہیں دیکھی۔ تمہارے بعد اس خاتون کے لیے چلہ کاٹ رہے ہیں۔ منسٹر کی بیوی ہے۔ ظاہراً کیسی خوش اور مطمئن نظر آرہی ہے۔ پندرہ سال سے اولاد کو ترس رہی ہے بے چاری۔ اللہ اس کی مراد پوری کرے۔" مریم نے بیٹی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اسی اثنا میں اسے خیال آیا۔ وہ اچھنبے سے بولی۔

"انعم بھولے سے بھی شوہر سے اس علاج کا ذکر نہ کرنا۔ یہ مرد حضرات عموماً ایسے علماء وصلحا' درویش و عباد کو مصلحت کوشی اور تلون مزاجی کے نام سے نواز کر ان کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ دھیان رکھنا ورنہ ساری خوش آئند جدوجہد گھر بھر میں قیامت کھڑی کر سکتا ہے۔"

"مام..... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ وہ صدقے کے اخراجات ہی سن کر ہمیں گولی سے اڑا دیں گے۔ ارادہ مجبوری ہم نے بھی ان کی ہر ڈیمانڈ کو پورا کیا ہے۔" وہ نہایت طمانیت سے بولی۔

"ماما شاہ صاحب کے کہنے کے مطابق اگلے سال انہی دنوں میں میری گود میں بچہ ہمک رہا ہوگا۔ یہ پہاڑ جیسا سال کیسے بیتے گا؟"

"بچے کی تیاریوں میں میری جان۔" ماں کھل اٹھی۔

"بس دل اور زبان کی پکی رہنا۔ ورنہ دونوں کو طلاق دے کر رخصت کر دیا جائے گا۔" دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور ہنسنے لگیں۔ شاہ صاحب حجرے میں چلے کے لیے بیٹھ چکے تھے۔ آنے جانے والوں کی آمد و رفت ختم ہو چکی تھی۔ صرف ایمرجنسی والے کیس پر نظر ثانی کی جاتی۔ عشاء کی نماز کے بعد انعم بلاناغہ پھونک مروانے اور دم کیے ہوئے عرق گلاب کا اسپرے پورے بدن پر کرانے ماں کے ساتھ آتی تھی۔

چالیسویں رات کی عبادت میں انعم کی شرکت بہت لازم تھی۔ مریم بیٹی کو حجرے میں اکیلا چھوڑنے پر تذبذب کے عالم میں گھر گئی۔ آخر اس نے شاہ صاحب کو عرضداشت لکھ کر اجازت حاصل کر لی کہ شاہ صاحب ان کے گھر میں ہی چلے کی آخری رات قیام کر لیں گے۔

مریم اور انعم نے خوشی خوشی ان کی آمد کی تیاری کی۔ بیس منٹ میں کمرے کو خوب سجایا۔ اگر دان میں اگر بتیاں جلائیں۔ لوبان کی دھونی دی۔ شاہ صاحب کے بیٹھنے کے لیے لاؤنج سے مخملیں دیوان اٹھوا کر وہاں لگا دیا۔ چلمچی، شمع دان، پیالے، گلاب پاش مرصع چینی کے تھے۔ صراحی اور خالص چاندی کا کٹورا رکھ کر دونوں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ شاہانہ طرز سے آراستہ و پیراستہ کیا ہوا کمرہ شاہ صاحب کے شایان شان معلوم ہوا۔ دونوں مطمئن ہو کر بعد نماز عشاء انہیں لینے چلی گئیں۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی شاہ صاحب ٹھٹک گئے۔ نگاہیں نیچی کیے مخملیں دیوان پر براجمان ہو کر بولے۔

"بڑھیا اب تم ہماری عبادت میں مخل نہیں ہو سکتی۔ اس

لیے جاسکتی ہو اور ادھر آنے کی گستاخی نہ کرنا۔" وہ کھسیانی سی ہنسی سے شرمندگی مٹاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

آج عبادت و ریاضت کی آخری شب تھی۔ انعم ماں بننے کی خوشی میں پھولی نہ سمارہی تھی۔ آج کی شب کے بعد وہ کسی وقت بھی حاملہ ہوسکتی تھی۔ اسی نشے میں سرشار وہ شاہ صاحب کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ دو گھنٹے تک طویل خاموشی رہی۔ شاہ صاحب پڑھ پڑھ کر اس پر پھونکیں مار رہے تھے۔ اور وہ مدہوش ہوتی جارہی تھی۔ اب عرق گلاب کے اسپرے کی باری تھی۔ پیر صاحب نے یارسول اللہ کا نعرہ لگا کر اس کا ڈوپٹہ سر سے اتار کر بالوں میں اسپرے کرنا شروع کردیا۔ وہ سر جھکائے نہایت عقیدت سے بیٹھی رہی۔

"ڈرومت۔ ہم تمہیں نظر اٹھا کر دیکھنے کے روادار نہیں ہیں۔ تم مجھ پر حرام ہو ناری۔" وہ اتنا کہہ کر اس کے کپڑوں پر اسپرے کرتے ہوئے تیزی سے پڑھتے جارہے تھے۔ جس کی سمجھ نہیں آرہی تھی اور وہ عقیدت مندانہ انداز میں بیٹھی رہی۔ اسی کیفیت و حالت میں رات گزر رہی تھی۔ اور وہ تھی کہ ہر لمحے متاثر ہو رہی تھی۔

جب اسے حکم ہوا کہ "اب تم جاسکتی ہو۔" تو وہ خوشی سے کھلتی ہوئی اوپر آگئی۔ ماں کو آوازیں دینے لگی۔ مگر جواب نہ ملنے پر وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ مریم رسیوں میں جکڑی ہوئی ملی۔ اس کے منہ میں اسی کا ڈوپٹہ ٹھونسا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اسٹور کی طرف بھاگی۔ جو لاکر لٹ جانے کی داستان پیش کررہا تھا۔ وہ چیختی ہوئی ڈر کے مارے پیر صاحب کی طرف بھاگی۔ وہ ابھی بھی اسی حالت میں تسبیح پڑھ رہے تھے۔ اس کی آواز پر چونک کر بولے۔

"تم نے میرا چلہ توڑ کر اچھا نہیں کیا۔ تمہاری اور میری چالیس دن کی عبادت ضائع ہوگئی۔" انعم یہ سن کر چکرا گئی۔ وہ یکسر بھول گئی کہ اس کی ماں کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

وہ غصے و خفگی سے وہاں سے اٹھے اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ وہ خراماں خراماں سڑک پر چل رہے تھے اور خود کلامی کررہے تھے۔

"اس گھر تک رسائی ناممکن تھی۔ اس دولت پر میرا اور مریدوں کا بھی تو حق ہے ناں۔ آخر یہ رزق اسی رب کا دیا ہے ان کا تو کہیں سے نہیں۔ اگر یہ ذات وجود میں نہ آتی تو ہمارے جیسے غریب اور مجبور لوگوں کا کاروبار کیسے چمکتا۔ اب میں ڈیفنس میں دو کنال بنگلے کا مالک ہوں اور چار عدد بیویاں میرے پاؤں دباتے نہیں تھکتیں۔ اور جو عزت، نام و نمود مجھے نصیب ہوا ہے۔ نوشتہ تقدیر ایسے نام جری جرنیلوں اور بادشاہوں کے مقدر کی لوح پر کندہ کرتا ہے۔ ہمیں اس ذات کو بے وقوف بنانے کا گر آنا چاہیے۔ آج ایک دولت مند عورت کے مال پر اپنا حق جتانے سے میری دولت کی تجوری میں ایک اور چلے کا اضافہ ہوگیا۔ جو خوب کامیاب رہا۔" وہ فخر و مسرت سے ورد کرتا ہوا "رام رام اپنا پرایا مال جپنا۔" خراماں خراماں جارہا تھا کہ پیچھے سے پولیس کی گاڑی آئی اور اسے گھیرے میں لے لیا۔

ماں بیٹی پولیس کو اطلاع دینے کے بعد سکتے میں چلی گئیں۔ کہ آناً فاناً یہ سب کیسے ہوگیا۔ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ہنسے یا دھاڑیں مار کر روئیں۔

"کاش یہ راز ایک راز ہی رہے ورنہ ہم اپنے شوہروں کو کیا جواب دیں گی۔"

"یہ ناممکن ہے بیٹا! ایک جھوٹ سینکڑوں غلطیوں کو جنم دیتا ہے اور ایک سچ سینکڑوں افراد کو درس سکھا دیتا ہے۔ خدا کا شکر ادا کریں کہ مال گیا قسمت میں ہوا تو مل جائے گا۔ جان اور عزت ایک بار چلی جائے تو اپنی تمام دولت لٹانے کے بعد بھی واپس نہیں آتی۔ جب کہ ہم یہ دونوں نعمتیں بھی لٹانے کے بہت قریب سے بچی ہیں۔"

کیا عجیب عورت تھی ہر وقت جس کی زبان پر چرخہ چلتا رہتا ہدایت کار بنی اس عورت کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ مولوی شفیق الدین کی بیٹی ہے اس لیے اس احساس سے بھی عاری ہو جاتی کہ وہ نامی گرامی باپ کی دختر نیک اختر ہے جن کے قصیدے وہ دن بھر میں ایک بار ضرور پڑھا کرتی تھی جس کے نام کی لاج رکھنے کے لیے وہ دن رات اپنی زبان کو مشق ستم بنائے رکھتی اور اس نام کا تمغہ گلے میں ڈالنے کو اپنا فخر اولین سمجھتی لیکن شاید مولوی شفیق الدین نے اسے ایک چپ سو سکھ کا درس اس لیے نہیں دیا تھا اسی لیے اس وقت بھی اس کی زبان کا پہیہ سرپٹ چل رہا تھا واش بیسن کے پاس تینوں بچوں کے سر پر کھڑی انہیں دانت برش کرنے کے مختلف طریقوں سے روشناس کرا رہی تھی باری باری ایک ایک بچے کو بیسن کے پاس کھڑا کر کے عمودی، افقی، دونوں جبڑوں کو مکس کر کے برش کرا رہی تھی ساتھ بار بار ہدایت کر کے دانت پیلے رہ جانے کے خطرناک امکانات سے بھی آگاہ کر رہی تھی۔

"میرا بس چلے نا تو تم لوگوں کے پیچھے چیخنا چلانا چھوڑ دوں اور دیگر عورتوں کی طرح سوئی پڑی رہوں اور اسکول وین کا ہارن سنتے ہی دودھ کا گلاس تھما کر بسکٹ کا پیکٹ پکڑا کر خود سکھ و چین کی بانسری بجاؤں؛ بھلے سے پورا دن تم لوگوں کی باچھیں کھلے مین ہول کی طرح ماحول کو مشکبار کرتی رہیں لیکن جانتے ہو دوسروں کے سامنے مجھے جواب دہ ہونا پڑتا ہے جب باضابطہ میری عزت کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں...... بچے برش نہیں کرتے...... کون سا ٹوتھ پیسٹ استعمال کراتی ہو...... دو تین ٹائم برش کرایا کرو انہیں...... اور یاد ہے پچھلی بار ماسی نے علیشہ کے دانتوں کو دیکھتے ہوئے کتنے گر بتائے تھے صاف رکھنے کے ڈر الگ گئی ہوں گی بے چاری۔ بھلا ٹوٹکا یہی تھا کہ میٹھا سوڈا اور لیمن ڈراپس مکس کر کے دو تین بار رگڑا کرو کوئی ڈینٹونک کے فوائد گنواتا ہے اور کوئی برش کے ٹاپکس سے آگاہ کرتا ہے اور یہ ساری سبکی تم لوگوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔" ساتھ ہی اس کی کھوپڑی پر ایک چماٹ داغ دیا جس کے برش کرتے ہاتھ ایسے چل رہے تھے جیسے دو دن سے فاقہ زدہ ہوں۔

وہ بیڈ پر پڑا پہلو بدل کر رہ گیا۔ علیشہ پر وار کے ساتھ ہی دونوں بچے بھی سہم گئے جیسے تھانیدار کے سامنے اپنی تفتیش کی باری کا انتظار کر رہے ہوں ذرا سا چادر سے منہ نکال کر دیکھا اور فوراً چہرہ اندر کر لیا مبادا اس کی شامت آ جائے کوئی بھی بات اس کے مزاج کے خلاف ہوئی تو رشتے کے لحاظ کو بالائے طاق رکھ کر بہت شستہ اردو میں سبک خرامی کے ساتھ اس کے مزاج کی اچھی خاص دھلائی کر جاتی اس مزاج پرسی پر اس کے نازک لب ایسے ہل رہے ہوتے جیسے لفظ لفظ میں پھول پرو کر مدح سرائی کر رہی ہو اور ساتھ ہلکی مسکراہٹ جو عارش کے تن بدن میں آگ لگا جاتی صاف لگتا کھلم کھلا اس کی تضحیک کر رہی ہو وہ زہر کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔

بچوں کا اسکول آٹھ بجے لگتا اور وہ بچوں کو ساڑھے چھ بجے یوں کھڑا کر دیتی گویا حشر کا وقت آ گیا ہو لیکن اس یوم احتساب میں اچھے اعمال کا صلہ تو وہ نہیں دیتی پر برے کرتوت پر کھنچائی ضرور کر دیتی بچوں کی سوئی ہوئی شکلیں کچھ ہی دیر میں روئی روئی شکلوں میں بدل جاتیں ان کی معصوم صورتوں پر اس قدر اسے ترس آتا لیکن بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ جواب میں بچوں کے سامنے وہ اندر تک کے بخیے ادھیڑ دیتی کہ عزت لید و لید ہو جاتی اچھی طرح اندر باہر کی صفائی کرانے کے بعد ایک ایک سپارہ تینوں کو پکڑا کر کمرے کو کسی مکتب کی شکل دے دیتی۔

”ہاں تنزیل کل اربع تک پڑھایا تھا ناں آج نصف تک پڑھنا ہے منیب تم سورۃ الرحمٰن آج دوبارہ سناؤ گے زبانی کل بھی تم اٹک رہے تھے اور علیشہ تم آج پورے چھ کلمے سناؤ اتنے دنوں سے میں یاد کرا رہی ہوں۔“ ماتھے تک دوپٹے کو اس وقت لپیٹے وہ ڈکٹیٹر کسی ملانی کا روپ دھارے ہوئے تھی تینوں ہل ہل کر سبق پڑھ رہے تھے دل و دماغ کی آمادگی اور آسودگی کے بغیر ذہن تو کہیں اور تھا تنزیل نے سر کھجایا ساتھ اس کی توجہ کہیں اور ہوتی تو بری شکل بنا کر دل کی بھڑاس نکال لیتا وہ یک بیک اٹھ بیٹھا کیونکہ ناشتہ کرتے ہی انہیں اسکول چھوڑ کر آنا تھا ورنہ پھر نصیحتوں کا ایک سلسلہ چل پڑتا۔

”مما...... اب بس بھوک لگی ہے۔“ منیب نے منہ بسورا۔

”ہاں بس بیٹا یہ ایک لائن اور ریپیٹ کرلو کہتے ہیں صبح فریش ذہن کے ساتھ پڑھا ہوا سبق بھولتا نہیں اس لیے پڑھ لو۔“ گھر والوں کی مرضی کے خلاف سب حکایتیں اسے یاد تھیں۔

”بس کرو یار اب دے دو بچوں کو ناشتہ واقعی بھوک لگ گئی ہوگی۔“ اس سے اب برداشت نہیں ہوا۔

”مجھے بھی بھوک لگی ہے عارش، میں نے ناشتہ تیار کیا سب بچوں کے منہ ہاتھ دھلا کر اب تھوڑا سا قرآن پڑھنے کو کہہ رہی ہوں ساتھ پڑھا بھی رہی ہوں اگر اس روٹین میں تھوڑی سی بھی کوتاہی کی تو یہ لوگ پورے کاہل ہوجائیں گے نتیجہ یہی نکلے گا کہ بڑھاپے کی دہلیز کو چھوتے ہوئے بھی آدھا آدھا دن تک سوتے رہ جائیں گے اور گھر میں قہر کے ساتھ ساتھ پھٹکار بھی برستی رہ جائے گی۔“ وہ تلملاتے ہوئے واش روم کی طرف رخ کر گیا پتا تھا توپ کا دہانہ کس طرف مڑ چکا ہے وہ اطمینان سے علیشہ کی طرف متوجہ ہوچکی تھی چہرے پر کسی قسم کا ملال نہیں تھا کہ وہ اپنے مجازی خدا کو کس کند کانٹے سے

گودتی رہتی ہے۔
ان کو اسکول چھوڑ کر آنے تک دونوں کا دستر خوان لگ چکا تھا سلیقے سے سجا سنورا سبزی کی بھجیا، آملیٹ، چائے، پراٹھے سب ہی کچھ موجود تھے۔

"بچوں کے ساتھ اتنا روڈ ہونا مناسب نہیں..... تھوڑا سا فری ہینڈ دیا کرو بیچاروں کو۔" نوالہ لیتے ہوئے اس نے دل کی بات کہہ دی وہ چپ چاپ ناشتہ کرتی رہی انہماک میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑا اس کی بات کا جواب دینا شاید مناسب نہیں سمجھا تھا پتا نہیں خود کو کتنی عاقل وباشعور گردانتی تھی۔

"میں کچھ کہہ رہا ہوں تم سے شاید قدم قدم پر مجھے نیچا دکھا کر اپنے مزاج کی تسکین کرنا چاہتی ہو۔" اس کا اطمینان اپنی مردانگی پر ضرب محسوس ہوا تھا جواباً بہت دکھ سے اس نے دیکھا تھا۔

"آپ کی مجھ سے کوئی پیدائشی دشمنی نہیں کوئی ذاتی رنجش نہیں کوئی باغیانہ ہتک نہیں آپ کے خلاف پھر کیوں میں آپ کو نیچا دکھانے کی کوشش کروں گی آپ میرے شوہر ہیں مقام بڑا ہے آپ کا پھر کیوں اسے کم تر کرنے پر تلے رہتے ہیں۔"

"میں کم تر کررہا ہوں جب تم اپنے آپ کو کوئی اعلیٰ و ارفع چیز سمجھنے لگو گی تو میں خود بخود پست ہوجاؤں گا۔"

"میں کیوں سمجھوں گی ایسا' بچوں کو شعور وآگہی دینا برے بھلے سے باز رکھنا قدم قدم پر روک ٹوک کرنا ماں باپ کے فرائض میں ہے بے کھونٹے بیل کی طرح انہیں چھوڑ دینا آج اپنا کل کو دوسروں کا نقصان کرانا ہے اسے آپ میری ذہنی برتری کا نام نہیں دے سکتے۔" اس کی ستواں ناک کے نتھنے پھولنے لگے ہر وقت غصہ کرکے خوب صورت چہرے کا بیڑہ غرق کرلیا تھا اس نے۔ ناک کے اردگرد بھی شکنیں نمایاں ہونے لگی تھیں بائیں سائیڈ کے ابرو کے کنارے پر بھی ایک شکن اپنا نشان چھوڑ رہی تھی۔

"یار بچے ہی ہیں۔ ہماری تمہاری عقلوں والے انہیں ہیں ہر وقت جلادانہ رویے سے باغی نہ جائیں تم یہ بات کیوں نہیں سمجھتی۔"

"باغی ہوکر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ لیں گے میں تو تمیز سکھا کر ہی دم لوں گی بڑا مشکل دور گزارا ہے اور گزار رہی ہوں۔ عارش میں نہیں چاہتی میرے بچوں کی بیویاں بھی میری طرح جوانی میں ہی عمر رسیدہ ہوجائیں۔" بگڑے سرتاج کو شعور کے پالنے میں کھلا کھلا کر اس کا منہ تک جاتا نوالا رک گیا۔

"ہنہہ...... جیسے تم نے ہی تو مجھے اٹھنا بیٹھنا سکھایا ہے۔" اس نے سر جھٹک کر طنزیہ انداز میں اسے دیکھا جب کچھ نہیں تھا میرے اندر تو مولوی صاحب کی نگاہ کیوں مجھ پر آن رکی تھی۔ ڈھونڈ لیتے اپنی تمیز دار بیٹی کے لیے کوئی تمیز دار قسم کا داماد کاش......"

"اس مشکل کام کا بیڑہ میں اسی وقت اٹھالیتی تو آج ان تین بچوں کے ضمیر میں بھی نظم وشائستگی کا عنصر ہوتا۔" وہ تیزی سے برتن سمیٹنے لگی۔

"تو تھوڑا بہت عنصر تمہارا بھی تو آنا چاہیے تھا ناں بچے کیوں تمہاری اوصاف حمیدہ سے محروم رہے۔" مزاج تو حد درجہ مکدر ہوچلا تھا وہ منظر سے آؤٹ ہوگئی اس نے بے حد اطمینان سے چکنائی والے ہاتھ دستر خوان سے صاف کیے پھر بھی دل نہیں بھرا تو پردے سے انگلیاں جڑ تک صاف کیں بچ جانے والی صاف پلیٹوں کو اوپر نیچے گندی پلیٹوں کے ساتھ منسلک کیا پانی کی بوتل کو منہ لگا کر پیا اور قدرے اونچی ڈکار کے ساتھ انتقام کی آگ کو سرد کرتے ہوئے بائیک کی چابی اٹھائی اور نکل گیا۔

"جارہا ہوں۔" جاتے جاتے گیٹ کو بھی مکمل کھول دیا کہ وہ خود سے آکر بند کرنے کی زحمت سے دوچار ہو وہ بلی کو دودھ دینے نیچے آئی تو دیکھا گیٹ پوری طرح وا ہے ان خراب حالات میں گیٹ کو اس طرح چھوڑ دینا حماقت ہی ہوسکتی ہے۔ پیشانی کے بلوں میں اضافہ ہوا جلدی سے مقفل کرکے پلٹی جب تک بلی اپنا کام کرچکی تھی پیالہ اٹھا کر وہ چل پڑی، تین کمرے ایسے بکھرے ہوئے تھے

جیسے تیسری جنگ عظیم یہیں چھڑی ہو اور اب اس سانحے کے باقیات بچے ہوں رات اس نے کھانسی کا سیرپ پی لیا تھا صبح جلدی اٹھنے کے چکر میں نیند بھی پوری نہیں ہوتی تھی، اس لیے جسم بھاری بھاری اور چکر الگ آرہے تھے کسی بھی کام کو ادھورا چھوڑنے کے حق میں بھی وہ نہیں تھی کیونکہ ایک بجے تک بچوں نے اسکول سے بھی آجانا تھا جب تک یہ بھنڈار ایک چمن کی صورت میں اسے بدلنا تھا کھانا پکانا تھا خود کو بھی صاف ستھری لک دینی تھی کیونکہ بچوں کے آتے ہی کپڑے چینج کرنا، یونیفارم ٹائی، شوز کو اپنی جگہ رکھنا چیخ چیخ کر منہ دھلانے یا نہلانے کا مرحلہ شروع ہوجانا تھا ایسے میں آرام کہاں۔

جتنا وہ روٹین کے کام مقررہ وقت پر انجام دینے کی عادی تھی اتنی ہی آزمائش خدا نے اس کے مقدر میں تحریر کی تھی۔ نصیب کی بختی اسی وقت نہیں فتح مندی سے دوچار ہوتی جب شوہر مار پیٹ کررہا ہو یا گھر میں فاقوں کی نوبت چل رہی ہو یا ساس نندیں اپنے اپنے حصے کی کار گزاریاں بہو کے سر پر تھوپ کر تماشائی بنی بیٹھی ہوں۔ ہر سہولیات کے میسر ہوجانے کے باوجود ذہنی سکون کا فقدان بھی کڑے امتحان سے کم نہیں ہوتا ایک گھر میں رہنے والے دو فریقین کا ہم مزاج نہ ہونا بھی کسی حساب کتاب والے کٹہرے میں روز اور مستقل کھڑا ہونے کے مترادف ہوتا ہے یہ کڑا وقت اس پر چودہ سال قبل آیا تھا جب عارش کے بہترین اوصاف کی پرتیں تہہ در تہہ کھلنے لگی تھیں لگتا تھا اماں جی نے پیدائش کے بعد صرف روپیہ کمانے کی گھٹی چٹائی تھی ذمہ داری، کس چڑیا کا نام ہے یہ بتانے میں انہیں شاید محنت لگتی تبھی چھوڑ چھاڑ کر ملک عدم روانہ ہوگئیں۔ اس کی شخصیت کی نوک پلک درست کرتے کرتے انگلیاں فگار ہو چلی تھیں کہ تین معصوم نونہال اپنے اپنے حصے کی توجہ کھینچتے اس کی گود میں چلے آئے اس کی توجہ بٹ گئی اور وہ معصوم کچھ اور بہک چلا جیسے کسی کلاس میں کسی غلطی پر مرغا بنے بچے کو اچانک سزا سے برطرف کردیا جائے۔

قیاس یہی تھا کہ تینوں کی شخصیت منظم سمت میں استوار کرنے میں کامیاب ہوجائے گی تاکہ کچھ تو ذہنی آزادی ملے گی لیکن یہ خام خیالی ثابت ہوئی بچوں کو تمیز دار ذمہ دار بنانے کے لیے ہر وقت زبان کو رواں دواں رکھنا تھا جو عارش کو ناپسند تھا اسے پتا نہیں تھا کہ بچوں کی اجزاء ترکیبی میں باپ کی بے پروائی اور ڈھٹائی شامل ہے اسی خیال نے تھوڑا اسے پست ہمت کیا پھر آئمہ نے بھی کمر کس لی کہ ابھی کچی مٹی ہے اپنے من پسند روپ میں ڈھال لے گی گندھی مٹی میں ضبط کے آنسو بھی شامل ہو چلے تھے قلق یہ کم تھا کہ عارش بگڑی شخصیت کا مالک ہے دکھ اس بات کا تھا کہ اسے اس خامی کا احساس تھا نا شرمندگی البتہ غیر ذمہ دارانہ کام میں بچوں کی پشت پناہی بھی کرتا یہ بات اس کی کمر پر لادے بوجھ کو دگنا کردینے کے لیے کافی تھا کہ اس تعمیری کام میں وہ اکیلی ہے۔

اس دن بھی علیشہ اس سے چھپ کر املی کھا رہی تھی اسے کھٹی کھٹی خوش بو محسوس ہو چلی تھی پر سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کس سمت سے آرہی ہے عارش پوری طرح مہنمک ہو کر تیز والیوم پر اپنا پسندیدہ حالات حاضرہ کا پروگرام دیکھنے میں مصروف تھا وہ بھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی بھی تیز آواز پر ڈسٹرب ہو کر اسے گھورتی لیکن وہ ماحول سے قطعی لاتعلق ہو کر اپنی پوری توجہ جاوید چوہدری پر مرکوز کیے ہوئے تھے اور تینوں بچے لیپ ٹاپ پر کوئی گیم کھیل رہے تھے کہ تیکھی سی خوش بو نے حسیات بیدار کردیے۔

"یہ کھٹی کھٹی اسمیل کہاں سے آرہی ہے اس نے ناول سے نظریں ہٹا کر بچوں کی طرف دیکھا علیشہ نے جلدی سے دونوں ہاتھ گود میں چھپالیے دونوں بچے ہنسنے لگے تھے اس کی رنگت سرخ ہورہی تھی آنکھوں میں پانی بھرا ہوا تھا ساتھ ہونٹ اور ناک بھی قندھاری انار کی طرح ہورہے تھے۔

"پتا نہیں مما۔" پہلی آواز اسی کی نکلی پتا تھا نا کہ اب چوری پکڑی جائے گی۔

"تم اتنی سرخ کیوں ہورہی ہو...... بخار آرہا ہے

کیا۔" وہ اٹھ بیٹھی اس کی ابتر حالت دیکھ کر۔ "ہزار بار کہا ہے مغرب کے بعد سوجایا کرو لیکن نہیں گیم کھیل کر ہی سونا ہے۔ آنکھیں کمزور ہوں۔ تو ہوں۔" وہ ان کے پاس جا بیٹھی لیکن علیشہ کے ہاتھ سے صوفے کے نیچے کچھ گرتا دیکھ چکی تھی۔ "اور یہ تمہاری انگلیاں گیلی کیوں ہو رہی ہیں تم کچھ الٹی سیدھی چیز کھا رہی ہونا۔" فوراً سے پیشتر نیچے جھک کر اس چھوٹے سے ریپر میں لپٹی چیز اٹھالی مرچ مصالحے میں لتھڑی املی کا ملغوبہ دیکھتے ہی انہیں اسے الکائی آ گئی ایک ہفتے سے علیشہ کا ٹانسل بڑھا ہوا تھا مسلسل کھانسی اور بخار بھی تھا دوائی بھی اثر نہیں کر رہی تھی۔

"اب پتا چلا تم صحت یاب کیوں نہیں ہو رہی۔" غصے سے وہ بپھر گئی۔ "کہاں سے ملا یہ زہر تمہیں میں پرہیز کرا کر تھک گئی اور تم بات ماننے پر ہی قادر نہیں، پرسوں بھی تمہارے ہاتھ سے چورن لے کر پھینکی میں نے اور آج اس سے زیادہ مہلک چیز تمہارے ہاتھ لگ گئی۔" اس کے کان جو کھینچے تو فل والیوم سمیت اس نے جو گلا پھاڑنا شروع کیا تو جاوید چوہدری کی آواز کہیں اور جا سوئی۔

"کہاں سے لائی یہ املی تم میں تو تم لوگوں کو باہر نکلنے نہیں دیتی پھر کون فراہم کرتا ہے یہ الٹی سیدھی چیزیں تمہیں؟"

"مما...... میں بتاتا ہوں...... آج پپا نے اسکول جاتے ہوئے جو پیسے دیے تھے تو اس نے اسکول کی بوا سے املی خرید لی اور پرسوں بھی یہی کیا تھا۔"

"کیا...... پیسے کی کیا ضرورت پڑ گئی میں جو لنچ باکس تیار کر کے دیتی ہوں تم لوگوں کو وہ کہاں جاتا ہے کیوں دیے آپ نے پیسے عارش۔" اب کے توپ کا رخ اس کی طرف تھا۔

"مانگے تھے انہوں نے۔" بیزاری سے جواب دے کر دوبارہ اسی بے پروائی سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا اس کا دماغ سلگنے لگا۔

"بچے زہر مانگیں گے تو آپ جان چھڑانے کے لیے زہر فراہم کر دیں گے۔ عارش بچوں کو ڈانٹا بھی تو جا سکتا ہے سمجھایا جا سکتا ہے تنبیہ کی جا سکتی ہے بھلے اور برے کی۔ پتا بھی ہے بچے پیسوں سے کبھی اچھی چیز نہیں خرید سکتے پھر بھی آپ نے......"

"منع کیا تھا۔ اس نے وہیں پر رونا شروع کر دیا جب ہاتھ میں پیسے پکڑائے تب اسکول کے اندر گئی۔"

"آپ کی کمزوری جو اس کے ہاتھ آ گئی کہ رونے سے آپ مسئلہ حل کر دیتے ہیں اس لیے آج بھی پھیل گئی سختی تو آغاز میں ہی ہونی چاہیے ناں، آپ کو پتا ہے جب یہ راتوں کو کھانستی ہے تو میرے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح اس کی آواز ضرب دیتی ہے اس لیے نہیں کہ میری نیند خراب ہوتی ہے صرف یہ سوچ کر کہ میری بچی کا کلیجہ دکھتا ہوگا کھانس کھانس کر حلق میں خراش پڑ گئی ہوگی لیکن مجھ تو بعد میں آتی ہے کہ یہ کس کی ہٹ دھرمی کا صلہ ہے۔"

"تم ہر بات کا رخ میری طرف کیوں موڑنے کی کوشش کرتی ہو، بچے اور بھی تو اچھی چیزیں خریدتے ہیں میں نے تو املی خرید کر نہیں دی تھی۔" وہ فوراً سیدھا ہوا۔

"اس لیے کہ ہر بات ہر ڈھٹائی کے پیچھے آپ کی کارکردگی کہیں چھپی بیٹھی ہے۔ آپ پیسوں سے اس کی مٹھی گرم کرتے نہ یہ محترمہ گندی چیزیں کھاتی یہ تو بچی ہے بے عقل ہے۔"

"یہی تو میں بھی کہنے کی کوشش کر رہا ہوں یہ بچے بے عقل ہوتے ہیں تم نے ناحق خلفشار پیدا کر رکھا ہے آج نہ کل کھانسی ٹھیک ہو ہی جائے گی لیکن تم نے ہر وقت ماحول کو خراب کرنے کا ٹھیکہ لے لیا ہے اسے نہ تم سدھار سکتی ہو نا میں، بس تم اپنے آپ کو ٹھیک کر لو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"آپ کے خیال میں، میں اسے گندی چیزیں کھانے دوں۔ عارش اس کے کھانستے وقت آپ تکیہ کانوں پر رکھ کر سو جاتے ہیں پر میں اس کی تکلیف دیکھ کر سو نہیں سکتی، کیسے باپ ہیں آپ جو بچے کی بیماری بڑھانے کو فروغ دے رہے ہیں یا آپ کو ڈاکٹر اور میڈیسن کا خرچہ بہت بھا گیا ہے۔"

"مجھے اب کچھ اچھا برا محسوس نہیں ہوتا۔ اچھی لگتی ہے صرف تمہاری خاموشی جو شادی کے اولین دنوں میں تم نے اختیار کی تھی پتا نہیں کس طرح...... صحیح کہہ رہی ہو مزاج کے اتنے فرق کے بعد ہماری شادی نہیں ہونی چاہیے تھی۔" وہ چنگھاڑا تھا بچے ہی نہیں اس کا دل بھی سہم گیا تھا۔ "کسی پل جو تمہاری تقریر سے میری جان خلاصی ہوگئی ہو۔ زندگی عذاب بنا رکھی ہے تم نے میری کسی پل لگا ہو اس گھر میں قرار نام کی کوئی چیز ہے۔" اس نے پانی کی بوتل منہ سے لگائی باقی کارپٹ پر پٹخ دیا جو لڑھک گئی۔

"کتنا سکون تھا میری زندگی میں سچ کہا ہے جن کے ماں باپ نہیں ہوتے ان کے فیصلے اسی طرح غلط ہو جایا کرتے ہیں مولوی شفیق الدین کی بیٹی کو بیاہ کر لاتے ہوئے سوچا تھا فہم و فراست کے اثرات ان کے گھر کے کونے کونے کو منور کرتے رہیں گے لیکن یہاں تو اتنی سمجھداری نظر آتی ہے جو نہ نگلتے بنتی ہے نہ اگلتے۔ گھر کو گھر رہنے دو اسکول یا یونیورسٹی نہ بناؤ۔"

بچے اپنے اپنے کمروں میں کھسک لیے تھے اب وہ دو نفوس رہ گئے تھے ہمیشہ کی لڑائی لڑنے کی۔ باہر برکھا رت اپنی جوبن پر تھی جس میں وہ اندر بیٹھی بھیگ رہی تھی یوں لگ رہا تھا رگ و پے میں اترتی ٹھنڈک کے باوجود کسی نے برف کی سل پر اس کا وجود رکھ دیا ہو محبت اور توجہ کی نرم گرم چادر میں لپیٹنے کے بجائے۔

"کبھی تو پچھتاوا مجھے بھی ہے عارش کہ کاش میں مولوی شفیق الدین کی بیٹی نہ ہوتی کچھ تو بے پروائی میری فطرت کا بھی خاصہ ہوتی اس میں میرا ہی سکون تھا اور میں تو بہت سمجھ دار اور معاملہ فہم تھی یہ جھگڑا ہم دونوں کے بیچ کہاں سے آ گیا تھا درشتگی مزاج میں کہاں سے در آئی شاید غلطی میری ہی ہے میں کچھ زیادہ ہی اوور ری ایکٹ کر جاتی ہوں کاش میں بھی اوروں کی طرح بچوں کے ہر جائز ناجائز قدم پر آنکھیں چرانے والی ہوتی۔ ایسا ماحول تو کبھی نہیں دیکھا تھا۔" امی اور بابا میں کبھی لڑائی ہوئی تھی امی معاملہ فہم تھیں اور پرسکون طبیعت کی مالک

شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اولاد کی تربیت کا معاملہ انہوں نے بانٹ رکھا تھا' امی صبح کے نرم نرم ہوا کے جھونکوں میں اپنی خوش گلو آواز میں قرات سکھاتیں تو بابا ان لوگوں کو صبح سے جگانے کا فریضہ انجام دیتے ان کی آواز کی سختی سے چاروں بہنیں بستر چھوڑ چکی ہوتیں اسکول کالج جانے کے لیے۔ امی ناشتہ تیار کرتیں تو بابا جب تک ان لوگوں کے سر پر سوار ہو کر اسکول بیگ شوز کی تیاری کرا چکے ہوتے اس کے بعد چاروں بہنوں کو اپنے اپنے مقام پر چھوڑ کر وہ خود اکیڈمی روانہ ہو جاتے شام کو ان کی واپسی تک حکم ہوتا کہ اپنے اپنے کام مکمل کر لیے جائیں تاکہ وہ دین کی باتوں سے انہیں مستفید کر پائیں، چاروں بہنیں سر پر دوپٹہ لیے ان کا مختصر مگر پراثر خطبہ سنتیں پھر مغرب کی نماز ادا کر کے رات کا کھانا پکاتیں اسی اثنا میں امی آرام کرتیں یا اپنی من پسند کتابیں پڑھتیں سونے سے پہلے سورة ملک اور سورہ واقعہ کی تلاوت معمول تھی۔

کتنی پُرسکون زندگی تھی دونوں کے اٹھائے گئے تربیت کے خوب صورت ستونوں تلے چاروں پرورش پا رہی تھیں بابا امام تھے جمعے کی نماز کے بعد ان کا خطبہ اتنا پُر تاثیر ہوتا کہ گھریلو کام کاج میں مشغول خواتین بھی مائیک سے آنے والی ان کی آواز پر کان دھرتیں خواتین ان کی دینی معلومات کے پیش نظر دین و دنیا پر مبنی سوالات بھی ان سے پوچھتیں مرد حضرات یہ سوال ایک رقعے پر لکھ کر انہیں پیش کر دیتے تھے اور وہ خطبے کے بعد ان سوالات کے تسلی بخش جوابات قرآن و حدیث کی روشنی میں سمجھاتے کہ سب ہی فیض یاب ہو جاتے وہ سب سے چھوٹی تھی پر اس کا فخر بہت بلند تھا کہ وہ مولوی شفیق الدین کی بیٹی ہے اسی دلی و روحانی راحت تلے زندگی بہت آسودہ تھی تین بہنوں کی شادیاں ہوئیں امی قبر تلے جا سوئیں اب وہ تھی اور بابا۔ تینوں بہنیں اپنے اپنے سسرال میں اپنی ہی خوشی میں خوش اور قانع تھیں اپنی اپنی زندگی میں۔ کیونکہ بابا نے رشتے کراتے وقت اپنے ماحول اور ان کے مزاج کو مدنظر رکھا تھا اس کی باری میں بابا

بہت ضعیف ہو چکے تھے ذہنی و جسمانی طور پر بھی تھک سے گئے تھے اس لیے تن تنہا عارش کا رشتہ کسی کے توسط سے اس سے جڑ گیا جس کی شرافت کی گواہی سب نے ہی دی تھی بابا کو جوڑوں کے درد کی وجہ سے مسجد آنا جانا بھی دشوار ہو گیا تھا انہوں نے گھر پر ہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر لیا تھا اور اس کے بعد نڈھال ہو کر سو جاتے شاید انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد پا لیا تھا ان کی ذمہ داریاں پوری ہو چکی ہیں کیونکہ آئمہ کی مرتبہ وہ مزاج اور ماحول کے چکروں میں نہیں پڑے تھے۔

زندگی میں سب کچھ محبت ہی نہیں ہوتی لاپروائی بے نیازی کے خار میں جنم لینے والے پھول بھی کملا جاتے ہیں اپنی جوبن کھو دیتے ہیں تازگی مسمار ہو جاتی ہے پھر کچھ نہیں رہ جاتا سوائے ایک بے جان وجود کے ساتھ۔

عارش بے پروائی اور بدتہذیبی کے سب نظر نہ آنے والے جواہر سے آراستہ تھا وہ خود بہت نفیس طبع تھی ایک تنکے کو بھی اس کے مناسب مقام پر رکھنے والی اتنی غیر منظم زندگی دیکھ کر بوکھلا گئی شادی کی دوسری ہی صبح وہ صوفے پر سلیپر پہنے نیم دراز تھا پورا کمرہ بے ترتیبی کا شکار گیلا تولیہ اس کے برابر بیڈ پر پڑا تھا آنکھ کھلتے ہی اسے پہلا جھٹکا لگا تھا شیروانی کپڑے سلیم شاہی کھسے سب کے سب اِدھر اُدھر لڑھکے ہوئے تھے اسی اثنا میں اس نے فریج سے جوس نکال کر گلاس میں بھرا جو چھلک کر صوفے پر بھی جا گرا تھا جس کی اسے قطعی پروا نہیں تھی مزے سے جوس کے سپ لیتے ہوئے کن اکھیوں سے اسے دیکھا اور مسکرا دیا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور کمرہ ترتیب دینے لگی۔

”وہ سنیے۔“ سمجھ نہیں آیا کس طرح اس کے سلیپر سے کراہیت کا اظہار کرے۔ عارش متوجہ ہوا رات کے مٹے مٹے میک اپ کی چمک اب تک چہرے پر تھی غلافی آنکھوں پر پلکوں کی جھالر جھکی ہوئی تھی۔

”جی بولیے۔“ دلچسپی سے اسے دیکھا۔

”آپ نے باتھ روم کے سلیپرز کمرے کے اندر پہنے ہوئے ہیں ساتھ صوفے پر بھی دراز تھے پلیز انہیں اتار کر آئیں سب کچھ گندہ ہو رہا ہے۔“ اس کا قہقہہ اس کے حوصلے کو مسمار کرنے لگا۔

”پہلے دن کی دلہن اور اتنی ان رومینٹک گفتگو میں نے تو سوچا کچھ اور اظہار ہو گا پر یہاں تو۔“ وہ صوفے سے اٹھا ہی تھا کہ چھپاک سے واش روم کے اندر گھس گئی مزید بحث کرنا اس کی شوخیوں کو ہوا دینے کے مترادف تھا پھر پہلے ہی دن اس نے اس گھر میں خوب محنت کی معرکہ سخت تھا پہلے روز ہی انکشاف کے در وا ہو گئے تھے۔

کچھ خامیاں نظر نہ آنے والی بھی ہوتی ہیں تہوں کے اندر چھپے ہوئے ناسور کی طرح جو اندر ہی اندر تکلیف دیتے ہیں جنہیں خوب صورت جلد اپنے اندر چھپائے رکھتی ہے یہ خامیاں دوسروں کو نہ اپنے وجود کا احساس دلاتی ہیں نہ تکلیف دیتی ہیں یہ تو صرف اس فرد واحد کو اندر ہی اندر تڑپاتی کلساتی ہیں جن کی ذات سے یہ منسلک ہوتے ہیں۔ اسے گندگی اور صفائی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا اکثر گندے کپڑے وارڈ روب میں تہہ کیے صاف کپڑوں کے بیچ رکھ دیتا بے خیالی میں۔ شیو کرتا تو گندگی سے واش بیسن لتھیڑ دیتا پھل بغیر دھلے کھا لیتا۔ بیڈ پر بیٹھ کر کھانا اس کی عادت تھی جس کے نتیجے میں روز بیڈ شیٹ اسے چینج کرنی پڑتی وہ پھیلاتا ہی اتنا کھانا کھا کر ہاتھ تولیے سے پونچھ کر یہ جا وہ جا ہو جاتا دھونے کی زحمت بھی نہ کرنا۔ سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتا بحث طول پکڑ جاتی، وہ اندر ہی اندر جھنجلائی ہوئی کیفیت میں رہنے لگی تھی سارا دن اس کی پھیلائی ہوئی گندگی سمیٹنے میں گزر جاتا نفیس اور سلجھی ہوئی طبیعت کو برعکس ماحول ملا تھا۔

اسے سدھارتے سدھارتے جب سلجھاؤ کا کوئی سرا نہ ملا تو اس کی گود میں پھول مہکنے لگے، ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں، ایسے میں اور بوکھلاہٹ کا شکار ہو جاتی جب شوہر کی طرف سے امید کی کوئی راہ نہ پاتی۔ اس کی بدنظمی عروج پر تھی تین بچوں کے گود میں آنے تک وہ قصد کر چکی تھی کہ ان تینوں کو عارش کے روپ میں نہیں ڈھالنا ہے ورنہ کسی اور کو یہ سارے دکھ اٹھانے پڑیں گے۔ اندر ہی

اندر ٹوٹ چکی تھی بحث کر کر کے زبان کی ساری گرہیں بھی کھل چکی تھیں لیکن ابھی ایک لمبی مسافت پڑی تھی حوصلے کی پیٹھ تھپکتی عارش بنا بنایا ہٹ دھرم ملا تھا لیکن اس کے تینوں بچے بھی شاید خون کی کشش کا شکار تھے کہ کوئی بات آسانی سے سمجھتے ہی نہیں ہر صبح ایک نئی امید کی کرن آنچل کے پلو میں سجائے اٹھتی کہ آج کوئی نئی اور اچھی بات بچوں کو سمجھاؤ گی جیسے کوئی طفل پودے میں کوئی نئی کونپل یا خوش رنگ پھول دیکھ کر سرشار ہو جائے پر امید بے سود رہتی۔

ہر صبح اسی بک بک جھک جھک کے ساتھ طلوع ہوتی کبھی کبھی تو بدگمانی کی ایسی لہر اٹھتی کہ تھوڑی دیر تک بچے اور سوئے رہیں بھلے سے اسکول سے لیٹ ہوں تو ہوں، صبح کی ٹھنڈی مست ہواؤں میں تلاوت کرنے کا لطف ہی کچھ اور ہوتا لگتا یہ سحر نہ ٹوٹے تو اچھا ہے پل بھر کو خود غرض ہو جاتی بچوں کی سوئی ہوئی معصوم شکلوں پر نم آنکھوں سمیت پیار کرنے جھکتی تو وہ بیدار ہو جاتے پھر وہی بچوں کا دیر تک گندے منہ سمیت ٹی وی آن کر لینا اور جب وہ ناشتہ تیار کر کے فارغ ہوتی تو وہ ایک ایک کو کھینچ تان کر برش کراتی منہ دھلاتی ہر ہر کام پر الجھنیں تھیں ہر ہر راہ پہ تھکان۔

وہ جب تک عرصے سے سوتا رہتا اس نے آج تک بچوں پر اپنی ہمتیں ہلکان ہی نہیں کی تھیں کسی کو غلط باتوں پر سرزنش نہیں کی کسی کو ہدایت نہیں دی دہری ذمہ داری سے وہ جھنجلا چکی تھی کبھی بچوں پر اس کی چیخ پکار پر بھنویں سکیڑ کر دیکھتا پھر مست بھری نیند میں گم ہو جاتا۔ پل بھر کو کسی خوش و خرم جوڑے کو دیکھتی تو ایک احساس زیاں پورے وجود کو لپیٹ لے لیتا بے فکری کی محبت بھری زندگی تو اس نے کبھی گزاری ہی نہیں تھی پل پل محبتوں کی خوش بو میں مسحور رہنا کیسا ہوتا ہے یہ پچھتاوا تشنہ لبی میں ڈھل چکا تھا۔ روز کی کل کل نے محبتوں کے دیپ کو بھی ٹمٹمانے پر مجبور کر دیا تھا محبت کی آس کہیں اور جا سوئی تھی۔

اب تو ایک ہی عزم تھا تینوں کو ایک منظم انسان بنانے کا۔ اس سفر میں حوصلہ چھین لینے والا اس کا شریک سفر تو تھا حوصلگی فراہم کرنے والا کوئی نہ تھا۔ رات کے ایک بجے وہ کمرے میں آیا اس کی طرف نگاہ بھی نہ کی اور رخ موڑ کر سو گیا۔

بابا منوں مٹی تلے سوتے ہوئے اس کے حصے کی محبت، بے فکری بھی دفنا گئے تھے بارش کی کن من کن من بوندیں اس کی آنکھوں سے گر رہی تھیں، ارادہ مصمم تھا اب اس سے کسی سلسلے میں بحث نہیں کرے گی بچوں کی تربیت کی ذمہ داری اگر خدا نے اس اکیلی کے حصے میں سونپی ہے تو خود ہی یہ سب بھگتے گی۔ اب دونوں کے درمیان کوئی بحث نہیں ہوتی کوئی بات بھی بہت سوچ سمجھ کر کرتی جی ہاں، نہیں بس انہی الفاظ کی تکرار میں زندگی بسر ہونے لگی تھی حیرت تھی کہ عارش کو اب اس کی خاموشی کھٹکتی بھی نہیں تھی کوئی شرارت کوئی چاہت کچھ بھی دامن گیر نہ تھا ابتدائی جنوں خیزیاں مفقود ہو گئی تھیں وہ اصلاح کار بنی تو وہ باغی ہو گیا۔

وہ لاپروا تو تھا ہی اس کی طرف سے بے نیاز بھی ہو گیا تھا۔ انہی دنوں اس کی ڈریسنگ پر توجہ بڑھ گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد بھی کمرہ پرفیوم سے مشک بار رہتا۔ ٹیلرز سے کئی پینٹ، شرٹ سلوا کر لایا تھا۔ بالوں کی کہیں کہیں سے جھلکتی چاندنی کو بھی کلر سے ڈھکیلنے کی سعی کی تھی۔ اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی۔ من آنگن میں آس کے جگنو جھلملانے لگے تھے کہ شاید اس کے شریک حیات نے اسے پہچان لیا ہے اس کا کھویا ہوا مقام اسے ملنے والا تھا جو اس کی بے نیازی تلے جانے کب سے مسمار ہو رہا تھا۔ سوکھے کھلیان پھر سے لہلہانے کو تیار تھے اس کے جاتے سے جلدی سے رسٹ واچ تھمائی، چمکتے شوز جو سامنے رکھے تو اس کے لب ہلے اور اسے بے جان کر گئے۔

"اتنی پریشان نہ ہو میں سب کچھ لے لوں گا، بچے تیار ہو گئے؟" اس کے چہرے پر چھائی چمک کملا گئی جو بہت دنوں بعد آئی تھی۔

"ہاں بس دودھ پی رہے ہیں۔" مردہ لہجے میں کہتی کمرے سے نکل آئی۔ چاہت وحاجت سب ختم ہوگئی تھی بہت دیر تک ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ایک ہی زاویے پر کچھ سوچتی رہی، خالی خالی ہاتھوں کو دیکھا بے سود نظر آیا سب کچھ کیا چودہ سال کی ریاضتوں کا کچھ صلہ نہیں، کیا محبتوں کی طرح رشتے بھی شام کے تھکے ہارے پنچھی کی طرح اڑ جائیں گے۔اس کے سجدے طوالت پکڑ گئے۔تلاوت کرتے کرتے آنکھیں نم ہوئی جاتی تھیں۔

جانے کیوں محسوس ہو رہا تھا کوئی بہت بڑی آندھی آنے والی ہے جو اسے خس وخاشاک کی طرح اڑا کر لے جائے گی بچوں کو ڈانٹتے ہوئے بھی دل کانپتا سائے سے بھی ڈر لگنے لگا تھا انہی دنوں تیار ہوتے ہوئے عارش کی گنگناہٹ، ریموٹ ہاتھوں میں لیے بظاہر ٹی وی دیکھتے ہوئے لیکن کسی اور دنیا میں مگن اس کی بے خیالی اس کے اندر کا خوف بڑھا گئی اس مہین سناٹے میں خدشات کے ہزاروں ہاتھ پاؤں اسے دبوچنے کے لیے بڑھ رہے تھے۔اس سے کس مقام پر غلطی ہوگئی تھی سوچنے پر مجبور تھی بچوں کو بھی بے دھیانی میں پڑھاتی پل پل ہدایت سے نوازتی آئمہ کو اب بچوں کی بڑی بڑی غلطیاں نظر نہیں آتی تھیں انہیں سب میں منیب کا فرسٹ ٹرم پوزیشن کے بغیر گیا اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔تنزیل کو قریب سے ٹی وی دیکھنے پر گلاسز لگ گئے، اس نے فوراً گلاسز کا آرڈر دے دیا کسی بھی آنکھوں کے ممکنہ خطرے کے پیش نظر کسی ہدایت سے نہیں نوازا۔

کوئی بھی کاریگری کام نہیں آئی۔بے سود گئیں اس کی کوششیں صلاحیتیں اور مولوی شفیق الدین کی بیٹی کا فخر بھی مٹی میں مل گیا، گرگٹ کی طرح اس کا رنگ بدلنا بھی کام نہ آیا عارش دوسری لین کی سامنے والی بالکونی میں کھڑا نظر آیا اس کے گیلے کپڑے الگنی پر ڈالتے ہاتھ ساکت ہو گئے ایک لمحے کو تو بصارت کا دھوکہ بھی محسوس ہوا یا جان بوجھ کر بھی خود کو دھوکا دینے کی ایک سعی اور کی لیکن یہ فریب نہیں تھا جینز کی پینٹ اور بلو اور فان دھاری دار ٹی شرٹ جو آج ہی اس نے زیب تن کی تھی ملبوس تھا ڈھیر ساری پرفیوم میں بھی خود کو لپیٹا تھا اس کی پشت آئمہ کی جانب تھی تھوڑی دیر تک نگاہیں پھاڑے اس کی پشت کو بے یقین نظروں سے تکے گئی پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی اندر سے وہی عورت نکلی جو اکثر اسے بالکونی میں بے زار چہرے کے ساتھ کپڑے پھیلاتی نظر آتی تھی کبھی جو دونوں اکٹھے نظر آجاتے تو جانے کیوں اس کے چہرے کے تاثرات عجیب سے ہو جاتے تھے اور سر جھٹک کر پاؤں زمین پر مارتی اندر چلی جاتی تھی، جیسے ان دونوں نے کوئی گناہ کیا ہو یا اس کے حق پر شب خون مارا ہو، قدرے فربہی جسم اور موٹے نقوش والی وہ عورت جوان ہی تھی بس اپنی صحت مندی کی وجہ سے کچھ ادھیڑ لگتی۔

"یہ ایسا کیوں کرتی ہے کیوں عجیب انداز میں دیکھتی ہے" کئی بار اس نے عارش سے دریافت کرنے کی کوشش کی تھی۔

"سائیکو کیس لگتی ہے۔" وہ ہنسا۔

"شاید کوئی پریشانی ہے اس کے گھر میں۔" کبھی خود سے اخذ کرتا۔

اور ایک دن وہ کچن میں جب علیشہ کے لیے نوڈلز بنا رہی تھی تو وہ چائے کا کپ لیے باہر نکل آیا تھا وہ بھی فارغ ہو کر اپنا کپ اٹھائے ادھر ہی آ گئی تو دیکھا وہ عورت چیئر پر بیٹھی بظاہر کسی میگزین کا مطالعہ کر رہی تھی پر چہرے کے دل آویز تاثرات بتا رہے تھے کہ کوئی دلچسپ فکشن کی اسٹڈی کی جا رہی ہے اسے دیکھتے ہی مزید چہرے کے آگے میگزین کر لیا۔

"جب سامنے وہ خاتون ہیں آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔" اس نے سرسری طور پر دریافت کیا۔

"میں تو ابھی ہی آیا ہوں نیچے گاڑیوں کو دیکھ رہا ہوں۔ بچوں کے گیم کو انجوائے کر رہا ہوں پتا بھی نہیں چلا سامنے کون ہے، بہت شکی عورت ہو بھئی تم۔"

"میں کیوں شک کروں گی۔" اس نے عام سے لہجے میں پوچھا جانے پر یہ میڈل کچھ بھایا نہیں۔

"ہو سکتا ہے وہ عورت ہی مائنڈ کر رہی ہو کہ اس کے

سکون کے لمحات میں ایک مرد سامنے آ کر کیوں کھڑا ہو گیا ہمیں پڑوسی کے چین و آرام کا بھی تو خیال رکھنا چاہیے۔"

"میرے خیال میں اندر اسے چلا جانا چاہیے ایک مرد کو دیکھ کر محتاط اسے ہونا چاہیے وہ تو جانے کب سے انجوائے کر رہی ہے میں تو ابھی فریش ہونے کے لیے یہاں آیا ہوں۔"

"اسلام میں اس جرح کی کوئی گنجائش نہیں اگر اسے پروا نہیں تو آپ کو احتیاط کرنی چاہیے۔ چلیں اندر۔"

"شروع ہو گئیں تمہاری وعظ اور نصیحتیں، چل رہا ہوں اندر تم ہر وقت ملانی مت بنی رہا کرو دھیان جس طرف نہیں بھی ہوتا تم اس جانب متوجہ کر دیتی ہو، موڈ خراب کر دیا۔"

"جائز باتوں سے آپ کا موڈ خراب ہو جاتا ہے تو چلیں نہیں کرتی بہر حال اندر چلیں بچوں کے ساتھ مل کر ٹی وی دیکھتے ہیں۔" اس کے بگڑتے موڈ کا احساس ہو گیا تھا خود اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئی آج وہی عارش اس کی بالکونی میں کھڑا تھا دفعتاً وہ عورت نکلی اور اسے اندر روم میں لے گئی دروازہ بند ہو گیا تھا ساتھ جیسے اس کی سانس بھی جیسے کوئی پراسرار ڈرامہ جب اسرار کی حد پر پہنچے تو پردہ گر جائے اور باقی آئندہ کی کلپ چلنے لگے اس کا جسم ارتعاش کی زد میں تھا بچوں کو دیکھا جنہیں وہ کل تک بچہ سمجھتی تھی آج لگ رہا تھا ان سے اپنا یہ تازہ غم شیئر کر لے۔

"آخر ایسا کیوں ہوا۔" جسم سے جان جاتی رہی دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔

کاش یہ سب کچھ غلط ہو۔ واہمہ ہو۔ عارش آ کر کہے کہ ایسا کچھ بھی نہیں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے بات کچھ اور تھی یہ جو خطرناک قسم کا سیلاب اس کے گھر، بچوں اور خود اسے تباہ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہا ہے اس پر عارش اپنی تسلی کے بند باندھ دیے اس کے شانوں پر اپنے سارے آنسو بہا دیے اور وہ مہینے۔

"پاگل میں ایسا کب ہوں۔ سچ کہتے ہیں عورت ذات بہت شکی ہوتی ہے۔" اور وہ دوبارہ اپنی زندگی جی اٹھے۔

محبتوں کے پُرسکون تصور میں وہ گھری ہی کب تھی چودہ سال اس کی اس کی غیر منظم اور غیر مربوط زندگی کی نذر ہو گئے بچے بھی اس کی ذات کی کڑی اسی کی طرح چکنا گھڑا ہر بار وہ نصیحتیں پلو سے باندھتی اور ہر بار بچے وہ گرہ کھول کر اپنی موج جیتے کچھ بچے سمجھ جاتے ہیں جیسے ماں باپ ان کو سینچے ویسا ہی پھل دیتے ہیں لیکن جب باپ کی بے پروائی اور شہہ کا سہارا مل رہا ہو تو بد تہذیبی کی کونپلیں کہاں سے کہاں جا پہنچتی ہیں اس کی اپنی شخصیت مسمار ہو گئی تھی۔ عارش اور اس کی اولاد کی گتھیاں سلجھاتے سلجھاتے وہ خود الجھ گئی تھی۔ بہت ہولناک یہ سناٹا تھا بچے کسی چیز کے پیچھے لڑ رہے تھے۔

لیکن اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا عشا کی اذان کب ہوئی پتا بھی نہ چلا دل و دماغ بغاوت پر آمادہ تھے۔ رات بارہ بجے اس کی آمد ہوئی جب تک وہ سو بار جی اور سو بار مری ہو گی۔ بچے سو چکے تھے اس وقت وہ بیڈ پر نیم دراز ہو کر اپنی پسندیدہ کتاب پڑھ رہی ہوتی تھی اس کے انتظار تک لیکن آج تو انگ انگ میں وحشت بھری ہوئی تھی وہ کھڑی ہو گئی وہ کچھ حیران ہوا پھر نظریں چرا گیا۔

"کیا ہوا، ایسے کیوں دیکھ رہی ہوں اور یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے تم نے۔" وہ سادہ ہی رہتی تھی لیکن سلیقے سے بال بنے ہوتے اور سادہ و نفیس کپڑوں میں ملبوس ہوتی پر آج اسے ہوش ہی کہاں تھا آج تو اپنے سائے سے بھی ڈر لگ رہا تھا۔

"کہاں سے آ رہے ہیں آپ آج کچھ زیادہ ہی دیر نہیں ہو گئی۔" آواز جیسے کسی کھائی سے نکل رہی تھی۔

"کام سے واپس لوٹا ہوں اور کہاں سے۔ آفس کے بعد ایک دوست کو لے کر اسپتال چلا گیا تھا تمہیں تو واقعی تفتیشی آفیسر ہونا چاہیے تھا کسی تھانے میں۔"

"ہاں جب بالمقابل چور کھڑا ہو۔" گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔

"سامنے اس سائیکو کیس عورت کے گھر کیا کررہے تھے کہیں وہیں تو اسپتال نہیں تھا۔" اس کا رنگ متغیر ہو گیا یا وہ اس خوش فہمی میں تھا کہ وہ اسے دیکھ نہیں پائے گی۔

"اوہ...... اچھا اس کے شوہر کو فالج اٹیک ہوا ہے بے چاری کے گھر مرد نام کی کوئی شے نہیں مجھے یہاں آتا دیکھا تو بلا لیا اسپتال لے جاتے جاتے وہ کوے میں چلا گیا کسی کی مدد کرنا بری بات تو نہیں۔"

"نہیں بالکل نہیں دلجوئی کرنا بھی تو مدد ہی کی ایک قسم ہے کل سے وہ بھی شروع ہو جائے گی اور اس کا شوہر آپ کا دوست کب سے بن گیا کل تک تو میرے خیال میں آپ کی جان پہچان بھی نہیں تھی۔"

"بھئی کلیئرلی تمہیں بتاتا تو تم شکوک وشبہات کی دیواریں کھڑی کرنے لگتی۔ اس لیے تھوڑے سے جھوٹ کا سہارا لے لیا اب جب کہ تم نے دیکھ ہی لیا ہے تو صاف صاف وجہ بھی بتا دی وہ اسپتال میں ہی ایڈمٹ ہے۔ دعا کرو صحت یاب ہو جائے کوئی اولاد بھی نہیں جس کے سہارے بے چاری زندگی بتائے گی بس سب اللہ کی مصلحت ہے خیر تم کھانا کھالو۔" زبان صرف بے چاری کا ورد کر رہی تھی کل تک جو اس کے لیے غیر تھی آج انسیت کی ایک نئی شکل بے چاری کے روپ میں سامنے آئی تھی۔

"کل سے تو چکر لگیں گے۔" بے چاری کے شوہر کی عیادت و مدد کو اسے کھانا دے کر بغور اس کے چہرے کا مطالعہ کر رہی تھی ایک نئی تہلکہ مچا دینے والی کتاب جو ہاتھ لگی تھی۔

"دیکھو کیا ہوتا ہے اگر تھوڑی سی توجہ سے کسی کی زندگی واپس آجاتی ہے اور کسی کو تسلی و بھروسہ مل جاتا ہے تو کیا برا ہے آمنہ دیکھو ہم محلے دار اس کے کام نہیں آئیں گے تو انسان ہونے کا کیا فائدہ۔ بہت ممنون تھی وہ کتنی عزت اور قدر بڑھ گئی اس کی نگاہ میں تم نہیں جانتی۔" اب وہ بالکل خاموش ہو چکی تھی اس کے لہجے کی قطعیت دیکھ کر برتن کچن میں رکھ کر واپس آگئی وہ کچھ زیادہ ہی تھک چکا تھا کسی کی خدمت داری سے اس لیے کسی کے ٹوٹے جڑتے دل کی پروا کیے بغیر نیند کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر گیا اور اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی مدد کے لیے دل میں غیر عورت سے ہمدردی کا جذبہ کچھ زیادہ ہی جلدی جاگ جاتا ہے۔ خطرے کی گھنٹی کہیں آس پاس بج رہی تھی کچھ غلط ہونے کی حسیات سے عورت جلد واقف ہو جاتی ہے کتنی پُرسکون نیند تھی اس کی دو دن بعد ہی اس کا شوہر خالق حقیقی سے جا ملا ہجوم اس کے گھر اکٹھا تھا وہ بھی آفس سے جلدی چھٹی لے کر آ گیا۔

"کتنی بے آسرا ہو گئی ہے وہ ایسے میں تسلی کی ضرورت ہے اسے بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی بے چاری دو بھائی ہیں پراس سے کنارہ کش ہو چکے ہیں اپنی اپنی دنیا میں مگن ہیں سب آئیں گے بھی تو پل دو پل کے لیے ایسے میں محلے دار کا فرض ہے اس کی دلجوئی کرنا۔" اسے کیا اس عورت کے سر سے سائبان اٹھ جانے کا غم ہوتا جتنا غم اپنے سر کے چھت میں چھید ہو جانے کا افسوس تھا۔ اتنا پریشان کبھی وہ اس کے لیے یا بچوں کے لیے نہیں تھا جتنا آج وہ اس غیر عورت کے لیے تھا۔

"میں جا کر کیا کروں گی۔ آپ ہیں نا درد بٹانے کے لیے جو مرہم آپ رکھیں گے میں اس فن سے نا آشنا ہوں۔" اس کے لفظ لفظ سے زخم رس رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔" وہ گڑبڑایا۔

"مطلب...... مطالب سے تو آپ خوب آشنا ہو رہے ہیں عارش میں سمجھاؤں گی تو آپ ہٹ دھرمی سے انکار کر دیں گے بہتر ہے میں خاموش رہوں اور وقت کو اپنی چال چلنے دوں نامرادیاں اپنے حق میں کرنے کی عادی ہو چلی ہوں۔"

"پاگل ہو گئی ہو تم۔" وہ غرایا۔ "بلکہ تم ہمیشہ کی پاگل ہو ساتھ مجھے بھی کر رہی ہو نہیں جانا تو مت جاؤ میں تو جاؤں گا۔" وائٹ کلف لگے سوٹ میں وہ تیار ہو کر جلدی ہی نکل گیا بچوں کو علم بھی نہیں تھا ان کی زندگی میں کیا ہلچل بپا ہونے والا ہے وہ اپنی مستیوں میں مست تھے اور آمنہ تو

کسی بم بلاسٹ کی منتظر تھی دل انجانے خدشات سے سوکھے پتے کی طرح کانپا جاتا تھا اور وہ بم بلاسٹ ہو بھی گیا اس کے دل کی دھڑکن ایسے بڑھی تھی کہ قابو میں نہیں آرہی تھی عارش ایسی سمجھداری کے موڈ میں کبھی نظر نہیں آیا تھا جتنا وہ اپنی اظہار رائے کے وقت نظر آرہا تھا۔

''تمہارا اور بچوں کا خرچہ ملتا رہے گا بلکہ جب چاہو گی زیادہ بھی دے دوں گا ملنے بھی آتا رہوں گا تعلق ٹوٹے گا تھوڑی بس اس مجبور کو سہارا مل جائے گا۔'' اس کی آنکھوں سے لہو بہنے لگا۔

''عارش بچے بڑے ہورہے ہیں منیب تیرہ سال کا ہونے والا ہے کیا کہوں گی انہیں کیسے قائل کروں گی کہ کیوں ان کے باپ نے دوسری شادی کرلی۔'' وہ بلکی تھی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپالیا تھا۔

''سمجھا دینا کچھ بھی ویسے بھی وہ جان جائیں گے کہ ان کے باپ کو اس گھر میں سکون کبھی نہیں ملا مجھے بیوی چاہیے تھے استانی یا ملانی نہیں، رومت جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا چند ہفتے رہ گئے ہیں اس کی عدت ختم ہونے کو پھر ہم نکاح کرلیں گے اسے میں الگ لے کر رہوں گا میں بھی انسان ہوں آمنہ زندگی کی خوشیوں پر میرا بھی حق ہے جو تم مجھے کبھی نہ دے سکی ہر پل کی چخ چخ نے میرے مزاج کو تباہ کردیا ملائکہ بہت اچھے مزاج کی عورت ہے وہ کبھی اصرار نہیں کرے گی کہ میں تمہیں الگ کردوں۔''

عدت کے جس دورانیے میں نامحرم کے سامنے جانے کی بھی ممانعت ہوتی ہے اس عرصے میں اس کے شریک سفر نے اس عورت کو جانچ لیا تھا کہ وہ کس مزاج کی ہے۔ اپنے الفاظ سے وہ اس کے وجود کے چیتھڑے اڑا گیا۔

لگ رہا تھا اس کی پاکیزگی جدوجہد اور اصلاح کاری کے منہ پر طمانچہ مار گیا ہو کب سے یہ سلسلہ چل رہا تھا اسے پے در پے سب یاد آنے لگا تھا اس کا بہانے بہانے سے ٹیرس پر جانا اور سامنے اسی کا کھڑا ہونا جانے کیسی عورت تھی کہ شوہر کی موجودگی میں خائن بن گئی تھی اگر اس کا شوہر دنیا نہیں چھوڑتا تو وہ کیا کرتی۔ کیسے عارش کو اپنائی۔ کیا اسے خبر ہوگئی تھی کہ اب وہ مرنے والا ہے خبر ہو بھی جائے تو ایک پاکیزہ عورت کب چاہے گی کہ اتنی جلدی اس کی زندگی میں دوسرا مرد آجائے جب تک کہ کوئی مجبوری نہ ہو یا حالات وواقعات نہ ستائیں۔

کیسی عورت تھی جو اپنی نسوانیت کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی پر شب خون مار گئی تھی۔

......☆☆☆......

وہ شب تو بہت دل دہلا دینے والی تھی جب عارش کہہ کر نکلا تھا کہ اس کا انتظار نہ کرے۔ سمجھ گئی تھی کہ آج کون سی شب ہے وہی شب جو آج سے چودہ سال قبل اس کی زندگی میں بھی آئی تھی جب اسے وہ اپنی ملکیت بھی بیٹھی تھی رنگ وخوشبو لیے پرکیف فضا میں بہت سے وعدے وعہد ہوئے تھے اس وقت وہ محض انیس سال کی تھی بوڑھی آج بھی نہیں ہوئی تھی لیکن کسی نے اسے ٹھکرا کر احساس دلا دیا تھا کہ وہ بوڑھی نہیں ہے تو کیا ہوا محبت کے قابل بھی نہیں ہے۔ قاتل لمحات اپنی گرفت میں لینے کو آگے بڑھ رہے تھے ایک ایک لمحے سے ڈر لگ رہا تھا کبھی اکیلے رات نہیں گزاری تھی آج تین بچوں کی موجودگی میں بھی خوف کا شکار تھی۔

''بابا...... کہاں چلے گئے آپ۔ کس کے حوالے کیا تھا مجھے ایک بے وفا کے ہرجائی کے کہاں گئی تھی میری باری آپ کی سمجھداری۔'' سسکیاں ایسی بندھی تھیں کہ قرار نہ مل رہا تھا بچے سو چکے تھے اب وہ تھی اشکوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تن تنہا پتا بھی نہ چلا تھا کہ رات کے کس پہر منیب اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

''مما......'' ضوفشاں نظریں اٹھائیں۔ ''کیا ساری رات روتی رہیں گی۔'' اسے کیسے پتا چلا تھا۔ ''یہ صرف آج کی بات نہیں اب تو ایسا ہی ہوگا کب تک روئیں گی اور کتنا روئیں گی۔'' پل بھر میں وہ جوان ہوگیا تھا اور سارے معاملے سے باخبر بھی کتنے دنوں سے گھر میں جو آنکھ مچولی اور مبہم باتوں کا سلسلہ چل رہا تھا وہ ناواقف تو نہ تھا۔ منیب کو سینے سے لگا کر وہ جتنا رو سکتی تھی رولی، وہ بھی رو رہا

تھا ایک رات نے اسے بہت سمجھ دار بنا دیا تھا۔
"ہمنہہ۔" عارش کہہ کر نکلا تھا بچے جان جائیں گے کہ ان کے باپ کو اس گھر میں کبھی سکون نہیں ملا، لیکن آج یہ کیسا کمال ہو گیا کہ بچے کو احساس ہو گیا تھا کہ اس کی ماں کی بے سکونی کی وجہ کیا تھی۔
وہ رات دونوں ماں بیٹا ایک پل نہیں سوئے تھے ساری رات کی جنگ تھی وہ آنسوؤں سے خواہشات جذبات اور اپنے تہی داماں رہ جانے کے احساس سے۔

......☆☆☆......

عارش کو بہت دنوں بعد پتا چلا تھا زندگی کیا ہوتی ہے ملائکہ خوب صورت نہیں تھی لیکن اس کے انگ انگ میں دل ربائی و رعنائی تھی کئی دنوں سے عارش کو آزادی کا مفہوم نہیں پتا چلا تھا۔ ہر وقت تو یہ نہ کیجیے وہ نہ کیجیے ایسے مت بیٹھیں یہاں یہ نہ رکھیں ہر چیز کی جگہ مخصوص ہے وہیں رکھیے جیسے جملوں کی تکرار میں گزر جاتا خود بھی دوڑتی رہتی اس کی رفتار کو بھی بڑھاتی رہتی محبت بھرے لحات بھی تاکید و نصیحت کی نذر ہو جاتے آج کتنا سکون ملا تھا ملائکہ کی سنگت میں کوئی وعظ نصیحت نہ تھی صرف سکون ہی سکون تھا ملائکہ اس سے بے پناہ محبت کرتی تھی اس بات کی خبر اسے اسی وقت سے ہو گئی تھی جب ٹیرس پر کھڑی ہو کر اسے کسی نہ کسی بہانے سے دیکھتی رہتی تھی پھر مسکراہٹوں کے تبادلے ہوئے وہ بھی اس جلوے سے دامن بچا نہ سکا گھر میں تھا ہی کیا سوائے ہر پل کی ہدایت کے پھر اس نے اسے اپنے گھر بلایا تھا اپنے بیمار شوہر کو دیکھنے کے لیے وہ کئی برسوں سے علیل تھا اور ملائکہ اس کی خدمت پر مامور ہمدردی کی نگاہیں جو اٹھائیں تو اس کی آنکھوں میں مبہم سا پیغام جو ملا تو نگاہیں چراتے کے ساتھ دل نے اقرار نامہ پر سائن کر دیے تھے۔
"میں اس دنیا میں بالکل اکیلی ہوں حفیظ کے بعد یہ دنیا مجھے نوچ کھائے گی اولاد کا سہارا بھی نہیں ابھی تو ان کے نام کے سہارے جاب کرتی ہوں یہ آسرا بھی اٹھ گیا تو جاب کرنے میں بھی پریشانی ہو گی ان کی بیماری خطرناک حدوں تک جا پہنچی ہے مجھے نہیں لگتا کہ اب جانبر ہو پائیں گے۔ مجھے آپ بہت اچھے لگتے ہیں آپ کو دیکھ کر احساس ہوا ہے زندگی میں سچی خوشی کسے کہتے ہیں بقیہ زندگی آپ کے ساتھ بتانا چاہتی ہوں۔" بنا کسی لاگ ولپٹ کے اس نے چند جملوں میں اپنی زندگی کی حکایت بیان کر دی تو وہ ششدر رہ گیا۔
"ایسی باتیں مت کریں ابھی حفیظ صاحب زندہ ہیں آپ کو کیا پتا یہ اسی طرح کتنا عرصہ اور حیات پائیں۔"
"یہ مفلوج ہیں عارش صاحب اور اپنی نامراد زندگی گزشتہ دس سالوں سے جی رہی ہوں۔ جب سے ایک ایکسیڈنٹ میں یہ مفلوج ہوئے پر اب ان کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی ہے پچھلے دس سالوں سے نہ دن میرا ہے نہ رات، بس تو صرف ان کی خدمت گزاری اچھا ہے محتاجی کی زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ خدا ان کو اپنی عافیت میں لے لے۔ خود بھی تو اپنی زندگی سے نالاں ہیں ہڈیوں کا آخری آپریشن بھی ناکام ہو گیا شوگر نے الگ ان کے جوڑ جوڑ کو خستہ کر دیا ہے ایسے میں کیا میں اچھی امید رکھ سکتی ہوں اپنی یا ان کی زندگی سے آپ کی رضامندی میرے سوئے بخت میں پھول کھلانے کے لیے کافی ہے اور مجھے کچھ نہیں چاہیے۔"
"آپ جانتی ہیں کہ میں شادی شدہ ہوں میرے تین بچے ہیں ایسے میں یہ فیصلہ......!"
"میں کون سا خدانخواستہ ان سے جدا ہونے کو کہہ رہی ہوں بس اپنے نام کا آسرا دے دیجیے گا اور کچھ نہیں چاہیے تاکہ یہ دنیا والے اکیلی جان کر مجھے جھنجوڑ نہ ڈالیں ساتھ میری خواہش کو بھی آسودگی مل جائے گی۔"
"خواہش......!" اس نے بغور اسے دیکھا اس نے نظریں جھکائی ہوئی تھیں۔
"ہاں......آپ کا ساتھ پانے کی خواہش۔" وہ رکا نہیں فوراً نکل آیا تھا دل و دماغ میں عجیب کشمکش چھڑی ہوئی تھی پہلی زندگی پر نگاہ ڈالتا تو خود کو بے حد مظلوم پاتا جس طرح ملائکہ مظلوم تھی کہ اس نے جوانی کی امنگوں

بھری ساعتیں ایک مفلوج کے سنگ بتادیں۔
دنیا میں کیا نہیں ہوتا میں تو جائز طریقے سے نکاح کرکے اسے بامراد زندگی دوں گا ویسے بھی طہارت و نجاست کے ابواب پر ریسرچ کرنے والی اسکالر کیا جانے محبت اور اس کے مفاہیم اسے تو بس دنیا میں ہی جنت چاہیے پاکیزہ اور صالح اسے میرے سے دلچسپی ہی کیا۔ اور پھر اس سند پر دستخط ہو گئے جیسا ملائکہ کہہ رہی تھی کہ اس کا شوہر چند دنوں کا مہمان ہے وہی ہو گیا وہ اس کی زندگی میں داخل ہو گئی۔
''تم نے تو مجھے بہت کچھ دے دیا اپنی رفاقت، محبت، اتنے کا تو میں نے نہ تصور کیا تھا نہ خواہش، میرا روم روم تمہارا شکر گزار اور قرض دار ہو گیا ہے آج اپنی خوش نصیبی پر کتنی نازاں ہوں تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔'' دن ایک بجے ان کی صبح ہوئی تھی اور وہ اس کی سماعت میں شہد انڈیل رہی تھی۔
''اب ہم میاں بیوی ہیں اور اس رشتے کے بیچ کوئی تکلف نہیں آنا چاہیے مجھی۔'' گلابوں سے کمرہ سجا ہوا تھا ملائکہ کی خواہش کے مطابق۔
''تکلفات نہیں عارش یہ سچ ہے میں نے ایک بے آس و بے کیف زندگی گزاری ہے حفیظ مجھ سے عمر میں بہت بڑا تھا میری رضامندی کے خلاف میرے بھائیوں نے اپنی ذمہ داری کا بوجھ سر سے ہٹانے کو بڑی عمر کے آدمی سے میری شادی کردی۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا تھا لیکن اپنے دل کا کیا کرتی جو راغب ہی نہ ہو سکا اس کی طرف بس ایک سمجھوتہ تھا جو مجھے کرنا تھا۔ اولاد کی خواہش صرف مجھے تھی حفیظ کو نہیں اسے اپنی عمر کا احساس تھا کہ جلد ہی دنیا سے روانہ ہو جائے گا تو اس کے نومولود وں کو باپ کا پیار نہ مل سکے گا۔'' اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور لبوں سے طنزیہ ہنسی میں ڈوبے جملے چھلک چھلک پڑ رہے تھے۔
اس کا طرز تخاطب ہی بدل گیا تھا خیر اس میں اس کی بھی کیا غلطی ہے بھائیوں کے غلط فیصلے کی بھینٹ چڑھی تو زبان نے زہر ہی اگلنا ہے ستم بالائے ستم۔
''صرف دس سال اس کے ساتھ صحت مندی کی حالت میں گزارے باقی عرصہ بیڈ پر پڑے مفلوج انسان کی خدمت گزاری میں مامور رہی تف ہے ایسے بھائیوں پر جنہوں نے مشکل وقت میں بھی اسے سہارا نہ دیا۔''
''جو تمہارا حق ہے بحیثیت بیوی میں اس سے غافل نہ ہوں گا تمہاری محروم زندگی میں طمانیت بھر دوں گا یہ وعدہ ہے میرا تم سے بس تم اسی طرح ہنسی مسکراتی رہا کرنا۔''
''تمہارا ساتھ مل گیا تو خوشیاں اسی طرح رقصاں رہیں گی اب غم کا ہے کا۔''
اس کی باتیں بھی بہت دلکش تھیں اور انداز ظالمانہ وہ خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولنے لگا نہ اس ہستی کی یاد آئی جسے وہ سسکتا چھوڑ آیا تھا نہ بچوں کی۔ سرکشی اس بلا کا نام ہے۔ جس کی زد میں انسان کی اچھائیاں بھی فراموش ہو جاتی ہیں اس لمحے بھی ایسا ہی ہوا تھا۔
☆☆☆
روتی تڑپتی رات بیتی تو کسی لمحے قدرت مہربان ہو گئی اور آخری پہر آنکھ لگی تو فجر کی نماز بھی نکل گئی سورج کی کرنوں نے پلکوں کو چھوا تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، قرأت کی آواز کانوں میں گونج رہی تھی بچے ہل ہل کر اپنا سبق دہرا رہے تھے منیب باقی دونوں کی کلاس لے رہا تھا وہ خود کئی بار قرآن ختم کرکے اب سورتیں حفظ کر رہا تھا۔ ایک لمحے کو اپنے حال میں واپس آ گئی کہ رات کس بے سائبانی میں گزری حیرت تھی اسے نیند آئی تو کیسے اسے تو اپنی بے عزتی پر زندہ درگور ہو جانا چاہیے تھا کہ اس کے شوہر نے اس کے خوب صورت وجود کو ٹھکرا کر ایک موٹی بھدی عورت کو اس کی محبت کا حق دار بنا لیا۔ آخر کیوں...... ایسا کیوں ہوا؟ صرف اس لیے کہ وہ پل پل ہدایت کی جانب گامزن تھی، اپنی ہستی کو مٹی میں ملا کر اس گھر کو صحیح سمت میں استوار کرنے کے لیے جی جان کی بازی لگائے ہوئی تھی۔
''کیا صحیح تھا اس کا گندے کپڑے پاک کپڑوں کے

ساتھ رکھ دینا کھانا کھا کر ہاتھ صوفے کی گدی یا پردے سے صاف کرلینا باتھ روم سے آ کر صابن کو چھونا بھی نہیں، دین کیا ہے اس سے کوئی واسطہ نہیں باتھ روم کی سلیپر کمرے میں لے آنا۔ بچوں کی تربیت سے کوئی واسطہ نہیں خواہ وہ کتنی ہی لچر مووی دیکھ رہے ہوں کارٹوں کے نام پر بے ہودہ فقرے سن رہے ہوں رزلٹ کیسا ہی کیوں نہ آئے قرآن نماز سے کوئی واسطہ ہونا ہو کوئی فکر نہیں۔ کیا ان تین بچوں کو صرف اس نے جنم دیا تھا جو ساری ذمہ داریاں اس کے کندھے پر عارش نے ڈال دی تھیں۔

روپیہ پیسہ، ہر مرض کی دوا نہیں اپنے اپنے حصے کا کردار بھی بچوں کے ساتھ نبھانا پڑتا ہے ورنہ ایک آدمی مسلسل بک بک کرتے مریض بن جاتا ہے۔ بچے بھی تینوں اس کی ڈھٹائی کی تفسیر تھے۔ کیا صلہ ملا خود کو در گور کر کے ایک ایسی عورت کو اپنی زندگی میں شامل کرلیا جس کے پس منظر سے اسے واسطہ ہی نہ تھا ایک رات گزر گئی اس کے بغیر اور نہ جانے اب ساری عمر کا یہ کھیل تماشا تھا یا موت آ جاتی تھی تڑپ تڑپ کر۔ دفعتاً اٹھی تینوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا بچے ہراساں ہوگئے۔

''کیوں کر رہے ہو یہ ڈھونگ میرے آگے کل کو پھر تم لوگوں کی وہی روش شروع ہوجائے گی ابھی میرے زخمی دل کو اپنی ڈرامہ بازی سے بہلانا چاہتے ہو کیا نہیں جانتی میں کہ تم لوگ کس ڈھیٹ کی اولاد ہو۔'' اس کی آنکھیں پھر سے بحر بیکراں ہوگئیں منیب جلدی سے دونوں کے ہاتھ سے قرآن لے کر رکھ آیا۔

''یہی چاہتے تھے ناتم لوگ کہ میرا شوہر مجھ سے بدظن ہوجائے میں اپنے اس آخری سہارے کو بھی کھو دوں دیکھو، دیکھو میں خالی ہاتھ رہ گئی آج میں تڑپ رہی ہوں کل کو تم لوگ تڑپو گے اس کا سایہ سر پر نہ پا کر۔'' وہ دیوانی ہو رہی تھی۔

''ہر ہر عمل میں مجھے جلاتے تھے تم لوگ، ہر ہر بات میں ہٹ دھرمی دکھاتے تھے میں بول بول کر تھک جاتی تم لوگ سن سن کر بھی نہ تھکتے تھے۔''

''ممما...... ممما۔'' منیب اس سے لپٹا تو باقی دونوں بھی ساتھ لگ گئے۔

''ہمیں معاف کردیں اب کبھی نہیں آپ کو ستائیں گے ہمیں احساس ہوگیا ہے ہم اکیلے رہ گئے ہیں مما آپ کی طبیعت خراب ہوجائے گی مت روئیں اتنا۔'' منیب لال آنکھوں سمیت پھر سے رو پڑا۔

''میرا مقدر خراب نکلا طبیعت کیا چیز ہے۔ بس میں نے فیصلہ کرلیا ہے میں اب تم لوگوں کو نہیں پڑھاؤں گی عربی کے لیے تم لوگ مسجد جاؤ گے ٹیوشن کے لیے میں کسی کا بندوبست کردوں گی بہت ہوگیا اپنی جان پر ستم سہتے سہتے۔'' یہ بظاہر چھوٹے چھوٹے روگ انسان کو اندر ہی اندر ختم کردیتے ہیں اور جب وہ ادھ موا ہوجاتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ اس نے کیا کھویا کیا پایا۔

''میں اب آرام کروں گی انجوائے کروں گی زندگی کو تم لوگوں کو دوسروں کے ہاتھوں میں سونپ کر۔'' دونوں ہاتھوں سے رخسار پر آئے آنسو صاف کرتے مسکرائی ایسی مسکراہٹ جس میں صرف درد ہی درد تھا۔ دل کی کسک تھی جو ختم ہی نہ ہوتی تھی۔ ایسی بے قراری تھی جس کی کوئی سرحد نہ تھی۔ دوسرے روز سے بچوں نے مسجد میں قاری صاحب سے ناظرہ پڑھنا شروع کردیا محلے کی ایک لڑکی سے ٹیوشن لینی شروع کردی زیادہ سے زیادہ اوقات کے لیے بچے باہر رہتے گھر میں سناٹا چھایا رہتا کوئی کل کل نہیں رہی تھی پر اس کا ذہن باغیانہ ہوچکا تھا بے چینی دل و جان سے جاتی ہی نہیں تھی جب بچے ہاتھوں میں قرآن لیے نکل رہے ہوتے یا ٹیوشن ٹائم پر بیگ لیے چہروں پر الجھاؤ لیے روانہ ہوتے تو اس کی بے کلی کم ہونے کے بجائے اور بڑھ جاتی بچے اس کے عادی تھے اور وہ بچوں کو اپنے طرز پر ڈیل کرنے کی عادی اب برداشت نہیں ہو رہا تھا کہ کوئی اور انہیں پڑھائے۔ دل میں سلگتے بھانبڑ میں خاکستر ہو کر بچوں کو گھر سے باہر تو نکال چکی تھی پر اضطراب تھا کہ بڑھتا ہی جارہا تھا جس شد و مد سے انہیں نکالا تھا اب انہیں روکنے پر مجبور ہوگئی۔

"نہیں جاؤ گے تم لوگ کہیں مجھے چین نہیں مل رہا تم لوگوں کو ہاتھ سے بے ہاتھ کر کے۔" وہ تینوں کو گھیرے میں لے کر سسک پڑی بچے حالات وواقعات کے پیش نظر سہمے سہمے رہنے لگے تھے کوئی ضد نہیں کرتے چپ چاپ بات مان لیا کرتے پر وہ جانتی تھی کہ ان کی زندگی میں بھی خلا آ گیا ہے باپ کے آسرے سے تو محروم ہوئے ہی تھے کہ ماں کی ممتا کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

"مما...... ہمیں بھی آپ کا ساتھ چھوڑ کر سکون نہیں مل رہا بس آپ کی ناراضگی کے خیال سے آپ کی بات مان لی تھی۔" تنزیل، علیشہ، منیب کو بانہوں کے گھیرے میں لیے وہ رو رہی تھی۔

کتنے دنوں بعد عارش گھر آیا تھا وہ اجنبی نگاہوں سے اسے دیکھے گئی وہ صوفے پر براجمان ہو گیا۔

"بچے کہاں ہیں۔" اس پر اچٹتی نگاہ ڈال کر وہ گویا ہوا۔

وہ کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئی بچے لاؤنج میں تھے وہ وہیں آ گیا تینوں بچے اسے کئی دنوں بعد دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے وہ سرشار ہو گیا کچھ نازاں بھی پر کوئی بھی اس کی طرف نہ بڑھا اس نے پھولے پھولے ریڈ گالوں والی علیشہ کی طرف ہاتھ بڑھائے پر وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوئی منیب کی نظروں میں تو واضح نفرت کا پیغام وہ پڑھ رہا تھا۔

"کیا ہوا کیا ماں نے منع کیا ہے مجھ سے بات کرنے کو۔" غصے کی ایک لہر اسے چھو گئی۔

"ہماری مما کبھی غلط باتیں ہمیں نہیں سکھاتیں آپ کو پتا ہے اچھی طرح جس طرح آپ نے ہمیں نظر انداز کیا ہے اب ہم بھی آپ کو نظر انداز کریں گے۔" منیب نے ایک پل میں سارے حساب بے باق کر دیے اس کا غرور، ناز سب بھربھری ریت کی طرح بکھر گئے۔

"چلو تم دونوں کمرے میں۔" تنزیل اور علیشہ کا ہاتھ پکڑ کر کمرے کی طرف چلا آیا اور ساتھ دروازہ بھی ایک آواز کے ساتھ بند ہوا تھا وہ جلبلا کر باہر نکل آیا آئمہ کچن میں کھڑی تھی۔

"تم تو بہت اصلاح کار بنتی تھی یہ تمیز سکھا رہی ہو بچوں کو۔" باہر سے ہی اس نے آواز لگائی کتنے دنوں بعد اس کی آواز سنی تھی تو زہر میں ڈوبی۔

"میں نے کوئی بدتمیزی نہیں سکھائی حالات نے انہیں بہت کچھ سکھا دیا ہے۔" کپکپاتی آواز پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"ہنہہ...... اب تو آنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں سب کے سب تمہارے رنگ میں رنگ گئے ہیں خرچہ رکھ رہا ہوں ٹرالی پر کھاؤ گے پیو گے نہیں تو اکڑ کیسے دکھاؤ گے۔" وہ طنزیہ انداز میں گویا ہوا۔

"صحیح کہہ رہے ہیں میں تو کوئی جاب بھی نہیں کر سکتی، تعلیم تو ہے پر معاشرے سے لڑنے کا حوصلہ نہیں اس لیے یہ ذمہ داری آپ ہی کو پوری کرنی ہوگی اور اکڑ کیسی اکڑتے وہ لوگ ہیں جن کے پاس بہت کچھ ہو ہم نے تو اپنا سب کچھ کھو دیا۔" اس کی زخمی مسکان میں لہو بھی تھا اور تکلیف بھی۔ عارش دیکھے گیا اس کی ساری جوبن کملا گئی تھی جس تیزی اور آن بان سے اس کی زبان کا چرخہ چلتا تھا وہاں سے اب شکستگی ٹپک رہی تھی۔ گھر نفاست کا منہ بولتا ثبوت تھا بس ایک محرومی تھی جو گھر کے کونے کونے سے جھلک رہی تھی اپنے مکینوں کے نامکمل ہو جانے کی محرومی تھی وہ تیزی سے نکل آیا کہ یہ اداسی اسے کہیں نگل نہ لے ایک نئے آشیانے کی طرف جہاں رنگ و بو کی رونقیں اپنے عروج پر تھیں ملائکہ تھی اور اس کی عنایات اس نے جاب چھوڑ دی تھی لگتا ہی نہیں تھا کہ چند مہینے قبل وہ بیوہ ہوئی ہے کیا کھلکھلاہٹیں اور شگفتگی تھی کوئی ٹینشن نہیں تھی جس کے پاس کوئی روک ٹوک نہیں تھی وہ بھی آزاد منش عورت تھی اپنی زندگی بلا حیل وحجت کے گزارنے والی ابھی بھی پرفیوم کے لیپٹے میں خود کو سجائے کیوٹکس کا کلر چینج کر رہی تھی چند ماہ قبل بیوہ ہوئی تھی تو کیا چند روز قبل سہاگن بھی تو پھر سے بن گئی تھی۔

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایڈ فری لنکس

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہماراویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

"تم بہت چینج ہوگئی ہو، نئی نئی سی لگتی ہو۔" عارش نے اسے بغور دیکھا۔

"کیا مطلب۔" نیل پر پھونکیں مار کر سکھانے لگی۔

"مطلب یہ کہ وہ خاتون تو لگتی ہی نہیں جو بیزار بیزار سی، مسلے ہوئے کپڑوں میں بدرنگ حلیے میں بالکونی پر نظر آیا کرتی تھی اب تو کوئی اور ملائکہ نظر آتی ہے۔"

"یاد رہے میں نے اپنے اسی روپ میں تمہیں اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔" وہ اٹھلائی۔ "رہی بات چینج ہونے کی تو اس بڈھے کے لیے کیا خود کو سجاتی سنوارتی۔ بس اس کی طرف کبھی میرا دل مائل ہی نہیں ہوا اس کی بے پناہ محبتیں بھی میرے دل کو اپنی جانب راغب نہ کرسکیں۔" وہ ہنسی "بس ایک سمجھوتہ تھا جو میں نے پندرہ سولہ سال نبھایا۔" وہ حیران ہوگیا اس کا زہر میں ڈوبا انداز دیکھ کر آٹھ دس سال عمر میں بڑے طویل القامت وجیہہ انسان کو بڈھا کہہ رہی تھی اس سے گفتگو تو خیر کبھی ہوئی نہیں اس وقت ملائکہ نے اسے ملایا تھا جب وہ پوری طرح فالج کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ گویائی سے بھی محروم ہوچکا تھا بس آنکھوں میں ایک التجا تھی۔ شاید مدد کی پکار تھی یا اپنی محتاجی کا دکھ تھا وہ سمجھ نہ پایا، نظر آرہی تھی تو ملائکہ کی دکھ میں ڈوبی زندگی۔

"اتنی بیزارگی سمیت تم نے اس کی خدمت کیسے کی پانچ سال تک دامن کیوں نہ بچایا ان الجھنوں سے کیونکہ جہاں نفرتیں ہوتی ہیں وہاں خود کو باندی بنا لینے کی اکساہٹیں بھی نہیں ہوتیں۔ محبتیں تو خدمت گزاری بھی کراتی ہیں اور اپنا آپ تج دینے کے لیے تیار بھی انسان کو رکھتی ہیں۔"

"میں کیوں کرتی خدمتیں میں تو جاب کرنے لگی تھی کھاتی کیسے گھر کیسے چلاتی۔"

"تم نے ایک بار کہا تھا اس کی پنشن آتی تھی اور دو تین گھروں کے کرائے بھی اس نے تمہیں سونپ رکھے تھے پھر گھر چلانے میں کوئی دقت تو نہیں پیش آتی تھی۔"

"پھر تازہ ہوا کے لیے کہاں جاتی۔" وہ پراسرار انداز میں مسکرائی۔ "اسے دیکھ کر مجھے گھٹن ہوتی تھی اس کی قربت سے وحشت۔" وہ عارش کی ٹائی سے کھیلنے لگی۔ "ایسے میں جاب کا سہارا لے کر خود کو حبس زدہ ماحول سے آزاد کراتی نت نئے چہروں میں اپنا غم بھولتی پھر جب سے تمہیں دیکھا۔ میرے اندر کسی نے بین کرنا شروع کردیا اور جب میں تمہیں اس عورت کے ساتھ دیکھتی تو دل چاہتا پوری دنیا اجاڑ و برباد کردوں اس عورت کی خوب صورتی چھین لوں تاکہ تم نفرت کی نگاہ بھی اس پر نہ ڈال سکو کجا محبت۔" وہ دیوانگی میں اپنا آپ آشکار کررہی تھی اس سے اپنی گہری وابستگی ظاہر کررہی تھی کہ وہ تن من سے کیسے اس پر نثار ہے۔

"عورت...... کون عورت۔" اسے جیسے ڈنک لگا۔ "کس عورت کی بات کررہی ہو تم۔" اتنے نفرت آمیز جملوں سے اسے حیرانی ہوئی۔

"وہی جو آج بھی تمہاری بیوی ہے کسی زمانے میں تمہارے کنوارے جذبات، خواہشات کی حقدار رہی ہوگی تمہاری پہلی محبت۔" کتنی حقارت سے وہ اس کا نام لے رہی تھی۔

"اتنی نفرت کا اظہار تم نے شادی سے پہلے تو نہیں کیا تھا کہ آئمہ کو دیکھ کر تم کس آگ میں سلگنے لگتی ہو تم نے تو کہا تھا اس سے اور بچوں سے تمہیں کوئی غرض نہیں کوئی رقابت نہیں پھر یہ لفظ لفظ میں ڈوبا زہر۔"

"ہاں تو تمہارا دل ابھی تو موہنا تھا ورنہ تم قابو میں کیسے آتے حواسوں سے اس عفریت کا پیچھا بھی تو چھڑانا تھا۔"

"اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے۔" اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹاتے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

"تمہیں اب تک اندازہ نہیں ہوا۔" آنکھوں میں چمک بھر کر اسے دیکھا۔

"ہاں ملائکہ ہم اب اس گھر میں نہیں رہیں گے۔ میں نے اپنے دوست سے ایک فلیٹ کرائے پر لینے کا کہا ہے ہم اس میں شفٹ ہوجائیں گے۔"

"پر کیوں اپنا گھر چھوڑ کر کرائے پر کیوں جائیں گے۔"

"میرے بچوں نے بالکنی میں آنا چھوڑ دیا ہے میں نہیں چاہتا کہ وہ لوگ اندر مقید ہوکر رہ جائیں۔" در حقیقت وہ یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ بالکنی سے کبھی وہ تمہاری ادائیں دیکھ کر غلط خیالات کا شکار نہ ہو جائیں لیکن کہہ نہ سکا۔

"تو انہیں کہیں اور شفٹ کردو، میں کیوں اپنا چین و سکون برباد کروں بڈھے کی ایک ہی خوبی تو مجھے بھائی تھی کہ اس نے اپنے تین گھر اور ایک خالی پلاٹ میرے نام کردیے۔ گھر والوں سے محبت تو کجا انسیت تک نہیں تھی پر گھر سے بہت دلچسپی تھی۔" عورت کا یہ نیا روپ اس نے ابھی دیکھا تھا۔

"شفٹ تو انہیں بھی کہیں نہیں کروں گا میں۔" ارادہ مصمم ہوگیا تھا۔

......☆☆☆......

کوئی اور تیرے سوا میری زندگی کی اساس میں
اسے رکھ لیا ہے سنبھال کے تیرے لوٹ آنے کی آس میں
وہ جو ایک آنسو ہے یاد ہے
وہ جو ایک قطرۂ آب ہے

بچے سو چکے تھے اب وہ تھی اور عارش کے ساتھ گزاری الجھنوں بھری زندگی کی یادیں تھیں۔ پل بھر میں اس کا خوب صورت انگریزوں کی سی لک دیتا شوہر کسی اور کا ہوگیا تھا دل سے ہوک اٹھی تھی۔

شادی والے روز کتنے ہی لوگوں نے اس کی جوڑی کو چاند سورج کی جوڑی قرار دیا تھا اسے یاد تھا جب شادی کی شب پہلی بار عارش کو اپنے روبرو دیکھا تھا تو اس کی خوب صورتی اس کے من آنگن میں محبتوں کے پھول بکھیر گئی تھی۔ سب کم نصیبی تھی کہ زندگی میں گھن لگ گیا تھا وہ اس کی کوئی بات سمجھتا ہی نہیں تھا اسی بات کے دکھ نے اندر کے حس کو بھی مار ڈالا تھا۔

جب وہ ستمگر کسی اور کا ہوگیا تو احساس ہوا اس سے محبت کتنی تھی اس کی آنکھیں بنجر ہوگئی تھیں کسی کے سراپا کو دیکھے بغیر وہ آتا بھی تو پل بھر کے لیے بچے اس سے سیدھے منہ بات نہیں کرتے فوراً اپنے اپنے کمروں کی راہ پکڑ لیتے اپنے باپ کی کوئی صفائی بھی اس کے منہ سے سننا پسند نہیں کرتے تھے اور اس سے اسے سروکار ہی کب تھا ورنہ راہ نہ بدل لیتا اس کے جہاد میں اس کا ساتھ دیتا اس نے خدا سے لو لگا لیا تھا جائے نماز کا سرا بھیگ جاتا جب سجدے میں جاتی، وہ جب تک وہاں ٹھہرتا وہ جائے نماز پر رہتی اس سے فرار کا بہانہ بھی تھا اور اپنی تڑپتی آرزوؤں پر ضبط پانے کی کوشش اور دعا بھی تھی اب تو دونوں کے بیچ نارمل بات بھی نہ ہوتی وہ موقع ہی نہیں دیتی وہ بھی چپ چاپ وہاں سے چلا آتا۔

......☆☆......

پھر ایک شب ملائکہ نے ایک بار پھر امرت اس کی سماعت میں ٹپکایا کہ وہ دوبارہ ماں جیسے رتبے پر فائز ہونے جارہی تھی پر حفیظ سے نفرت کی وجہ سے دونوں بار اپنے ہاتھوں اس نے یہ قصہ ہی ختم کردیا تھا۔

"لیکن کیوں اولاد تو اولاد ہوتی ہے اس سے نفرت کیسی؟"

"ہوتا تو اسی کے وجود کا حصہ ناں جس کے ہر فعل سے مجھے چڑ تھی پھر یہ قید و بند کیوں سہتی میں۔"

"آج وہ تمہارا سہارا ہوتی۔"

"لعنت بھیجتی ہوں ایسے سہارے پر جسے دیکھ دیکھ کر وہ بڈھا مجھے یاد آتا رہتا خدا خدا کر کے تو جان چھوٹی میری اس سے ملازم بھی منہ مانگی قیمت مانگتا اس کی خدمت گزاری کے جسے مجھے لامحالہ دینا ہی پڑتا تھا۔"

"آخر اتنی نفرت کی وجہ کیا تھی۔" وہ جان نہ سکا عمروں کا معمولی سا فرق اتنی نفرت نہیں جنم دے سکتا تھا ان چند ماہ میں ملائکہ کے جتنے منفی روپ تھے سب اس کے سامنے آگئے تھے بس اب یہ سراغ لگانا باقی تھا کہ وہ حفیظ کو جان کا آزار کیوں سمجھتی تھی اس کے کپڑے جوتے گھڑیاں

جس حقارت سے اس نے پھنکوائے تھے اس سے کچھ پوشیدہ نہ تھا۔ جلد ہی یہ عقدہ بھی کھل گیا جب آفس کے کولیگ نے اس پر ملامتی جملوں کی بوچھاڑ کردی۔

"حد ہوگئی یار...... یہ عورت ہی رہ گئی تھی گھر بسانے کو اچھا بھلا تیرا گھر بار تھا بچے تھے اس آوارگی میں کب سے پڑ گیا۔" موبائل پر اس کی تصویر دیکھتے ہی اس نے ایک تاسف کی نگاہ اس پر ڈالی۔

"کیا مطلب آوارگی، کوئی گناہ تو نہیں کیا جائز طریقے سے نکاح کیا ہے۔" اس نے خود کو سنبھالا۔

"گناہ ہی ہے اس جیسی عورت کو اپنانا آمنہ بھابی کے پاؤں کی دھول بھی نہیں ہے یہ فتنہ کیا ہوا جو تھوڑا اچی تھیں وہ مذہب اور صفائی کے معاملے میں ایسا تو ہونا بھی چاہیے۔ مذہب اور صفائی کے کئی اصول تو ہم نے بھلا دیے ہیں یا جان بوجھ کر نظر انداز کردیے ہیں حقیقت یہی ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے اصول وقواعد ہی ہمارے اعمال کو بنانے یا بگاڑنے کے ذمہ دار ہیں۔"

"تو مجھے یہ بتا ملائکہ کو کس طرح جانتا ہے جو ایسے القابات سے ایسے نواز رہا ہے پہیلیاں نہ بجھوا۔" اس کے دماغ نے جیسے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

"ارے اس کا بھائی ہماری ہی لین میں رہتا ہے اس کی بیوی سے تیری بھابی کی دوستی ہے بس کچھ بتا رکھا ہے اس کے متعلق کہ کس طرح وہ لوگ اس سے اپنی عزت بچاتے پھرتے ہیں، کالج لائف میں کتنے ہی لڑکوں کو اس نے بے وقوف بنایا ہوا تھا ماں باپ تو تھے نہیں شریف بھائیوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا ایک لڑکے کے ساتھ فرار ہونے کا منصوبہ ناکام بناتے ہوئے بڑے بھائی نے شادی ایک شریف آدمی سے کردی پھر کیا تھا پندرہ سال اس سے اپنی ذلت کا بدلہ لیتی رہی کبھی اسے منہ نہیں لگایا، پھر جب بے چارے کا ایکسیڈنٹ ہوا تو جاب کرنے کا اور اپنی طبیعت کو آزاد کرنے کا ایک اور بہانہ مل گیا بھائی ڈر سے اس کے پاس نہیں جاتے کہ مفت کی بدنامی گلے نہ پڑجائے اور تو اس کے جال میں گرفتار ہوگیا۔" اس کی نظریں تھیں کہ زمین میں گڑی جارہی تھیں وہ تو بچپن کا دوست تھا اس کا ساتھی تھا کہ پشیمانی محسوس کررہا تھا اس کی ورنہ کسی اور کے سامنے یہ ندامت بہت مہنگی پڑتی، بہرحال اب تو ساری زندگی بچوں کے سامنے سر اٹھا کر وہ جی نہ پائے گا۔

"باپ ہونے کا غرور اور فخر تو رہے گا لیکن اپنے اعمال کی سیاہی بھی ساتھ لے کر جینا پڑے گا۔ ظاہری گندگی کے ساتھ باطنی کثافت بھی حلاوت کرگئی تھی۔ میرا مشورہ ہے اب بھی ٹائم ہے فارغ کر اس جان کے عذاب کو اپنے بیوی بچوں کی طرف لوٹ جا ورنہ کوئی آخری محبت تو نہیں ہوگی اس کی جہاں اس کی بے پرواہ روی کو جگہ ملے گی وہیں کھسک لے گی جا معافی مانگ لینا آمنہ بھابی سے ان کے جائز اصول وقواعد کو اپنا لینا پھر دیکھنا زندگی سنور جائے گی۔" اس کے چہرے پر چھائے پشیمانی کے بادل امڈتے دیکھ کر اس نے شانوں پر ہاتھ رکھے۔

"آمنہ بھابی کو تیری حرکات نے جھگی بنایا تھا یہ خامی دور کرنا بھی تیرا کام ہے ورنہ دل توڑنے کے ساتھ ساتھ سدا خدا کا بھی گناہ گار رہ جائے گا۔" وہ شکستگی کے تمام آلات سے لیس بے جان قدموں سمیت آفس سے نکل آیا تھا کیا اب ساری زندگی بچوں سے نظر ملانے کے قابل رہا؟ کتنی آسانی سے ارحم نے کہہ دیا کہ معافی مانگ لینا معافی مانگنا آسان ہے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرلینا بھی اتنا مشکل نہیں ہوگا جتنا دشوار آمنہ کے لیے اسے معاف کرنا جوتے کی نوک سے پتھر کو ٹھوکر سے اڑایا خود کو کسی قابل نہیں سمجھ رہا تھا آج ماں باپ کے گزر جانے کے بعد اسپتال کرائے کے مکانوں میں رہتے ہوئے بہت سی بے قاعدگیاں اس کی ذات کا حصہ بن گئی تھیں کوئی تربیت کرنے والا نہیں تھا صفائی اور رہن کے اسرار و رموز سکھانے والے تو دنیا سے چلے گئے تھے تعلیم بھی بس اعلیٰ پوسٹ سے آراستہ ہونے کے لیے حاصل کی تھی بس اپنی بے قاعدگیوں سے ایک عورت کے دل پر ہی راج نہ کرسکا وہ عورت جو پاکیزہ تھی اس کی زندگی میں داخل ہونے کے

وقت کم عمر بھی تھی پر خدا کو منہ دکھانے کے لیے ہمہ وقت تیار تھی اس کے چہرے سے اس کے وجود سے بغیر میک اپ کے نور چمکتا تھا ایک الوہی سی خوشبو آتی تھی اس کی قربت سے جو کبھی ملائکہ کے مصنوعی خوشبوؤں سے لپٹے وجود سے نہیں آئی تھی۔

اس کی ہٹ دھرمی نے سب کچھ تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اپنے تین بچوں کی ماں کو نیچا دکھانے کی ڈھٹائی میں خود کو پستی میں دھکیل دیا تھا۔ ملائکہ کو طلاق دیتے ہوئے نہ زبان لڑکھڑائی نہ روح کانپی وہ تیکھے تیور سمیت جھٹکوں کی زد میں تھی۔

"تم میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ آئمہ زندگی میں آئی تو میں نے جانا طہارت کیا شے ہے اور تم سے شادی کر کے نجاست جیسی برائی سے آگاہ ہوا اتنا بھی نہ جان سکا کہ جو عورت اپنے اتنے محبت کرنے والے شوہر کی قدر نہ کر سکی اس کے آگے چند دنوں کی رفاقت کی کیا اہمیت ہوگی ایک وہ عورت بھی ہے جو میری بے وفائی پر مصلے کو گلے لگا بیٹھی پر ساتھ چھوڑنے کی کبھی بات نہیں کی۔" کہہ کر رکا نہیں وہ نکل آیا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی سے اس کے گھر سے اور اب اسے اس محلے میں بھی نہیں رہنا تھا۔ اپنے بیوی بچوں کو یہاں سے لے کر کہیں دور چلے جانا تھا۔

آئمہ کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے ذرا سی بھی پشیمانی نہیں ہوئی تھی۔ مولوی شفیق الدین کی باہنر، باحیا، باکردار بیٹی کو اس کا مقام دینا تھا اب آنسوؤں کی دھند میں عارش کا چہرہ بھی دھندلائے جا رہا تھا اس کی آنکھوں کی نمی اپنی آنکھوں میں بھی محسوس کرنے لگا تھا۔

"آپ کا قصور نہیں تھا عارش۔" اس کی کپکپاتی آواز ابھری۔ "آپ نے اپنی شخصیت کے مطابق عورت ڈھونڈ لی تھی گندگی غلاظت کے ڈھیر میں ہی جا کر گرتی ہے۔" برسوں سے جما کاربن ڈائی آکسائیڈ نکلا اور فضا کو زہریلا کر گیا۔

"تم حق بجانب ہو وہ کچھ کہنے کی جس کا میں حقدار ہوں پر اب وہ کچھ نہیں ہوگا جو گزر گیا سیل رواں کی طرح اب عارش کو ایک نئے روپ میں تم پاؤ گی۔ وقت نے بہت کچھ سکھا دیا ہے مجھے اب اپنے بچوں کو ایک اور عارش کے روپ میں نہیں ڈھالوں گا میں تمہارے ساتھ مل کر ان کی شخصیت کو پروان چڑھاؤں گا۔"

"ان کا دل جیتنے میں ابھی وقت لگے گا عارش اس ایک رات جو میں نے اور منیب نے آنسوؤں کی بارش میں بھیگتے ہوئے گزاری ہے اس کی ایک ساعت کی قیمت بھی نہ چکا پائیں گے ایک اشک کا تاوان بھی ادا نہیں کر پائیں گے جو ہم نے تڑپتے بلکتے آپ کی یاد میں گزارا اور آپ اپنی ہی موج میں گم تھے۔" اس نے اس کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور وہ پل بھر میں اس کے شانوں پر بے دریغ آنسو لٹا رہی تھی۔

"تینوں سے معافی مانگ لوں گا اپنے طرز عمل سے ان کا دل جیت لوں گا پہلے تم تو معاف کر دو۔"

"کر دیا معاف۔ پر اپنی توہین بھولنے میں وقت لگے گا امید ہے آپ مجھے سنبھلنے کا موقع دیں گے۔"

"ساری زندگی تمہارے نام ہے ساری کوتاہیوں کا ازالہ کروں گا بس تمہارا ساتھ چاہیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔" دونوں آنسوؤں میں ڈوبے ہوئے تھے، ایک کے پاس ندامت کے اشک تھے اور دوسرے کے پاس غم و خوشی کی ملی جلی رم جھم دل کو سنبھلنے میں تھوڑا وقت لگے گا بس یہ احساس بہت تھا کہ اس کی محبت اس کے پاس لوٹ آئی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

تدبیر اور تقدیر

راشدہ رفعت

"دیکھیے مسز احمد ہماری کچھ زیادہ ڈیمانڈز نہیں ہیں بس یہ ہے کہ لڑکا شریف ہو قبول صورت پڑھا لکھا برسر روزگار اور ہاں فیملی لمبی چوڑی نہ ہو۔ بیٹی کا سسرال تو جتنا مختصر ہو اتنا ہی اچھا۔" مسز عبدالقیوم کے کہنے پر میں انہیں بس دیکھ کر ہی رہ گئی۔ ایک ہی سانس میں اپنی ساری ڈیمانڈز گنوا کر بھی یہ کہہ رہی تھیں کہ ان کی ڈیمانڈز کچھ زیادہ نہیں۔ یہ صرف مسز عبدالقیوم کا معاملہ نہ تھا میرے میرج بیورو میں آنے والے بچیوں کے والدین میں سے نوے فیصد والدین کا مطالبہ یہی ہوتا تھا کہ انہیں بیٹی کے لیے ایسا رشتہ بتایا جائے جس میں سسرالی رشتہ داروں کا "مقتنا" نہ ہونے کے برابر ہو۔

"دیکھیے مسز عبدالقیوم آپ کی بچی کی عمر پچیس برس ہے اور پچیس تیس برس پہلے فیملی پلاننگ کا اتنا خاص رجحان نہ تھا جیسا کہ آپ نے خود بتایا کہ آپ کے ماشاء اللہ پانچ بچے ہیں تو جو لڑکی بہو بن کر آپ کے گھر آئے گی اس کو بھی تو بھرے پرے سسرال کا سامنا کرنا پڑے گا پھر آپ اپنی بیٹی کو بھرے پرے کنبے میں کیوں بیاہنا نہیں چاہتیں۔" میں نے ان کے لیے سوچ کا ایک در وا کرنا چاہا۔

"مسز احمد صاف بات ہے کہ جو بچی میری بہو بن کر آئے گی اسے ہم سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ ہماری فیملی بہت روشن خیال ہے لیکن کسی اجنبی خاندان کی تو کوئی گارنٹی نہیں ہے نا۔ میری بیٹی بہت نازوں میں پلی ہے۔ میں اسے کسی بھرے پرے کنبے میں بیاہنے کا رسک نہیں لے سکتی۔ یہ سسرالی رشتہ دار بہت میسنے ہوتے ہیں لڑکی کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دیتے ہیں۔ لڑکی کی زندگی میں ساس نندوں کی مداخلت کا چانس جتنا کم ہوگا لڑکی کی شادی شدہ زندگی اتنی ہی کامیاب ہوگی۔" مسز عبدالقیوم نے اپنے دو ٹوک خیال کا اظہار کیا تھا۔ میں چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئی۔

"آپ کے میرج بیورو کی بڑی شہرت سنی ہے۔ آپ کے طے کروائے گئے رشتے بڑے کامیاب ہوتے ہیں بس اسی لیے میں آپ کے پاس آئی ہوں مسز احمد میری صدف کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ بتا دیجیے۔ میں آپ کو منہ مانگی فیس سے بھی زیادہ دینے کو تیار ہوں۔ بس میری ڈیمانڈز کے مطابق کوئی اچھا سا رشتہ بتا دیجیے۔" مسز عبدالقیوم اب لجاجت بھرے انداز میں مخاطب تھیں۔ میں نے گہری سانس کھینچی۔

"میرے پاس بہت سے اچھے رشتے موجود ہیں مسز عبدالقیوم لیکن ایسا رشتہ جو سو فیصد آپ کی ڈیمانڈز کے مطابق ہو سر دست دستیاب نہیں اگر آپ اپنی ایک دو شرائط پر کمپرومائز کرلیں تو میں آپ کی بچی کا بہت اچھی جگہ رشتہ طے کروا سکتی ہوں۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ غلط بیانی کرنا نہ تو مجھے پسند تھا نہ اس کاروبار میں غلط بیانی چل سکتی تھی۔ میرے صاف جواب پر مسز عبدالقیوم کا چہرہ اتر گیا۔

"میں تو بڑی توقعات لے کر آپ کے پاس آئی تھی۔" وہ دھیرے سے بولیں۔ انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اب مایوس ہو کر اٹھنے والی ہیں۔ اپنی ڈیمانڈز میں کوئی رد و بدل انہیں گوارا نہیں۔ میرے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ میں جان گئی تھی کہ مسز عبدالقیوم کو وہ قصہ سنائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ بچیوں کے والدین کو سمجھانے کے لیے وہ قصہ مجھے بار بار دہرانا پڑتا تھا۔ مسز عبدالقیوم کو سمجھانے کے لیے یہ آخری طریقہ تھا اگر بات ان کی سمجھ میں آجاتی تو ٹھیک ورنہ ظاہر ہے وہ اپنی مرضی کی مالک تھیں۔

"آپ نے ملاپ میرج بیورو کا نام تو سنا ہوگا۔ پندرہ بیس سال پہلے وہ ہمارے شہر کا مشہور ترین میرج بیورو تھا۔" میں نے مسز عبدالقیوم کو مخاطب کیا۔

"بالکل سنا ہے اس وقت تو اپنے شہر میں گنتی کے تین میرج بیورو تھے اور ملاپ ان میں سب سے مشہور تھا۔

ہمارے بہت سے جاننے والوں کے رشتے اسی بیورو کے توسط سے طے پائے تھے۔" مسز عبدالقیوم کا جواب حسب توقع تھا۔ میں دھیرے سے مسکرادی۔

"ملاپ...... میری سگی پھوپو چلاتی تھیں۔ سچ کہوں تو میں نے ان ہی سے متاثر ہوکر اس فیلڈ میں قدم رکھا۔ وہ تو خیر سے اب ریٹائرڈ لائف گزار رہی ہیں لیکن میں آج جس مقام پر ہوں وہ ان ہی کی وجہ سے ہے۔ ان کا تجربہ میرے بہت کام آیا۔ میں نے اپنے کام کی بنیاد ان ہی کے اصولوں پر رکھی ہے۔" میں نے مسز عبدالقیوم کو بتایا۔ انہوں نے مسکرا کر سر تو ہلایا لیکن میں سمجھ گئی انہیں اس قصے میں چنداں دلچسپی نہیں۔ وہ اٹھنے کے لیے پر تول رہی تھیں جبکہ میں نے انہیں اٹھنے کا موقع نہ دیا اور اپنی بات جاری رکھی۔ "پھوپو بتاتی ہیں کہ اس زمانے کے لوگ اتنے ڈیمانڈنگ نہیں ہوتے تھے خصوصاً سسرال مختصر ہونے کی شرط تو کوئی کوئی ہی عائد کرتا تھا لیکن اس وقت بھی ایک فیملی ایسی تھی جن کی پہلی شرط یہی تھی کہ لڑکا چھڑا چھانٹ ہو لڑکی کی والدہ اپنی بچی کو ساس، نندوں والے سسرال میں ہرگز نہ بیاہنا چاہتی تھیں۔"

"ہاں تو ایسی ناجائز خواہش تو نہیں تھی یہ۔" مسز عبدالقیوم چہک کر بولیں۔

"بالکل مسز عبدالقیوم لیکن مسئلہ یہ ہے کہ زندگی عین ہماری خواہشات کے مطابق تو بسر نہیں ہوسکتی نا۔ میری پھوپو نے اس فیملی کو ایک بہت اچھے لڑکے کا رشتہ بتایا۔ وہ خوب صورت، پڑھا لکھا اور بہت اچھی جاب پر فائز لڑکے کا رشتہ تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ اس کی فیملی بڑی تھی۔ دو بھائی، پانچ بہنیں، ماں، باپ اور لڑکا اپنے بہن بھائیوں میں پہلے نمبر پر تھا۔ لڑکے والوں کی بہت خواہش تھی کہ یہ رشتے طے پا جائے لیکن لڑکی کی والدہ کی ناں، ہاں میں نہ بدلی۔" میں مسز عبدالقیوم کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے انہیں قصہ سنا رہی تھی۔ حسب توقع ان کے چہرے پر دلچسپی بھرے تاثرات نمودار ہونا شروع ہوگئے تھے۔

"پھر کیا ہوا؟" میں نے گفتگو میں ذرا وقفہ دیا تو انہوں نے فوراً پوچھا۔

"پھر یہ ہوا کہ پھوپو کی کوششوں سے لڑکی والوں کو من پسند رشتہ مل گیا۔ لڑکے کی ماں فوت ہوچکی تھی۔ دو بیاہی بہنیں امریکہ، کینیڈا بستی تھیں اور لڑکے کا باپ بہت شریف اور بیبا سا بزرگ تھا۔ اس نے تو سمجھیں مسجد ہی سنبھال رکھی تھی۔ عملی طور پر لڑکی کو سسرال میں کسی سسرالی رشتہ دار کا سامنا نہ کرنا تھا۔ اس گھر کا امن چین والا ماحول لڑکی کی والدہ کی خواہش کے عین مطابق تھا۔ انہوں نے اس رشتے کو فوراً سند قبولیت بخش دی۔ چند مہینوں بعد یہ شادی انجام پا گئی۔ بھری پری فیملی والا لڑکا بھی خیر کنوارا نہ رہا تھا پھوپو نے اپنے جاننے والوں میں سے ایک لڑکی کا رشتہ وہاں طے کروا دیا یوں سمجھیں یہ دونوں شادیاں چند دنوں کے وقفے سے انجام پائیں۔"

"اچھا تو پھر کیا ہوا؟" مسز عبدالقیوم نے دلچسپی سے استفسار کیا۔

"آپ کا کیا خیال ہے کیا ہوا ہوگا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔ وہ جیسے سوچ میں پڑ گئیں۔

"کہیں اس چھڑے چھانٹ لڑکے کا کریکٹر تو خراب

نہیں نکل آیا؟" مسز عبدالقیوم نے قیاس ظاہر کیا۔
"ارے نہیں نہیں، بندہ تو وہ بہت شریف ہے۔ اپنی بیوی کے سوا کسی کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔" میں نے بے ساختہ مسکراہٹ کا گلا گھونٹتے ہوئے فوراً ان کی بات کی تردید کی۔
"تو پھر بتایئے نا کیا ہوا؟ آپ بلاوجہ تو مجھے یہ سبق آموز قصہ سنانے سے رہیں۔" مسز عبدالقیوم مسکرائیں۔ وہ کافی ذہین خاتون ثابت ہو رہی تھیں۔
"جی مسز عبدالقیوم میں یہی بات تو آپ کو سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ انسان اپنی زندگی کے متعلق پلاننگ تو کرتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ زندگی اسی پلاننگ کے مطابق گزرے۔ کاتب تقدیر نے زندگی کے اگلے موڑ کے متعلق کیا لکھ رکھا ہوتا ہے یہ کسی کو بھی نہیں پتہ ہوتا۔ خیر میں بات مختصر کرتی ہوں، شادی کے کچھ دنوں بعد تک لڑکی نے واقعی اپنے سسرال میں بہت عیش کیے۔ کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ تھا۔ ہر کام کی مکمل آزادی تھی۔ شوہر بزنس کے جھمیلوں میں مصروف رہتا تھا کیونکہ باپ نے اپنا سارا کاروبار بیٹے کے سپرد کر کے خود مسجد سنبھال رکھی تھی لیکن مصروفیت کے باوجود لڑکی کا شوہر بیوی کی ہر خواہش کی تکمیل کے لیے وقت نکالتا تھا۔ اس کی ہر چھوٹی بڑی فرمائش پوری کرتا تھا۔ لڑکی بہت خوش تھی اور اسے خوش دیکھ کر اس کے والدین اس سے زیادہ خوش۔ خصوصاً اس کی والدہ اپنے فیصلے کی درستگی پر بہت مسرور رہتیں وقت گزرتا رہا پھر اچانک لڑکی کے سسر نے ایک انوکھا فیصلہ کر ڈالا۔ انہوں نے ثواب کی نیت سے آٹھ بچوں کی بیوہ، بے سہارا ماں سے عقد ثانی کر لیا۔ سوتیلی ساس اور اس کے بچوں نے آتے ہی لڑکی کی راجدھانی پر قبضہ کر لیا۔ لڑکے کا باپ جو اتنے عرصہ سے بزنس بیٹے کو سونپ کر خود ریٹائرڈ لائف گزار رہا تھا اب نئے سرے سے کاروبار کی باگ ڈور سنبھال لی۔ باپ کی فرم میں بیٹے کی حیثیت تنخواہ دار ملازم کی ہو گئی وہ گھر جہاں امن و آشتی کا دور دورہ تھا اب وہاں ہر وقت ایسی ہلچل مچی رہتی کہ کسی تقریب کا گمان ہوتا۔ نازک اندام لڑکی اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی۔ گھر کا پُرسکون ماحول خواب و خیال ہو گیا تھا وہ اپنے ہی گھر میں اجنبی بن کر رہ گئی اور اجنبی اس گھر کے بلاشرکت غیرے مالک بن بیٹھے۔ لڑکی کی والدہ کو اب اپنے فیصلے پر رہ رہ کر قلق ہوتا اور یہ قلق اس وقت سوا ہو جاتا جب وہ اس لڑکے کے گھر پر نظر ڈالتیں جس کا رشتہ انہوں نے بھرے پرے گھر کی وجہ سے ٹھکرا دیا تھا۔ اس لڑکے کی ماں بیٹے کی شادی کے فقط ڈیڑھ برس بعد راہی عدم سدھار گئی۔ دو بیٹیوں کی شادی اس نے اپنی زندگی میں ہی کر دی۔ باقی بچیاں بھی مناسب وقت پر اپنے گھربار کی ہو گئیں۔ لڑکے کا ایک بھائی باہر پڑھنے گیا تو وہیں سیٹل ہو گیا۔ سب سے چھوٹے والے کو آرمی میں سلیکشن مل گیا۔ بچوں کے فرائض سے فارغ ہو کر سسر نے مسجد سنبھال لی اور اطمینان بخش بات یہ ہے کہ اب تک سنبھال رکھی ہے۔ اب اس بھرے پرے سسرال والے بڑے سے گھر میں وہ لڑکی اپنے تین بچوں اور شوہر کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار رہی ہے۔" میں نے مسز عبدالقیوم کو مسکراتے ہوئے بتایا۔ اس بار وہ خاموش ہو کر کسی سوچ میں پڑ گئی تھیں۔
"میری مانیں تو گھر جا کر اس رشتے پر ایک بار پھر غور کیجیے جو میں نے آپ کی بچی کے لیے بتایا ہے۔ بہت اچھی، شریف فیملی ہے۔ فیملی کے سائز کو بنیاد بنا کر انکار کرنا مناسب نہیں اور پھر انسان رشتوں سے کٹ کر زندگی کیسے گزار سکتا ہے۔ یہ رشتے ناتے تو زندگی کا حسن بڑھاتے ہیں زندگی میں چاشنی پیدا کرتے ہیں۔ آپ خود سوچیں، بچوں کے جو لاڈ دادی، چاچو، پھوپیاں اٹھاتے ہیں کیا ان رشتوں کا کوئی متبادل ہو سکتا ہے۔ سسرالی رشتہ داروں کو ہوا بنا کر سر پر سوار مت کریں۔ ان رشتوں کا زندگی میں ہونا بہت نیچرل بھی ہے اور کسی حد تک لڑکی کے لیے بہت ضروری بھی۔" میں نے انہیں سمجھانے کی آخری کوشش کی۔
"ٹھیک ہے مسز احمد میں گھر جا کر اپنے شوہر سے مشورہ کرتی ہوں۔ پھر آپ کو اپنے جواب سے آگاہ کر دوں گی۔" مسز عبدالقیوم نے اس بار کوئی اختلافی نکتہ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ رخصت ہو گئیں تو میں نے کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر

آنکھیں موند لیں۔ میرے ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ مسز عبدالقیوم کو کیا پتہ کہ میں نے انہیں جس لڑکی کا قصہ سنایا ہے وہ قصہ نہیں میری سچی آپ بیتی تھی۔ احمد سے شادی سے پہلے زریں پھوپو نے کتنی کوشش کی تھی کہ امی ان کے جیٹھ کے بیٹے سے میری شادی پر راضی ہوجائیں۔ امی کو بھرے پرے کنبے سے خلجان ہوتا تھا۔ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو کسی جنجال پورہ جیسے سسرال میں بیاہنے پر قطعاً راضی نہ ہوئیں۔ زریں پھوپو نے مایوس ہوکر چھوٹی چچی کی بہن کا آصف سے رشتہ طے کروا دیا۔ آصف اور رامین ایک پُرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔ الحمدللہ میں بھی اپنی زندگی سے مطمئن ہوں۔ احمد بہت محبت کرنے والے شوہر ہیں۔ ابا جی (سسر) کی شادی کے بعد کچھ سال واقعی ہم نے بہت کرائسس میں گزارے۔ میری سوتیلی ساس بہت خرانٹ قسم کی خاتون ثابت ہوئیں انہوں نے سسر کے کان بھر کر احمد کو کاروبار سے بالکل بے دخل کروادیا تھا۔ معمولی سی تنخواہ میں ہمارا گزارا ممکن نہ تھا تب زریں پھوپو کے مشورے پر میں نے میرج بیورو کھول کر اپنے ذاتی کام کا آغاز کردیا۔ زریں پھوپو کی رہنمائی میسر تھی جو میرا کام چند ہی دنوں میں اچھا چل نکلا۔ احمد نے بھی ایک پرائیویٹ فرم میں نوکری کرلی اب زندگی اچھی گزر رہی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ سب کچھ امی کی پلاننگ کے برعکس ہوا۔ میرے نصیب میں جن مشکلات کا سامنا لکھا تھا وہ سامنا ہوکر رہا اور جو نعمتیں اور آسائشیں مجھے ملنی تھیں وہ مل کر رہیں۔ وقت سے پہلے اور نصیب سے زیادہ کسی کو کچھ نہیں مل سکتا یہ حقیقت جو جتنی جلدی جان لے اتنا ہی اچھا ہے۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

قسط نمبر 13

گزشتہ قسط کا خلاصہ

عشو بوا قطعاً نہیں چاہتی کہ آفاق کی شادی ہو اور تمام اختیارات سفینہ کو سونپ دیے جائیں اسی مقصد کے تحت وہ روشی کے دماغ میں غلط باتیں بھر دیتی ہیں اور روشی بھی کسی طور سفینہ کو اپنی بھابی بنانے پر آمادہ نہیں ہوتی روشی کی سوچ کی یہ تبدیلی اسریٰ خالہ کو تشویش میں مبتلا کر دیتی ہے جبکہ دوسری طرف آفاق کو لگتا ہے کہ سفینہ ہی اس کے لیے بہترین انتخاب ثابت ہوگی اسریٰ خالہ سفینہ کے گھر جاتی ہیں اور جلد از جلد منگنی کی تاریخ طے کرنا چاہتی ہیں لیکن ہمزاد عجیب الجھن کا شکار نظر آتے ہیں اور کچھ بھی فیصلہ نہیں کر پاتے۔ فائز سائرہ بیگم کو جائیداد اور خان ہاؤس کے حصول کے خواب دکھا کر سفینہ کے لیے آمادہ کر لیتا ہے جبکہ دلشاد بیگم کو بیٹی کی یہ بات قطعی پسند نہیں آتی دوسری طرف وہ بتول سے شرمیلا کا کہہ چکی تھیں لیکن سائرہ کے نزدیک شرمیلا سے شادی ہونے پر خان ہاؤس اور جائیداد ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اتفاق سے بتول دروازے پر کھڑی سائرہ بیگم کی تمام باتیں سن لیتی ہے اور یہ منافقانہ رویہ دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے۔ شرمیلا کے لیے نبیل کا بدلتا مزاج بے حد تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ آج بھی فائز کی محبت سے پیچھا چھڑانے کی خاطر وہ نبیل کے ساتھ ہے دوسری طرف نبیل شادی کی تقریب میں شرمیلا کو دیکھ کر اس کی غلط فہمی کو دور کرنا چاہتا ہے۔ لیکن شرمیلا اسے یہ موقع نہیں دیتی نبیل اپنے باپ کے رویے کا ذکر کرتے اپنی مجبوریوں کا جتاتا ہے تو شرمیلا عجیب الجھن کا شکار نظر آتی ہے دوسری طرف صائمہ اسے مستقل نبیل سے دور رہنے کا کہتی ہے اور نبیل کا بھی یہی موقف ہوتا ہے کہ وہ صائمہ سے تعلق نہ رکھے، بتول بیٹی کی نبیل سے دوستی سے آگاہ ہو جاتی ہے اور جب ہی شرمیلا سے شادی کا تذکرہ کرتی ہے شرمیلا ماں کے منہ سے یہ سن کر دنگ رہ جاتی ہے۔ سائرہ بیگم جلال خان کو یہ خوش خبری سناتی ہیں کہ وہ جلد ہی خان ہاؤس جا کر فائز اور سفینہ کے نکاح کی ڈیٹ فکس کرنا چاہتی ہیں جلال خان یہ سن کر بے حد خوش نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف سائرہ بیگم بیٹے سے کہتی ہیں اگر ریحانہ بیگم نے انہیں انکار میں جواب دیا تو اسے سفینہ کو ہمیشہ کے لیے بھولنا ہوگا ماں کے منہ سے یہ بات سن کر فائز کی خوشی افسردگی میں بدل جاتی ہے اسے لگتا ہے کہ اس کی محبت کے ابھی اور بہت سے امتحانات باقی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❀❀
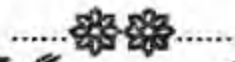
''کیا بات ہے اماں......؟'' سائرہ بیگم جو جانے کی تیاریوں میں مگن تھیں، ماں کی آواز پر چونک اٹھیں۔

''کہاں کی تیاریاں ہیں؟'' دلشاد بانو نے کمرے میں داخل ہو کر سر سے پیر تک بیٹی کا جائزہ لیا اور پھر طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''کیسی تیاری اماں، عام سے کپڑے تو پہنے ہیں۔'' سائرہ نے ایک سرسری سی نگاہ اپنے سبز چکن کے لباس پر ڈالی اور بات گھمائی۔

''ہاں...... ہاں تو گھر کے کپڑوں میں جہاں بھی جانے کی تیاری ہے، وہیں کا بتا دے۔'' تیز لہجے میں فٹ

سے بولیں۔

"اگر اماں کو بتادیا کہ فائز کے رشتے کے سلسلے میں خان ہاؤس جارہی ہوں تو بلاوجہ کی بدمزگی ہوگی۔" وہ ہونٹ چبا کر سوچنے لگیں۔

"اے کس سوچ میں پڑگئی ہے؟" دلشاد نے بےچینی سے پہلو بدلا۔

"کچھ نہیں...... میں ذرا فائز کے ایک دوست کی والدہ سے ملنے جارہی ہوں۔" سائرہ نے چٹیا میں بل دیتے ہوئے نگاہیں چرائیں۔

"واہ بیٹی...... تو اب ماں سے بھی چھپائے گی۔" وہ تو سرتاپا جل کر بھسم ہوئیں۔

"کیا مطلب' کیا چھپارہی ہوں؟" سائرہ کے ہاتھ سے کنگھا چھوٹ کر گرا۔

"اچھا تو پھر راستے میں خان ہاؤس بھی پڑے گا، دیورانی کی خیر خیریت لینے کے لیے تو وہاں بھی دو گھڑی رک جائیو۔" انہوں نے تاک کر طنز کیا۔

"اماں...... تمہیں پتا ہے تو کیوں پہیلیاں بجھارہی ہو۔ ہاں وہیں جارہی ہو۔" سائرہ کو بھی غصہ آ گیا۔

"اری...... میری بلا سے تو فائز کی شادی سفینہ سے کرے یا شمینہ سے مجھے کیا، مگر ایک بات یاد رکھیو، کل کو اپنے دکھڑے رونے کے لیے ماں کا کاندھا نہ ڈھونڈنا۔" وہ ہاتھ نچانچا کر بیٹی کو سنانے لگیں۔

"اماں سے بھی توبہ ہے، بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتی ہیں۔" سائرہ نے کوفت بھری نگاہوں سے انہیں گھورا۔

"اور بات سن...... سفینہ دلہن بن کر میری دہلیز پر تو قدم رکھے گی نہیں، اس لیے اپنا سامان باندھ کر واپس جانے کی تیاری کرلے۔" دلشاد جذبات میں کچھ زیادہ ہی بول پڑیں۔

......❀❀......

"کیا تم مجھے اپنے انگلش کے نوٹس دے سکتی ہو۔" صائمہ نے کوریڈور میں کھڑی شرمیلا کو دیکھ کر پکارا۔

"نہیں......" شرمیلا نے اکتائے ہوئے لہجے میں مختصر سا جواب دیا۔

"ایسی کیا بات ہوگئی ہے، جو تم ایک دم ہی بدل گئی ہو۔" صائمہ کو تپ چڑھی۔

"یہ بات تو تمہارے سوچنے کی ہے۔" شرمیلا نے اسے بڑے خاص انداز میں دیکھا۔

"اس قدر بیزاری تم تو وہ نہیں رہی۔" صائمہ نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر شکوہ کیا۔

"ارے نہیں یار...... میں بالکل ویسی کی ویسی ہوں۔" شرمیلا نے چند لمحوں میں خود پر ضبط کے پہرے بٹھائے اور مصنوعی انداز میں جواب دیا۔

"ہا...... ہا اگر میں تمہیں اچھی طرح سے جانتی نہ ہوتی تو اس بات پر آنکھیں موند کر یقین کرلیتی۔" صائمہ کے لبوں سے سرد آہ نکلی۔

"تم سب چھوڑو یہ بتاؤ کہ آنٹی کیسی ہیں؟" شرمیلا نے اس کی توجہ کا رخ موڑنا چاہا۔

"وہ تو ٹھیک ہیں اور تمہیں بہت یاد بھی کررہی تھیں۔" صائمہ نے سچائی سے بتایا۔

"انہیں میرا سلام کہنا اچھا اب میں چلوں' ذرا کچھ کام ہے۔" شرمیلا نے پیچھا چھڑانے میں تیزی دکھائی۔

"ویسے مسٹر نبیل کا کیا حال ہے؟" صائمہ نے جلدی سے پیچھے سے کلائی تھام کر وہ بات پوچھی، جس کے لیے وہ اس کے پاس آئی تھی۔

"نبیل......!" شرمیلا کا انداز سوالیہ تھا۔

"ہاں..... نبیل علی۔" اس نے شرمیلا کو گھورتے ہوئے سر ہلایا۔
"ان کی خبر تو مجھ سے زیادہ تمہیں ہوتی ہے تو اب تم شروع ہو جاؤ۔" شرمیلا نے دانت کچکچائے اور بیگ کی زپ بند کی۔
"دیکھو شرمیلا...... میں نے اب تک تمہیں جو کچھ بھی بتایا، وہ تمہارے ہی مفاد میں تھا۔" اس کے لہجے میں خلوص تھا۔
"اچھا واقعی؟" ایک طنزیہ مسکراہٹ شرمیلا کے حسین لبوں کو چھوگئی۔
"تم جو بھی سمجھو مگر آج میں تمہیں اپنی سچائی کا ثبوت دے کر رہوں گی۔" صائمہ نے رجسٹر پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔
"اچھا..... اس سے کیا ہوگا۔" اس نے لاپروائی سے کاندھے اچکائے۔
"نبیل کے چہرے پر چڑھا خوشنما نقاب اتر جائے گا۔" وہ بڑے یقین سے بولی۔
اچھا تو پھر شروع ہو جاؤ۔ کیا پتا کسی اور کا دل بے نقاب ہو جائے۔" شرمیلا نے ہنستے ہوئے کہا۔
"مطلب تم مجھے مورد الزام ٹھہرا رہی ہو۔" صائمہ کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

......❀❀......

جانے کیوں دلشاد بانو کو ریحانہ اور اس کی بیٹی سے کوئی جنم جنم کا بیر تھا۔ ویسے بھی وہ فطرتاً کینہ پرور اور مردمار قسم کی عورت تھی، اسی لیے بیٹی کو اپنے تابع دیکھنا چاہتی تھیں۔ اس لیے بلاوجہ کا ڈراوا دیا۔
"کیا کہہ رہی ہیں اماں۔" سائرہ نے ہک دک ہو کر ماں کی طرف پلٹ کر دیکھا۔
"کیوں کچھ غلط کہا کیا؟" بیٹی سے نگاہ ملانے کے بعد وہ کچھ گڑبڑائیں۔
"مجھے کم از کم آپ سے اتنی غیریت کی امید نہ تھی۔" سائرہ کا لہجہ بھرایا، آنکھیں نمناک ہوئیں۔
"ہاں تو..... تو کون سا بیٹی کا فرض نبھانے چلی ہے۔" دلشاد کچھ گھبرا کر بولیں۔
"میں نے کیا کیا ہے، ہمیشہ آپ کی ہی سنی۔" سائرہ کو طیش آ گیا، فوراً آنکھیں پونچھ کر چلائی۔
"تو اس بار کون سے پسو پڑ گئے جو تو میری مان کے نہیں دے رہی۔"
"میری، بہت بہت پیاری سی اماں۔ نواسے کی خوشی کے لیے اپنا غصہ تھوک دیں نا۔" سائرہ نے مصلحتاً ماں کو مسکہ لگانے میں ہی عافیت جانی۔
"اری چل دور ہو میں کہاں کی پیاری۔ تیری تو راج دلاری، وہ سفینہ بنی ہوئی ہے۔" انہوں نے بیٹی کو دھکیل کر دور کیا۔
"اماں میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں۔" سائرہ کا لہجہ گلوگیر ہوا۔
"ہاں تو پھر اس کا عملی مظاہرہ پیش کر۔"
"سچ میں آپ کی خوشی ہی میں میری خوشی ہے مگر مجھے فائز کا مستقبل بھی عزیز ہے۔" سائرہ نے چند لمحے رک کر بڑی سنجیدگی سے ماں کو دیکھا۔
"نہ تو یہ بتا کہ کیا میرے بچے کا اچھا مستقبل اس نگوڑی سفینہ سے جڑا ہوا ہے؟"
"میری راج دلاری اماں! ویسے تو سب کچھ اللہ جی کے اختیار میں ہے، مگر انسان خود بھی تو ہاتھ پیر چلاتا ہے۔" اس نے تپنے کے باوجود اپنے لہجے میں شیرینی گھولی اسے گھر سے جانے میں کوئی اعتراض نہیں تھا بس جلال جن نظروں سے

اسے دیکھتے ان سے وہ خائف ہورہی تھی۔
"میں بھی نہیں؟" دلشاد نے بیٹی کو ترچھی نگاہوں کی زد پر لیا۔
"بھئی سیدھی سی بات ہے جلال خان کا کاروبار تباہ ہوچکا ہے، بیماری کی وجہ سے آپ کے داماد کچھ کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں رہے، ایسے میں فائز پر ساری ذمہ داریاں آگئی ہیں۔" سائرہ کا لہجہ ٹوٹا ٹوٹا سا ہوا، لہجہ بھر آیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔
"ہاں تو...... تو مجھے یہ ساری باتیں ایسے بتارہی ہے جیسے میں اس گھر میں نئی آئی ہوں۔" بیٹی کی اتری صورت دیکھ کر بھی وہ ہولی نہ ہوئیں۔
"بس اماں...... میں کون سا سفینہ کو دل سے چاہتی ہوں پر دل پر چٹان رکھ کر یہ رشتہ طے کرنے جارہی ہوں، آپ جانتی ہیں کہ اس وقت خان ہاؤس کی قیمت کیا ہے، اس شادی سے یہ بڑا اسارا امکان میرے فائز کو مل جائے گا...... تو اس کی آل اولاد کے لیے ایک اپنا ٹھکانہ ہوجائے گا۔" وہ بڑی سفاکی سے رشتوں کو مطلب کے پلڑے میں تول رہی تھیں۔
"ہونہہ......" دلشاد نے سر ہلانے پر اتفاق کیا جبکہ بیٹی سے اتنی سمجھداری کی امید نہیں تھی دال میں کچھ کالا سا محسوس ہورہا تھا۔
"اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو پھر جو آپ کی مرضی کیونکہ میں آپ کا دل نہیں توڑ سکتی اس لیے وہاں نہیں جاتی۔" سائرہ نے ماں کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے، چارہ پھینکا۔
"باتیں بند کر اور جلدی سے جانے کی تیاری کرلے۔" وہ مسکرائیں۔
"اچھا اماں۔" انہوں نے بظاہر سوکھا سا منہ بنایا مگر اپنی کامیابی پر دل ہی دل میں شاداں ہوئیں۔
"مگر تو جائے گی کس کے ساتھ۔" دلشاد بانو نے بیٹی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔
"فائز نے لنچ ٹائم میں مجھے لے کر جانے کا کہا تھا، آتا ہی ہوگا۔" انہوں نے دیوار گیر گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔
"غضب خدا کا حد ہوگئی میں تو بھول ہی گئی۔ اے تم اکیلی جا کر کیا کرو گی، کہو تو میں بھی ساتھ چلوں؟" دلشاد نے پاندان کھولا اور فوراً ہی بند کرتے ہوئے فکر مندی دکھائی۔
"ہاں...... نہیں...... نہیں پہلے میں ایک چکر لگا آؤں۔" ماں کی پیش قدمی پر گھبرا کر انکار میں سر ہلایا، معاملہ بگاڑنا تھوڑی تھا اور دلشاد بیگم سے اچھی امید رکھ بھی نہیں سکتی تھی۔
"ممی آجائیں۔" فائز نے باہر سے آواز لگائی۔
"بس آرہی ہوں بیٹا۔" انہوں نے بھی دروازے کی سمت منہ کرکے زوردار آواز میں جواب دیا۔
"اوکے اماں...... جلال خان کا دلیہ پکادیا ہے، ایک گھنٹے بعد کھلا دیجیے گا۔" سائرہ نے چادر اوڑھتے ہوئے ہدایت دی۔
"چل ٹھیک ہے مگر میری بھی ایک بات سنتی جا۔" دلشاد نے بیٹی کو بغل میں پرس دابے باہر نکلتے دیکھ کر پیچھے سے پکارا۔
"یااللہ...... اب کیا رہ گیا سنانے کو؟" سائرہ نے ہولتے ہوئے رک کر پوچھا۔
"فائز کی دوسری شادی نہ کروائی تو میرا نام بھی دلشاد بانو نہیں۔" انہوں نے تھوڑی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"نانو...... پہلے ایک تو ہوجانے دیں، وہ ہی ایک برس سے اٹکی ہوئی ہے۔" فائز نے مسکرا کر جواب دیا، جو ماں کو بلانے اس طرف آیا تھا۔

❀❀
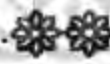
"تمہاری بات میں وزن تو ہے..... مگر کیا کروں، مجھے پہلے ہی سب پتا چل چکا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔
"کیا پتا چل چکا ہے۔" وہ گھبراہٹ میں ہکلائی۔
"یہی کہ دوستی کا ڈھکوسلا کرتے ہوئے کس نے کتنا مالی فائدہ اٹھایا۔" شرمیلا نے یوں کہا کہ صائمہ زمین میں گڑ گئی۔
"یہ بات تلخ سہی مگر اب پردہ کشائی ضروری ہوگئی تھی، بھلا میں بھی کب تک پنگ پانگ کی بال بنی رہوں۔" صائمہ کی زرد صورت دیکھ کر شرمیلا نے افسردہ ہو کر سوچا۔
"اچھا میں لاکھ بری سہی مگر اچھا وہ بھی نہیں جو تم سے جھوٹا پیار جتاتا ہے۔" اچانک صائمہ نے شرمیلا کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹا۔
"اور تم کیا کرتی رہی ہو؟" شرمیلا اذیت سے آنکھیں میچ کر بولی۔
"ادھر آؤ تم میرے ساتھ۔" صائمہ تیز تیز چلتے ہوئے بولی۔
"ایک منٹ تم مجھے کہاں لے کر جا رہی ہو؟" شرمیلا نے اس سے ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش میں ہلکان ہوتے ہوئے پوچھا۔
"میں تمہیں اس شخص کی اصلیت دکھانا چاہتی ہوں۔" وہ تیز تیز چلتے ہوئے بولی، یوں لگا کہ اب وہ نبیل کے سامنے جا کر ہی دم لے گی۔
"کیا دکھانا چاہتی ہو؟" شرمیلا نے برابر میں چلتے ہوئے پوچھا۔
"میں تمہیں ایک لڑکی ارج سے ملوانا چاہتی ہوں، جس کے ساتھ نبیل نے دو سال تک محبت کی پینگیں لڑائی تھیں۔" اس نے پھولی سانسوں کے ساتھ جواب دیا مگر شرمیلا تیزی سے وہاں سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی اور فوراً ہی نبیل کو کال ملا دی۔

❀❀
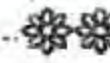
"بھابی بڑے دنوں بعد چکر لگایا۔" ریحانہ نے بہت زیادہ خیر سگالی کا مظاہرہ نہیں کیا۔
"ہاں، بس کام ہی ایسا پڑ گیا کہ خود چل کر آنا پڑا۔" سائرہ کو دیورانی کا انداز نا گوار تو گزرا مگر مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔
"جی ضرور..... مگر پہلے یہ بتائیں کہ آپ کو کیسے پتا چلا کہ میری سفی کا رشتہ اتنے بڑے گھر میں ہو گیا ہے۔" وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی بات کو گھما پھرا کر وہیں لے آئیں۔
"ہائیں یہ کیا کہہ رہی ہو چھوٹی دلہن۔" سائرہ ایک دم سینے پر ہاتھ مار کر اپنی نشست سے کھڑی ہو گئیں۔
"سچ تو بول رہی ہیں جب ہی تو آپ ہمارا منہ میٹھا کرانے آئی ہیں نا۔" وہ چہک کر بولیں۔
"تم شاید بھول گئی ہو کہ سفینہ فائز کی بچپن کی منگ ہے۔" سائرہ نے حق جتایا۔
"میں نے تو بہت سالوں تک یہ بات یاد رکھی..... مگر پھر آپ کی خواہش پر ہی بھولنا پڑا۔" ریحانہ نے طنز کے تیر چلائے۔
"تم اچھا نہیں کر رہی۔" سائرہ نے کھڑکی سے باہر لان کا نظارہ دیکھا، جہاں فائز اور سفینہ ایک ساتھ کھڑے، بہت جچ رہے تھے۔
"یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ کون اچھا کر رہا ہے، کون برا؟" ریحانہ نے بڑے یقین سے کہا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-
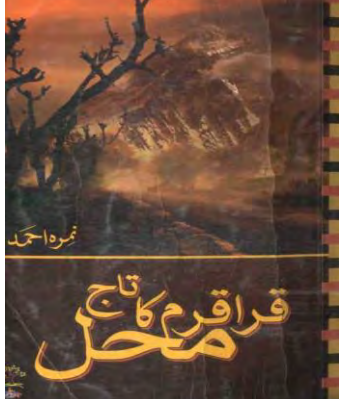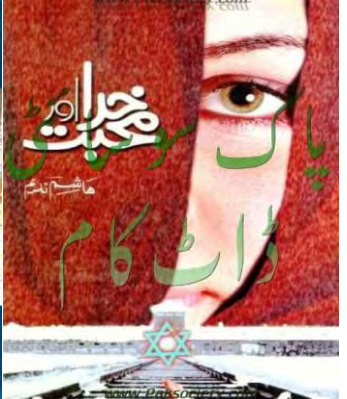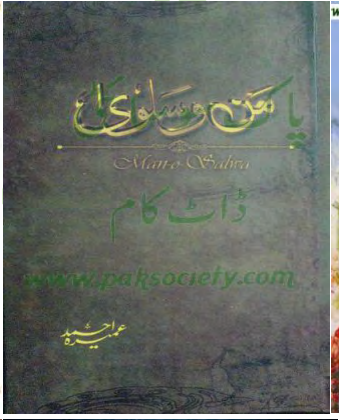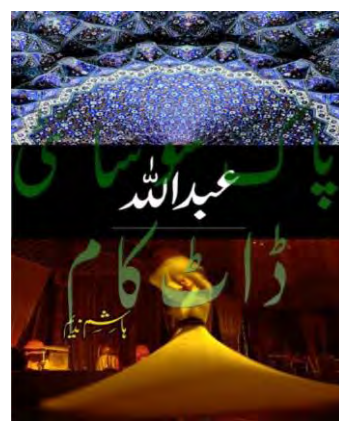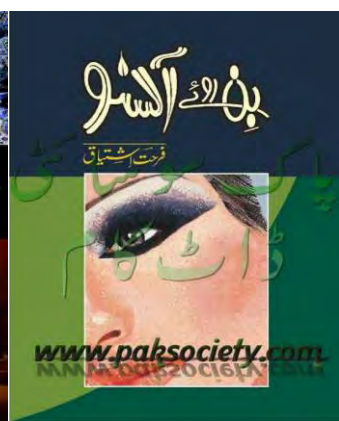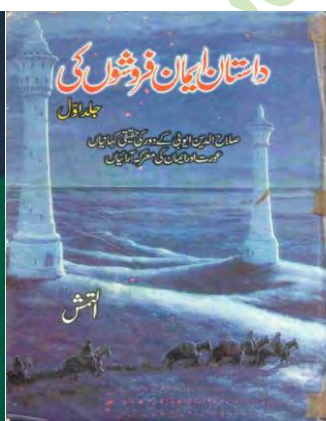
"نہیں چھوٹی دلہن کل میں نے اپنے بچوں کی خوشیوں سے آنکھیں چرائیں، آج تم تک ان کی آواز نہیں پہنچ رہی۔" سائرہ کے لہجے میں برسوں کی تھکن سمٹ آئی تھی۔
"جو بھی ہو بڑی بھابی مگر میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔" ریحانہ نے بڑے زعم سے جواب دیا۔
"دیکھو کل کو پچھتانا نہ پڑے۔" سائرہ نے عادت کے برخلاف بیٹے کی محبت میں اتنی جرح بھی کرلی۔
"فکر نہ کریں اگر پچھتائی بھی تو آپ کے پاس نہیں آؤں گی۔"
"چلو ٹھیک ہے......" سائرہ نے چادر اوڑھی اور باہر کی طرف قدم بڑھادئے۔ ریحانہ کے چہرے پر فاتحانہ رنگ تھے دل میں عجیب سا سکون محسوس ہو رہا تھا۔

......❀❀......

سوگواری نے ماحول کو اپنے پنجے میں یوں جکڑا، دل گھٹنے سا لگا، اذیت میں مبتلا سفینہ نے تو فائز کی طرف نظر بھر کر دیکھنا بھی چھوڑ دیا تھا مگر فائز اس کی سوجی سوجی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر کرب میں مبتلا ہونے لگا تھا۔ اس نے اپنے سامنے کھڑی سفینہ کی ٹھوڑی پر انگلی ٹکا کر چہرہ اوپر کیا۔ سفینہ نے جلدی سے ہاتھ کی پشت گال پر پھیرتے ہوئے آنسو بھری آنکھوں سے فائز کو دیکھا۔
"فائز...... ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟" وہ تڑپ کر رو دینے لگی۔
"میں خود حیران ہوں کہ چاچی نے کتنی آسانی سے سارا معاملہ ہی ختم کردیا۔" فائز نے خشک لبوں کو کھولا، پیاس کا احساس بڑھتا جارہا تھا۔
"ان لوگوں کو سمجھانا بیکار ہے۔" سفینہ نے نرم ہونٹوں کو بے دردی سے کاٹا۔
"جو بھی ہونے جارہا ہے، وہ میرے لیے تو ناقابل برداشت ہوگا۔" فائز نے اسے بغور دیکھ کر جتایا۔
"میں بھی ایسی ہی اذیت سے گزر رہی ہوں۔" سفینہ دو قدم چل کر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔
"تو پھر؟" فائز نے سنہری آنکھوں میں جھانکا، جہاں اس کی دنیا آباد تھی۔
"اچھا...... آپ ایک وعدہ کرتے ہیں؟" وہ کچھ سوچ کر بولی۔
"ہاں...... وعدہ کرتا ہوں......" اس نے بنا پوچھے ہی اقرار کیا اور جو اعتماد بھرا تھا۔
"اور چاہے کچھ بھی ہوجائے، کسی حال میں بھی یہ وعدہ نہ توڑیں گے؟" اس کی پُرسوچ نگاہیں بہت دور جا پہنچیں تھیں۔
"میں اپنی آخری سانس تک وعدے کا پاس رکھوں گا' خواہ کچھ بھی ہوجائے۔" اس نے ایک ہاتھ بڑھا کر سفینہ کی مومی انگلیوں کو چھوا۔
"اتنا اعتبار......؟" سفینہ نے اپنے آنسو پونچھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"تمہاری سوچ سے بھی زیادہ......" فائز نے جھک کر کانوں میں سرگوشی کی۔
"اچھا اگر میری شادی کہیں اور طے پاجائے تو...... تو......" اس کے لب لرزے۔
"تو کیا سفی۔" فائز نے اس کے کاندھے پر اپنے ہاتھ جما کر جھنجھوڑ ڈالا۔
"تو...... مجھے اپنے ہاتھوں سے مار دیجئے گا۔" وہ بولتے ہوئے ایک دم سسک اٹھی۔
"میں اپنا گلا خود سے کیسے گھونٹ سکتا ہوں میری جان؟" اس نے بھی جذباتی ہوکر اسے خود سے لگالیا۔
تھوڑی دیر کے لیے گہری خاموشی چھا گئی، خوشیوں سے دور، دکھوں کے قریب محسوس کی جانے والی خاموشی۔

"سفی منفی باتوں کے چنگل سے دور نکل آؤ اور بس مثبت باتیں سوچنا۔" پھر فائز نے سکوت کو توڑا۔
"ان حالات میں کوئی اچھی بات کیسے سوچ سکتا ہے۔" سفینہ نے جامنی آنچل سے گیلی آنکھوں کو خشک کیا۔
"چلو مسکرا دو..... تم کیا چپ ہوئی ہوائیں خاموش ہوگئی، آسمان کا چاند بھی آہ وزاری میں مبتلا ہے ستاروں نے ٹمٹمانا چھوڑ دیا ہے۔ فائز نے نشاط سے دونوں ہاتھ تھام لیے اور بڑے شاعرانہ انداز میں، بڑی محبت سے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔
اس کے لمس میں جانے کیسا جادو تھا، آنکھوں سے کیسی محبت ٹپکی، تسلی میں کیسی محبت تھی، سفی کا دل ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا۔

.......❀❀❀.......

"دیکھو میں بہت ضروری بات کرنے آئی ہوں۔" صائمہ نے صبح صبح اس کے گھر پر چھاپہ مارا، شرمیلا کی ابھی صبح ہی ہوئی تھی اور اسے اپنے سامنے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی لیکن اس پر ظاہر نہیں ہونے دی اور جلال کو ہاتھ سے روکتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"اب تم دوبارہ سے شروع مت ہو جانا۔" وہ لمبے بالوں کو بل دے کر اونچا جوڑا بناتے ہوئے بے اعتنائی سے بولی۔
"تم نے اس دن تو میری بات نہیں سنی، مگر آج میں اپنی بات کہے بنا نہیں جانے والی۔" صائمہ نے اس کے بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"معاف کر دو یار۔" شرمیلا نے اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھی۔
"ارے..... ارے رُکو تو پہلے میری بات سنو۔" صائمہ نے اُس کی تیز رفتاری پر پیچھے سے پکارا۔
"ہاں سناؤ؟" وہ رک گئی۔
"میں اس دن تمہیں اس لڑکی سے ملوانے والی تھی مگر تم رکی ہی نہیں۔" شکوہ صائمہ کی زبان پر تھا وہ جتنا اس موضوع سے بچنا چاہ رہی تھی صائمہ اتنا ہی اسے زچ کر رہی تھی۔
"ارج کے علاوہ، سونیا، ماریہ اور منورہ سے بھی تو نبیل کی دوستی تھی، ان سے کب ملواؤ گی۔" وہ فاتحانہ انداز میں گردن اٹھا کر بولی اور دل ہی دل میں نبیل کو داد دی تھی جس نے صائمہ کے کرتوت اس کے گوش گزار کر دیئے تھے۔
"تم سب کو جانتی ہو۔" شرمیلا نے جو انکشاف کیا، وہ حیرت زدہ سی اس کو دیکھتی رہ گئی۔
"ہاں مگر اصل بات یہ نہیں ہے، معاملہ تو کچھ اور ہے۔" اب کی بار وہ بڑے خاص انداز میں صائمہ کو سرتاپا گھورتے ہوئے بولی۔
"اب کون سا معاملہ رہ گیا ہے وہ بھی بتا دو۔" صائمہ کا جوش ٹھنڈا پڑ چکا تھا، دھیمی آواز میں پوچھا۔
"ان سب لڑکیوں سے میرا کوئی ناطہ نہیں اس لیے مجھے ان کی پروا بھی نہیں مگر......" وہ صائمہ کے مقابل کھڑی ہو کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ صائمہ سے کچھ نہ بولی مگر اس کے چہرے پر چھپا ہوا سوالیہ نشان صاف پڑھا جا رہا تھا۔
"دکھ ہے تو صرف اس بات کا کہ صائمہ نے مجھے کیوں دھوکا دیا۔" شرمیلا کا کاٹ دار لہجہ اس کے دل میں جا کر کھب گیا منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔
"نبیل علی تم کیا چیز ہو؟" اس نے نمناک آنکھوں سے جاتی ہوئی شرمیلا کو دیکھا، جواب خود سے مزید دور جاتی محسوس ہوئی۔

نبیل تو اس کی توقع سے بھی زیادہ شاطر نکلا۔ اپنی محبت کی ایک ایک داستان خود سے شرمیلا کو سنا کر معصوم بن گیا۔ وہ صائمہ کی سوچ کی گہرائیوں پر نگاہیں جمائے بیٹھا تھا، اسی لیے اس کی ہر چال الٹی پڑتی جارہی تھی۔

.......❀❀.......
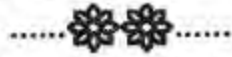
خوشیوں نے پوری طاقت کے ساتھ اس کے دل کے دریچے پر دستک دی تھی، مگر وہ پورا زور لگا کر بھی اس کے کیواڑ نہ کھول سکی۔

''آگے کیا ہونے والا ہے؟'' ایک بڑا سا سوالیہ نشان آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

''کہیں اس کی محبت خاندانی چپقلش کی نذر ہونے تو نہیں چلی'' اس نے سہم کر سوچا۔

''امی آپ اتنی سخت دل کیوں ہوگئی ہیں۔'' اس کے دل میں ماں کے لیے بہت سارے گلے شکوے جمع ہوگئے۔

''کہیں فائز سے بچھڑنے کی گھڑی تو نہیں آگئی۔'' اس نے خوف زدہ ہوکر گھٹنوں میں منہ دے لیا اپنی من پسند جگہ بیٹھ کر، اس دن کا سین ذہن کے پردوں پر کئی بار ری وائنڈ ہوا، جب ریحانہ نے سائرہ کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو ٹھکرا دیا تھا۔

''ہائے ایسا کیوں ہوا۔'' وہ بلکنے لگی، ارد گرد گہرا سناٹا چھا ہوا تھا۔ اسے مٹھی میں بھنچے ہوئے دل کی اذیت بھری صدائیں سنائی دے رہی تھیں، جو فائز اور اس کی جدائی کا نوحہ پڑھنے میں مگن تھا۔

''اللہ...... جی میں کیا کروں۔'' درد نا قابل برداشت ہوا تو سفینہ نے اپنی غلافی آنکھیں بند کرلیں۔

''فائز...... کسی اور کا بننے کا تصور بھی میری زندگی میں نہیں۔'' اس نے فریاد کی، آنسو اس کے گالوں سے لڑھک لڑھک کر گریبان میں جذب ہونے لگے۔

''اپنے ہاتھوں سے ماردیں۔ مجھے ماردیں اس سے قبل کہ میں کسی اور کی بنادی جاؤں۔'' سفینہ نے سسکاری بھری۔ آپ سے بے وفائی کرکے میں محبت کی مجرم نہیں بننا چاہتی...... '' وہ ایک دم بے اختیار ہوگئی، حواس جواب دینے لگے۔

''فائز...... فائز......'' وہ اس کا نام زباں پر لانے کے بعد زور زور سے رونے لگی۔

''سفی...... سفی...... کہاں ہو بیٹا۔'' اس آواز کی گونج سن کر ریحانہ زینہ چڑھ کر اوپر آئیں۔

''بچے یہاں بیٹھی کیوں رو رہی ہو؟'' اور بیٹی کو گلے لگا کر پیار کرنا چاہا۔

''یہ آپ پوچھتی ہیں؟'' جانے کیسا جنون سر پہ سوار ہوا، وہ ان سے دور ہوگئی۔

''سفی...... کچھ تو بتاؤ۔'' ریحانہ نے سراسیمہ ہوکر بیٹی کو دیکھا۔

''جائیں آپ مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔'' اس نے ماں کو دیکھ کر منہ موڑ لیا۔

''میری جان...... ایسا نہیں کرتے، چلو کمرے میں چل کر لیٹو۔'' انہیں ایک دم احساس جرم نے گھیر لیا۔ بیٹی کے جنون پر قابو پانے کے لیے اسے زبردستی بھینچ کر سینے سے چمٹا لیا۔

''امی...... ایسا نہ کریں پلیز۔'' سفینہ ماں سے لپٹ کر ایک بار پھر ایسے بلک بلک کر روئی کہ ریحانہ کے جسم سے جان نکل گئی۔

.......❀❀.......
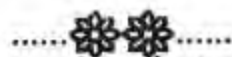
''آپ نے ساری عمر مجھے ہی برا سمجھا مگر کبھی ان کی حرکتیں دیکھیں؟'' سائرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زمین و آسمان ایک کردیں۔

''کیا ہوا جناب اتنا غصہ کس بات پر آرہا ہے۔'' جلال خان نے مسکرا کر بیوی کو دیکھا۔

جس دن سے سفینہ اور فائز کی شادی کا معاملہ دوبارہ سے شروع ہوا تھا، وہ کافی ریلیکس ہوگئے تھے، طبیعت بھی بحال رہنے لگی تھی۔

''ہاں...... آرہا ہے غصہ اور اب یہ کم نہیں ہونے والا، بڑھتا ہی جائے گا۔'' انہوں نے کمر پر ہاتھ ٹکا کر خلاؤں میں گھورتے ہوئے کہا۔

''اچھا پہلے یہاں آکر بیٹھو پھر آرام سے مجھے پوری بات بتاؤ۔'' جلال خان نے بیوی کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''میری عقل پر پتھر پڑ گئے تھے جو میں فائز کے کہنے میں اس چالاک ریحانہ کے پاس خود سے چل کر گئی۔'' ان کی بے ربط باتوں کے باوجود وہ کافی کچھ سمجھ گئے۔

''اوہ تو آپ خان ہاؤس گئی تھیں۔'' انہوں نے ایک دم پوچھا۔

''جی بدقسمتی سے۔'' سائرہ نے ناک چڑھا کر جواب دیا۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' ان کے خشک لبوں پر شکوہ پھسلا۔

''وہ میں آپ کو سرپرائز دینا چاہتی تھی۔'' سائرہ نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا تو پھر؟'' انہوں نے بیوی کے تاثرات نوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ریحانہ نے بڑے مزے سے کہا کہ بھابی سفی کے لیے تو ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہوا ہے۔'' انہوں نے منہ بگاڑ کر دیورانی کی بات بتائی۔

''کیا...... اتنی بڑی بات ہوگئی اور مجھے خبر ہی نہیں۔'' جلال خان کے وجود پر لرزہ طاری ہوگیا۔

''اور سنیں محترمہ نے یہ بھی کہا کہ اب ہمارا ارادہ وہاں شادی کا ہے۔''

''اوہ...... آج بہزاد نے ہمیں اتنا غیر کردیا۔'' جلال خان کے دل کو دھچکا پہنچا، سینہ سلتے ہوئے بولے۔

''بس دیکھ لیں کہ وہ کتنے احسان فراموش نکلے۔'' سائرہ نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

''آہ...... میرے اللہ یہ خبر سننے سے پہلے مجھے دنیا سے اٹھالیا ہوتا۔''

''اللہ نہ کرے...... مریں آپ کے دشمن۔'' وہ جلدی سے جلال خان کے بازو کو تھام کر بولیں۔

''نہیں سائرہ...... اب دنیا سے دل اٹھ گیا ہے۔'' وہ نمناک لہجے میں بولے۔

''پلیز...... میں اسی لیے نہیں بتانا چاہ رہی تھی۔ آپ ہر بات کا اثر زیادہ لینے لگے ہیں۔'' سائرہ نے بڑھ کر میاں کو سنبھالا۔

''ہاں تو اب میرے پاس اور کام ہی کیا رہ گیا ہے۔'' ان کی رنگت ایک دم سے زرد ہونے لگی تھی۔

...... ❀❀❀ ......
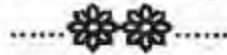
ٹک ٹاک ٹک ٹاک...... وقت کی سوئیاں تیزی سے اپنے دائرے میں گھوم رہی تھیں، مگر سفینہ کو ایسا محسوس ہونے لگا، جیسے وہ اس ایک ظالم لمحے میں ہی کہیں مقید ہوکر رہ گئی ہو۔ کیسی سہانی گھڑی تھی، جب فائز کی کال آئی کہ وہ تائی اماں کی فرمائش پر اس کے من پسند گلاب جامن کا بڑا سا ڈبہ لیے خان ہاؤس کے لیے نکل گیا ہے۔ اب وہ اپنی خاطر جمع رکھے ان کے ملن کی گھڑیاں بس دو قدم کے فاصلے پر ہیں۔

محبوب کی ایسی محبت بھری باتوں پر سفینہ کا دل سجنے سنورنے کو ہمکنے لگا، اس گھڑی کے لیے تو کئی دن پہلے سے استری کرکے رکھا ہوا، گلابی رنگ سے سجا قیمتی شیفون کا سوٹ نکال کر زیب تن کیا، چنری کا دوپٹہ اوڑھ کر خود کو سرتا پیر

آئینے میں جانچا، خوب صورت سنہری غلافی آنکھوں کو کاجل سے مزید قاتل بنایا۔ ہلکے سے میک اپ کے بعد سنہری پن چھلکاتا رنگ روپ مزید نکھر گیا' خوب صورت موی انگلی میں سونے کی نازک سی رنگ پہنی' صراحی دار گردن میں سونے کی زنجیر ڈالی اور کمر پر جھولتی لمبی چوٹی کو ایک سائیڈ پر ڈالتے ہوئے لان کی طرف نکل آئی، گیلی مٹی' کی سوندھی خوشبو کی طرح مہک اٹھی۔ سماں کیسا خوشگوار ہو گیا، شاید دل کے موسم کی رعنائی اپنے عروج تک جا پہنچی تھی، بادل' ہوا' ابر افق' سب اس کا ساتھ دینے کے لیے مسکرا اٹھے تھے۔ ایک کیف بھری پھوار نے اس کے تن من کو بھگو ڈالا تھا، جنگل کی شام کی طرح تازہ دم سی ہو گئی۔ اس کا رواں رواں فائز کی گاڑی کے ہارن کا منتظر بن گیا تھا۔ وہ اپنا ایک ایک قدم گنتی جاتی کہ فاصلہ کم سے کم رہ گیا تھا پھر وہ ہو گیا جس کا تصور کرتے ہوئے اب بھی اس کی روح جھنجھنا اٹھتی تھی۔

......❀❀......

اسری اپنی بھانجی کو ڈھونڈتی ہوئی، اس طرف نکل آئیں تو روشنی کو آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر بڑبڑاتے ہوئے سنا اور ماتھا پیٹ ڈالا۔

''کاش میں لڑکا ہوتا تو سب لوگوں کے منہ بند ہو جاتے۔'' روشنی نے خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے اظہار افسوس کیا۔

''تف ہے تم پر ایسی باتیں کرتے ہوئے ذرا جو شرم آئی ہو۔'' اسری نے، اس بات پر آگ بگولہ ہو کر کہا۔

''خالہ جانی پلیز......'' وہ بیزار شکل بنا کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ گئی۔

''کان کھول کر سن لو تم لڑکا نہیں ہو۔'' انہوں نے اس کی وارڈروب کھول کر مردانہ اسٹائل کے سارے لباس نکال کر بیڈ پر پھینکنا شروع کر دیے۔

''آپ...... یہ کیا کر رہی ہیں؟'' وہ اسری کی غیر متوقع حرکت پر سراسیمہ ہو کر چلائی۔

''تم لڑکی پیدا ہوئی ہو۔ یہ ہی میرے اللہ کا فیصلہ ہے......'' وہ مڑ کر ہانپتے ہوئے بولیں۔

''مجھے لڑکا بننا پسند ہے بس۔'' روشنی نے اپنی بلیو جینز کی جیکٹ اٹھا کر اس پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''نہیں میں جانے سے پہلے تمہیں لڑکی بنا کر دم لوں گی۔'' ان کی برداشت جواب دے بیٹھی تو درشتی سے جواب دیا۔

......❀❀......

''اے حسین یادوں اب تو میرا پیچھا چھوڑ دو جبکہ سب کچھ ختم ہونے والا ہے۔'' فائز نے سڑک پر چہل قدمی کرتے ہوئے سیاہ آسمان کو گھورا۔

''اب اپنی گرفت کمزور کر دو، مجھے یوں نہ تھامے رکھو۔'' اس نے مٹھی میں اپنے بالوں کو جکڑ کر سوچا۔ ''میرے سارے خواب چکنا چور ہو چکے ہیں۔'' اس کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی۔

''کاش کے محبت کانچ سی ہوتی جو ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوتے ہی فنا ہو جاتی۔'' اس کا دماغ عجیب سی تاویلیں گھڑنے لگا تھا۔ پودے جیسی ہوتی، جسے جب دل چاہے، جڑوں سمیت دل سے اکھاڑ کر پھینک دینا آسان ہوتا۔'' جینز کی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ ادا اسی کی تصویر بنا پھیر رہا تھا۔

''پلیز...... ان یادوں کو میرے پاس آنے سے روکو۔'' فائز کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

''ان سے کہو کہ ماضی کی بازگشت سنا کر یہ میری راہ نہ کھوٹی کریں۔'' اس نے فٹ پاتھ پر پڑے پتھر پر ٹھوکر ماری، چوٹ بھی لگی مگر احساس نہ ہو سکا کیوں کہ سفینہ کی محبت جو اس کی سانسوں کی آمد و رفت سے بندھی ہے، اس کو خود سے

الگ کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔اس کا حال برا تھا۔
''سفینہ کی حسین باتیں، سنہری آنکھیں، دلنشین لبوں کی مسکراہٹیں اور رسیلی آواز میری کل کائنات ہیں۔'' اس کا تصور آنکھوں میں آسمایا۔''ان سے جدائی کا سوچ کر بھی میرا وجود شل ہورہا ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔
''میں جانتا ہوں کہ میرے بغیر تم بھی نہیں جی پاؤں گی مگر تمہارا صبر وضبط میرے اعصاب کو سہارا دینے کی وجہ بنا ہوا ہے۔''اس نے آنکھوں کو ہتھیلی کی پشت سے پونچھا۔
''میں بھی تم سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا حالاں کہ اب قسمت اس دوار ہے پر لے آئی ہے کہ جدائی کا اذن مل چکا ہے۔'' فائز نے اذیت سے لبوں کو بھینچا۔ ''کاش ایسا ہوجائے کہ میں تم سے دور جانے کا سوچوں اور قسمت میرے پیروں میں بیڑیاں ڈال دے۔'' فائز کے من میں عجیب سی خواہشات جنم لینے لگیں۔

❀❀❀
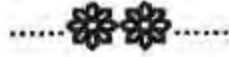
''خالہ جانی اگر میرے پاپا زندہ ہوتے تو انہیں میرے ساتھ ہونے والے سلوک پر کتنا دکھ ہوتا۔ روشنی کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آگئے۔
''روشنی......'' ان کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی، ہاتھ ڈھیلے ہوکر پہلو میں لٹک گئے۔
''ممی ہوتی تب بھی کیا آپ مجھے یونہی ڈانٹتی؟'' اس نے منہ بسور کر پوچھا۔
''میری جان...... آئندہ ایسے سوچنا بھی مت۔ میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں۔'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے خود سے لگا کر بولیں۔
''تو پھر آپ لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔'' اس نے پریشانی سے پوچھا۔
''اگر تمہارے والدین زندہ ہوتے تو مجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔'' اسری کا دل بجھ گیا، ان کے خلوص کا مذاق اڑایا جارہا تھا۔
''ٹھیک ہے مگر میں کیا کروں مجھے اس طرح رہنے کی عادت ہوگئی ہے، اب اس میں چینج لانا مشکل لگتا ہے۔'' روشنی کو اپنا دفاع کرنا مشکل لگا۔
''بچے فطرت کو بدلنا مشکل ہے مگر بری عادت سے چھٹکارا مشکل سہی ناممکن نہیں۔'' وہ ایک بار پھر جرح کر بیٹھیں۔
''خالہ جانی...... میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' وہ منہ بگاڑنے لگی۔
''خیر اگر تمہیں میرا سمجھانا اتنا ہی برا لگ رہا ہے تو میں آئندہ کچھ نہیں کہوں گی۔'' وہ نروٹھے پن سے بولیں۔
''افوہ...... اب میں یہ بھی نہیں کہہ رہا ہوں۔'' اس نے پھر بے اختیار ہوکر اسی انداز میں بولا اور پھر زبان دانتوں تلے دبالی۔ اسری نے افسوس بھری نگاہوں سے بھانجی کو دیکھا اور سر پر ہاتھ مارتی ہوئی، دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔
''خالہ جانی آئی ایم ویری سوری۔'' اس نے جلدی سے بڑھ کر ان کا بازو تھام کر روکا اور کانوں کو ہاتھ لگا کر معافی مانگی۔
''چھوڑو بیٹا کوئی فائدہ نہیں۔'' وہ منہ پھلا کر ہاتھ چھڑانے لگیں۔
''پلیز...... میری پیاری خالہ جانی معاف کردیں نا......'' روشنی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ انہیں کسی بھی طرح منالے۔
''نہیں چندا میں ناراض نہیں ہوں مگر تم نے کچھ کہنے کے لیے چھوڑا ہی نہیں۔'' وہ غمگین ہوکر بولیں۔

"خالہ کیا میں آپ کی بیٹی نہیں؟" اس نے گلے میں بانہیں ڈال کر منانا چاہا۔
"تم میری سگی بیٹی سے کم نہیں ہو اس لیے آنے والے وقت کے ڈر سے تمہیں روکتی ہوں۔" ان کا لہجہ نمناک ہوا۔
"اچھا بابا معاف کر دیں نا میں آپ کی بات ماننے کی پوری کوشش کروں گا مطلب کروں گی۔" وہ ایک بار پھر کان پکڑ کر مصلحتاً بولی۔
"گڈ گرل' یہ ہوئی نا سمجھدار بچیوں والی بات۔" اسری نے بھانجی کا ماتھا چومتے ہوئے کہا تو اس نے شانت ہو کر آنکھیں موند لیں۔

.......❀❀.......

ریحانہ کے منہ سے نکلنے والے لفظوں نے اسے مکمل طور پر دکھوں کی کھائی میں دھکیل دیا تھا۔ وہ جو خود کو فائز کی ملکیت تصور کرنے لگی تھی، یکا یک ایک ان دیکھی فصل ان کے بیچ حائل ہو گئی۔ دن میں کئی بار تازک سے دل کو چیر دینے والا لمحہ اس کی نگاہوں کے سامنے آ کر ٹھہر جاتا، جب اپنی چاچی کے منہ سے انکار سننے کے بعد فائز کا چہرہ پہلے سفید ہوا اس کے بعد شدت جذبات سے سرخ پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں سے گرنے والا ہر آنسو اذیتوں کی نئی داستان رقم کرنے لگا۔ چند دنوں میں ہی اس کا پھول سا چہرہ کملا گیا۔ سیدھی مانگ نکالی ہوئی کمر پر لہراتی چوٹی' اُداس آنکھیں اور ملجگا لباس یہ سفینہ تو کوئی اور تھی۔
"فائز کی سفینہ تو کہیں کھو گئی۔" اس نے خود سے سوال جواب شروع کیے۔
"کیا ہو جاتا جو امی' تائی اماں کا مان رکھ لیتیں۔" سفینہ نے ہاتھ مسلتے ہوئے سوچا۔
"اب وہ میری شادی آفاق سے کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔" سفینہ کو ایک دم سے طیش نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔
"نہیں میں اتنا بڑا ظلم نہیں ہونے دوں گی......" وہ پاگلوں کی طرح چلائی۔ "میری محبت کے ساتھ یہ...... انصاف نہیں ہوگا۔" آنسو اس کی آنکھوں سے ابلے پڑ رہے تھے۔ کسی ہمدرد کاندھے کی ضرورت محسوس ہوئی مگر آس پاس تنہائی کے سوا کوئی دوسرا وجود نہ تھا جو اس کی دکھ میں بھری صدائیں سن کر تسلی دلا سے دیتا۔
"میں اپنی چاہت کو بے وفائی کے کیچڑ میں لتھڑنے نہ دوں گی۔" اس کے منہ سے کراہ سی نکلی۔
"میری محبت ایک شفاف موتی ہے جسے میں آلودہ نہیں ہونے دوں گی۔" سفینہ نے دوپٹے سے گیلی آنکھوں کو پونچھا اور ایک عزم کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

.......❀❀.......
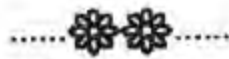
"روشنی گڑیا مجھے نہیں بتاؤ گی کہ تم کس بات پر پریشان ہو۔" عشو اماں نے محبت سے اُس کے چہرے پر آئی لٹ کو انگلی سے پیچھے کرتے ہوئے پوچھا۔
"ایسی تو کوئی بات نہیں اماں۔" وہ جو کافی دیر سے ذہنی خلفشار کا شکار بنی ساکت بیٹھی تھی نفی میں سر ہلایا۔
"میں تیرا درد سمجھتی ہوں۔" انہوں نے کاندھا ہلا کر بلاوجہ کی ہمدردی جتائی۔
"ارے نہیں آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے شاید۔" اسری نے جب سے اس کے پیچ کسے تھے، وہ عائشہ سے تھوڑا احتیاط ہو گئی۔
"ہاں بھئی اب مجھ بد بخت کو یہ دن بھی دیکھنے تھے۔" انہوں نے چہرے پر دکھی تاثرات پیدا کرنے کی کوشش کی۔
"کیا ہو گیا ہے کیوں ایسے بول رہی ہیں؟" روشنی اٹھ کر عائشہ کے پاس چلی آئی۔

"ہاں تو جنہیں گود وں کھلایا، وہ ہی مجھے غیر کرنے پر تل گئے ہیں۔" آنکھوں میں مگرمچھ کے آنسو بھر کر کہا۔
"اماں...... ایسے نہیں بولیں اس گھر میں ایک آپ ہی تو ہیں جو مجھے سمجھتی ہیں۔" وہ فوراً ان کی بچھائی ہوئی پٹری پر چل پڑی۔
"چلو تو پھر بتاؤ......" ایک فاتحانہ مسکراہٹ لبوں پر چمک کر غائب ہوگئی۔
"اگر مجھے لڑکے کی طرح رہنا اچھا لگتا ہے تو اس میں کوئی برائی تو نہیں۔" وہ اپنے شرٹ کے کف کے بٹن کھولتے ہوئے بولی۔
"ہاں تو کون کہتا ہے کہ اس میں برائی ہے۔" عشو نے بٹن جیسی آنکھیں گھما کر پوچھا۔
"یہ ہی بات جب میں نے اسری خالہ سے کہی تو انہوں نے میری کلاس لگادی بولیں لو اگر تمہارا یہ ہی حال رہا تو ہم سب ایک دن سر پر ہاتھ رکھ کر روئیں گے۔" روشنی نے معصومیت سے کہا۔
"ہاہ...... بیٹا میں سب کچھ اپنی ان گناہ گار آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔" وہ آگ لگانے کو تیار ہوئی۔
"کیا اماں؟" روشنی نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔
"کچھ نہیں...... من ہی من میں کلستی ہوں، مگر بولنے کی اجازت نہیں۔" وہ جان کر ایک دم خاموش ہوگئی۔
"میرے سامنے بولیں یہاں کوئی منع کرنے والا نہیں ہے۔" روشنی نے دلاسہ دیا۔
"جانتی ہو یہ سب کس کی وجہ سے ہو رہا ہے؟" عشو نے قریب ہو کر دھیرے سے کانوں میں زہر اگلا۔
"کس کی وجہ سے؟" روشنی نے نہ سمجھ میں آنے والی نظروں سے دیکھا۔
"ارے جانے دو۔" آتش شوق بھڑکایا۔
"اماں...... کس کی وجہ سے۔" روشنی اس ایک جملے میں ہی اٹکی ہوئی تھی۔
"اے وہ ہی سفو تیری ہونے والی بھابی۔" دانت کچکچا کر نام بگاڑا۔
"ہاں مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔" وہ ایک دم سر ہلاتے ہوئے اتفاق کرنے لگی۔
"میں تو کہتی ہوں کہ تم ایک بار اڑ جاؤ۔ بس بھائی کی شادی کہیں بھی ہوجائے، مگر اس لڑکی سے نہیں۔" انہوں نے اپنے مطلب کی سیکھ دی۔
"میری چلتی کہاں ہے اماں؟" اس نے حیرت سے دیکھا، پھر اداسی سے بولی۔
"اے اکلوتی بیٹی ہو۔ اس گھر کی، بیمار پڑ جاؤ۔ ایک ہی ضد باندھ لو۔ بھائی کی شادی ہوگی تو کسی اور سے مگر سفینہ سے نہیں۔" عشو نے دھیرے دھیرے سے شیشے میں اتارا اور وہ اس نہج پر کافی دیر تک سوچتی چلی گئی۔

......❀❀❀......

"پاپا کیا آپ سو گئے ہیں؟" فائز نے دکھی دل سے باپ کو پکارا۔
"ہونہہ......" جلال خان نے آنکھیں کھول کر اشارے سے جواب دیا۔
"اب طبیعت کیسی ہے؟" اس نے نرمی سے باپ کو دیکھا اور پائنتی کی طرف بیٹھ گیا۔
"بس بیٹا ٹھیک ہوں۔" جلال خان نے مسکراتے ہوئے ازلی شفقت سے جواب دیا۔
"کل آپ کو ڈاکٹر کی طرف جانا ہے۔" اس نے بیٹھتے ہوئے ان کے کمزور ہاتھ کو چھوتے ہوئے کہا۔
"ہاہ چھوڑو فائز...... مجھ پر کیوں پیسے ضائع کرتے ہو۔" ان کے لہجے میں زمانوں کی تھکن سمٹ آئی تھی۔
"پلیز...... پاپا آئندہ ایسی بات منہ سے مت نکالیئے گا۔" فائز نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے دوائیں اٹھاتے ہوئے

ناراض لہجہ میں کہا۔
"تو اور کیا کروں...... بیٹا۔" انہوں نے محبت بھری نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا، جوان کی طرف دوا بڑھا رہا تھا۔
"جلدی سے منہ کھولیں اور یہ دوا کھالیں۔" اس کے لبوں پر اداسی بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔
"بیٹا تم نے بلاوجہ کی یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے، تمہاری ماں کاموں سے فارغ ہو کر مجھے دوا کھلا دیتی ہے۔" انہوں نے دوا کھانے کے بعد اسے دیکھا۔
"پاپا...... آپ نے ساری عمر میرا اتنا خیال رکھا کیا میں اتنا بھی نہیں کرسکتا اب۔" فائز نے پانی پلا کر ٹشو پیپر سے منہ پونچھتے ہوئے کہا۔
"سچ میں......؟" جلال خان نے بے دلی سے سیدھے ہوتے ہوئے کہا، بستر پر لیٹے لیٹے ان کی کمر میں درد ہونے لگتا تھا۔
"جی...... پاپا...... کیوں نہیں؟" فائز نے ہاتھ تھام کر یقین دہانی کرائی۔
"اگر میں کسی قابل ہوتا تو کم از کم تمہارے چاچا کے گھر والوں کو یوں انکار کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔" انہوں نے بیٹے کے دل پر گرتے آنسوؤں کی آواز سن لی۔ وہ دونوں کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگئے۔
"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" فائز کا لہجہ اس سے قبل اتنا کھوکھلا نہ ہوا تھا۔
"میں جانتا ہوں تم بہزاد کے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالو گے۔" وہ بیٹے کے انداز پر دکھی ہو کر بولے۔
"پاپا اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" فائز نے لہجے کو خوشگوار بناتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں میری جان بس میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" جلال خان کا لہجہ شفقت سے پُر تھا۔
"میں جانتا ہوں پاپا مگر اب کوئی فائدہ نہیں۔" فائز نے ناامیدی سے سر ہلایا۔
"اچھا...... تم فکر نہ کرو، کل بہزاد سے بات کروں گا۔" بیٹے کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے پیٹھ تھپکتے ہوئے تسلی دی۔
"نہیں پاپا...... آپ کو میرے لیے کسی کے آگے جھکنے کی ضرورت نہیں۔" فائز بے چینی سے کھڑا ہوگیا اور باپ کو سختی سے منع کرنا چاہا۔
"بیٹا...... میں تمہارا باپ ہوں، تم نہیں اب کیا ہر بات تم سے پوچھ کر کروں گا۔" جلال خان نے اتنی معصومیت سے سوال کیا کہ فائز کی ہنسی چھوٹ گئی وہ جھک کر باپ کے گلے لگ گیا۔

......❀❀......

"عشو اماں کیا پک رہا ہے۔" روشنی نے کچن میں گھستے ہی پتیلی میں جھانکا۔
"میری جان تمہارے لیے پاستا تیار کر رہی ہوں۔" عائشہ نے قرینے سے چیز کی تہہ لگاتے ہوئے کہا۔
"اچھا سچ مچ میرے تو مزے ہوگئے۔" روشنی نے عائشہ بیگم کے گلے میں بانہیں ڈال کر خوشی کا اظہار کیا۔
"ارے روشنی کیا بھوک لگ رہی ہے؟ ابھی تو لنچ میں کافی ٹائم ہے۔" اسری نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں تو خالہ جانی کیوں؟" وہ حیرت زدہ سے بولی۔
"اچھا تو پھر چائے پئی ہوگی؟" انہوں نے طنز فرمایا۔
"میں تو چائے پیتا ہی نہیں ہوں۔" روشنی نے پیر ہلاتے ہوئے خالہ کو جواب دیا۔

"ہونہہ...... تو پھر تم یہاں کیسے بھولے بھٹکے چلی آئی؟" اسری نے شگفتہ لہجے میں کہا تو عائشہ کے آگ لگ گئی۔
"وہ میں پانی پینے آیا تھا، پاستا کی خوشبو نے راستہ روک لیا۔" اس نے اٹھلا کر جواب دیا۔
"میری چندا...... ایک بات بتاؤں؟" اسری نے اس کے ماتھے پر پسینے سے چپکے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔
"جی خالہ۔" اس نے آنکھیں پٹ پٹا کر پوچھا۔
"اگر یہ پاستا تم اپنے ہاتھوں سے پکا کر کھاؤ تو اس کی لذت دوگنا بڑھ جائے گی۔" اسری جانے کیا سمجھانا چاہ رہی تھیں، مگر وہ ہونق ہوگئی۔
"اے میں ہوں نا پھر بھلا روشنی کو کیا ضرورت ہے کچن میں کھپنے کی۔" عائشہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
"کیوں کیا یہ لڑکی نہیں اس کو بھی کل دوسرے گھر جانا ہے۔" اسری نے تیکھی نگاہوں سے انہیں تاڑا۔
"میں لڑکا ہوں اور مجھے کہیں نہیں جانا۔" روشنی نے پیر پٹخ کر کہا۔
"شٹ اپ روشنی۔" اسری نے بھانجی کے انداز پر دہل کر دیکھا اور چلائیں۔
"خالہ جانی۔" روشنی نے ایک دم ہونٹ نکال کر اسری کو پکارا اور موٹے موٹے آنسوؤں سے آنکھیں بھر گئیں۔
"میری جان...... مجھے غلط نہ سمجھو میں جو بھی کہتی ہوں۔ وہ تمہارے بھلے کے لیے کہتی ہوں۔" اسری کو ایک دم اس پر ترس آیا گلے لگا کر بھینچ لیا۔
"نہیں اب آپ کو بھی مجھ سے پیار نہیں رہا۔" روشنی نے روتے ہوئے شکوہ کیا۔
"میرے بچے...... اب وقت آگیا ہے، تم بھی تھوڑا ہاتھ پیر چلانا سیکھ لو۔" انہوں نے اس کی کمر تھپکتے ہوئے کہا۔
"وہ کیوں خالہ جانی؟" روشنی نے حیرانی سے سوال کیا۔
"بھئی کل کو سفینہ بہو بن کر اس گھر میں آئے گی، جب گھر کی بیٹی اس قدر پھوہڑ پن کا مظاہرہ کرے گی تو ہم بہو سے کیسے اچھی امید رکھ سکتے ہیں۔" ان کی تان آفاق کی شادی پر آ کر ٹوٹی۔
"تو اب کیا بھائی کے آنے کے بعد میں اپنی مرضی سے جی بھی نہیں سکتا۔" روشنی نے خوف زدہ انداز میں سوال کیا۔
"ایسی کوئی بات نہیں مگر میں اپنی بیٹی کو ہر فن مولا دیکھنا چاہتی ہوں۔" اسری نے جلدی سے بات بدلنی چاہی۔
"اس وقت کس کا فون آگیا؟" اچانک ان کا سیل فون بجنے لگا انٹرنیشنل نمبر دیکھ کر وہ سرعت سے باہر کی جانب بڑھ گئیں۔
"دیکھا میری چندا۔ میں نے سچ کہا تھا نا یہ لڑکی سفینہ تمہارا جینا عذاب کرنے یہاں آرہی ہے۔" روشنی کو خیالوں میں گم دیکھ کر عشو بیگم نے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ہمدردی جتائی۔
"آپ بھی دیکھتی جائیں کون کس کا جینا حرام کرتا ہے۔" اس نے جھرجھری لی اور مڑ کر عائشہ بیگم کو دیکھ کر عجیب لہجے میں کہا۔
"ہاں یہ ہی تو میں چاہتی ہوں، اس طرح میرے اقتدار کا سورج سدا قائم ودائم رہے گا۔" عشو بیگم کا وجود نفرت کے زہر سے نیلا ہونے لگا۔

❁❁❁

"آفاق میاں...... ایک بات کہنی ہے۔" اسری نے نثار ہوتی نگاہوں سے بھانجے کو دیکھا۔
"حکم خالہ جانی......" وہ اخبار ایک جانب تہہ کر کے رکھتے ہوئے ان کی جانب متوجہ ہوا۔

"میں چاہ رہی ہوں کہ تمہاری شادی کا فریضہ جلد از جلد ادا ہو جائے تاکہ میں بھی واپس جانے کا سوچوں۔" انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔
"میری شادی تو ایک الگ معاملہ ہے مگر میں آپ کو اتنی جلدی جانے نہیں دوں گا۔" اس نے پیار سے ماں جیسی خالہ کو دیکھا۔
"میرے بچے پاکستان آئے ہوئے کئی مہینے ہوگئے ہیں۔ اب واپسی کے لیے بلاوے بھیجے جارہے ہیں۔" وہ پیار سے بولیں۔
"اچھا ٹھیک ہے مگر پھر بھی میں آپ کو اتنی جلدی جانے نہیں دوں گا۔" وہ بچوں کی طرح مچل کر بولا۔
"فکر نہ کرو...... اتنی پیاری لڑکی تمہاری زندگی کی ساتھی بننے جارہی ہے کہ خالہ کو بھول جاؤ گے۔" انہوں نے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا۔
"ایسی کوئی بات نہیں خالہ جانی۔" وہ ایک دم جھینپ کر مسکرادیا۔
"آفی...... میں روشنی کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔" اسری کی ذہنی رو بھانجی کی طرف بھٹک گئی۔
"کیوں اب چھوٹی نے کیا کیا؟" اس کے انداز میں پریشانی سمٹ آئی۔
"چھوٹی وہ تو خود کو چھوٹا سمجھتی ہے۔" اسری نے جل کر کہا تو آفاق ہنس دیا۔
"خالہ جانی۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں کھل کر بولیں۔" تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے لب کھولے۔
میں کیا بولوں تم تو خود سمجھدار ہو، دیکھو وہ اب بچی نہیں ہے، جوان ہوگئی ہے۔" اسری نے تمہید باندھی۔
"جی بجا فرمایا۔" اس نے سر ہلا کر تائید کی۔
"اس کی شادی بھی کرنی ہے یا نہیں مگر بچی کے ڈھنگ دیکھو یہی حال رہا تو دو دن بعد ہی میکے آکر بیٹھی ہوئی ہوگی۔" اسری نے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
"اللہ نہ کرے خالہ جانی اسے سمجھائے نا۔" آفاق کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
"وہ میری کوئی بات نہیں سمجھتی۔" ان کا لہجہ شکایتی ہوا۔
"اچھا مگر مجھے لگا کہ وہ آپ کے بہت قریب ہے۔" آفاق نے حیرت سے انہیں دیکھا۔
"ہاں وہ میرے بہت قریب ہے۔" اسری کی پُرسوچ نگاہیں بھانجے پر گر گئیں۔
"پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔" آفاق ریلیکس ہوگیا۔
"مسئلہ تو ہے نا کیوں کہ اس گھر میں ایک اور ہستی ایسی بھی ہے، جس کے وہ سب سے زیادہ نزدیک ہے۔" وہ تھوڑی شکست خوردہ سی دکھائی دیں۔
"وہ کون ہے؟" ان کے لہجے پر اس کا چونکنا لازمی تھا۔
"تمہاری عشو اماں جنہوں نے اس گھر میں اپنے قدم مضبوط رکھنے کی خاطر اچھی بھلی لڑکی کا ستیاناس کرکے رکھ دیا ہے۔" اسری نے بے خیالی میں ہاتھ ملا۔
"ہونہہ مگر اب ان کے بغیر یہ گھر بھی تو نہیں چل سکتا۔"
"بالکل چل سکتا ہے کیوں نہیں چل سکتا مگر اس عورت نے تم دونوں بہن بھائیوں کے جذبات اپنے قابو میں کر رکھے ہیں۔" اسری نے ترحم بھری نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھے لمبے چوڑے خوبرو بھانجے کو دیکھا۔
"وہ کیسے خالہ جانی؟" اس نے امداد طلب نگاہوں سے دیکھا۔

''وہ ایسے چندا کہ سفینہ ہرفن مولا لڑکی ہے، اس نے جس دن اس گھر میں قدم رکھا، تمہاری عشوا اماں کی چھٹی ہوجائے گی۔'' اسری کی آواز جذبات میں کچھ زیادہ ہی بلند ہوگئی، چائے کی ٹرے تھامی عائشہ بیگم جو اس طرف آرہی تھیں، ٹھٹک کر اندر کی گفتگو پر کان لگائے کھڑی ہوگئیں۔

……❀❀……
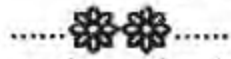
''سفی…… تم سوئی کیوں نہیں؟'' ریحانہ نے بیٹی کے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھی تو اندر آکر پوچھا۔

''بس نیند نہیں آرہی۔'' سفینہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی، ایک دم چونک کر منہ اٹھا کر بولی۔

''چلو اچھا ہوا اب میں تم سے آرام سے بات کرسکوں گی۔'' ریحانہ بیٹی کے پاس بیڈ پر بیٹھ کر بولیں۔

''کوئی خاص بات ہے کیا؟'' اس نے ماں کی طرف ڈرتے ڈرتے دیکھا۔

''ہاں بات تو بہت خاص ہے۔'' ریحانہ نے سر ہلایا، تو اس نے منہ پھیر لیا۔

''امی…… اگر آپ میری شادی کی بات کرنے جارہی ہیں تو……'' وہ لمحے بھر کو ٹھہری، ادب نے زبان کو پابند کیا۔

''تو کیا؟'' وہ جل بھن کر بولیں۔

''میں ایک بار پھر واضح کردوں کہ میری طرف سے انکار ہے۔'' اس نے سخت لہجے میں دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹا…… آفاق بہت اچھا لڑکا ہے۔'' ریحانہ نے ایک انگلی سے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

''ہوں گے مگر دنیا میں ایسے ہزاروں لوگ اچھے ہیں، اب کیا میں سب سے شادی کرتی پھروں۔'' جلدی میں اس کے منہ سے غلط بات نکل گئی۔

''ایسی بات کہتے ہوئے تمہیں شرم نہ آئی۔'' ریحانہ سے برداشت نہ ہوا، ایک کرارا ہاتھ اس کی پیٹھ پر جڑ دیا۔

''مجھے اس شخص کے نام سے بھی نفرت ہے، جس کی وجہ سے میری ماں پرائی ہوگئی ہے۔'' پہلے تو وہ ششدر رہ گئی، اس کے بعد چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو دی۔

ریحانہ سر تھام کر رہ گئیں۔ وہ کرتی بھی تو کیا، ایک طرف اسری شادی کی تاریخ لینے پر زور دے رہی تھیں، دوسری جانب سفینہ کے سر سے فائز کا بھوت نہیں اتر رہا تھا۔

……❀❀……
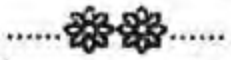
''بیٹی تجھے یاد ہے نا کہ میں جوانی میں کس قدر خوب صورت ہوا کرتی تھی۔'' دلشاد بانو نے پان کی گلوری منہ میں دباتے ہوئے عمر رفتہ کو آواز دی۔

''اوں ہوں۔'' وہ اپنی پریشانیوں میں گم تھی، بے توجہی سے سر ہلا دیا۔

''جب بھی پہن اوڑھ لیتی تو ہزاروں میں ایک دکھائی دیتی تھی۔'' انہوں نے چھالیہ کترتے ہوئے لن ترانی شروع کی۔

''اچھا اماں ایسا بھی ہوتا تھا، مجھے یاد نہیں؟'' سائرہ نے بے مروتی دکھائی۔

''تیرے ابا سے بیاہ کر جب میں آئی تو پورے سسرال میں میرے لمبے گھنے بالوں کی واہ واہ ہوگئی تھی۔'' دلشاد بیگم نے بیٹی کے طنز کو سنی ان سنی کرکے کہا۔

''اچھا اب بھلا ان باتوں سے آپ کا کیا مقصد ہے؟'' سائرہ نے آنکھیں سکیڑ کر ماں کے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔

"ایک کیل میرے دل میں جوانی سے بڑھاپے تک گڑی چلی آ رہی ہے۔" دلشاد نے منہ اٹھا کر کہیں دور دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا وہ کیا؟" سائرہ نے تجسس سے پوچھا۔

"اے تیرے ابا...... شکل و صورت کے بھی پورے سورے تھے، آمدنی بھی کچھ خاص نہ تھی۔" انہوں نے دبے دبے لہجے میں کہا۔ "اس کے باوجود انہوں مجھ کم نصیب کی قدر نہیں کی کبھی میری دل سے تعریف نہ کی۔" ان کے لہجے میں رنج و ملال جھلک اٹھا۔

"اماں ابا بہت اچھے تھے، زندگی میں نہ سہی لیکن مرنے کے بعد تو ان کی اچھائیوں کی قدر کرلیں۔" سائرہ نے ماں کے آگے ہاتھ جوڑے۔

"ارے جا میرے تو بس نصیب ہی کھوٹے نکلے۔" انہوں نے بیٹی کی بات کو مسترد کردیا۔

"پتا نہیں کس کے نصیب خراب تھے، آپ کے یا...... " وہ مزید بولتے بولتے رک گئیں، بہت زیادہ ہو جاتا۔

"کوئی اور مرد ہوتا تو اتنی حسین و جمیل بیوی مل جانے کے بعد زمین پر پاؤں نہ رکھنے دیتا۔" ان کی لفاظیاں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

"اچھا اماں میں سوچ رہی ہوں۔ جلال خان کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں۔" ان کا دھیان شوہر کی خاموشی اور کم خوراکی کی طرف چلا گیا۔

"ہاں لے جانا، مگر پہلے مجھے یہ بتا کہ مجھ میں بھلا کس چیز کی کمی تھی جو میں تیرے ابا کے دل میں نہ اتر سکی۔" ان کے چہرے پر یاس پھیل گیا۔

"یہاں میرے سر پر فکروں کا بوجھ لدا ہے...... مگر اماں کو اس وقت بھی اپنی پڑی ہے۔" سائرہ نے کوفت سے دلشاد بانو کی بات سنی اور سوچا۔

"میں تجھ سے بات کر رہی ہوں کوئی جواب تو دے۔" سائرہ جو اپنی سوچوں میں غرق تھی ان کی آواز پر چونکی۔

"میرے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔" سائرہ نے منہ بنایا۔

"اے لو یہ کیا بات ہوئی کچھ تو بتا۔" دلشاد بیگم نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"سوچ لیں اگر میں نے یہ بتا دیا کہ ابا کی جانب سے کیوں لفٹ نہیں ملتی تھی تو کہیں آپ برا نہ مان جائیں۔" سائرہ نے تنک کر کہا۔

"نہیں نہیں تو سچ بول دے۔" انہوں نے سائرہ کے چہرے پر کچھ کھوجتے ہوئے سر ہلایا۔

"پتا ہے کیا بات تھی اماں؟" وہ جیسے کچھ بتاتے بتاتے رک گئی۔ دلشاد نے زبان بند رکھی اور نفی میں سر ہلایا۔

"ابا جیسے بھی تھے کم صورت، کالے کلوٹے مگر دل کے گورے تھے۔" وہ بے اختیار بولی۔

"ارے جاؤ......" دلشاد بانو نے اس کی بات کو جھٹلانا چاہا۔

"ایک منٹ اب جو پوچھا ہے تو سننے کا حوصلہ بھی خود میں رکھیں۔" سائرہ نے کافی سنجیدگی سے ہاتھ اٹھا کر ماں کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"لوگوں کو ان کی زبان کی چاشنی گرویدہ بناتی تھی۔" سائرہ نے عقیدت سے اپنے مرحوم باپ کی خوبی بیان کی۔

"ہاں ہاں تیس سال کا ساتھ تھا اچھی طرح سے جانتی ہوں ان کی زبان کی چاشنی ہونہہ۔" انہوں نے کبھی کسی کی مانی تھی جو اس بار مان جاتیں۔

"بس یہ ہی ایک خوبی۔ آپ میں نہیں ہے، جس نے آپ کی ساری خوبیوں کو دیوار سے لگادیا۔" سائرہ پر سچ بھولنے کا بھوت سوار ہوگیا تھا۔

"ہائے...... اللہ یہ کیا کہہ رہی ہے۔" انہوں نے اپنا ماتھا پیٹا۔

"اماں...... آپ نے ساری عمر خاندان والوں سے زبان لڑائی، کسی سے آپ کی بنی نہیں یہ تو ابا جیسے شریف آدمی کا گزارا ہوگیا ورنہ بڑی مشکل ہوجاتی۔" سائرہ کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن کر ان کے جیسے پتنگے لگ گئے، اس سے پہلے کہ جھٹلانے کے لیے منہ کھولتیں۔ بیٹی سے نظریں ملائیں کچھ ایسا تھا جس نے انہیں نگاہیں جھکانے پر مجبور کردیا۔ وہ ایک سرد آہ بھرتے ہوئے پاندان کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

......❀❀......
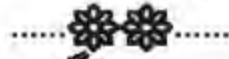
روشنی کو یوں محسوس ہوا جیسے طوفانی ہوائیں شدت سے چلنے لگی ہوں اور وہ ایک ریگستان میں تنہا کھڑی ہو۔ ساکت سی ارد گرد اپنے پیاروں کو تلاش کررہی ہو...... مگر کوئی بھی دور دور تک دکھائی نہ دیا۔ اس نے اپنے وجود پر تند ہواؤں کا زور بڑھتا ہوا محسوس کیا تو خود سے سوال کرنے لگی۔ کیا میں دنیا میں اکیلا رہ گیا ہوں؟

"کوئی تو مجھے بچاؤ۔ اس تنہائی کے عفریت سے میرا پیچھا چھڑاؤ۔" اس نے اپنے خشک پڑتے گلے پر دباؤ ڈالا۔

"روشنی......" اچانک دروازہ کھلا اور آفاق اندر داخل ہوا۔

"میری پیاری سی بہن کیا ہوا؟" آفاق نے جھک کر اس کے کاندھے پر اپنے مہربان ہاتھ رکھے تو وہ اپنی کیفیت سے باہر آئی۔

"کچھ نہیں بھائی۔" وہ بڑی مشکل سے مسکرائی۔

"پریشان ہو؟" آفاق نے بہن کا ہاتھ تھام کر کرسی پر بٹھایا اور پھر خود کارپٹ پر اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

"ہوں تو۔" اس نے بھی جھٹ آنکھیں بند کرکے اقرار کیا۔

"چلو تو اپنی ساری پریشانیاں مجھ سے شیئر کرلو جیسے پہلے کیا کرتی تھی۔" اس نے جان کر یہ بات یاد دلائی۔

"پہلے والی بات اب کہاں رہی؟" روشنی کی سوچ بے اختیاری میں زبان سے ادا ہوگئی۔

"کیوں میری گڑیا...... کیا اب میں تمہارا بھائی نہیں ہوں؟"

"نئی نا بھائی ایک آپ کی شکل میں تو مجھے میرے مما...... پاپا کا بھی پیار ملا ہے۔" روشنی کا گلا رندھ گیا اس کے ساتھ لگ کر بولی۔

"چلو شکر ہے یہ بات تو سمجھ میں آئی۔" آفاق نے بہن کے سر کا بوسہ لیتے ہوئے شرارت سے جتایا۔

"بھا...... ئی" وہ اس کی شرارت بھرے انداز پر ٹھنکی۔

"چلو جلدی سے اسٹارٹ لو۔" آفاق نے مٹھی بند کرکے خیالی مائیک اس کے لبوں کے قریب کیا۔

"جی کس چیز کا؟" اس نے حیرت سے نگاہیں اٹھائی۔

"دل کی بھڑاس نکال لو تمہارا ٹائم شروع ہوتا ہے اب۔" آفاق نے دوسرے ہاتھ کی چوڑی کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی میں وقت دیکھا۔

"آپ نے نوٹس کیا ہے کہ خالہ جانی کتنا بدل گئی ہیں۔" روشنی نے بڑی معصومیت سے شکایت لگائی۔

"نہیں...... مجھے تو ایسا نہیں لگتا مگر تم نے ایسا کیوں سوچا۔" آفاق نے اسے کریدا۔

"ان کو ہر وقت میری غلطیاں ہی دکھائی دیتی ہیں۔" اس کے لہجے میں اصرار تھا۔

''اچھا تو پھر میری گڑیا۔ آپ اتنی غلطیاں کرتی ہی کیوں ہو؟''
''کیا بھائی میں ایسا تو نہیں ہوں...... مگر وہ مجھے بہت برا سمجھنے لگی ہیں۔'' اس نے سر اٹھا کر آفاق کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔
''چندا...... اب آپ بڑی ہوگئی ہو، بہت ساری باتوں کو خود بھی سمجھنا چاہیے۔'' اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی یہ الفاظ ادا کیے۔
''میں سمجھا نہیں بھائی۔''
''یہی تو مشکل ہے کہ تمہیں ہر بات سمجھانی کیوں پڑتی ہے۔''
''اب نہیں سمجھ میں آتی تو اس میں میرا کیا قصور۔'' روشنی نے ہونٹ نکال کر رونے کی تیاری کی تو وہ نرم پڑا۔
''مجھے پتا ہے کہ میری بہن بہت سمجھدار ہے...... مگر کبھی کبھی ایسی بات ہوجاتی ہے جو آپ کو زیب نہیں دیتی ناں۔'' اس نے دبے لفظوں میں سمجھانا چاہا۔
''اچھا مگر مجھے تو پتا ہی نہیں چلتا۔''
''دیکھو ہم لوگوں نے آپ کو کبھی کسی بات پر روکا ٹوکا نہیں، آپ اپنی مرضی سے لباس کا انتخاب کرتی ہو، جو دل چاہے کرتی ہو، مگر اب اپنے اندر کچھ تبدیلیاں تو لانی پڑیں گی نا کیوں کہ......'' وہ بولتے بولتے ایک پل کو تھما۔ اس نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔
''پہلے وعدہ کرو۔ آپ میری بات مانو گی ناں۔'' اس نے مسکرا کر اپنی چوڑی ہتھیلی بہن کے آگے پھیلائی۔
''بھائی......'' وہ حیرت اور دکھ کی ملی جلی کیفیت کے درمیان جھول رہی تھی۔
''مجھے اس لیے خود کو بدلنا پڑے گا کیوں کہ آپ کی بیوی اس گھر میں آنے والی ہے۔'' آنکھوں میں تشکیک کے رنگ، چہرے پر دکھوں کی لہر سجائے وہ بولی۔
''کیا مطلب؟'' آفاق نے شاک کے عالم میں پاس بیٹھی بہن کو دیکھا، اس نے کتنا غلط سوچا۔
''بھابی کے لیے روشنی کو اپنا لائف اسٹائل بھی بدلنا پڑے گا؟'' شکوہ اس کے منہ سے پھسلا۔
''شٹ اپ...... روشنی...... تم مجھے اتنا غلط سمجھتی ہو۔ میرے گماں میں بھی یہ بات نہ تھی۔'' اس نے جبڑے سختی سے بھینچ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔
''تو اور کیا سمجھوں۔ اس گھر میں اب سفینہ کے علاوہ کوئی دوسرا ذکر ہوتا ہی نہیں میں تو کہیں پس منظر میں چلا گیا ہوں۔'' وہ ایک دم بلبلائی۔
''اسٹوپڈ میں نے اتنی لمبی بات تمہاری بھلائی میں کی تھی۔'' وہ ایک دم چیخ پڑا۔
''میری بھلائی آہ......'' وہ دکھ کا اظہار کرتے ہوئے چلائی۔
''ہاں کیوں کہ میں ایک سال میں تمہاری شادی کا سوچ رہا ہوں اور......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک کر اسے دیکھنے لگا۔
''اور...... کیا بھائی؟'' روشنی نے آفاق کی آنکھوں میں دیکھا۔
''کوئی فیملی بھی تم جیسی تیتر بٹیر ٹائپ کی لڑکی کو اپنی بہو نہیں بنائے گا۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بناء سچائی بیان کرگیا۔
''آپ...... بھی دوسروں کی طرح۔'' روشنی کے دل کو کچھ ہوا۔
''بس یا اور کچھ سننا ہے۔'' آفاق پیٹھ موڑے کھڑا تھا۔
''بھا...... ئی۔'' روشنی سر پکڑ کر چلائی۔ آفاق بہن کی آواز پر مڑا اور سہارا دینے کے لیے آگے بڑھا، مگر وہ غش کھا کر

ایک دم زمین پر گرتی چلی گئی۔

❀❀

''فائز تمہارے پاپا نے تو کھانا پینا ہنسنا بولنا سب چھوڑ دیا ہے۔'' سائرہ جلال نے بھیگی ہوئی آواز میں بیٹے کو پکارا۔
''ان شاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔ آپ کچھ کھانے کے لیے لے آئیں، میں اپنے ہاتھ سے کھلاتا ہوں۔'' فائز نے ماں کا کاندھا تھام کر دلاسہ دیا۔
''میں سوچ رہی ہوں کہ اگر ڈاکٹر کے پاس ایک وزٹ کر لیتے تو شاید کچھ اچھا اثر پڑتا۔'' انہوں نے بیٹے کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔
''ممی آپ فکر نہ کریں۔ میں کال کر کے ڈاکٹر سے ٹائم لیتا ہوں۔'' فائز نے ماں کی بات سے اتفاق کیا۔
''کیا خیال ہے، اگر ہم کسی دوسرے ڈاکٹر کو دکھائیں۔'' سائرہ کو پریشانی میں کچھ اور سمجھ میں نہ آیا تو ڈاکٹر بدلنے کی بات کی۔
''نہیں ممی جن سے پاپا کا علاج ہو رہا ہے وہ ڈاکٹر بہت تجربہ کار اور قابل ہیں۔'' فائز نے محبت سے ماں کو تسلی دی۔
''مجھے تو لگتا ہے ہماری قسمت میں خرابی لکھ دی گئی ہے، اسی لیے بنتے کام بھی بگڑتے جا رہے ہیں۔'' سائرہ نے حد سے زیادہ دل برداشتہ ہو کر کہا۔
''ناامیدی کفر ہے...... ممی بس اللہ کی ذات پر اپنا یقین قائم رکھیں وہ کبھی بھی ہماری برداشت سے زیادہ ہم پر وزن نہیں ڈالے گا۔'' فائز نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر تسلی دی تو ان کے وجود میں توانائی گھل گئی، وہ عالم مصائب میں لڑنے کے لیے تنہا نہیں ہے۔ یہ احساس ان کی جوان اولاد نے دلایا۔ انہوں نے بے فکر ہو کر آنکھیں بند کر لیں فائز اپنے سیل فون پر باپ کے لیے ڈاکٹر سے اپائمنٹ فکس کرنے لگا۔

❀❀

''پلیز بھائی آپ مجھے سو جوتے مار لیں...... مگر ایسی بے رخی سے پیش نہ آئیں۔'' بہزاد نے بھائی کی پائنتی کے پاس بیٹھ کر انہیں پکارا۔
''تم سے مجھے یہ امید نہ تھی۔'' جلال خان نے کافی دیر بعد آنکھیں کھول کر بس یہ ہی جملہ ادا کیا۔
''میں کیا کروں ریحانہ کسی بھی طرح اس رشتے پر راضی نہیں ہے۔'' بہزاد خان نے پہلی بار خود کو اتنا بے بس محسوس کیا۔
''ہونہہ......'' انہوں ایک نگاہ بھائی کو دیکھا اور کروٹ بدل لی۔
''اس طرح اُداس مت ہو بھائی جان۔'' بہزاد خان نے بے بسی سے بھائی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔
بہزاد خان کا دل بڑے بھائی کو دیکھنے کے لیے مچل رہا تھا مگر ڈر کے مارے اس طرف نہیں آ رہے تھے پھر فائز نے کال کر کے بتایا کہ جلال خان ان سے ملنا چاہتے ہیں تو وہ یہاں آ گئے۔ وہ کافی دیر تک بھائی کے پاس بیٹھے رہے، مگر اس کے بعد جلال خان نے بھائی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ ان کے دل پر ایک عجیب سی اُداسی کا راج طاری تھا۔ بھائی کی بے بسی، یوں بستر پر لیٹے رہنا انہیں رلا گیا۔ سائرہ بھی دیور سے ملنے باہر نہ آئیں، شاید اس طرح سے انہوں نے اپنا احتجاج ظاہر کیا۔ بہزاد خان نے تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد اجازت طلب کی تو جلال نے مڑ کر بھائی کا ہاتھ تھام لیا۔
''میں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں بھائی ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں...... اپنی بیوی سے میری طرف سے درخواست کرنا......'' وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولے۔ بہزاد خان نے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنے بھائی کے آنسو

پونچھے اور بے بسی سے سر ہلا دیا۔

❀❀❀

فائز جب تھکا ہارا بہت اُلجھے دل و دماغ کے ساتھ اپنے بستر پر آ کر لیٹتا تو سفینہ کی یادیں اس کی منتظر تھیں، وہ آنکھیں موند کر لیٹ گیا اور ماضی کے دریچے کھول کر جھانکنے لگا۔

وہ چھت پر آیا تو سامنے ہی دشمن جاں کھڑی پیچھے والوں کے گھر میں لگے آم کے درخت سے کیریاں توڑنے کی ناکام کوششوں میں مصروف تھی۔

''یہ بہت ہی بری حرکت ہے۔'' اس نے پیچھے سے جا کر سفینہ کے کان میں زور سے چلا کر کہا۔

''مائی گاڈ...... فائز کے بچے۔'' وہ اچھل پڑی ہاتھ میں پکڑی ہوئی کیری ایک دم ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی۔

''دیکھا تمہیں چوری کا مال ہضم نہیں ہوتا، اسی لیے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔'' وہ خوش ہوا تھا۔

''تم بہت ہی خراب ہو۔ ایک گھنٹے کی کوشش کے بعد اوپر والی ڈال سے یہ موٹی تازی کیری توڑی تھی اور وہ بھی گئی ہاتھ سے۔'' سفینہ نے منہ پھلا کر کہا۔

''اچھا یار کیوں فکر کرتی ہو، کل ہی کیریوں کا پورا ٹھیلا۔ خان ہاؤس کے دروازے پر لگوا دیتا ہوں۔'' فائز نے کالر اونچے کرتے ہوئے کہا۔

''بس رہنے دو۔'' وہ ناراض ہو کر دوسری سمت بڑھ گئی۔

''ایک بات تو سنو۔'' فائز نے بے قراری سے اس کا دوپٹہ تھاما۔

''نہیں سننا۔'' سفینہ نے اپنا پلو کھینچ کر اس کے ہاتھ سے چھڑایا۔

''سفی آج تم بہت حسین لگ رہی ہو۔'' فائز نے ستائشی نظروں سے اُس کے سراپے کا جائزہ لیا۔

''اچھا سچ مچ......!'' اس کا موڈ معمول سے زیادہ خوشگوار ہو گیا تھا۔

''یہ میرا فیورٹ سوٹ ہے۔'' سفینہ نے اترا کر بتایا وہ سرخ رنگ کے کرتے پر سفید چوڑی دار پاجامہ اور سفید شیفون کا دوپٹہ اوڑھے، بہت تر و تازہ لگ رہی تھی۔

''آج سے یہ میرا بھی فیورٹ بن گیا ہے۔'' اس نے نیلی جینز کی پاکٹ میں ہاتھ پھنساتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا۔

''بس کریں......'' سفینہ کھلکھلائی۔

''تم کو پتا ہے سفی۔'' کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد وہ اس کے نزدیک ہوا اور شرارتی انداز میں بولا۔

''نہیں پتا اور نہ پتا کرنا ہے۔'' وہ اترا کر بولی۔

''یہ بھی نہیں پوچھنا کہ میں تمہیں کس حد تک چاہتا ہوں......'' فائز نے خوب صورت بالوں کو جوڑے کی پن سے نکالتے ہوئے پیار سے کہا۔

''کس حد تک......'' سفینہ نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر پوچھا، اس کے بالوں کی آبشار کھل کر کمر پر پھیل گئی۔

''تمہارے گماں سے بہت آگے...... مگر تمہارے یقین کی ہر حد کے پاس۔'' اس کا جادوئی لہجہ کانوں میں رس گھولنے لگا۔

''ہونہہ بڑے آئے کہیں سے۔'' سفینہ نے اس کی بات مکمل ہونے پر ہنستے ہوئے کہا اور بالوں کا جوڑا باندھ لیا۔

''یاران گھٹاؤں کو باندھ کر کیوں میرے دل پر ظلم کرتی ہو۔'' فائز نے ہنستے ہوئے ایک بار پھر پن نکالنے کی کوشش کی

مگر وہ دور ہوگئی۔

فائز پھر بے چینی سے اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اسے خود ایک غنودگی سی محسوس ہوتی مگر نیند کے مہربان ہاتھ اس کو تھپکنے نہیں آتے۔

❀❀

"مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" ریحانہ بیگم نے خاموش بیٹھے شوہر کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی فرمایئے۔" انہوں نے طنزیہ انداز میں بیوی کی طرف دیکھا، جس کی ضد انہیں شرمسار کیئے دے رہی تھی۔

"دیکھیں سفینہ کی شادی اتنے بڑے گھر میں ہونے جارہی ہے...... " انہوں نے تمہید باندھی۔

"سفی کی شادی کی بات کیا آپ نے اکیلے ہی فائنل کردی۔" وہ جل بھن کر بولے۔

"پلیز...... اب اس بات پر نئے سرے سے کوئی بات نہیں ہوگی جو بات طے ہوگئی...... وہ ہوگئی۔" ریحانہ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں کچھ کہنے سے روکا۔ "اچھا ایک بات سنیں۔" وہ قریب ہوکر رازدانہ انداز میں بولیں۔

"ایسی کون سی بات ہے۔ جس کے لیے آپ اس قدر رازداری برت رہی ہیں۔" بہزاد خان کے منہ سے نکلا۔

"آپ تو جانتے ہیں کہ بڑے خاندان میں شادی کرنے کے لیے ہمیں اماؤنٹ بھی بڑا چاہیے۔" وہ تھوڑی پُرجوش ہوئیں۔

"تو اب میں تمہاری خواہشات پوری کرنے کے لیے کسی بینک میں ڈاکا ڈالنے سے رہا۔" انہوں نے چڑ کر منہ بنایا۔

"نہیں ایسا کرتے ہیں، خان ہاؤس بیچ دیتے ہیں۔" ریحانہ نے بڑے سرسری انداز میں کہا۔

"کیا تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔" وہ ایک دم کھڑے ہوکر دھاڑے۔

"آپ کو یہ مٹی گارے سے بنا مکان سفی سے بھی زیادہ پیارا ہے۔" ریحانہ نے شوہر کی کمزوری سے کھیلنا چاہا۔

"مجھے اس گھر سے بے حد محبت ہے۔ اس کے چپے چپے میں میرے والدین کی یادیں چھپی ہوئی ہیں۔"

"مجھے نہیں پتا...... مگر میں سفی کی شادی بڑے عالیشان طریقے سے کرنا چاہتی ہوں۔" وہ اپنی ضد پر قائم رہیں۔

"ریحانہ...... تم کتنا بدل گئی ہو......" انہیں افسوس نے آگھیرا۔

"ہاں تو کیا کروں...... وقت اور حالات ہی بدل گئے ہیں۔" ان کے لہجے میں نروٹھاپن آگیا۔

"میں اب اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا۔" وہ چلائے۔

"ٹھیک ہے پھر۔" وہ بھی ضدی لہجے میں بولیں۔

"پھر......؟" بہزاد خان کا لہجہ سخت اور آواز اونچی ہوئی اس طرف آتی اور سفینہ کا دل ڈولا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

جان تھی پھر سنبھل گئی

عشنا کوثر سردار

"محبت کیا ہے؟" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔

"محبت جب تمہیں اشارہ کرے اس کے راستوں پر چلو اور باقی سب بھول جاؤ۔" وہ نرم لہجے میں بولی۔

"نہیں یہ محبت نہیں ہے۔" میں الجھا۔

"محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔" اس نے جیسے یاد کرانا چاہا تھا۔

"محبت ایسے کیسے کرسکتی ہے؟" میں انکاری ہوا۔

"تو تم محبت کے نئے رولز بناؤ گے۔" وہ مجھے چڑانے کو مسکرائی تھی۔ میں نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر شانے اچکا دیے تھے۔

"جو بھی ہے محبت ایسی نہیں ہوسکتی اتنی بے رحم نہیں کہ اپنے راستوں پر چلائے اور اپنے قوانین پر عمل پیرا ہونے کو کہے اگر یہ محبت ہے تو محبت میں ترمیم ضروری ہے۔"

"تم محبت میں ترمیم نہیں کرسکتے محبت تمہیں جو کہے تمہیں اس کا یقین کرنا ہوگا۔" وہ مسکرائی تھی اور اس کے لہجے کا سکون مجھے حیران کرنے لگا تھا مجھے اس سے محبت نہیں تھی اور وہ پھر بھی اس درجہ پر اعتماد تھی اور اس درجہ پرسکون تھی میں اس کا ہوکر بھی اس کا نہیں تھا ہم میں جو رشتہ تھا اس کی جیسے کوئی وقعت نہیں تھی۔

"محبت تم کو کچھ نہیں دیتی محبت کے سوا اور کچھ نہیں لیتی سوائے محبت کے محبت کا یہی کلیہ ہے اور یہی مفروضہ، تم محبت کے کلیات اور مفروضات کو بدل نہیں سکتے، ترمیم نہیں کرسکتے کیونکہ تم محبت کو اپنے اصولوں پر نہیں چلا سکتے محبت تمہیں اپنے اصولوں کا پابند کرے گی اور تمہیں محبت کی ہر بات ماننا ہوگا تم محبت سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ جاؤ اور تمام دروازے بند کردو اور تمام آوازوں سے کان بند کرلو کیونکہ محبت جو چاہے گی سنے گی اور جو چاہے گی وہ منوائے گی چاہے تم محبت کے قوانین سے اختلاف کرو یا ان کی بھرپور نفی کرو۔" وہ یقین سے بول رہی تھی۔

"میں اس کے دل میں ہوں محبت یہ ہے اور اس کے سوا محبت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔" میں نے اسے جتایا تھا اور وہ اسی سکون سے مسکرادی تھی اور مجھے اس کی پُرسکون کیفیت پر حیرت ہوئی تھی میں اس کے ساتھ نہیں تھا اس سے محبت نہیں کرتا تھا اور وہ تب بھی اس قدر پراعتمادی سے مجھ سے محبت پر بحث کررہی تھی اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی جو مجھے حیران کررہی تھی میں اس سے انگیجڈ ہوکر بھی ہانیہ وقار کے ساتھ کھڑا تھا اس کے لیے یہ انتہائی کمزور کردینے والی بات ہونا چاہیے تھی مگر وہ اندر سے ٹوٹ نہیں رہی تھی وہ کئی سالوں سے مجھ سے منسوب تھی اور میرے لیے ایک غیر ضروری احساس تھی ایک غیر ضروری شے جس پر توجہ کرنا یا نگاہ ڈالنا میں ضروری نہیں سمجھتا تھا وہ پندرہ برس کی تھی جب اس کے پیرنٹس حادثے میں گزر گئے تھے اور ڈیڈ اسے اپنے گھر لے آئے تھے وہ ڈیڈ کی اکلوتی بہن کی اکلوتی اولاد تھی میں سمجھ سکتا تھا وہ ڈیڈ کو کس قدر عزیز تھی۔ مگر وہ مجھے اس قدر عزیز نہیں تھی اس کے آنے سے مجھے کوئی خوشگوار احساس نہیں ہوا تھا دادا ابا کو جانے کیا سوجھی تھی کہ انہوں نے ہمارے رشتے کی بات ڈیڈ کے سامنے رکھ دی تھی اور ڈیڈ کی پدرانہ شفقت اور میری ممی کی ممتا جو بہت حد تک اس کے لیے دکھائی دے رہی تھی انہوں نے فوراً اس کے لیے عندیہ دے دیا تھا۔

"نو ڈیڈ۔" میں نے سنتے ہی صاف انکار کیا تھا میں اس وقت اٹھارہ برس کا ہونے والا تھا اور مجھے اتنی سمجھ بوجھ یقیناً آچکی تھی کہ میں زندگی کے ایک اہم فیصلے کے لیے اپنی رائے دے سکتا مگر ڈیڈ نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

"تمہاری ممی سوچ رہی ہیں ایک بڑی تقریب کی جائے اور نکاح کردیا جائے مگر میرے خیال میں گھر کی بات ہے بچے کہیں بھاگ تو نہیں رہے سو نسبت طے کردینا مناسب ہوگا میرا یہ خیال ہے تم کیا کہتے ہو شادی تو بہرحال ہونا ہے دس سال بعد ہو یا کچھ برسوں بعد مگر اب یہ ہے کہ میں سرخرو ہوگیا ہوں اپنا وجود بہت ہلکا پھلکا سا لگ رہا ہے، دل پر جو ایک بوجھ سا تھا وہ تقریباً سرک گیا ہے ایما کی جو ذمہ داری مجھ پر عائد کی گئی تھی میں اس میں کھرا اترا ہوں۔" ڈیڈ نے پُرسکون انداز میں کہتے ہوئے میری طرف دیکھا تھا گویا جو ذمہ داری کا بوجھ ان کے کاندھوں پر لادا گیا تھا وہ اسے میرے کاندھوں پر لاد کر خاصے پُرسکون اور خود کو کسی قدر سرخرو محسوس کررہے تھے میرے دوستوں تک خبر گئی تھی تو سب ہنستے دکھائی دیے تھے اس عمر میں یوں بھی جو کسی کرپٹ کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور مجھے سب "اوئے منگنی شدہ" اور "نکاح شدہ دلہا" کہہ کر چھیڑتے دکھائی دیے تھے اور میں خاصا شرمندہ سا محسوس کررہا تھا جو لڑکیاں دوست میرے ارد گرد دکھائی دیتی تھیں وہ اب مجھ سے کنی کترانے لگی تھیں یا مجھے دیکھتے ہی بھائی کہہ دینا اپنا پیدائشی حق اور اپنا فرض سمجھنے لگی تھیں میں جو اپنے حلقے میں سب سے ہینڈسم لڑکا سمجھا جاتا تھا اور میرے ساتھ ڈیٹ کرنا لڑکیوں کا خواب تھا وہ اب مجھے گھاس بھی نہیں ڈالتی تھیں۔ یہ تو صرف میرے منعقد ہونے والے نکاح یا منگنی کے پہلے کے اثرات تھے اور خدا جانے اب اس کے پوسٹ افیکٹ کیا ہونا تھے۔ بہرحال مجھے میری فیملی نے اس ایما مرتضٰی کے ساتھ باندھ کر کہیں کا نہیں چھوڑا تھا میری قدر صفر ہوگئی تھی اور سوشل نیٹ ورکس پر لڑکیوں نے مجھے دلہا بھائی اور منگنی شدہ بھائی کہہ کر چھیڑنا شروع کردیا تھا میں کچھ بھی پوسٹ کرتا ان کے کمنٹس دل جلانے والے ہوتے مجھے اس لڑکی سے حد درجہ نفرت ہوگئی تھی اگرچہ کوئی باقاعدہ تقریب منعقد کرکے یہ رشتہ نہیں بنایا گیا تھا مگر پھر بھی خبر دور تک پھیل گئی تھی اور مجھے تب سمجھ میں آیا تھا کہ خبر جنگل میں آگ کی طرح کیسے پھیلتی ہے اور گھر کا بھیدی ہونا کسے کہتے ہیں پھر یوں ہوا تھا کہ دادا ابا کی ذرا سی طبیعت بگڑی تھی اور ان کو اس رشتے کو لے کر کچھ زیادہ فکر ستانے لگی تھی تو ایک شام خاموشی سے ڈیڈ نے اس رشتے کو مزید مضبوط کرنے کی غرض سے ہمارا نکاح بھی کرادیا تھا اور تب میری ایما مرتضٰی کے لیے نفرت اور بڑھ گئی تھی جانے اس "بے چاری" کا کوئی قصور تھا کہ نہیں مگر اس بے چاری سی لڑکی کے چہرے کو دیکھتے ہی میری رگیں تننے لگتی تھیں میں اس سے شدید بیر رکھنے لگا تھا وہ مجھ سے بات کرنے کی کوشش کرتی تو میں اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا وہ مدد مانگتی میں صاف انکار کردیتا وہ کوئی بک اٹھا کر پڑھنے کو لے جاتی میں اس کی اچھی خاصی کلاس لے لیتا غرض اسی طرح کی اور بہت سی چھوٹی چھوٹی باتوں پر میری دشمنی اس کی طرف صاف بڑھتی دکھائی دی بلکہ میں نے خود کے مقابل ایک کمزور اسٹیٹ سمجھتے ہوئے کھلی جارحیت کا مظاہرہ کرنا شروع کردیا تھا اور اس نے خاموشی سے اس رویے کو سہنا شروع کردیا تھا جیسے 1988ء سے قبل پاکستان انڈیا کی زبردستی مسلط کی گئی جنگوں اور جارحیت کو سہتا تھا کبھی کبھی مجھے اس پر ترس بھی آتا تھا مگر پھر ہمدری اور ترس جلد

معدوم ہو کر غائب ہونے لگتا تھا۔ میں نے اس سے بات کرنا اور غیر ضروری بات کرنا تقریباً بند کردیا تھا کوئی کام بھی ہوتا تو میں اس سے نہ کہتا وہ اور میں تعلیمی مدارج طے کرتے آگے بڑھنے لگے اور سرد مہری اور کھلی جارحیت بھی اس قدر آگے بڑھتی چلی گئی مگر تب مجھے لگا کہ اس کا سکون اور پُر اعتمادی بڑھنے لگی ہے وہ اکثر میرے پاس آ کر بیٹھنے لگی اور باتیں خود سے کرنے لگتی گویا اسے مجھے چھیڑنے میں لطف آنے لگا یا وہ مجھے جتانا چاہتی تھی کہ اس کا مجھ سے رشتہ کس قدر اہمیت کا حامل ہے اور وہ کئی طرح کے حقوق مجھ پر واجب رکھتی ہے۔ اکثر جب میں کسی دوست کو گھر لے آتا تو وہ اٹھنے کا نام نہ لیتی اور جب تک اس دوست کو انفارم نہ کردیتی (چاہے باتوں باتوں میں ہی مگر وہ بتانا ضروری خیال کرتی تھی کہ وہ میری منکوحہ ہے) اسے جیسے سکون کا سانس نہ ملتا میں جو براہِ راست اس کی جانب متوجہ ہونا نہیں چاہتا تھا یا بات کرنا بھی نہیں چاہتا تھا اب مجھے اس سے بات کرنا ضرور اور ناگزیر ہو جاتا وہ جان بوجھ کر اسباب بناتی جان بوجھ کر مجھے جیسے جتانے کو اپنے وجود کا احساس دلانے کو میرے سامنے آن رکتی اور تب مجھ اس سے اور بھی الجھن ہونے لگتی مجھے اس سے زیادہ خوب صورت کام والی ماسی کی بیٹی لگتی اور میں اس کام کروانے میں خود کو زیادہ کمفرٹیبل محسوس کرتا تھا یا دوسرے معنوں میں اسے جتانا چاہتا تھا کہ اس سے زیادہ بہتر ہر کوئی ہے میں اسے کوئی اہمیت دینا نہیں چاہتا تھا وہ کل کی ڈری سہمی لڑکی آج کی ایک پُر اعتماد لڑکی اور ڈاکٹر تھی اور میں بھی اپنے بزنس کا آغاز کر کے بہت حد تک اسٹیبل ہو چکا تھا گویا ہم ناسمجھی کی اس عمر سے نکل کر بہت سمجھداری کی عمر میں داخل ہو چکے تھے مگر میرا رویہ اب بھی اسی طور تھا مگر اس کی خود اعتمادی میں بہت اضافہ ہو چکا تھا جب میں نے اسے ہانیہ وقار کے بارے میں بتایا تھا تو وہ حیران نہیں ہوئی تھی۔

"آئی لو ہر۔" میں نے صاف بتادینے میں کوئی قباحت نہیں جانی تھی اور وہ مسکرا دی اور اس مسکراہٹ میں کیسا خاص اعتماد تھا میں حیران رہ گیا تھا مگر میں ایمامرتضیٰ کے وجود کی بھرپور نفی کرنا چاہتا تھا اور وہ اسی قدر خود کو مجھ پر مسلط کرنا اپنا فرض سمجھتی تھی اور میں دانستہ ہانیہ وقار کی سمت خود کو دھکیلنے لگا تھا ہر گھڑی اس کے سامنے ہانیہ وقار کا ذکر کرنے کا ایک ہی مقصد تھا کہ میں اسے جتا سکوں کہ میری زندگی میں اس کی اہمیت صفر ہے مگر وہ سمجھنے کو تیار نہیں تھی یا محبت ہارنے کو تیار نہیں تھی اس سے سختی روا رکھتے ہوئے ایک دو بار تو مجھے ان پر ترس بھی آیا مگر اس کی کیفیت کو زیادہ دیر تک برقرار نہیں رکھ سکا۔ بہرحال مجھے اپنی زندگی ایمامرتضیٰ کے ساتھ نہیں گزارنا تھی اور میں اس بات کو باور کرا دینا چاہتا تھا ممی اور ڈیڈ اب بھی اس پر اسی قدر جان چھڑکتے تھے ممی نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ میں ایمامرتضیٰ میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا اور شاید انہوں نے یہ بات ڈیڈ یا دادا ابا تک بھی پہنچائی تھی میں اس سے باخبر نہیں تھا مگر ممی نے مجھے واضح انداز میں جتایا تھا کہ ایمامرتضیٰ ان کی بہت پیاری بیٹی اور بہو ہے اور وہ اسے ہمیشہ خوش و خرم اور اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی ہیں بلکہ اب تو انہوں نے اس تحریک کو اور بھی تیز کردیا تھا گاہے بگاہے وہ میرے سامنے ایمامرتضیٰ اور میری شادی کا ذکر کرنے لگی تھیں۔

"صفنان ملک۔" ممی نے مجھے پکارا تھا اور ان کی آواز میں مجھے ایک فیصلہ کن یوصاف محسوس ہوئی تھی وہ جیسے کوئی خاص بات کرنا چاہتی تھیں اور میں ان کے قریب آن بیٹھا تھا اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتیں میں نے کہہ دیا۔

"ممی میں ایمامرتضیٰ کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا۔" میں نے کہا اور ممی نے مجھے حیرت سے دیکھا تھا پھر پُرسکون انداز میں بولی تھیں۔

"وجہ کیا ہے نا کرنے کی؟" اور میں فوری طور پر کوئی وجہ ڈھونڈ نہیں پایا تھا تبھی کہا۔

"ہانیہ وقار۔"

"ہانیہ وقار۔" ممی اس نام پر چونکیں۔

"یہ کون ہے؟" ممی کے انداز میں تجسس تھا مگر انداز اس قدر سرسری تھا جیسے انہیں اس ذکر سے کچھ زیادہ لینا دینا نہیں تھا یا پھر انہیں یقین تھا کہ انہوں نے جو میرے لیے سوچ رکھا ہے میں زندگی انہی زریں اصولوں کے مطابق طے کروں گا وہ مجھ سے اس درجہ امید کیوں رکھتے تھے میں نہیں جانتا تھا مگر

میں ان کو جتادینا چاہتا تھا کہ میری زندگی میں ایما مرتضٰی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اور تبھی وہ بولیں۔

"تمہارے دادا کل رات شادی کی بات کررہے تھے ان کا خیال ہے کہ اب وقت آگیا کہ ہم تم دونوں بچوں کی زندگی کو آگے بڑھنے دیں خیر سے ایما بھی اب ڈاکٹر بن گئی ہے اور تم بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے ہو سو مناسب ہوگا اب رخصتی کا عمل کردیا جائے۔" وہ جیسے ہانیہ وقار کے بارے میں سننا ہی نہیں چاہتی تھیں اور میں نے انہیں بے یقینی سے دیکھا۔

"ممی...... نہیں...... آئی مین میں آپ کو ہانیہ وقار کے بارے میں بتارہا تھا شی از سو پریٹی، نائس گرل آپ کو اس سے ملنا چاہیے۔" میں نے انہیں ہانیہ وقار کے بارے میں قائل کرنا چاہا تو وہ تب چونکیں۔

"مجھے اس سے کیوں ملنا چاہیے، کون ہے وہ خوامخواہ کی باتوں میں ٹائم مت ویسٹ کرو بچے اب تم میچور ایج میں ہو اور جانتے ہو کہ تمہاری زندگی کس ٹریک پر جانا چاہیے ڈاکٹر ایما مرتضٰی سے زیادہ بہتر لڑکی تمہاری زندگی میں نہیں آسکتی سو فضول کے تمام ذکر اٹھا کر ایک طرف رکھ دو اور بے فکر ہوکر شادی کے بارے میں سوچو خود کی ذمہ داریوں کے بارے میں سوچو۔" ممی سننے کو تیار نہیں تھیں وہ کہہ کر اٹھ گئی اور میں اپنا سامنہ لے کر رہ گیا تھا۔

مجھے سمجھ نہیں آتا تھا مجھے کوئی سیریس کیوں نہیں لیتا، ایما مرتضٰی کو مطلق پروا نہیں تھی وہ پُراعتماد تھی اور ممی اس سے بھی زیادہ پُراعتماد تھیں۔ انہوں نے تو مجھے مستقبل کی سمت متوجہ کرتے ہوئے صاف جتادیا تھا کہ انڈیا پاکستان کی طرح خواہ ہمارے رشتے میں کوئی شے بھی پرفیکٹ نہ ہو مگر ہمیں ایک دوسرے کو سی ٹی بی ٹی کے معاہدے کی طرح فیورٹ اسٹیٹ قرار دینا ضروری ہے اور ساتھ ساتھ رہنا ہماری مجبوری تھا اور اس کی تو خبر نہیں مگر مجھے اسے جھیلنا تھا مگر میں اس کے لیے تیار نہیں تھا۔

"مجھے ہانیہ وقار سے محبت ہے اور میں آئندہ زندگی اسی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔" میں نے ایک شام جتایا اور وہ مجھے پُرسکون انداز میں دیکھنے لگی۔

"آپ جانتے ہیں محبت کیا ہوتی ہے۔" وہ مجھ سے پوچھنے لگی اور مجھے اس کے اطمینان پر الجھن ہوئی تھی تبھی چڑ کر بولا۔

"میں تمہیں جواب دینے کا پابند نہیں......" میں نے اسے جیسے جتادیا تھا کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں مگر وہ مسکرادی۔

"جب آپ کو خبر نہیں تو آپ محبت کی بات کیسے کرسکتے ہیں۔" وہ الجھنے لگی اور مجھے خبر تھی اسے اس ذکر سے فکر ہورہی تھی سو میں مسکرالیا۔

"تمہیں اس سے کنسرن نہیں ہونا چاہیے کہ مجھے محبت کی کچھ خبر ہے کہ نہیں مگر حقیقت ہے کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں۔" میں نے کھردرے لہجے میں کہا تو وہ پُرسکون انداز میں میری سمت دیکھتی ہوئی گردن پھیر گئی۔

"آپ کا مجھ سے اس موضوع پر بات کرنا کوئی ضروری نہیں۔" اس نے بے نیازی سے کہا اور مجھے جانے کیوں اس کے بے نیاز انداز نے تلملا دیا...... میں نے اسے جھٹکے سے تھام کر اپنی طرف کھینچا...... وہ توازن برقرار نہیں رکھ سکی اور اس کا سر یک دم میرے فراخ سینے سے آن ٹکرایا تھا اسے سنبھلنے میں کچھ لمحے لگے اور تب تک وہ میرے سینے پر سر رکھ کر سانس لینے لگی میں نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا اس لمحے میں ایک شور تھا جو میں صاف سن رہا تھا یہ اس کی دھڑکنوں کی آواز تھی یا میری خود کی میں جان نہیں پایا تھا مگر اس کی خوش بو میرے اطراف پھیلنے لگی تھی اور یہ احساس نیا تھا میں نے اس کی موجودگی کو پہلی بار محسوس کیا تھا اس سے قبل میں اس کی موجودگی سے انکاری رہا تھا اس کے وجود کی نفی کرتا رہا تھا مگر اب مجھے ماننا پڑا تھا کہ اس کا وجود تھا اور اگرچہ کوئی معنی رکھتا تھا کہ نہیں مگر وہ موجود تھی میں خود اپنی محسوسات سمجھ نہیں پایا تھا اس نے آہستگی سے سر اٹھا کر دیکھا اور ان آنکھوں میں کیا تھا وہاں نمی جیسے رکی ہوئی تھی وہ آنکھیں شکوہ کررہی تھیں یا کچھ اور تھا میں سمجھ نہیں پایا تھا۔

"محبت سے کبھی مت کہنا کہ محبت کا وجود نہیں ہے محبت کو خبر ہوجائے گی عفنان ملک اور پھر محبت تب تک تمہارے

تعاقب میں رہے گی جب تک کہ تمہارے وجود کی نفی نہ کردے اور جب تم خود اپنے آپ کی نفی کر کے محبت کے اس وجود کو قبول کرو گے تب محبت اپنے پر پھیلا کر تمہیں آغوش میں لے گی بنا تمہیں جتائے کہ تم نے اس محبت کی کبھی تضحیک کی یا کبھی اسے کوئی زک پہنچائی محبت ایسی ہی ہے۔" وہ محبت بھری آواز میں بولی اور میں اسے ساکت سا دیکھنے لگا تھا پھر جیسے حواس میں واپس لوٹتے ہوئے میں نے اس کے الفاظوں کو رد کرتے ہوئے سر انکار میں ہلایا۔

"محبت ایسا نہیں کر سکتی کیونکہ محبت پہلے سے میرے اختیار میں ہے اور میں اس سمت ہاتھ بڑھا کر اسے تھام لینے کو ہوں۔" میں نے اسے جتانا ضروری خیال کیا تھا وہ پُرسکون انداز میں میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں ہانیہ وقار کے ساتھ ہوں اور میں اسی کے ساتھ اپنی آئندہ کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں تم میری دنیا کے آس پاس کہیں نہیں ہو ایما مرتضیٰ تمہارا وجود کہیں نہیں ہے۔" میں نے شعلہ برساتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی بھرپور نفی کی تھی اور وہ اسی قدر برداشت کے ساتھ میری سمت دیکھتی ہوئی سر انکار میں ہلانے لگی تھی۔

"تم ہانیہ وقار سے محبت نہیں کرتے عفنان ملک تم کسی اور سے محبت نہیں کر سکتے۔" اس مدھم لہجے میں جیسے ایک خاص آہنگ تھا اور میں الجھنے لگا۔

"کیا مطلب؟" میں نے بے طرح چونکتے ہوئے پوچھا تھا اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"کیونکہ تم پہلے سے کسی سے محبت کرتے ہو تمہارا وجود محبت سے پہلے سے آباد ہے اور تم ایک محبت کے ہوتے ہوئے دوسری محبت کی کھوج میں نہیں جا سکتے۔" وہ پُریقین لہجے میں گویا تھی۔

"کیا مطلب......؟ ایسا کچھ نہیں ہے بٹ یو آر رائٹ آئی ایم آل ریڈی ان لو اور میں دوسری محبت کی کھوج میں نہیں جا سکتا جانا چاہتا ہوں آئی ایم ان لو وہ ہانیہ وقار اس کی محبت کے علاوہ مجھے اور کوئی محبت درکار نہیں میں اس محبت کے احساس کو بہت گہرائی سے اپنے اندر محسوس کرتا ہوں ایما مرتضیٰ۔" میں نے اسے جتایا اور اس کی آنکھوں میں ایک خاص رنگ ابھرا تھا جیسے اس کا یقین بڑھنے لگا تھا۔

"محبت جب تم سے بات کرے تو تمہیں محبت کا یقین کرنا ضروری ہے محبت کو انکار سننے کی عادت نہیں نا محبت کو بار بار جتانا پسند ہے محبت کا انداز اور بات حتمی ہوتی ہے عفنان ملک چاہے تم یقین کرو نا کرو محبت کا یقین کرو اور محبت کے ساتھ چلو تمہارے لیے یہی ضروری ہے اور اس سے زیادہ ضروری کچھ نہیں ہے۔" وہ مجھے جیسے اپنے لہجے اور لفظوں میں قید کرنے لگی تھی۔ میں ساکت سا اس کی سمت دیکھنے لگا اور تبھی وہ پُرسکون لہجے میں بولی۔

"تم مجھ سے محبت کرتے ہو عفنان ملک تم میرے علاوہ کسی سے محبت نہیں کر سکتے کیونکہ تمہیں اس کی عادت نہیں ہے اگر تمہیں اختیار ہوتا بھی تو ایسا نہیں کر پاتے کیونکہ ایسا تمہارے اختیار میں نہیں کیونکہ تم محبت کے اختیار میں ہو اگر تم نے محبت کی بات نہ مانی تو محبت تمہیں بے اختیار کردے گی اور تب تم خود تسلیم کرو گے کہ محبت کا وجود ضروری ہے۔" ایما مرتضیٰ ایک یقین سے کہہ رہی تھی اس کی آنکھوں سے کیسی روشنی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں میں سمجھ نہیں پایا تھا مگر میں جیسے ساکت کھڑا اور اسے دیکھ رہا تھا اس لمحے میرے اندر اس کی نفی کرنے کی بھی ہمت نہیں تھی میں جیسے بے بس کھڑا تھا۔

"محبت تمہیں راستہ بتا رہی ہے عفنان ملک، محبت کی آواز بغور سنو محبت کی بازگشت تمہارے اردگرد پھیلی ہے اور ان لمحوں کی مدت طویل نہیں ہے اگر تم نے ان لمحوں کو ہاتھ بڑھا کر مٹھی میں نہیں لیا تو پھر کچھ باقی نہیں رہے گا۔" وہ لہجہ کیا اسرار رکھتا تھا ان باتوں میں کیا سچائی تھی کہ میں کچھ بول ہی نہیں سکا تھا کیا مجھے اس کے لفظوں سے کوئی انحراف نہیں تھا یا میں اس کا معمول ہو گیا تھا میں سمجھ نہیں پایا تھا مگر میں نے اس کے سامنے ہار ماننا نہیں سیکھا تھا۔

"مجھے تم سے محبت نہیں ہے ایما مرتضیٰ تم سے محبت نہیں ہو سکتی۔" میں ایما مرتضیٰ کا معمول نہیں تھا اور تبھی میں اس کی بھرپور نفی کرنے کو مدھم لہجے میں بولا۔

"تم خوش فہمی میں مبتلا ہو ایما مرتضیٰ اور اس کا کوئی علاج

نہیں ہے محبت ایسی نہیں ہوتی اگر تم خواب دیکھنا چاہتی ہو تو دیکھنا جاری رکھ سکتی ہو مگر مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہوگئی ہے تو اس کا شمار تم کرتی رہو مگر اس شمار سے تمہیں سوائے اپنی ہار اور خالی ہاتھ رہ جانے کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا تم دراصل خود اس محبت میں تڑپ رہی ہو اور تمہیں قرار نہیں ہے۔" میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا اس کا وجود دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ وہ میری سخت گیری پر ساکت سی مجھے دیکھنے لگی تھی۔

"تم نفی کرتے جاؤ گے اور محبت تمہارے اندر اسی قدر پھیلتی جائے گی تمہاری نفی کرتا انداز محبت کے رنگوں کو مزید گہرا ہونے میں مدد دے گا ایک دن محبت کا یہ وجود تمہارے خود کے وجود میں اتنا پھیل جائے گا کہ تمہارا خود کا وجود کہیں ختم ہوجائے گا محبت تمہیں تمہارا نہیں رہنے دے گی۔" وہ جیسے محبت ہارنے کو تیار نہیں تھی میں مسکرا دیا تھا۔

"تم بھی محبت کو راستہ نہیں بتا سکتے عفنان ملک محبت تمہیں راستہ بتاتی ہے تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ تم محبت کے راستوں پر آنکھیں بند کرکے چلو تمہارا محبت کا یقین ہی تمہاری بقا کی ضمانت ہوگا۔" وہ پُریقین لہجے میں مجھے جتا رہی تھی۔ اس کی خود اعتمادی قابل دید تھی میں نے آج تک اس کی سمت نگاہ نہیں کی تھی اور اسے گمان ہونے لگا تھا کہ مجھے اس سے محبت ہے، یہ خوش فہمی نہیں تھی تو اور کیا تھا، محبت نہیں تھی بے وقوفی تھی وہ حماقت کر رہی تھی اگر وہ خوش فہمی میں رہنا چاہتی تھی تو میں اسے اس سے نکالنا نہیں چاہتا تھا۔

"اگر تمہیں مجھ سے محبت نہیں تو مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے عفنان ملک؟" وہ جانے کون سا نیا حربہ آزمانے کو بولی اور میں چونکا تھا اور تبھی وہ ایک یقین سے مسکرائی تھی۔

"تم مجھے کبھی چھوڑنا نہیں چاہو گے عفنان ملک، کیونکہ تم میرے بنا زندگی کا تصور نہیں کرسکتے تمہیں میری عادت پڑ چکی ہے اور جب محبت کسی کو اپنا بنالے تو پھر اسے کسی اور طرف جانے نہیں دیتی۔" اسے اتنا یقین کیونکر تھا کیا مجھے اس سے واقعی ایسی کوئی محبت تھی یقیناً نہیں تھی تو پھر وہ اس قدر پر یقین کیوں تھی اور میں اسے حیرت سے کیوں دیکھ رہا تھا میں نے اس کی سمت قدم بڑھائے تھے اور اس کے قریب جا رکا تھا ایک ہاتھ دیوار پر ٹکائے ہوئے میں نے اس کے فرار کے سارے راستے مسدود کرتے ہوئے اسے حصار میں لیا اور اس چہرے کو بغور دیکھنے لگا تھا میری نظروں کی تپش سے وہ چہرہ دہکنے لگا تھا اور وہ میری طرف سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

"ایمامرتضیٰ تم مجھے اپنے بہاؤ میں نہیں بہا سکتیں، چاہ کر بھی نہیں میں تمہیں صرف اس لیے نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ میں ڈیڈ یا دادا ابا کو خفا نہیں کرسکتا مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہارے ساتھ زندگی گزار لوں گا یا پھر میں تم سے محبت میں مبتلا ہوجاؤں گا، ایسا کبھی نہیں ہوگا اپنا وقت عفنان ملک سے محبت کرنے میں ویسٹ مت کرو کوئی ڈھنگ کا کام کرو بیرون ملک جا کر کوئی اسپیشلائز کرلو فیوچر میں کام آئے گا اگرچہ میں شوہر ہونے کے ناطے تمہاری ذمہ داری سے کبھی آنکھیں بند نہیں کروں گا مگر میں چاہتا ہوں تم اپنے قدموں پر کھڑی ہوجاؤ تمہاری فردر اسٹڈی کا تمام خرچ میں برداشت کروں گا۔" میں نے لاتعلق لہجے میں کہا تھا وہ مسکرادی۔

"لکھ کر رکھ لو تم مجھے خود سے دور جانے نہیں دو گے تم ایسا کبھی نہیں چاہو گے۔" وہ اسی پُریقین لہجے میں بولی اور میں مسکرا دیا تھا۔

"ایمامرتضیٰ میں چاہتا ہوں تم میری زندگی سے دور چلی جاؤ مگر اس طرح کہ اس کا الزام مجھ پر نہ آئے میں دادا ابا اور ڈیڈ کے سامنے خود کو مجرم نہیں بنا سکتا سو اگر تم کو مجھ سے محبت ہے تو ایک فیور کرو دو، سب کو جتا دو کہ تم فردر اسٹڈی کے لیے آبراڈ جانا چاہتی ہو، تمہارے جانے کے بعد میں نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہوں گا لٹ می اسٹارٹ مائے لائف (مجھے میری زندگی کا آغاز کرنے دو) ہانیہ وقار میری منتظر ہے۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں مجھے افسوس ہے مجھے تم سے محبت نہیں ہوسکی مگر شاید یہ سب اختیار سے باہر ہوتا ہے آئی ایم ان لو ود ہانیہ وقار اور مجھے کچھ غلط نہیں لگ رہا محبت میں ایک بات ہوتی ہے کہ کچھ غلط نہیں لگتا وہ بھی جو دراصل بہت غلط ہوتا ہے۔" میں نے مدہم لہجے میں اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا مجھے اس سے ہمدردی تھی اور ہمدردی کے سوا کچھ نہیں اور ہمدردی

محبت نہیں کی جا سکتی۔ مجھے افسوس تھا اسے میرے جیسے شخص کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا جسے اس سے کوئی لگاؤ نہیں تھا وہ یقیناً ایک اچھی زندگی ڈیزرو کرتی تھی۔

''تم اچھی لڑکی ہو ایما مرتضیٰ آئی ایم سوری میں نے تم سے نفرت کی اور بلاوجہ ناروا سلوک روا رکھا مگر مجھے تم سے محبت نہیں تھی کبھی بھی تم سے محبت نہیں رہی اگر ہوتی تو میں تم سے کہنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرتا۔'' میں نے نرمی سے اسے سمجھایا تھا وہ خاموشی سے میری سمت دیکھ رہی تھی، وہ حیران نہیں تھی اور اس کی نظریں جیسے کہہ رہی تھیں کہ تم جو کہہ رہے ہو وہ غلط ہے اور ایک دن تم خود اس بات کو جان لو گے۔ اور میں بھی اسے جتاتے ہوئے بولا تھا۔

''ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں ایما مرتضیٰ تم جب یہاں سے چلی جاؤں گی تو میں خاموشی سے تم سے قطع تعلق کر لوں گا تمہیں اس رشتے کے بوجھ سے آزاد کر دوں گا اور تمہیں اجازت ہوگی کہ تم اپنی زندگی جس طور چاہو یا جس کے ساتھ چاہو آغاز کر سکو میں تمہارے قابل نہیں ہوں ایما مرتضیٰ میں تمہارے لیے نہیں بنا تم میرے لیے نہیں بنیں سو ہم ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ دور نہیں چل پائیں گے یہ دوریاں ہوگا تمہارا بھی اور میرا بھی میرے پاس تمہیں دینے کو کچھ نہیں ہے کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟'' میں نے اس کی سمت غالباً پہلی بار اس قدر نرمی سے دیکھا تھا اور وہ آنکھیں میری سمت اٹھیں کیا کہہ رہی تھیں میں نے اس چہرے کو پہلی بار اس قدر قریب سے دیکھا تھا پہلی بار اس درجہ اس کے قریب آیا تھا اس کی دھڑکنوں کی آواز مجھے صاف سنائی دے رہی تھی، مگر میں جیسے ہر بات کی بھرپور نفی کر دینا چاہتا تھا۔

''اس دل کو دھڑکنے کا حق ہے ایما مرتضیٰ مگر میرے لیے نہیں کسی فرد خاص کے لیے اس کو آزاد چھوڑ دو۔'' میں نے آہستگی سے اس کے دل پر شہادت کی انگلی رکھی تھی اور جیسے حرارت سے میرا پورا وجود جلنے لگا تھا۔ اس کے دل سے کیسی حرارت پھوٹ رہی تھی یہ محبت تھی یا کچھ اور محبت ایسی کہ حرارت یا جلا دینے والی کیسے ہو سکتی تھی میرے اردگرد جیسے الاؤ دہکنے لگے تھے اور میں اس آگ میں جیسے جلنے لگا تھا میں بے ارادہ اس کی سمت سے دھیان ہٹاتے ہوئے اس سے دور ہوا تھا۔ جیسے مجھے جلنا منظور نہیں تھا وہ میری سمت خاموشی سے دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں وہی پُرسکون کیفیت تھی اور وہی پُراعتمادی اس کے انداز میں تھی اور میں حیران تھا وہ خالی ہاتھ کھڑی تھی مگر اسے گمان تھا میں اس کا ہوں۔ میں کسی اور سے محبت کرتا تھا مگر یقین جیسے پر لگا کر مجھ سے دور اڑتا جا رہا تھا اور وہ میری سمت تکتی جا رہی تھی۔

''تمہارے دل میں جو منجمد محبت ہے وہ ایک دن پگھلے گی اور گھل کر پانی ہو جائے گی تب اس کا بہاؤ کس سمت ہوگا یہ تم طے نہیں کر پاؤ گے عفنان ملک یہ محبت خود طے کرے گی اگر اس پانی کا بہاؤ میری سمت بہنے لگے تو تم روک نہیں پاؤ گے تم سے یہ نہیں ہو پائے گا۔ کیونکہ تم کمزور ہو گے اور ناتواں اور محبت تم سے کہیں زیادہ زور آور ہوگی اتنی زور آور کہ تمہاری فنا و بقا کے متعلق فیصلہ محبت کرے گی یقین نہ آئے تو آزما لینا، تمہارا تعاقب کرتی ہوئی تمہیں خود آپ بتانے آ جائے گی۔'' اس کا یقین قابل دید تھا اور میں اس کی سمت تکتا ہوا حیرت سے ایک جگہ ساکت سا کھڑا تھا پھر یک دم میں پلٹا اور وہاں سے نکل گیا۔ ایسا کرتے ہوئے میں نے دانستہ اسے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا کیونکہ میں پتھر ہونا نہیں چاہتا تھا۔

پھر میں نے سنا کہ ڈیڈی نے کہا تھا کہ وہ اسٹڈی کے لیے ابراڈ جانا چاہتی ہے سو وہ مجھ سے اس سلسلے میں بات کرنا ضروری خیال کر رہے تھے اور میں خاموش تھا وہ کھانے کی میز پر نہیں تھی وجہ میں نہیں جانتا مگر شاید وہ ایسا کر کے کوئی اہمیت حاصل کرنا چاہ رہی تھی۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں ڈیڈ، اف شی وانٹس ٹو گو (اگر وہ جانا چاہتی ہے تو)۔'' میں نے شانے اچکا دیئے ڈیڈ نے میری طرف بغور دیکھا۔

''وہ تمہاری منکوحہ ہے عفنان ملک تم اس فیصلے پر ایسے لیا دیا انداز کیسے رکھ سکتے ہو ہم تو تمہاری شادی کا پلان بنا رہے تھے کہیں تم نے تو ایما سے ایسا کچھ نہیں کہہ دیا کہ وہ جانے کی بات کرنے لگی؟'' ڈیڈ جیسے میری عادت سے واقف تھے سو انہوں نے شک کے دائرے میں سب سے پہلے مجھے ہی لیا

اور میری سمجھ میں جب آیا تھا وہ میز پر کیوں موجود نہیں۔ وہ یہ بات جتانا چاہتی تھی کہ میں اس کا باعث ہوں اور وہ میری وجہ سے یہاں سے جارہی ہے ممی بھی مجھے شاکی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"ایما کو کل تک تو اسٹڈی کا کوئی شوق نہیں تھا پھر آج اچانک کیسے۔ ملک صاحب ہم اس بچی کو اس طرح جانے نہیں دے سکتے۔ اس کی ذمہ داری ہمارے سر ہے اور دوسری بات وہ اس گھر کی بہو ہے لوگ کیا کہیں گے اگر عفنان رخصتی کے بعد اس کے جانے پر آمادہ ہوجائے تو ہم ایمرجنسی میں شادی کا معاملہ زیرغور لاسکتے ہیں۔" ممی نے کہا اور مجھے ان کا لہجہ کسی قدر سیاسی لگا گویا میری شادی نہ ہوئی تو قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا کوئی بل ہوگیا جس پر سب کا متفق ہونا یا اکثریت کا حق رائے دہی ہونا ضروری مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا میری زندگی اور شادی سے کسی کا کیا بھلا ہونا تھا اور اسے ایک نجی معاملے سے زیادہ اجتماعی یا ملکی سطح کے مسئلے کی طرح کیوں ترتیب کیا جارہا تھا۔ اتنی ٹینشن تو تب بھی کری ایٹ نہیں ہوتی تھی جب انڈیا یک دم بارڈر پر فائرنگ کا سلسلہ کھول کر پاکستان کو جنگ کی دھمکی دے دیتا تھا ممی ڈیڈی مجھے ایسی مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے میں نے کوئی انوکھی بات کردی تھی۔

"اگر وہ پڑھنے جانا چاہتی ہے تو اسے جانے دیں ڈیڈ، شادی اتنا ضروری نہیں آئی مین ہمارا نکاح تو ہوچکا ہے اور اپنے طور پر ہم اس رشتے کے پابند ہیں پھر میں اس کے پاس چکر لگاتا رہوں گا اور وہ میری ذمہ داری ہے میں اس کی خبر گیری لیتا رہوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا جیسے یہ کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں تھا اور ڈیڈ مجھے دیکھنے لگے۔

"برخوردار ناک کٹوانا ہے خاندان میں لوگ کیا کہیں گے بہن کی بیٹی کی ذمہ داری پورا نہ کرپایا بہو سے خلاصی کرنے کے لیے اسے گھر سے نکال دیا۔"

"نو ڈیڈ..... اسے گھر سے نکالنا نہیں کہتے وہ آگے پڑھنا چاہتی ہے اور میرے خیال میں اس کا حق ہے اس کا شوہر ہونے کے ناطے میں اسے غلط نہیں سمجھتا اگر آپ برا نہ مانیں تو میں اسے آبراڈ جا کر پڑھنے کی اجازت دینا چاہتا ہوں، وہ سمجھ دار لڑکی ہے وہ یہ سب ہینڈل کرسکتی ہے اسے وہ اعتماد دینا ضروری ہے، کل کو کوئی بھی صورت حال ہو تو اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہونا آنا چاہیے اور......" میں بول رہا تھا جب ممی نے مجھے ٹوکا۔

"چاہتے کیا ہو تم، اس سے کیا مقصد ہے تمہارا کہ اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا آنا چاہیے۔ سوچ کیا رہے ہو تم ذہن میں کیا چل رہا ہے؟" میرے والدین مجھے انتہائی مشکوک نظر سے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے انڈیا نے پاکستان کو اسٹرائیک اٹیک کرنے کا الزام لگا کر دیکھا۔

"میں کیا سوچوں گا ممی! وہ ایما مرتضی ہے جو فرد اسٹڈی کے لیے باہر جانا چاہتی ہے۔ میں نہیں ہوں جو زبردستی اسے بھجوا رہا ہوں دیکھیے جانے کی خواہش اس نے ظاہر کی ہے آپ لوگ اسے میری مرضیات سے کیوں موڑ رہے ہیں۔" میں نے ایما مرتضی کے سر الزام ڈال کر خود بری الذمہ ہونا چاہا مگر ان کا شک ختم نہیں ہوا تھا۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تبھی وہ ڈنر کے لیے ٹیبل پر بھی نہیں آئی بخار سے اس کا جسم جل رہا ہے اچانک اس کی ایسی طبیعت کیسے بگڑ گئی، میں نے ڈاکٹر کو فون کیا تھا ابھی کچھ دیر قبل میں اسے سوپ دینے کے بعد میڈیسن دے کر آئی ہوں تم خود کو اتنا معصوم ثابت مت کرو عفنان ملک، ہمارے بیٹے ہو ہم تمہیں بہتر جانتے ہیں۔" ممی نے کہا تو میں خاموشی سے ان کی طرف دیکھنے لگا کچھ دیر خاموشی سے گزر گئے اور پھر میں نے براہ راست مدعا اٹھانا ضروری خیال کیا۔

"نہیں ممی میں ایما مرتضی کو اپنا Compatible نہیں سمجھتا ہم ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور اگرچہ اسے میں نے جانے کے لیے نہیں کہا جو بھی ہے اس کا اپنا فیصلہ ہے مگر بہتر ہوگا اب ہم اپنی سمتوں کا تعین کرلیں میں اس کے ساتھ زندگی گزارنا نہیں چاہتا آپ اس کی مرضی معلوم کرسکتے ہیں میں ہانیہ وقار سے محبت کرتا ہوں اور اس کو اپنی زندگی کا ہم سفر بنانا چاہتا ہوں آئی ریئلی ڈونٹ نو کہ آپ کیا ڈیسائیڈ کیے

بیٹھے ہیں مگر یہ مشکل ہوگا میں جبراً قائم کیے گئے رشتوں پر یقین نہیں رکھتا وہ بھی پڑھی لکھی ہے آپ اس سے پوچھیں وہ کیا چاہتی ہے مگر میں اس کے ساتھ آئندہ زندگی گزارنے کا پابند خود کو نہیں کرسکتا آئی ایم سوری۔‘‘ میں یہ سب کہہ کر اٹھا اور باہر نکل آیا تھا۔ زندگی کو بھوتوں کی نذر نہیں کیا جاسکتا میں اب اس رشتے سے تنگ آچکا تھا۔ مجھے سچ میں ایما مرتضیٰ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا، اگلے کچھ دنوں تک گھر کی فضا خاصی بوجھل رہی تھی دادا ابا، ممی، ڈیڈ سب اپنی اپنی جگہ مضطرب سے رہے اور ایما مرتضیٰ دکھائی نہیں دی تھی میں اسے رد کررہا تھا یقیناً اس کا وہ اعتماد اب باقی نہیں رہا ہوگا میں نے اپنے طور پر تصور میں اس کا پُراعتماد چہرہ دیکھا تو سوچا تھا۔ جانے کیا سوچ کر میں اس کے کمرے کی طرف آیا تھا وہ اپنی پیکنگ کرتی دکھائی دی میں حیران ہوا وہ کہاں جارہی تھی میں نے کچھ پوچھے بنا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا مگر اس نے مجھے کوئی خاطر خواہ توجہ نہیں دی تھی، تب مجھے اس کا ہاتھ تھام کر اسے متوجہ کرنا پڑا وہ اجنبی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی، جیسے اس سے میرا کوئی واسطہ نہ ہو اس کی آنکھوں کے موسم اجنبیت لیے ہوئے تھے اور میں حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

’’یہ کیا ہورہا ہے؟‘‘ میں نے سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے اسے دیکھا مگر اس نے خاموشی سے اپنی کلائی میری گرفت سے نکالنا چاہی اور اس کے لیے اس نے کوشش بھی کی تھی مگر میری گرفت اس کی کلائی پر مضبوط تھی سو ناکام رہی۔

’’کہاں جارہی ہو تم؟‘‘ میں نے پھر پوچھا۔

’’ماموں کو بتادیا ہے ان سے جاکر پوچھ لیں میں آپ سے کوئی بات کرنا ضروری خیال نہیں کرتی۔‘‘ میں اس کے سرد لہجے پر حیران رہ گیا۔ اس کا لہجہ ہی سرد نہیں تھا، اس کی آنکھیں بھی وہی سرد مہری لیے ہوئے تھیں۔

’’اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے میرے اتنے پاس آنا چاہتی ہو؟‘‘ میں نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے اسے خود سے قریب کیا اور مدہم طنز بھرے لہجے میں کہتے ہوئے اس کا جائزہ لیا تھا۔

’’اتنا قریب کہ میں تمہاری دھڑکنوں کو سن سکوں اور دھڑکنوں کو گن کر بتا سکوں کہ تمہارا دل کس قدر مشکل میں ہے اور میرے بنا جینا محال ہے۔‘‘ میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا پر اس نے مجھے پرے دھکیل دینا ضروری خیال کیا مگر میرے لمبے چوڑے وجود کو باوجود بہت زور سے دھکیلنے پر وہ ایسا ممکن نہیں کرپائی تھی اور تب وہ مجھے غصے سے دیکھنے لگی۔

’’میں تم سے کوئی واسطہ باقی رکھنا نہیں چاہتی عفنان ملک میں یہاں سے جارہی ہوں۔‘‘

’’مگر کہاں۔‘‘ میں اس کے جواب پر پُرسکون انداز سے مسکرایا۔

’’تمہیں لگتا ہے کہ اگر مجھے تم سے تمہارے جانے کے بعد کوئی عشق وشق ہوجائے گا تو یہ غلط ہے۔ میں تمہارے پیچھے آنے والا نہیں ہوں۔‘‘ میں نے اسے جتادیا تھا میں جیسے اس کی باتوں کو سیریس لینا نہیں چاہتا تھا اور میرا انداز صرف مذاق اڑانے والا تھا اور وہ مجھے تنبیہ کرتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

’’پلیز میرا ہاتھ چھوڑیے۔‘‘ وہ جیسے میری طرف پہلے سے زیادہ خوداعتمادی سے دیکھتی ہوئی مجھے حکم دے رہی تھی اور اس کی خوداعتمادی مجھے حیران کرنے لگی۔

’’کیوں؟‘‘ میں ضدی لہجے میں بولا۔

’’میں کیوں اور کس لیے جیسے سوال سن کر اپنا ٹائم ویسٹ کرنا نہیں چاہتی عفنان ملک لٹ می گو میری فلائٹ کا وقت ہوگیا ہے۔ میں کسی جھگڑے یا بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔‘‘ وہ مجھے باور کراتے ہوئے بولی۔

’’میں بھی تم سے کسی بحث میں نہیں الجھنا چاہتا میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کس کی اجازت سے یہاں سے جارہی ہو۔‘‘ میں خوامخواہ اس سے الجھ رہا تھا وہ میری طرف تھکے ہوئے انداز میں دیکھنے لگی۔

’’میں نے اپنے راستے آپ کے راستوں سے الگ کرلیے ہیں اور اب اس میں کسی طرح کا کوئی شک نہیں ہے آپ کو خوش ہونا چاہیے اب آپ ہانیہ وقار کے ساتھ اپنی

زندگی کا آغاز کرسکتے ہیں۔‘‘ وہ پُرسکون لہجے میں بولی اور میں نے بے ارادہ اس کی سمت دیکھتے ہوئے اسے خود سے مزید قریب کرلیا میری گرفت میں اس کا دم جیسے گھٹنے لگا تھا اس نے چونک کر میری طرف دیکھا میں نے دانستہ اس کی کلائی پراپنی گرفت سخت کی تھی۔

’’یہ کیا ہے؟‘‘ وہ میرے جارحانہ رویے کی وجہ یا اسباب جاننے کی خواہاں تھی۔

’’تم میری منکوحہ ہو تمہیں چھونے کے لیے مجھے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ میں نے جان بوجھ کر اس کے سوال کا الٹا جواب دیا تھا وہ اکتائے ہوئے انداز میں گہری سانس خارج کرتے ہوئے مجھے دیکھنے لگی۔

’’آپ اس طرح حقوق جتانے کے حق دار نہیں ہیں کیونکہ میں اس زبردستی کے رشتے کو نہیں مانتی نہ میں اسے نبھانا چاہتی ہوں بہتر ہوگا اجنبی بن جائیں اور اپنی راہیں ابھی سے الگ کرلیں مجھے نئی زندگی شروع کرنے کا فی الحال شوق نہیں کبھی کوئی مناسب موقع ملا تو میں اس بارے میں غور کرلوں گی اور تب آپ کو فیصلہ اس رشتے کو ختم کرنے کے بارے میں مطلع کردوں گی۔‘‘ وہ جیسے واقعی ٹھان چکی تھی میں نے اسے خاموشی سے دیکھا۔

’’اور جا کہاں رہی ہو؟‘‘ میں نے اس چہرے کو بغور دیکھا۔

’’کہیں بھی تمہیں اس سے کیا؟‘‘ وہ بے واسطہ لہجے میں بولی۔ میں جانے کیوں مسکرادیا۔

’’جب کوئی واسطہ نہیں تو یہ انداز اتنا خفگی لیے ہوئے کیوں ہے ایما مرتضیٰ تمہارے رویے مشکوک ہیں تمہاری آنکھیں کہتی ہیں کہ تم یہاں سے جانا نہیں چاہتی کیونکہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔‘‘ میں نے اس کے چہرے کو ملائمت سے چھوا تھا وہ اس قدر لاتعلق سے میری طرف دیکھنے لگی۔

’’تمہیں یہ کہہ کر تسکین مل رہی ہے عفنان ملک کہ تم میرے لیے اہم ہو، مردوں کی سائیکالوجی اتنی پیچیدہ کیوں ہوتی ہے ہر بات کو سیدھے طریقے سے سمجھنا کیوں ضروری نہیں سمجھتے اور ہر جگہ اپنی برتری کیوں چاہتے انا کو اتنا سکون کیوں درکار ہوتا ہے؟‘‘ وہ میرا بھرپور تجزیہ کرتی ہوئی بولی اور میں اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرادیا۔

’’اگر ایسا ہے تو کیا برا ہے؟‘‘ اور وہ جیسے افسوس سے میری طرف دیکھنے لگی۔

’’مجھے یہ سب حیران کن یا عجیب نہیں لگ رہا عفنان ملک میں نے تمہیں جتادیا تھا کہ کیا ہوگا مگر مجھے اب تم اور تم سے جڑا رشتہ بے معنی لگتا ہے جب تمہیں وہ توجہ اور تسکین چاہیے تب میں اس کے لیے مائل نہیں ہوں تمہیں ایکچولی میرے ہونے یا نہ ہونے سے فرق بظاہر اس لیے نہیں پڑتا کیونکہ ایسا تم ظاہر کرنا چاہتے ہو کہ یہ رشتہ اہم نہیں۔‘‘ وہ جیسے میرے بخیے ادھیڑ رہی تھی مگر مجھے اس کی کوئی بات بری نہیں لگ رہی تھی وہ مجھے سمجھتی تھی میری نیچر سے واقف تھی اور اس بار میں اس سے اختلاف نہیں کرپایا تھا اس کی غصیلی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے میں نے اس کے چہرے پر آئی ہوئی بالوں کی لٹ کو اس کے چہرے پر سے ہٹایا تھا میں کیا کررہا تھا میں خود سمجھ نہیں پایا تھا مگر آج وہ مجھے اپنی حریف نہیں لگ رہی تھی اور مجھے اس سے اس درجہ الجھن یا نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی اگر یہ نفرت نہیں تھی تو اور کیا تھا مجھے ہر شے ثانوی کیوں لگ رہی تھی، میں اسے جانے سے کیوں روک رہا تھا جبکہ میں تو چاہتا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے اب جب وہ یہاں سے جارہی تھی تو میں اس کی راہ میں حائل کیوں کھڑا تھا وہ میرے انداز پر زچ ہوگئی تھی۔

’’سنو، تین بجے میری فلائٹ کا وقت ہے چاچا مجھے ایئرپورٹ سے ریسیو کرنے آئیں گے میں کسی اجنبی جگہ نہیں جارہی ددھیال جارہی ہوں۔‘‘ اس نے مجھے دیکھے بنا کہا۔

’’اوہ تو میر ہے ناوہاں بچپن میں تمہارے ساتھ کھیلتا تھا وہ تمہارے لیے امرود توڑ کرلاتا تھا سامنے والے گھر کے کتے کی پروا کیے بغیر بھری دوپہر میں اسے کسی چیز کا ہوش نہیں ہوتا تھا تمہارے اشاروں کا منتظر رہتا تھا۔‘‘

’’ہاں تو.....؟‘‘ وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"وہ تمہارے پیچھے دم چھلا بنا کیوں گھومتا تھا معلوم ہے؟" میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ناسمجھی سے مجھے دیکھنے لگی۔

"یہ کیا فضول باتیں کر رہے ہو تم؟" وہ میری جانب دیکھتی ہوئی بولی تھی اور میری گرفت سے خود کو آزاد کرنا چاہا۔

"وہ تم سے محبت کرتا تھا۔" میں نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے انکشاف کیا تو وہ گھورنے لگی۔

"کیا بکواس ہے یہ......"

"ایسا نومیر نے مجھے کہا تھا جب ہماری انگیجمنٹ بھی نہیں ہوئی تھی وہ تمہیں بہت پسند کرتا تھا تبھی تو تمہارے اشاروں پر ناچتا تھا۔" میں نے جتایا۔

"سب فضول بکواس ہے۔ نومیر ایسا نہیں۔" وہ ماننے کو تیار نہیں ہوئی تھی پھر چونکتے ہوئے بولی۔

"اس وقت اس کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے، تم کیوں اس بے چارے کو انوالوڈ کر رہے ہو۔" اس نے مجھے گھورا۔

"ضروری ہے وہ تم سے محبت کرتا ہے اور اب وہاں جانے کا کیا مقصد ہے۔"

"وہ محبت کرے یا نہ کرے آپ کو اس سے کیا کنسرن۔" وہ لاتعلق لہجے میں بولی۔

"مجھے وہ پسند نہیں چیکو سا ہے تم اس سے ملو گی۔" میں نے نقطہ اٹھایا۔

"کیوں نہیں مل سکتی وہ کزن ہے میرا، آپ کو اس سے کیا مطلب۔" وہ غصہ کرتی ہوئی بولی تھی میں نے اس کی آنکھوں کو بغور دیکھا۔

"تمہیں اس سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔" میں نے بات کو کھینچا۔

"کیوں نہیں، تم فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہے کہ میں اس سے بات کروں یا نہیں۔" وہ چڑ کر بولی۔

"وہ بندر اتنا پسند ہے آئی نیو تھا تمہارا ٹیسٹ اتنا بُرا ہوگا۔ تم اس جیسے لڑکے کو لفٹ کراؤ گی اس کی ناک دیکھی ہے جیسی کبوتر کی چونچ۔" میں نے اسے چڑایا۔

"دیٹ ناٹ یور کنسرن۔" وہ لاتعلق دکھائی دینے کی کوشش کرنے لگی۔ "میرا ٹیسٹ بھی ہوگا آپ کو اس سے کچھ لینا دینا نہیں میں چاہے اس سے ملوں بات کروں یا اسے لفٹ کراؤں اٹس آؤٹ آف دس میٹر۔" وہ مجھے جتاتے ہوئے بولی۔

"وہ کبوتر کی چونچ والا بندہ پسند ہے تم کو، اس کے لیے جرمنی تک کا سفر کرو گی۔" میں نے چڑانے کی حد پار کی۔

"میں جو مرضی کروں، تمہیں اس سے فرق نہیں پڑنا چاہیے۔"

"اوہ...... اچھا یہ سب چل رہا تھا تبھی یہاں سے فرار کے لیے کوئی جراح نہیں کی اور فوراً پیکنگ شروع کردی مجھے یہ امید نہیں تھی کہ تم ایسی ہو، اچھا تبھی محبت پر لیکچرز دیے جاتے تھے مجھے لگا ہزبینڈ سے محبت ہے مگر......" میں نے اس بات کو ادھورا چھوڑ اتھا۔

"کوئی فضول بات مت سوچنا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر وارن کیا تھا۔ اسے اپنی ریسپیکٹ کا جیسے بہت خیال تھا۔

"کیوں نہیں۔" مجھے اسے زچ کرنے میں نجانے کیوں مزہ آ رہا تھا۔ ایک طرف دل اسے روکنے پہ آمادہ تھا تو دوسری طرف انا آڑے آ رہی تھی۔

"دیکھو میں تمہاری لائف میں انٹرفیئر نہیں کرتی تم اپنی اس طوطے کی ناک والی ہانیہ وقار سے چاہے ڈیٹ کرو یا محبت یا اسے اٹھا کر اس گھر میں لے آؤ میں نے کسی بات پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا سو ڈونٹ کراس یور لمٹ۔" اس نے مجھے جتایا۔

"کیوں نہیں، تم نکتہ اٹھا سکتی تھیں میں نے کبھی منع نہیں کیا۔" میں نے سینے پر ہاتھ باندھ کر برملا کہا۔

"مگر تمہیں اس کبوتر کی ناک والے بندے سے اتنا لگاؤ کیسے ہوا آئی مین اس سے بہتر بھی تمہیں کئی لڑکے ایز آپشن مل سکتے ہیں اور اس سے بہتر تو تمہارے کزنز میں کئی بھرے پڑے ہیں آئی مین تو سب کزنز میں سے سب سے Worst وہی لگ کرتا ہے۔ نومیر اعجاز نام کیسا ساؤنڈ کرتا ہے نا جیسے کوئی بندر ابھی کسی ٹہنی سے چھلانگ لگا کر دوسری پر جا کر بیٹھ جائے اس کا تو نام ہی اتنا نان سنس ہے اچھا تم نے تو

ویڈیو گیم پر دیکھا ہوگا نا اسے کیا اب بھی اس کی ناک اسی رفتار
سے بہتی ہے اور کیا وہ اب بھی اکثر اسے شرٹ کی آستین
سے بے دھیانی سے صاف کر لیتا ہے، وہ اس کی آواز بھی تو
کافی باریک تھی نا۔ اچھا ایک گر کی بات بتاتا ہوں اگر تم اسے
مٹکا خرید کر گفٹ کرو گی تو اس کا بھلا ہو جائے گا۔" اس کے
چڑنے پر میں پُرسکون انداز میں مسکرایا وہ پیکنگ کرنا بھول
چکی تھی اور میں زندگی میں پہلی بار اس سے اتنی طویل بات
کر رہا تھا اسے اہمیت دے رہا تھا۔

"میں اسے مٹکا گفٹ کروں یا کچھ اور تمہیں اس سے کیا
عفنان ملک تمہیں کیوں فضول میں اتنا اشتیاق ہو رہا ہے۔"
وہ الجھنے لگی تھی۔

"ہاں وہی تو مجھے کیا کرنا ہے یہ سب جان کر مگر ایک
بات ہے نا اس کی اس باریک آواز کا علاج اس مٹکے میں
پوشیدہ ہے۔" میں نے اسے مزید چڑایا۔

"میں وہی مٹکا لے کر آپ کے سر پر پھوڑ دوں؟" وہ
مجھے گھورنے لگی۔

"نہیں اس کا فائدہ نہیں ہوگا نا مجھے تمہارا خیال ہے ایما
مرتضٰی ایکچوئیلی اس بندے سے تمہیں اتنا لگاؤ ہے تو کم از کم
اس کے اندر کی فنی خرابیاں آئی مین اس میں جو ٹیکنیکل فالٹ
ہے وہ تو ٹھیک کرا لو ہے تو خیر سے وہ پورا کا پورا نمونہ اس کی
پیدائش پر ہی پتا چل گیا ہوگا کہ وہ ایک عجوبہ ہے۔" میں
چڑانے کی حد پر تھا وہ غصے سے کھولتی ہوئی مجھے دیکھنے لگی۔

"آپ کو تکلیف کیا ہے۔"

"اس سے محبت کیوں کرتی ہو۔"

"کسی سے بھی کروں تمہیں کیا۔"

"مجھے اچھا نہیں لگتا نا..... تم پر ترس آتا ہے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ترس کھانے کی میں خوش ہوں۔"

"اوہ یہ ٹھیک ہے اگر تم ایک مٹکا لے کر اسے دے دو گی تو
اس بے چارے کا بہت فائدہ ہوگا۔" میں نے سلسلہ پھر وہیں
سے جوڑا تھا۔ "میری خیال میں ہے تو یہ مینوفیکچر فالٹ بٹ
ہمیں اس کی کچھ مدد کرنی چاہیے....." میں نے نادر و نایاب
مشورے کے ساتھ مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"لک..... یو ڈونٹ ہیو اینی رائٹ فور اٹ۔" وہ مجھے
غصے سے دیکھنے لگی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی چھوٹی سی
ناک کو چھوا۔

"اف اس ناک پر اتنا غصہ۔ اس کبوتر والی ناک والے
بندے کے لیے اتنی محبت، یقین نہیں ہوتا ویسے تم سننا کیوں
نہیں چاہتیں کہ وہ ایک ڈیفالٹ پیس ہے مگر میرے پاس
ایک ریئل گر والی بات ہے اس کی باریک آواز کو درست
کرنے کے لیے مگر تم سننے کو تیار ہی نہیں ہو تمہیں کہا تھا نا ہم
دوست بن جاتے ہیں اچھا دوست ہوں تمہارا اس لیے خیال
کر رہا ہوں وہ کوئل والی آواز میں کچھ بولے گا تو تمہارا اچھا
خاصا مذاق بن جائے گا اس لیے چاہ رہا ہوں تمہاری مدد
ہو جائے بٹ یو ڈونٹ لسن، تم اس کے لیے کانینڈ آف
ایموشنل اور پوزیسیو ہو ایما مرتضٰی اور یہ ٹھیک نہیں ہاں ہوتی
ہے محبت بھی مگر ایسی اندھی بھی کیا کہ کچھ دور دکھائی نہ دے۔"
اس کا غصہ انتہا کو چھو رہا تھا اور میں اس کے تلملانے پر محظوظ
ہو رہا تھا۔ میں نے اسے چڑاتے ہوئے دیکھا تھا وہ مجھے غصے
سے گھورنے لگی۔

"تم حد سے زیادہ لمٹ کراس کر رہے ہو عفنان ملک
میں نے تمہاری زندگی میں کبھی نہیں جھانکا سو تمہیں بھی کوئی
حق نہیں۔" وہ مجھے جتانے لگی۔

"کیوں نہیں، تم میری لائف میں انٹرفیئر کر سکتی ہو
دوست ہو دوست ہونے کی اتنی مراعات تو تمہیں دے سکتا
ہوں نا۔" میں فراخدلی کی حد کر رہا تھا۔

"نہیں چاہیے ایسی دوستی۔" وہ سخت لہجے میں گویا ہوئی۔

"کیوں نہیں میں نے تو انکار نہیں کیا تم اچھی دوست بنو
ایسی ایڈوائز کرو تو مجھے اچھا لگے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے
اسے دیکھا۔

"اچھا سنو نا وہ آئیڈیا سن تو لو اگر پسند نہ آئے تو واپس
کر دینا۔" میں نے شاندار آفر کی..... وہ مجھے انتہائی برداشت
کے ساتھ دیکھنے لگی۔

"مجھے کوئی ایڈوائز نہیں چاہیے اپنے پاس رکھو۔" وہ منکر
ہوئی تھی میں نے اس کی برداشت کا امتحان لیتے ہوئے اسے

دیکھا۔

"آئی ایم یور فرینڈلسن می۔" میں نے کہا تو وہ گھورنے لگی۔

"میرا ٹائم قیمتی ہے برباد مت کرو۔" وہ متانت سے بولی۔

"اف اس نمونے سے ملنے کی اتنی جلدی۔" میں نے چھیڑا۔

"ہاں بہت جلدی ہے تمہیں اس سے کیا۔" میں نے گھڑی کی سوئیوں کی سمت دیکھا اور مسکرادیا۔

"ایک مشورہ قیمتی ہے سن لو کچھ بولے بنا اگر تم اسے ایک مٹکا خرید کر گفٹ کرو گی تو یہ اس کے لیے ایک قیمتی گفٹ اس لحاظ سے بن جائے گا کہ اس کی آواز بہتر ہو جائے گی۔ اسے بس کرنا یہ ہے کہ اس مٹکے کے اندر منہ ڈال کر ہر صبح ایک خاص طرح کی آواز نکالنا ہے اپنے گلے سے اور وہ آواز کچھ اس طرح ہے آ...... آ......!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ چڑ گئی۔ مجھے غصے سے پرے دھکیلنا چاہا اور اس کوشش میں وہ خود تھک کر رہ گئی تھی، میں نے اسے دیکھا اور محظوظ ہو کر مسکرا دیا تھا اس نے گھڑی کی سمت دیکھا اور چونک پڑی۔

"تم نے میرا سارا ٹائم ویسٹ کردیا۔" گھڑی کی سوئیوں کو ڈھائی بجے کی سمت جاتے ہوئے اس نے دیکھا تھا تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی۔ اس کی فلائٹ یقیناً مس ہو چکی تھی اس کے لیے ایئر پورٹ پہنچنا اور فلائٹ پکڑنا ناممکن ہو گیا تھا۔

"یہ کیا کیا تم نے۔" وہ مجھ پر چیخنے لگی۔

"میں نے کیا کیا......" میں نے اس کے گرد اپنی گرفت ہٹائے بنا کہا۔

"تم نے جان بوجھ کر میری فلائٹ مس کرا دی۔" وہ الزام لگانے لگی تھی میں نے شانے اچکا دیے...... میرا انداز بے نیازی لیے ہوئے تھا۔

"میں ایسا کیوں چاہوں گا، تم نے خود اپنا ٹائم ویسٹ کیا ضرورت کیا تھی بے وجہ کی بحث میں الجھنے کی۔" میں نے اسے بغور دیکھا...... وہ ایک افسوس کے ساتھ گھڑی کی سوئیوں کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں جلن ایک بے بسی کے ساتھ نمی آن ٹھہری تھی اس نے میری سمت دیکھا...... میرا اطمینان اسے سلگا گیا اس نے ہاتھوں کے مکے بنا کر میرے سینے پر برسانا شروع کر دیے اور پھر تھک کر میرے سینے پر سر لگا کر رونے لگی میں اسے اطمینان سے کھڑا دیکھتا رہا۔

"کیوں کیا تم نے ایسا۔ ہمیشہ اتنی نفرت روا رکھی ہمیشہ تذلیل کی ہمیشہ جھگڑا کیا اور آج میری فلائٹ مس کرادی جب اتنی نفرت تھی تو جانے کیوں نہیں دیا۔ ایسا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی میں تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ مجھے اتنی انسلٹ کے بعد تمہارے ساتھ نہیں رہنا تھا' میں کسی پر مسلط کیا گیا رشتہ نہیں بن سکتی۔ یہ میری انا پر کڑی ضرب تھی' تم نے ہمیشہ ناروا سلوک روا رکھا جو مناسب لگا جو کیا اور اب فضول کی بحث کر کے میرا ٹائم ویسٹ کرا دیا۔ فلائٹ تو مس کروا لیتی اتنے الزام بھی لگا دیئے ساتھ کہ کس کے لیے جاری ہو اور......"

"اور ایسا نہیں کرتا تو تمہیں کیسے روکتا؟" میں نے کہا اور وہ چونک کر گردن اٹھا کر مجھے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟" اور میں نے اسے بغور دیکھا پھر اس کے چہرے کو ہاتھوں میں تھام لیا۔

"تم نہیں سمجھتی کہ میں نے تمہیں کیوں روکا؟ اگر تمہاری سمجھ میں کچھ نہیں آتا تو میں ابھی تمہیں ایئر پورٹ لے جاتا ہوں اور کسی بھی اگلی فلائٹ کے لیے تمہاری روانی یقینی بنا دیتا ہوں اگر تمہاری منزل پراگ شہر ہی ہے تو میں تمہیں پراگ جانے سے نہیں روکوں گا۔" میں نے اسے سنجیدگی سے دیکھا اور وہ مجھے بھیگی آنکھوں سے خاموشی سے دیکھنے لگی۔

"زندگی میں فلائٹس مس ہو جائیں تو اتنا نقصان نہیں ہوتا ایمامرتضیٰ...... جتنا نقصان رشتوں کے بکھرنے اور دور جانے سے ہوتا ہے۔ میں یہ کبھی نہیں سمجھ پاتا اگر تم مجھے محبت کا احساس نہ دلاتیں، میں کبھی نہیں سمجھ پاتا کہ میری محبت کی سمت کیا ہے۔ میں آوارہ بادل کی طرح اڑتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا، آسمان پر کیسی روشنی بکھر رہی تھی اور ستاروں کی سمت تو

کیا تھی میں جان ہی نہ پاتا مگر تم نے جو ایک بے سکونی میرے اندر بھر دی تھی۔ اسی سے مجھے راہنمائی ملی اور اسی سے خبر ہوئی کہ زندگی کے لیے کیا ضروری ہے۔ یہ رشتہ جس طرح جڑا تھا مجھے اس سے ہزار ہا شکوے تھے میری مرضی اس میں شامل نہیں تھی مگر پھر محبت نے مجھے آن لیا اور وجود میں ایک اضطرابیت رقص کرنے لگی اس جنوں کو سمت تم نے دی ایما مرتضیٰ...... اگر تم جانے کے بارے میں نہ سوچتیں تو میں بھی اپنی محبت تمہارے لیے محسوس نہ کرپاتا مگر تمہاری دوری جو ابھی واقع بھی نہیں ہوئی تھی مجھے حد سے زیادہ بے چین کرگئی اور میں غیر ارادی طور پر تمہیں روکنے آ گیا۔ ایسا بنا سوچے سمجھے ہوا میں خود نہیں جان پایا۔ میں نے یہ کیوں کیا مگر اب جو ایک سکون کا احساس میرے وجود میں یک دم سرایت کیا ہے اس کی موجودگی بتارہی ہے کہ وہ بے چینی کس لیے تھی اور اس کے اسباب کیا تھے وہ تمام اسباب تم سے جڑے تھے اور اس کا اندازہ مجھے ان چند لمحوں میں ہوا ہے جب میں نے تمہیں روکنا چاہا ہے یہ محبت مجھ پر اب منکشف ہوئی ہے اگر تم چلیں جاتیں تو یقیناً میرا بہت بڑا نقصان ہو جاتا اور وہ یقیناً بُرا ہوتا۔'' میں نے اس کی سمت بغور دیکھتے ہوئے کہا اور وہ میری طرف خاموشی سے دیکھنے لگی تھی اس کی آنکھیں بتارہی تھیں کہ اسے اس محبت کے لوٹ آنے کا یقین تھا جس کی سمت اس کی سمت نہیں تھی مگر اس نے جان بوجھ کر ان محسوسات کو یک طرف رکھ کر میری سمت رکھا تھا۔

''یہ اچانک محبت کیسے ہوگئی؟ تم تو ہانیہ وقار کے ساتھ زندگی پلان کررہے تھے...... پھر سمت کیسے بدلی؟'' وہ جان بوجھ کر انجان بن کر بولی اور میں مسکرادیا۔

''یہ جان بوجھ کر بے خبر بننا ترک کرو ایما مرتضیٰ...... میں جانتا ہوں کہ تم اس بات سے واقف تھیں کہ مجھے تم سے محبت تھی اگرچہ مجھے اس محبت کا کوئی یقین تک نہیں تھا مگر تم تب بھی اس قدر پُر یقین تھیں کہ میں تمہاری سمت لوٹ آؤں گا۔ اب اگر مجھے محبت تمہاری سمت لے آئی ہے تو تمہیں اس پر ششدر نہیں ہونا چاہیے تم یقیناً اس بات پر خوش ہوگی نا۔'' میں اس کی ناک دباتے ہوئے مسکرایا...... وہ بھی مسکرادی...... وہ مسکراہٹ کسی قدر آسودہ تھی اس کی آنکھیں ایک پُرسکون جھیل کی مانند لگ رہی تھیں اور میں ان میں اپنا واضح عکس دیکھ رہا تھا۔

''میں نے محبت سے کبھی نہیں کہا کہ جائے اور تمہیں باندھ کر لائے اور میرے در پر رکھ جائے میں تمہیں اس طرح نہیں چاہتی تھی مجھے بس اس محبت کا ادراک ہوگیا تھا جس کا احساس تمہیں اب ہوا تم بنا پلان کیے آئے اور تم نے مجھے جانے سے روک لیا اور میں نہیں سمجھ پائی کہ تم میرا ٹائم صرف اس لیے ویسٹ کررہے ہو کہ میری فلائٹ مس ہو جائے اگر مجھے دھیان ہوتا تو میں تمہیں چھوڑ کر جانے میں عافیت سمجھتی۔'' وہ مسکرائی۔

''تم محبت کو چھوڑ کر جاتیں۔'' میں مسکرایا۔

''نہیں......'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے بھی بدلے میں سر انکار میں ہلا دیا۔

''تمہیں خبر تھی میں تمہیں روکنے آیا ہوں......؟''

''نہیں خبر نہیں تھی تم نے باتوں میں اس درجہ الجھا لیا تھا کہ میں سمجھ ہی نہیں پائی کسی طرف کا دھیان نہیں رہا حتی کہ وقت گزرنے کا بھی نہیں۔'' اس نے کہا اور میں سر ہلاتا ہوا پُرسکون انداز میں مسکرادیا۔

''تو میرے نہ ملنے کا افسوس تو تھا نا تمہیں۔''

''ہاں اتنا ہی افسوس جتنا آپ کو ہانیہ وقار سے شادی نہ ہونے کا ہے۔'' وہ مسکرائی اس کی آنکھوں میں خواب تھے آسودگی تھی اور میں نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی پر لب رکھ دیے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے بنے تھے مگر اس کا احساس ایک لمحے نے دیا تھا محبت ایسی تھی زور آور۔

مجھے اس کی سمت کھینچ لائی تھی تو مجھے اس کا احساس ہوا تھا دل جیسے سنبھل گیا تھا بے چینی باقی نہیں رہی تھی جان سکون میں آ گئی تھی کیونکہ وہ میری بانہوں میں تھی عمر بھر کے لیے۔

تھکی ہاری شام ڈھلے اسکول سے واپس آئی تو خلاف معمول گھر میں غیر معمولی چہل پہل دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ تزکیہ اور تقدیس ڈرائنگ روم کی صفائی کر رہی تھیں۔ جب کہ اماں یقیناً کچن میں مصروف تھیں کیونکہ اس وقت کچن سے اشتہا انگیز خوشبو آنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور تھا۔ سیرت کا منہ بن گیا کمرے میں چادر اور پرس پھینک کر وہ سیدھی کچن میں آگئی۔ اماں کباب فرائی کر رہی تھیں جب کہ سامنے سلیپ پر دہی بڑے اور پلیٹ میں سموسے رکھے تھے۔

"اماں...... یہ سب کیا ہے......؟" نہ سلام نہ دعا سخت لہجے میں سوال کیا۔

"ارے بھئی یہ دہی بڑے سموسے اور یہ ہیں کباب۔" انہوں نے باری باری اشارہ کر کے اطمینان سے جواب دیتے ہوئے گرم آئل میں کباب ڈالتے ہوئے کہا۔

"اماں...... آخر کیوں کرتی ہیں آئے دن کے یہ تماشے؟ آپ کو اندازہ بھی ہے کہ کتنی محنت سے پیسہ آتا ہے گھر میں اور آپ یوں آلتو فالتو میں پیسے ضائع کر دیتی ہیں اور آپ کی محنت وہ الگ اور نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ آج پھر کچھ لوگ آ رہے ہوں گے۔ نظروں نظروں میں مجھے جانچنے اور گھر کو پرکھنے کے لیے اور جی بھر کر مزے لے کر آپ کی محنت اور ابا جی کے پیسوں کو چیک کر کے جاتے جاتے منہ ٹیڑھا کر کے بھی جائیں گے اور آپ ہیں کہ نہایت مستقل مزاجی سے بار بار اور ہر بار یہی کرتی ہیں دیکھ لیجیے گا اس بار بھی یہی ہونا ہے۔ تجھی آپ......؟"

"چپ کرو تم...... پاگل ہو گئی ہو کیا؟ نہ سلام نہ دعا آتے ہی شروع ہو گئیں بنا فل اسٹاپ کے۔ جاؤ تم جا کر فریش ہو جاؤ۔" اماں نے تھوڑا تیز لہجے میں کہا تو وہ منہ بنا کر پیر پٹختی کچن سے باہر نکل گئی۔

❁......❁......❁......❁

اماں بے چاری بھی کیا کرتیں اوپر تلے تین بیٹیاں تھیں۔ مسئلہ وہی رشتوں کا تھا کہ کوئی مناسب رشتہ آتا نہیں اور جوان لوگوں کو مناسب لگتا کو یہ لوگ نامناسب لگتے۔ یوں بات نہ بنتی۔ الیاس صاحب کی فیملی میں ایک بڑے بھائی اور ایک بہن تھیں۔ والدین حیات نہیں تھے کوئی خاص لمبی چوڑی جائیداد ترکے میں نہیں ملی تھی۔ تین کمروں کا چھوٹا سا مکان ان کے حصے میں آیا تھا۔ الیاس صاحب سرکاری آفس میں جاب کرتے تھے۔

ناظمہ بیگم شادی کے بعد اسی گھر میں آئی تھیں۔ پرانی طرز کے بنے ہوئے اس مکان کو دونوں میاں بیوی نے مل کر بہت محبت اور محنت سے سنوارا تھا۔ دونوں میں حد درجہ اور ایک دوسرے کی عزت اور خیال رکھنے کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا یعنی محبت، ذہنی مطابقت اور میانہ روی کے ساتھ زندگی کی ابتداء اور ساری زندگی انہی اصولوں پر گزاری تھی۔

الیاس صاحب کے بڑے بھائی عبدالجبار صاحب کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی جب کہ ان کی بہن کے شوہر دبئی میں تھے اور شبانہ بیگم بھی دبئی آتی جاتی تھیں۔ شبانہ بیگم کا ایک بیٹا فاران اور بیٹی سندس تھی۔ الیاس تینوں میں چھوٹے تھے۔ جب الیاس صاحب کے گھر شادی کے سال بعد ہی سیرت پیدا ہوئی تو بڑے بھائی عبدالجبار صاحب اور بھاوج ستارہ بیگم دیکھنے آئے۔ اس وقت شبانہ بیگم اپنے شوہر کے پاس دبئی میں تھیں انہوں نے بس کال پر ہی بیٹی ہونے پر افسردگی کا اظہار کیا۔

"عبدالجبار بھائی کے یہاں لگاتار تین بیٹے ہوئے۔

میرے یہاں بھی پہلا بیٹا ہے اور تمہارے ہاں بھی بیٹا ہوجاتا تو اچھا ہوتا۔“ ستارہ بیگم نے بھی دیور کو مبارک باد دیتے ہوئے شوشا چھوڑا۔

”مبارک ہو الیاس میاں...... مگر پہلوٹی کا بیٹا ہوجائے تو ذرا ہمت بندھ جاتی ہے۔“

”ایسی کوئی بات نہیں۔“ الیاس صاحب نے ناظمہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”بلکہ میں تو بہت خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے گھر اپنی رحمت بھیجی۔“

”کیا کہہ رہی ہو ستارہ......؟ اس بات کی خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے عیب بچی دی ہے اللہ پاک اس کی عمر دراز کرے۔“ عبدالجبار صاحب کو بیوی کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

”ہاں عبدالجبار احمد...... بس اللہ پاک نصیب اچھے کرے اور اس کی قسمت سے گھر میں خوش حالی اور بحالی پیدا ہو۔“ ستارہ بیگم نے میاں کو گھور کر دیکھتے ہوئے تفاخر سے کہا ان کو اپنے تین تین بیٹوں پر بڑا ناز تھا اور وہ کچھ مغرور ہوگئی تھیں۔ الیاس صاحب نے ساتویں دن سیرت کا عقیقہ بھی کردیا۔ نام رکھ کر مٹھائی بھی تقسیم کردی وہ بہت خوش تھے کہ ان کے گھر رحمت آئی ہے۔

ناظمہ بیگم کی مصروفیت میں اضافہ ہوگیا تھا ان کو گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ شوہر کے چھوٹے چھوٹے کام کرنا اچھا لگتا تھا۔ سیرت ابھی دو سال کی ہوئی تھی کہ تزکیہ پیدا ہوگئی۔ تزکیہ کی پیدائش پر بھی الیاس احمد اتنے ہی خوش تھے جتنے سیرت کے پیدا ہونے پر خوش تھے۔

”الیاس احمد......“ ناظمہ نے الیاس کو آواز دی جو تزکیہ کو گود میں اٹھا کر پیار کررہے تھے۔ الیاس احمد نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے بیوی کی طرف دیکھا۔

”الیاس احمد...... آپ خوش تو ہیں ناں؟“

”ہاں...... ہاں۔ میں خوش ہوں کیوں کیا ہوا......؟“ جواب دے کر سوال کر ڈالا۔

"میرا مطلب تھا کہ دو بیٹیوں کا بوجھ......" لہجہ دھیما ہوگیا۔

"پاگل ہوگئی ہو کیا۔ بوجھ کیا......؟ یہ کیا فضول بات کردی تم نے؟ ارے یار میں تو شکر گزار ہوں رب کا اس نے دوسری بار مجھے رحمت سے نوازا ہے اور تم الٹی سیدھی اور فضول باتیں مت سوچا کرو۔" الیاس صاحب نے آگے بڑھ کر ناظمہ بیگم کو خود سے لگاتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ ناظمہ بیگم نے پُرتشکر نگاہوں سے اپنے بے پناہ محبت کرنے والے شفیق شوہر کو دیکھا۔

"واقعی الیاس احمد آپ بہت پیارے انسان ہیں میں بہت خوش قسمت ہوں۔" ناظمہ بیگم نے کہا تو الیاس صاحب نے ناظمہ بیگم کا ماتھا چوم کر اپنی محبت کا مزید یقین دلایا اور ناظمہ بیگم نے مطمئن ہوکر آنکھیں موند لیں۔

ناظمہ کی صحت کافی گر گئی تھی سیرت دو سال کی تھی کہ تزکیہ پیدا ہوگئی یکے بعد دیگرے بچیوں کی پیدائش اور گھریلو ذمہ داریوں اور کام کی زیادتی سے صحت پر اثر پڑا تھا۔ الیاس صاحت کی جاب بھی کوئی اتنی اچھی نہیں تھی پھر حق حلال کی کمائی کو ترجیح دیتے تھے۔ گھر کے اخراجات کے ساتھ ساتھ سیرت اور تزکیہ کے اخراجات بڑھ گئے تھے۔ اس لیے سب کو احسن طریقے سے مینج کرنا بہت دشوار ہوگیا تھا۔

جب کہ ان کے مقابلے میں عبدالجبار صاحب مالی لحاظ سے خاصے مستحکم تھے انہوں نے چھوٹا سا کاروبار شروع کیا تھا۔ جائز و ناجائز سے بالاتر ہوکر انہوں نے کاروبار کو خاصا چمکا لیا تھا۔ شبانہ بھی مالی طور پر خاصی اسٹرونگ تھیں بس الیاس صاحب ہی سفید پوشی برقرار رکھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ ناظمہ بیگم بھی اپنی صحت کی پروا کیے بغیر برابر ساتھ نبھا رہی تھیں۔ الیاس احمد کی اپنی بیٹیوں میں جان تھی۔ آفس سے آنے کے بعد وہ سارا وقت بیٹیوں کے ساتھ گزارتے سیرت یا تزکیہ تھوڑا سا بیمار ہوجاتیں تو ناظمہ بیگم کے ساتھ ساتھ خود بھی ساری ساری رات جاگتے رہتے۔

سیرت اب اسکول جانے لگی تھی۔ ناظمہ بیگم کی خواہش پر اسے اچھے اسکول میں داخل کروایا گیا تھا۔ شبانہ اور ستارہ وقتاً فوقتاً الیاس احمد کو بیٹے کی کمی کا احساس دلاتی رہتی تھیں اور کبھی کبھی ناظمہ بیگم کو بھی اس بات کا احساس ہوتا کہ واقعی ان کے گھر میں ایک بیٹا بھی آنا چاہیے تاکہ ان کی فیملی مکمل ہوجائے۔ کبھی وہ اپنی اس خواہش کا اظہار الیاس صاحب سے کرتیں تو الیاس صاحب مسکرا دیتے اور دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے ناظمہ بیگم کو دیکھتے۔

"ناظمہ سچ پوچھو تو مجھے ایسی کوئی خواہش نہیں ہے اور نہ ہی مجھے اپنی فیملی نامکمل لگتی ہے مجھے تو اپنے چھوٹے سے آنگن میں گونجتی اپنی شہزادیوں کی ہنسی بہت بھلی لگتی ہے۔ ان کو دیکھ کر بڑا سکون ملتا ہے مجھے۔ ساری تھکن کافور ہوجاتی ہے۔ اللہ پاک کی منشاء اور مرضی پر راضی ہوں اگر نصیب میں بیٹا ہوا تو بہت اچھی بات ہے۔ اور اگر نہ ہوا تو کوئی گلہ یا ادھورے پن کا احساس نہیں۔" ناظمہ بیگم سر ہلا کر چپ ہوجاتیں۔

حسب معمول اس روز نماز فجر کے بعد ناظمہ بیگم کچن میں آگئیں۔ سیرت کے اسکول کی وین صبح جلدی آتی تھی۔ سیرت کو گہری نیند سے جگانا' ناشتہ کروا کر تیار کرنا مشکل اور دقت طلب کام تھا۔ سیرت کو جگانے میں تزکیہ بھی اٹھ جاتی تو الیاس بھی کچن میں ناظمہ کا ہاتھ بٹانے آجاتے۔ کبھی سیرت کا لنچ باکس ریڈی کردیتے تو کبھی اس کو ناشتہ کروا دیتے۔ اس روز بھی تزکیہ جاگ گئی تھی اور رونے لگی ناظمہ بیگم نے جلدی جلدی سیرت کا بیگ اور لنچ بکس تیار کیا تب تک الیاس صاحب نے اسے ناشتہ کروا دیا اور ناظمہ بیگم تزکیہ کے لیے فیڈر بنا کر جیسے ہی تیزی سے کمرے کی جانب جانے لگیں کہ زور کا چکر آگیا اور خود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتے کرتے وہ زمین پر گر گئیں۔ الیاس دوڑ کر مضطرب ہوتے ان کی جانب پہنچے۔ ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"کیا ہوا ناظمہ خیریت تو ہے...... طبیعت خراب ہے کیا تمہاری؟ یہ لو پانی پیو۔" الیاس احمد پریشان ہوگئے تھے

ناظمہ بیگم کو سنبھال کر بیڈ پر لیٹا دیا۔
"جی جی ٹھیک ہوں میں...... اچانک چکر آ گیا تھا آپ پریشان نہ ہو۔" ناظمہ بیگم نے پانی پی کر الیاس احمد سے کہا۔
"کیسے پریشان نہ ہوں؟ تم اپنا ذرا بھی دھیان نہیں رکھتیں۔ سارا دن کام میں مصروف رہتی ہو۔ کتنی کمزور ہوگئی ہو؟" الیاس صاحب واقعی گھبرا گئے تھے۔ تب سیرت کی اسکول وین کا ہارن بجا۔
"تم لیٹی رہو آتا ہوں میں۔" الیاس صاحب نے سیرت کا بیگ اٹھاتے ہوئے کہا۔
"اماں اللہ حافظ۔" سیرت نے کہا تو ناظمہ نے "فی امان اللہ" کہا۔ تزکیہ فیڈر پیتے پیتے سو چکی تھی۔
"شام میں تیار رہنا اور دن میں کچھ کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جلدی آجاؤں گا ہم اسپتال چلیں گے۔ خدانخواستہ کہیں بی پی کا مسئلہ نہ ہو۔" آفس جاتے ہوئے الیاس صاحب ہدایت کر گئے تھے اور ناظمہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتی رہی۔
جب شام کو ڈاکٹر نے ایک بار پھر ناظمہ کو ماں بننے کی نوید سنائی تو الیاس صاحب خوش تھے جب کہ ناظمہ بیگم گھبرا گئیں تھیں۔
"مسز الیاس...... آپ کو اپنا بہت خیال رکھنا ہوگا۔ آپ خاصی ویک ہیں اپنی خوراک کا خاص خیال رکھیں۔ دوائیں، پرہیز اور کچھ اور احتیاط لازمی کرنی ہوگی۔" ڈاکٹر نے ڈھیروں ہدایت دے کر رخصت کیا۔
ناظمہ خاصی پریشان تھی۔ ابھی وہ دونوں بیٹیوں کے اخراجات کی وجہ سے ہی الیاس صاحب پر کافی بوجھ سمجھتی تھیں۔
"کیا ہوا ناظمہ...... تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟" الیاس صاحب نے واپسی پر ناظمہ بیگم سے پوچھا۔
"نہیں الیاس احمد خوشی تو ہوئی ہے۔ لیکن ابھی ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں تزکیہ کا ایڈمیشن بھی کروانا ہے سیرت کے تعلیمی اخراجات اچھے خاصے ہیں پھر دونوں کے ملا کر اچھے خاصے ہوجائیں گے۔ گھر کے اخراجات کے ساتھ ساتھ میری دواؤں کا خرچہ بڑھ جائے گا اور پھر نئے ممبر کے اضافے سے مزید آپ پر کام کا بوجھ بڑھ جائے گا۔" ناظمہ بیگم متفکر لہجے میں بولیں۔
"ارے کیوں فکر کرتی ہو؟ بس اللہ پر بھروسہ رکھو جس نے یہ خوشی دی ہے وہی سارے مسائل بھی حل کرنے والا ہے۔ اللہ پاک کی رضا یہی ہے تو بجائے یہ کہ ہم اس خوشی کو متفکر ہوکر یا خدشات کے ساتھ لیں۔ ہمیں خوشی خوشی آنے والے مہمان کی تیاری کرنی ہے تم کسی قسم کی فکر یا ٹینشن مت لو کیوں کہ میں تمہیں پریشان یا بیمار نہیں دیکھنا چاہتا۔ اللہ پر بھروسہ رکھو وہ سب کی فکر کرنے والا ہے۔" اور ناظمہ بیگم تشکر سے الیاس احمد کو دیکھنے لگیں۔
الیاس احمد نے اوور ٹائم کرنا شروع کردیا۔ جھاڑو پوچے کے لیے ملازمہ رکھ لی تاکہ ناظمہ بیگم پر کام کا بوجھ کم ہوجائے۔ شبانہ بیگم اور ستارہ بیگم کو پتہ چلا تو وہ لوگ مبارک باد دینے آئیں۔ ساتھ ساتھ ستارہ بیگم نے کئی وظائف اور دعائیں بھی بتائیں۔
"بیٹے کے لیے یہ پڑھو یہ کھاؤ اور ہاں...... اگر تم چاہو تو میرے ساتھ ایک بابا کے یہاں چلو بہت مانے ہوئے ہیں پیسے زیادہ لیتے ہیں مگر ان کے تعویز سے بیٹا ہی پیدا ہوتا ہے۔ دیکھ لینا اس بار تمہیں بھی باباجی کی دعا سے بیٹا ہی ہوگا۔"
"ہیں سچ بھابی۔" سیدھی سادی ناظمہ بیگم نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔
"اے لو بھئی......! بھلا میں جھوٹ کیوں بولوں گی مجھے کون سا دو رکعت کا ثواب ملے گا۔ تمہاری اور الیاس کی صورت دیکھ کر مجھے ترس آتا ہے۔ بے چارے کتنی محنت کرتے ہیں اگر بیٹا ہوجائے گا تو ان کے لیے بھی سہارا بنے گا۔"
"جی جی بھابی...... ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ میں الیاس سے پوچھ کر آپ کو بتاتی ہوں۔" ناظمہ بیگم جٹھانی کے بگڑے موڈ کو دیکھ کر جلدی سے بولیں۔ ناظمہ کی تو دلی

خواہش تھی کہ اس بار بیٹا ہو جائے۔
الیاس اس بار بھی کوئی کمی نہیں ہونے دے رہے تھے۔ ناظمہ کا حد درجہ خیال رکھتے' ہر چیز وقت سے پہلے لے آتے۔ اس وقت سیرت اور تزکیہ کو سلا چکے تھے۔ ناظمہ بیگم نے دونوں بچیوں کے بیگ سیٹ کئے اور خود بھی بیڈ پر آ کر بیٹھ گئیں۔
"کیا ہوا...... تھک گئی ہو؟" الیاس صاحب نے بغور بیوی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں تو۔" ناظمہ بیگم جلدی سے بولیں۔
"دوا پابندی سے لے رہی ہوناں......؟"
"جی سب ٹائم پر ہو رہا ہے جناب آپ کی ہدایت کے مطابق۔" ناظمہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔
"گڈ۔" الیاس صاحب بھی جواباً مسکرائے۔
"الیاس احمد...... مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" کچھ دیر بعد ناظمہ نے کہا۔
"ہاں ہاں بولو...... ایسی کون سی بات ہے کہ جسے کہنے سے پہلے میری اجازت درکار ہے؟" الیاس صاحب نے بغور ناظمہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"آج ستارہ بھابی آئی تھیں مبارک باد دے رہی تھیں اور دعائیں بھی دے کر گئیں ہیں اور......"
"اور کیا......؟" الیاس صاحب نے ترچھی نظروں سے بیگم کو دیکھا۔ "ناظمہ جو بات ہے کھل کر کہو یوں تذبذب کا شکار کیوں ہو......؟" الیاس صاحب ناظمہ کے رویے سے جھنجھلا کر بولے۔
"بھابی کہہ رہی تھیں کہ کوئی بابا جی ہیں اگر ان سے تعویز لے لیا جائے تو لازمی بیٹا ہوتا ہے......؟"
"چپ کرو ناظمہ......" الیاس صاحب نے ہاتھ اٹھا کر مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ "یہ کیسی فضول باتیں کر رہی ہو تم......؟ ہم کون ہوتے ہیں اللہ کے کاموں میں دخل دینے والے۔ بھلا کس کی مجال کہ اللہ پاک کی مرضی کو بدل سکے۔ اللہ کی مصلحت میں داخل اندازی کرنے کا کسی میں حوصلہ ہو سکتا ہے؟ مجھے حیرت ہے کہ تم نے ستارہ بھابی کی یہ بات مان لی اور ان کی باتوں میں آ گئی ہو۔ بے شک تمہیں بیٹے کی خواہش ہے' ہر عورت کو ہوتی ہے کیا میری دعا نہیں ہے؟ لیکن ہم اللہ پاک سے دعا کر سکتے ہیں اس کے آگے سوال کرنا ہمارا حق ہے وہی ہماری سننے والا ہے' ہم اس سے ہی مانگ سکتے ہیں۔ وہی ہماری تجوریوں کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے بھرتا ہے ہمارے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو' ہمارے لبوں پر مچلتی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشنے والی وہی ذات ہے۔ جو رحیم اور کریم ہے جو عطا کرنے والا ہے تو پھر ہم کیوں کسی اور کے آگے دست سوال کریں؟ اسی سے مانگو جو بانٹنے پر آئے تو ہماری اوقات سے زیادہ عطا کر دیتا ہے؟ جو بھرنے پر آئے تو ہماری جھولیوں کو بھر دیتا ہے۔ آئندہ مجھ سے ایسی بات مت کرنا۔" الیاس صاحب بات ختم کر کے کروٹ بدل کر لیٹ گئے۔ یہ ان کے موڈ بگڑنے کی نشانی تھی۔
ناظمہ بیگم ان کی بات پر چپ رہ گئیں۔ اس دن کے بعد ناظمہ نے پھر ایسی کوئی بات الیاس صاحب کے سامنے نہیں کی لیکن شدتوں سے بیٹے کی خواہش اور دعائیں کر رہی تھیں۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا الیاس صاحب آمدنی میں اضافے کی کوشش کر رہے تھے اس کے لیے انہوں نے کمیٹیاں ڈال کر اوپر ایک پورشن بنا کر کرائے پر دے دیا تھا۔ ناظمہ بیگم کی طبیعت بھی خاصی خراب چل رہی تھی۔ دو بچیوں کے کام اور الیاس صاحب کے لاکھ مدد کرنے کے باوجود گھر کے کام اور پھر ان کی وہی ٹینشن بھی تھی۔ اس بار وہ خدا سے بیٹے کو مانگ رہی تھیں۔
شبانہ بیگم خاص طور پر جب بھی آتیں کوئی نہ کوئی بات کر جاتیں کہ الیاس صاحب کے ساتھ ساتھ ناظمہ بھی تاسف سے انہیں دیکھتے رہ جاتے۔ ستارہ بیگم بھی کچھ نہ کچھ بولتی رہتی اور ناظمہ بیگم سوچ میں پڑ جاتیں۔ اللہ اللہ کر کے ٹائم پورا ہوا اور الیاس صاحب ناظمہ بیگم کو لے کر اسپتال پہنچے۔ شبانہ بیگم اور ستارہ بیگم بھی پہنچ گئیں۔
مسلسل ذہنی دباؤ اور سوچنے کی وجہ سے ناظمہ بیگم کا بی پی کافی ہائی ہو گیا تھا۔ ساتھ میں سانس لینے میں بھی کافی

دشواری پیش آرہی تھی۔ الیاس صاحب بچیوں کو لے کر اسپتال کے کوریڈور میں پریشان بیٹھے تھے۔ بہن اور بھاوج بھی پاس ہی بیٹھی تھیں۔ ڈاکٹر لبنیٰ بھی خاصی متفکر تھیں۔ آخرکار ایمرجنسی میں آپریشن کی نوبت آ گئی کیونکہ ناظمہ بیگم کی حالت لحہ بہ لحہ بگڑتی جارہی تھی۔ ڈاکٹر لبنیٰ ناظمہ بیگم کی طبیعت کے حوالے سے غیر مطمئن تھیں۔

الیاس صاحب چاہتے تھے کہ بس ناظمہ بیگم کو بچانے کی کوشش کی جائے کسی بھی صورت میں ہر حال میں یہی کوشش کی جائے۔ آگے جو اللہ کی رضا۔ ڈاکٹر کو کہہ کر الیاس صاحب باہر بیٹھ کر صرف ناظمہ بیگم کی زندگی کی دعائیں کررہے تھے کافی دیر بعد ڈاکٹر لبنیٰ باہر آئیں۔ الیاس صاحب اس کی جانب لپکے۔

''مبارک ہو الیاس صاحب..... اللہ پاک نے ایک بار پھر آپ کے یہاں رحمت بھیجی ہے۔''

''شکر الحمدللہ ڈاکٹر مگر ناظمہ..... ناظمہ کیسی ہے؟ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟''

''جی جی الیاس صاحب ویسے تو ناظمہ کی حالت بہتر ہے اور اب اللہ کے کرم سے ان کی جان کو بھی کوئی خطرہ نہیں بے بی اور وہ دونوں ٹھیک ہیں لیکن.....؟'' ڈاکٹر لبنیٰ کہتے کہتے رک گئیں۔ ان کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا۔

''لیکن..... لیکن کیا ڈاکٹر صاحبہ.....؟'' الیاس صاحب نے بے قراری سے پوچھا۔ ستارہ بیگم اور شبانہ جو پہلے ہی بیٹی کا سن کر منہ بنائے بیٹھی تھیں وہ بھی تجسس سے ڈاکٹر لبنیٰ کو دیکھنے لگیں۔

''الیاس صاحب..... ناظمہ کی حالت اور آپ کی ہدایت کے مطابق ہمیں ناظمہ کا آپریشن کرنا پڑا اور اس کے لیے جو بہتر تھا ہم نے کیا..... لیکن وہ آئندہ ماں نہیں بن سکتی۔''

''ہائے اللہ یہ کیا ہوگیا.....؟'' شبانہ بیگم نے سینے پر ہاتھ مار کر بین کیا۔

''ہائے اللہ الیاس میاں کے نصیب میں اولاد نرینہ نہ رہی۔'' یہ بین ستارہ بیگم کی طرف سے تھا۔

''بھابی..... آپ لوگ کیسی باتیں کررہی ہیں۔ اللہ پاک نے ہمیں اولاد سے تو نوازا ہے اور ہمیں اس قابل جانا تب ہی ہماری جھولی میں رحمتیں ڈال دیں ہیں۔'' الیاس صاحب کو بہن اور بھاوج کی بات سخت ناگوار گزاری تھی۔ شام کو ناظمہ بیگم مکمل طور پر ہوش میں آئیں۔

''مبارک ہو ناظمہ ہماری بیٹی ماشاء اللہ سے بہت پیاری ہے تم ٹھیک ہوناں؟''

''الیاس احمد..... مجھے معاف کردیں۔'' ناظمہ بیگم کانپتے ہاتھوں میں الیاس صاحب کا ہاتھ تھام کر نحیف لہجے میں بولیں ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''ارے ارے..... یہ کیا فضول حرکت ہے؟ معافی کس بات کی اور خوشی کے موقع پر ایسی رونی صورت کس لیے؟'' الیاس احمد نے ناظمہ کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''الیاس احمد..... میں..... میں..... اب ماں نہیں بن سکتی..... ہمارے گھر میں بیٹا پیدا نہیں ہوسکتا۔'' ناظمہ بیگم سسک پڑیں۔

''ارے پاگل ہوگئی ہو کیا؟ نہیں چاہیے مجھے بیٹا مجھے اپنی بیٹیاں بہت عزیز ہیں میرے گھر کی رونق اور اجالا ہیں یہ۔ دیکھنا یہی بیٹیاں ہمارا نام کتنا روشن کریں گی۔ میرے لیے اللہ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے صاحب اولاد کیا۔ یہ تو میرے رب کا مجھ پر کرم ہے کہ اس نے ہمارے لیے جنت کا آسرا بنادیا..... اولاد کی قدر تو ان سے پوچھو کہ جو بے اولاد ہیں۔ جن کے گھروں میں ویرانی برستی ہے جن کے آنگن بچوں کی قلقاریوں کے لیے ترستے ہیں جو رورو کر اللہ سے اولاد مانگتے ہیں بیٹا اور بیٹی کے فرق سے بالاتر ہوکر صرف اولاد کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں سے اولاد کی اہمیت پوچھو تب ہمیں احساس ہوگا کہ اللہ نے ہم پر کتنا کرم کردیا کہ ہمیں بے عیب اولاد سے نوازا ہے۔ بچوں کے بغیر گھر قبرستان جیسا لگتا ہے اور ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمارے گھر میں ہماری شہزادیوں کے قہقہہ

گونجتے ہیں۔ ان کی شرارتیں اور معصومیت پر ہمارا دل خوش ہوتا ہے۔ ان کی پیاری پیاری بے مطلب باتوں سے محظوظ ہوتے ہیں اور آج کے بعد اگر تم نے پھر بھی ایسی کوئی بات کی تو میں تم سے ناراض ہوجاؤں گا۔ دیکھو سیرت اور تزکیہ بھی کیوٹی گڑیا کو دیکھ کر کتنی خوش ہیں۔" الیاس صاحب نے نرمی سے سمجھا کر ناظمہ بیگم کی توجہ سیرت اور تزکیہ کی جانب کروائی تو ناظمہ بیگم پھیکی سی ہنسی ہنس دیں۔ مگر ایک خلش اور کسک ہنوز برقرار تھی۔

شبانہ بیگم نے خوب واویلا کیا۔ باقاعدہ بین کی شکل میں اپنے خیالات کی تلخ ترجمانی کی۔

"ارے اللہ جی..... کیا میرے بھائی کی نسل یونہی ختم ہوجائے گی؟ ارے نسل تو بیٹوں سے چلتی ہے۔ وہ ہی باپ کا نام آگے چلاتے ہیں مگر یہاں تو رہی سہی امیدیں بھی دم توڑ گئیں ہیں۔ لو بھئی یہ باب تو اب یہیں پر ختم ہوگیا۔ ہائے ہائے ستارہ بھابی تم نے سچ کہا تھا جہاں پہلوٹی کی لڑکی ہوئی وہاں لڑکیوں کی لائن لگ گئی۔ چلو یہ بھی برداشت کیے جارہے تھے کہ شاید اب کی بار..... شاید اگلی بار..... مگر یہاں تو یہ سلسلہ ہی ختم ہوگیا نہ کوئی آس رہی نہ کوئی امید..... بیٹی سے شروع ہوکر بیٹی پر ہی سلسلہ ختم ہوگیا۔ نہ جانے کیسے نصیب لے کر آیا ہے میرا چھوٹا بھائی۔"

"ارے آپا..... کیا ہوگیا ہے آپ کو..... کیسی باتیں کررہی ہیں؟ اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوتا ہے ہماری بہتری کے لیے ہوتا ہے۔ اس نے مجھے اس قابل سمجھا تب ہی میری گود میں بیٹیاں ڈال دیں آپا بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں۔ یہ ہماری سوچ ہے کہ ہم لوگ بیٹیوں کو بوجھ اور بیٹوں کو انعام سمجھتے ہیں۔ میری بچیاں رحمت ہیں مبارک اور خوش قدم ہیں دیکھیں تو گڑیا کے آنے سے پہلے میرا پروموشن ہوگیا۔ یہ انعام ہے میرے لیے بہت عزیز ہے مجھے اپنی بچیاں۔ ان کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کیجیے پلیز کہ ان کے معصوم ذہنوں پر کوئی منفی اثر پڑے۔" الیاس احمد نے بہن کے شور شرابے کو نرم اور مدلل لہجے میں ختم کروادیا۔

"واہ بھئی واہ..... بڑے اچھے نصیب لے کر آئی ہے ناظمہ بیگم کہ ایسا منہ مراد شوہر ملا ہے۔ ایک ہمارے میاں تھے انہوں نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ پہلا بیٹا ہی ہونا چاہیے ہم نے بھی ان کی خواہش پوری کردی۔" شبانہ بیگم تنک کر با آواز بلند بولیں تاکہ اندر کمرے میں ناظمہ تک آواز پہنچ سکے۔ لیکن شبانہ بیگم وقتی طور پر تو خاموش ہوگئیں مگر انہیں ہرگز یہ گوارہ نہ تھا کہ بھائی کا کوئی وارث نہ ہو۔

کچھ دن گزرے سیرت تزکیہ اور تقدیس بڑی ہونے لگیں۔ ناظمہ بیگم بچیوں کی تربیت بہت اچھی طرح کررہی تھیں انہیں پڑھانے کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی مکمل تفسیر کے ساتھ تعلیم حاصل کرارہی تھیں گو کہ الیاس صاحب پر کام کا بوجھ زیادہ ہوگیا تھا مگر دونوں میاں بیوی مل کر محنت کررہے تھے کہ بیٹیاں اچھی اور معیاری تعلیم سے آراستہ ہوکر نام پیدا کریں۔

شام دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی۔ الیاس صاحب آفس سے آئے تو حسب معمول سیرت تزکیہ اور تقدیس کے ساتھ بیٹھ کر پڑھائی کے بارے میں باتیں کرنے لگیں۔ بارہ سالہ سیرت دس سالہ تزکیہ اور چھ سالہ تقدیس اپنے اپنے ٹیسٹ کے بارے میں بتارہی تھیں ساتھ ساتھ تقدیس اپنے اسکول اور ٹیچرز کی باتیں بھی مزے لے لے کر کررہی تھی۔ ناظمہ بیگم چائے پکا کر لائیں ساتھ میں بسکٹ اور نمک پارے بھی تھے۔

"ارے واہ بھئی مزا آ گیا۔" الیاس صاحب نے گرم گرم نمک پارے دیکھے تو مسکرائے سب لوگ مل کر چائے پی رہے تھے بہت اچھا ماحول تھا۔ ناظمہ بیگم بھی سبزی بناتے بناتے کسی بات میں حصہ لے لیتیں ورنہ بچیاں ابا جی کے ساتھ ہی لگی رہتیں۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

"ابا جی پھوپو آئیں ہیں۔" تزکیہ نے دروازہ کھولا ان کے ساتھ کوئی عورت بھی تھی۔ تیس بتیس سال کی چہرے سے تیز اور میک اپ زدہ سی عورت جسے دیکھ کر الیاس صاحب اٹھ کر جانے لگے۔

”نہیں نہیں الیاس فیروزہ پردہ نہیں کرتیں آجاؤ تم بیٹھ جاؤ بس تھوڑی دیر میں چلی جاؤں گی۔ یہاں بازار آئی تھی تو سوچا خیر خیریت لے لوں یہ خالد صاحب کی بہن کی نند ہیں آئی ہوئی تھیں تو ان کو بھی مارکیٹ لے آئی ساتھ میں۔“ شبانہ بیگم نے تفصیلی بات کی تو الیاس صاحب نا چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گئے۔

ناظمہ بیگم بہت تپاک سے ملیں۔ فوراً چائے لے آئیں بچیاں پھوپو کو دیکھ کر کھسک لیں کیونکہ ان لوگوں کو پھوپو ذرا بھی اچھی نہیں لگتیں تھیں نہ جانے کیوں سیرت، تزکیہ اور تقدیس سے ہمیشہ روڈ لہجے میں بات کرتیں۔ کبھی بھی پیار نہ کرتیں ان کو دیکھ کر ہی پھوپو کے تیوریوں پر بل پڑجاتے جب آتیں کسی نہ کسی بات پر ناظمہ بیگم کو چوٹ بھی کرتیں۔ سیرت اور تزکیہ اب ان کو دیکھ کر گھبراہٹ کا شکار ہونے لگتیں اور تقدیس بھی دونوں کے پیچھے پیچھے چھت پر چلی جاتی۔

ناظمہ بیگم کو فیروزہ کی حرکتیں کچھ عجیب سی لگیں۔ عجیب کھوجنے والی نظروں سے ناظمہ بیگم کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ الیاس صاحب کو بھی بغور دیکھے جا رہی تھیں اور حیرت کی بات یہ کہ گھر بھی دیکھا اور کرائے داروں کے بارے میں بھی خاصی معلومات حاصل کیں۔ ناظمہ بیگم کو کچھ مشکوک ہی لگیں یوں کسی کے گھر پہلی بار آنا اور اس طرح سے ہر معاملے کی کھوج اور ٹوہ لینا عجیب معیوب بات لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد شبانہ بیگم چلی گئیں اور ناظمہ بیگم نے قدرے تعجب سے میاں کی طرف دیکھا۔

”الیاس احمد آپ نے اس عورت کی حرکتیں نوٹ کیں......؟“

”نہیں یار مجھے تو بیٹھنا ہی عجیب سا لگ رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں مجبوراً آپا کی وجہ سے بیٹھا رہا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے آئی ہیں ویسے بھی ان کو تو ہم لوگوں سے ناراض ہونے کا بہانہ چاہیے۔ میں نے سوچا اٹھ کر جاؤں گا تو ان کو برا لگے گا۔“ جواباً الیاس صاحب نے تفصیلی بات کی اور مجبوری کا اظہار کیا۔

ناظمہ بیگم بھی سر ہلا کر کچن کی جانب چلی گئیں۔ مغرب کی اذان ہونے لگی تھی۔ سیرت، تزکیہ اور تقدیس بھی نیچے آگئے تھے کیوں کہ ناظمہ بیگم کے ساتھ نماز مغرب ادا کرنی تھی۔ اور دوسرے دن شام کو شبانہ بیگم کی آمد کسی انہونی کا پیش خیمہ تھی۔ تینوں بچیاں حسب معمول کھیل رہی تھیں۔ ناظمہ بیگم نماز عصر سے فارغ ہو کر صحن میں لگی کیاریوں کی صفائی کر رہی تھیں۔ الیاس صاحب آفس سے آ کر فریش ہونے کے بعد نیوز چینل دیکھ رہے تھے کوئی خاص نیوز تھی تب ہی ناظمہ بیگم نے بچیوں کو بھی باہر صحن میں روک رکھا تھا۔ آج کل سرکاری ملازمین کے بارے میں نئی نئی باتیں اور پابندیاں عمل میں لائی جارہی تھیں اور الیاس صاحب وہی دیکھ رہے تھے۔ شبانہ بیگم آئیں اور سیدھی کمرے میں الیاس صاحب کے پاس چلی گئیں۔

"ارے آپا آپ......؟" الیاس صاحب نے قدرے حیرت سے انہیں دیکھا۔ ویسے تو مہینوں خبر نہ لینے والی آج پھر کیوں آگئیں۔ یہ بات حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ تشویش ناک بھی تھی۔

"ہاں بھیا...... بس تم سے ضروری بات کرنی تھی تب ہی آگئی ہوں۔ کیا کروں بھیا تم میرے ماں جائے ہو میرے ماں باپ کی آخری نشانی' میرے لاڈلے بھائی جو میرے لیے بچوں کی طرح ہو۔ دل کھنچتا ہے تمہاری طرف تڑپ ہوتی ہے تو چلی آتی ہوں تم کو تو فرصت نہیں ملتی۔" انہوں نے لمبی ٹھنڈی سانس بھر کر اپنی بات کا سلسلہ وہیں سے دوبارہ جوڑا جہاں سے منقطع ہوا تھا۔

"جی آپا آپ میرے لیے اماں کی طرح ہیں۔" الیاس صاحب نے سعادت مندی سے کہا۔

"میں واری اپنے بھائی کے کتنی محبت کرتا ہے میرا بھائی ظاہر ہے اوپر تلے کی بیٹیاں دیکھتے دیکھتے کھیرا ککڑی کی طرح بڑھنے لگتی ہیں۔ سیرت کو دیکھو کتنی بڑی لگنے لگی ہے پھر تزکیہ اور تقدیس بھی ہاتھ کو آجائیں گی۔"

"جی آپا دعا کریں کہ اللہ پاک میری بیٹیوں کا نصیب اچھا کرے اور مجھ میں اتنا حوصلہ' ہمت دے کہ میں ان تینوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ بیاہ دوں۔" الیاس صاحب نے کہا۔

"ہاں ہاں بھئی دعائیں تو کرتی ہوں تم لوگوں کی نظروں میں بری سہی مگر ہوں تو تمہارا خون دل سے دعا کرتی ہوں مگر بھیا...... کام صرف دعاؤں سے نہیں چلتا اللہ تعالیٰ بھی کہتا ہے کہ تم حرکت کرو میں برکت دوں گا۔ اب تو یہ ہمارا کام ہے ناں کہ ہم راستے تلاش کریں اپنی بہتری کے لیے سوچیں۔"

"بالکل آپا...... الحمدللہ ناظمہ اور میں مل کر حتیٰ الامکان کوشش کرتے ہیں بہتر تعلیم و تربیت اور اچھی طرح سے بچیوں کو اپنے اپنے گھروں کا ہوجانے کے لیے۔ بس اللہ پاک ہمیں سرخرو کردے آمین۔"

"دیکھو بھیا...... تمہاری بات اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر ایک بات ٹھنڈے دل اور دماغ سے سن لو میں تمہاری بہتری کے لیے ہی کہہ رہی ہوں۔" اس بار شبانہ بیگم تھوڑا آگے کھسک کر قدرے آہستگی سے بولیں۔

"جی آپا۔" الیاس نے حیرانی سے بہن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں کل فیروزہ کو لے کر آئی تھی تم نے دیکھا اسے۔ کیسی لگی تمہیں؟" شبانہ بیگم کی بات پر الیاس صاحب بری طرح چونکے۔

"ک...... ک...... کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں آپا آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔"

"دیکھو الیاس میاں...... میں چاہتی ہوں کہ تم بھی مالی لحاظ سے بہتر ہو جاؤ عبدالجبار بھائی کو دیکھو ماشاء اللہ سے کیسا بزنس چمک گیا ہے چار چار بیٹوں کی بھی سپورٹ ہے ان کو ہم اللہ کے فضل سے صاحب حیثیت ہیں ایک تم ہی ہو جو عام سی جاب کرتے ہو اوپر سے بیٹیوں کی ذمہ داری بھی ہے۔ یہ فیروزہ صبیحہ کی بیوہ نند ہے لاکھوں روپیہ ہے اس کے پاس اس کو دوسری شادی کے لیے بے شمار لوگوں نے درخواست کی ہے مگر وہ مانتی نہیں اور اب تمہیں دیکھ کر

یہاں کے ماحول اور گھر کی حالت دیکھ کر اس نے تم سے شادی کرنے کی حامی بھر لی ہے اور بھیا میں نے بھی سوچا کہ تمہارا بھی بھلا ہوگا ان شاء اللہ بیٹا ہو جائے گا اور مالی سپورٹ......"

"آپا بس کریں یہ کیا فضول بات کر رہی ہیں آپ؟" اسی لمحے ناظمہ بیگم چائے کی ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوئیں اور الیاس صاحب کی بات کے ساتھ ساتھ شبانہ آپا کا آخری نامکمل جملہ بھی ان کی سماعتوں میں گونجا تھا۔

"یہ بات آپ نے کیسے کی؟ کیا سوچ کر آپ اس عورت کو یہاں تک لائیں اور پھر مجھ سے بات کی؟ کیا آپ کو کبھی بھی لگا کہ میں پریشان ہوں یا میں ایسا چاہتا ہوں؟ مجھے مالی مدد کی ضرورت ہے؟ آپ نے مجھے اتنا بے غیرت سمجھ لیا ہے کیا؟ آپ کو ایسی بات سوچتے ہوئے بھی ذرا سا خیال نہ آیا؟"

"بس کرو میں تمہاری دشمن نہیں ہوں اور ایسا کون سا گناہ کر ڈالا ہے۔ عمر سے زیادہ لگنے لگے ہو۔ ارے تم سے اچھے تو عبدالجبار بھائی لگتے ہیں تمہاری ہمدردی میں آ کر اتنے پاپڑ بیل رہی ہوں۔ میرا کوئی فائدہ نہیں ہے اس میں۔"

"آپا اگر یہ میری بھلائی اور ہمدردی ہے تو خدا کے لیے مجھے آپ کی ہمدردی نہیں چاہیے۔ اپنی ہمدردی اپنے پاس رکھیں اور آئندہ مجھ سے اس موضوع پر کوئی بات کرنے کا سوچیے گا بھی نہیں۔ مجھے میرا گھر میری بیوی اور میری بچیاں بہت عزیز ہیں اور یہی میری دنیا ہے میرے ذہن میں کبھی بھی کوئی خلش، پچھتاوا یا محرومی کا معمولی سا عنصر بھی نہیں آیا میں اپنی دنیا میں خوش اور مطمئن ہوں۔ نہ مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت ہے نہ مالی سپورٹ کی اور نہ بیٹے کی آئی سمجھ......" اس بار الیاس صاحب ضبط کی حد پار کر چکے تھے۔

"لو بھیا خون سفید ہو گیا ہے یہاں تو نہ جانے کیسے کیسے جادو سر چڑھ کر بول رہے ہیں ہمدردی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا ارے بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا گھر۔ اب کبھی جو تمہارے معاملے میں بولی تو نام بدل کر رکھ دینا میرا۔ رہو خوش اپنی دنیا میں۔" شبانہ بیگم کو تلووں سے لگی آگ سر پر جا کر لگی تھی وہ بکتے جھکتے کھڑی ہو گئیں۔ ناظمہ بیگم کو دیکھا تو غصہ مزید عروج پر آ گیا۔ الیاس صاحب نے شرمندگی سے ناظمہ بیگم کے دھواں دھواں چہرے کی جانب دیکھا۔ پھر اٹھ کر ناظمہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر میں بٹھا لیا۔

"ناظمہ تمہیں بری لگی ہوگی آپا کی بات میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔"

"ارے نہیں الیاس احمد آپ ایسا کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں آپ تو میرے لیے واقعی قابل سجدہ ہیں۔ اللہ پاک کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ اس نے مجھے آپ جیسے حلیم، متقی اور محبت کرنے والا شوہر عطا کیا ہے۔" ناظمہ بیگم کی آنکھیں نم ہو گئیں تو الیاس صاحب نے ان کو سینے سے لگا لیا۔

"ناظمہ میں بھی بہت لکی ہوں کہ مجھے تم جیسی نیک، شریف، سلیقہ شعار اور پرخلوص اور قناعت پسند بیوی ملی ہے میری بچیاں بھی خوش نصیب ہیں کہ وہ تمہارے زیر سایہ ہیں۔" ناظمہ بیگم نے پرسکون ہو کر مسکراتے ہوئے الیاس صاحب کی جانب دیکھا اور الیاس صاحب بھی مسکرا دیے۔

اس روز کے بعد شبانہ بیگم ان کی بچیوں سے خار کھانے لگیں۔ طنز کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتیں۔ الیاس صاحب اور ناظمہ بیگم اپنی بچیوں کے ساتھ خوش اور مطمئن تھے گو کہ موجودہ مہنگائی اور اخراجات کو سنبھال کر چلانا خاصا مشکل کام تھا مگر دونوں میاں بیوی نے مل کر ثابت قدمی سے زندگی کے کئی ماہ و سال محنت کرتے گزار دیے۔

❀......❀......❀
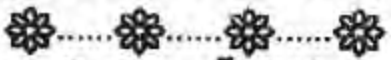
سیرت عام سی شکل کی تھی رنگ بھی تھوڑا دبتا ہوا تھا جب کہ تزکیہ اور تقدیس اچھی خاصی گوری اور خوب صورت تھیں۔ سیرت نے بی اے کر کے اسکول میں ٹیچنگ کر لی تھی۔ تزکیہ انٹر میں تھی اور تقدیس آٹھویں کلاس میں پڑھ رہی تھی۔ تینوں لڑکیاں ناظمہ بیگم کی محنت اور توجہ سے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

انتہائی سگھڑ اور سلیقہ شعار تھیں ہر کام میں ماہر، ہمدرد اور پرخلوص تھیں۔ الیاس صاحب کو اپنی بیٹیوں پر ناز تھا۔ اب ناظمہ بیگم اور الیاس صاحب چاہتے تھے کہ سیرت کی شادی ہوجائے اس سلسلے میں رشتے بھی آئے لیکن ہر کوئی ظاہری خوب صورتی اور جہیز کی لمبی چوڑی مانگ لے کر آئے اور یہاں پر تو دونوں چیزیں ہی نہیں تھیں۔

دو تین خواتین نے سیرت کے بجائے تزکیہ اور تقدیس کو پسند کرلیا تھا۔ ناظمہ بیگم نے تزکیہ اور تقدیس کو رشتے والیوں کے سامنے آنے سے منع کردیا۔ اور سیرت بار بار ریجیکٹ ہونے پر اب جھنجلانے لگی تھی۔ اسے ناظمہ پر بھی غصہ آنے لگا تھا کہ وہ کیوں ان خواتین کے لیے اتنا اہتمام کرتی ہیں۔ محنت سے کمائے گئے پیسوں کو یوں بے تکی اور فضول خواتین پر ضائع کرتی ہیں۔

❀........❀........❀........❀

عبدالجبار صاحب کے چار بیٹے تھے مگران کو کبھی بھی یہ خیال نہ آیا کہ غریب بھائی کی کسی بیٹی کو بہو بنا کر اس کا بوجھ ہی ہلکا کردیں۔ بھلا کیسے کرسکتے تھے ان کا اسٹیٹس کافی اونچا تھا۔ کاروبار وسیع ہوگیا تھا۔ اچھا گھر، گاڑی اور نوکر چاکر تھے وہ بھلا کم حیثیت بہو کو کیسے برداشت کرلیتے۔ اسٹیٹس اور پیسے نے رشتوں کو دور کردیا تھا۔ وہ اپنے دولت کے نشے میں مگن تھے۔ جب کہ شبانہ بیگم بھی اپنے بیٹے اور بیٹی کے ساتھ لکھ پتی میاں کے ساتھ عیش کررہی تھیں ان کے بیٹے فاران کی شادی ہوچکی تھی۔ بہو انتہائی بدتمیز اور تیز تھی جب کہ بیٹی بھی شادی کے بعد دبئی شفٹ ہوچکی تھی۔ روز اول کی طرح آج بھی شبانہ بیگم کو ناظمہ بیگم اور ان کی بیٹیوں سے اللہ واسطے کا بیر تھا انہیں الیاس احمد کے کاندھے پر بھاری بوجھ لگتی۔ جب کہ الیاس صاحب کے گھر کا ماحول بہت خوش گوار تھا۔ آپس میں سب ایک دوسرے سے محبت کرتے ایک دوسرے کا خیال رکھتے۔

ناظمہ بیگم نے ساری زندگی ہی کم آمدنی اور سلیقے سے گھر چلایا اب سیرت کی تنخواہ بھی آنے لگی انہوں نے کفایت شعاری سے بڑی بڑی کمیٹیاں ڈال لی تھیں تاکہ بیٹیوں کی شادی پر ہونے والے اخراجات کے لیے بروقت مناسب پیسوں کا بندوبست ہوسکے اور سیرت کے لیے رشتے کی تلاش کے لیے ایک خاتون سے بات کی تھی جو مناسب رشتے دکھاتی تھیں۔

بچیاں ماں باپ کے ساتھ دوستانہ ماحول اپنائے ہوئے تھیں آپس میں مل جل کر رہتیں تھیں۔ اس روز بھی تینوں بیٹیاں الیاس صاحب کے ساتھ کیرم کھیل رہی تھیں۔ خوب زور شور سے حسب عادت تقدیس بے ایمانیاں کررہی تھی۔ اور تزکیہ باآواز بلند احتجاج کررہی تھی۔ ناظمہ بیگم پاس بیٹھی ان لوگوں کی بحث و تکرار سے لطف اندوز ہورہی تھیں۔ تب ہی ستارہ بیگم آگئیں۔ بچیوں نے ادب سے سلام کیا مگر تائی کو دیکھ کر تینوں کا منہ بن گیا ان لوگوں کو تائی اماں بھی بالکل اچھی نہیں لگتی تھیں۔ ہر وقت اپنی امارت کا رعب جھاڑتی ہوئی اور شان تفاخر سے باتیں کرتی ہوئی دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے والی یہ خاتون ذرا بھی اچھی نہ لگتیں۔

جب بھی آتیں اپنی نئی گاڑی، کاروبار یا پھر کاروباری حوالے سے شیخیاں بگھارنے ہی آتیں ایسے میں سیرت، تزکیہ اور تقدیس کو ان سے چڑ ہونے لگتی کہ امیر ہیں تو اپنے گھر کی ہیں ہمیں کون سا فائدہ دے رہی ہیں جو اپنی امارت کے قصے سنا سنا کر ہمیں امپریس کرتی ہیں۔ وہ اس بار اپنے چوتھے بیٹے کی شادی کا کارڈ لے کر آئی تھیں۔

''لو بھئی ہم نے احمد میاں کی شادی طے کردی ہے۔'' ناظمہ بیگم کے ساتھ ساتھ الیاس صاحب بھی چونکے۔ یوں اچانک سے نہ رشتے کا پتہ چلا نہ کسی اور رسم کا۔ یوں غیروں کی طرح لاکر کارڈ تھما دیا۔

''اللہ مبارک کرے بھابی کہاں سے لارہی ہیں آخری بہو......؟'' ناظمہ بیگم نے کارڈ لیتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارے بھائی صاحب کے بزنس پارٹنر ہیں۔ ان کی اکلوتی بیٹی ماشاء اللہ امریکہ میں پڑھ کر آئی ہے۔ خوب صورت اور ماڈرن بھی ہے۔ ہم سے بھی اچھا گھر ہے ان کا۔'' ستارہ بیگم نے آنکھیں پھیلا کر فخر سے کہا۔

"شادی بھی بڑے والے وہ بندا ایسے ہی حال ہیں نہ جانے کیا کہتے ہیں اس کو "بن کوٹ" اور ولیمہ ہم نے یہاں کے سب سے اچھے بن کوٹ میں رکھا ہے۔ پورے ہزار مہمانوں کا ہے ضرور آنا الیاس میاں۔" ایک ایک لفظ میں غرور جھلک رہا تھا۔

تزکیہ اور تقدیس بن کوٹ پر نا مشکل ہنسی روک پائیں۔

"اچھا میں چلوں ڈھیر سارے کام پڑے ہیں گھر پر تمہارے بھائی نے خاص طور پر کہا ہے ضرور آنا۔" جاتے جاتے ایک بار پھر احسان جتانے والے انداز میں کہا۔

"جی جی بھابی ضرور آئیں گے۔" الیاس صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"حیرت ہوتی ہے الیاس احمد..... سگے بھائی ہوکر بھی رشتے ایسے پردوں میں چھپا کر طے کیے جاتے ہیں کہ جیسے ان کو خطرہ لاحق ہو کہ کہیں ہم ان کے بیٹوں کو جھپٹ نہ لیں بتاؤ دعوت بھی بالکل غیروں کی طرح دی ہے۔ ہیں ہی کتنے لوگ۔ خاندان اتنا مختصر ہے۔"

"مگر سارا کھیل پیسوں کا ہے ناظمہ بیگم پیسہ ہی ہے جو رشتوں کا احترام اور تقدس بھی بھلا دیتا ہے اور جہاں پیسے کو اہمیت دی جائے وہاں رشتے بھی بے معنی اور ناپائیدار اور کھوکھلے ہوجاتے ہیں برائے نام صرف مجبوری کیوں' یہ رشتے تو اللہ پاک بناتا ہے۔ اب یہ انسان ہی ہے جو رشتوں میں بھی دراڑیں ڈال دیتا ہے۔ خون سے زیادہ اہمیت اپنے اسٹیٹس کو دیتا ہے۔ اور ہمارے بہن بھائی دونوں ہی دولت کے مارے ہوئے اندھے لوگ ہیں۔" اس بار الیاس صاحب کا لہجہ دکھی ہونے کے ساتھ ساتھ کڑوا بھی تھا۔

"سچ پوچھیں اماں تو میرا دل بالکل نہیں چاہتا تایا ابا اور پھوپو کے گھر کی تقریب میں شرکت کرنے کا۔" تزکیہ نے منہ بنا کر کہا۔

"نہیں بیٹا..... بری بات ہوگی ہمارے نہ جانے سے لوگ غلط مطلب لیں گے۔" ناظمہ بیگم نے تزکیہ کو دیکھ کر نرم لہجہ میں کہا۔

"ویسے ابا جی سچ میں مجھے تو لگتا ہے فخر بھائی اور اشعر بھائی کی گردنوں میں لوہے کی راڈیں فٹ ہیں۔ سر اٹھا کر دیکھتے بھی ہیں تو لگتا ہے کہ گردن میں تکلیف ہوگئی ہے اس قدر شاہانہ اور تفاخرانہ انداز ہوتا ہے کہ دل کرتا ہے پکڑ کر گردن سے راڈ نکال کر سمندر میں پھینک دوں۔" تقدیس نے بے ساختگی سے کہا تو سب کو ہنسی آگئی۔

"ارے بھئی ہمیں کون سا وہاں جا کر رہنا ہے بس رسماً شریک ہوں گے تھوڑی دیر کے لیے۔" الیاس صاحب نے کہا تو ناظمہ بیگم سمیت تینوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

❀......❀......❀......❀

آج بھی دوپہر میں رشتہ لگانے والی خاتون خالدہ کی کال آئی تھی کہ شام کو کچھ خواتین سیرت کو دیکھنے آئیں گی۔ بس ناظمہ بیگم دوپہر سے ہی تیاریوں میں لگ گئیں تھیں تزکیہ اور تقدیس کو آرام بھی نہیں کرنے دیا تھا اور سیرت کو گھر میں داخل ہوتے ہی احساس ہوگیا تھا اور اسے ناظمہ بیگم پر غصہ آ گیا اس نے پہلے بھی کئی بار کہا تھا۔

"اماں یوں اتنا اہتمام مت کیا کریں' جس نے پسند کرنا ہوگا وہ ایک گلاس پانی پی کر بھی پسند کرے گا اور جس کو گھر گھر جا کر نوالے توڑنے کی عادت ہے وہ اپنی عادت سے باز نہیں آئیں گے۔"

"آپا چائے پی لو غصہ ختم کردو۔" تقدیس نے آ کر سیرت کا شانہ پکڑ کر دھیرے سے کہا تو سیرت اسے دیکھنے لگی۔ سیرت زردہ لگ رہی تھی۔

"دیکھو آپا تمہاری بات اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے مگر اپنے اردگرد بھی تو دیکھو ناں' وہ گلی کے کونے پر جو بلقیس آپا رہتی ہیں ان کی عمر دیکھی ہے اب تو ان کی شادی ہونا بھی ناممکن ہے لیکن پھر بھی آج بھی کہیں رشتے کا آسرا ہوتا ہے تو وہ پارلر جا کر ڈھیروں پیسہ خرچ کرتی ہیں ان کی اماں بوڑھی ہوکر بھی بھاگ بھاگ کر آنے والوں کا سواگت کرتی ہیں محض ایک آس پر..... تم تو الحمدللہ ہر لحاظ سے

اچھی ہوا اماں۔ بے چاری کو کیوں منع کرتی ہو ان کو کرنے دیا کر وہ جو بھی کریں۔۔۔۔۔۔ میری پیاری آپا غصہ تھوک دو اور جلدی سے نہا کر فریش ہو جاؤ میں نے تمہارے کپڑے پریس کر کے رکھ دیئے ہیں اماں کو دکھی نہ کرو۔۔۔۔۔۔" تزکیہ کی آواز بھیگنے لگی۔ سیرت نے سر اٹھا کر تزکیہ کی طرف دیکھا سیرت کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں بہت ساری خوشیاں دے آپا۔" تزکیہ نے آگے بڑھ کر سیرت کو گلے لگا لیا۔

"بس کرو زیادہ اماں بننے کی ضرورت نہیں، آتی ہوں فریش ہو کر۔" سیرت نے خود پر قابو پاتے ہوئے مصنوعی غصے سے کہا تو تزکیہ مسکرا دی۔

خلاف توقع اس بار آنے والی خواتین نے ایک نظر دیکھتے ہی گھر سلیقہ اور سیرت سے بات کرتے ہی فیصلہ سیرت کے حق میں دے دیا اور شگون کے طور پر کچھ پیسے بھی سیرت کے ہاتھ میں رکھ دیئے۔ اماں نے حیرت سے اور خوشی سے آنے والوں کے مثبت رویے کو دیکھا۔

"اب آپ لوگ بھی جلدی سے آ کر ابصار کو دیکھ لیں۔" جاتے جاتے لڑکے کی والدہ نے سیرت کو پیار کر کے ناظمہ بیگم کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"جی جی ضرور۔" ناظمہ بیگم خوش دلی سے بولیں۔

"ارے واہ بھئی مزا آ گیا۔" سیرت کو درمیان میں لے کر تزکیہ اور تقدیس بھنگڑا ڈالنے لگیں۔ سیرت زیر لب مسکرانے لگی۔

اتوار کی چھٹی تھی الیاس صاحب اور ناظمہ ابصار کے گھر گئے گھر بھی اچھا خاصا تھا۔ ابصار خوش شکل اور خوش اخلاق نوجوان تھا۔ جاب بھی معقول تھی ضروری فارملیٹیز کے بعد ابصار کے حق میں فیصلہ دے دیا گیا۔ ابصار کی والدہ کو شادی کی جلدی تھی اس لیے زور و شور سے تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ اچھی خاصی تیاری تو ناظمہ بیگم نے پہلے سے ہی کر رکھی تھیں اس کے علاوہ بھی بیسیوں کام تھے تزکیہ اور تقدیس بھی خوب تیاریاں کر رہی تھیں سہیلیوں کے ساتھ مل کر خوب گانے گاتیں، شور ہنگامے اور سارے

ارمان نکالے سیرت اور دعاؤں کے سنگ سیرت رخصت ہو گئی۔ سیرت کی رخصتی پر سب ہی آبدیدہ تھے مگر سب سے زیادہ الیاس صاحب روئے تھے ان کو اپنی بیٹیوں سے بے حد محبت تھی مگر دوسری جانب مطمئن بھی تھے کہ ایک بیٹی کو احسن طریقے سے اپنے گھر کا کر دیا تھا ایک بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہونے پر اللہ پاک کا شکر ادا کر رہے تھے۔

جہاں ابصار محبت کرنے والا اور خیال رکھنے والا تھا وہیں اس کی والدہ بھی بہت سیدھی سادی اور خیال رکھنے والی خاتون تھیں سیرت جب خوشی خوشی آتی اور مسکراتے ہوئے واپس سسرال لوٹتی تو الیاس صاحب اور ناظمہ بیگم ڈھیروں شکر ادا کرتے۔ ابصار تزکیہ اور تقدیس کو بھائی کی کمی نہ ہونے دیتا اور بہنوں کی طرح خیال رکھتا اسی طرح الیاس صاحب اور ناظمہ بیگم کی دل سے عزت کرتا۔ سیرت رات کو رکنے کے لیے بہت کم آتی تھی کیونکہ پیچھے ابصار کی والدہ اکیلی رہ جاتیں اس لیے اکثر شام کو آ جاتی۔ چاروں مل کر خوب ہنگامہ کرتے۔ کیرم بورڈ اور لوڈو کی بازیاں لگتیں۔ الیاس احمد اور ناظمہ بیگم ان لوگوں کو دیکھ کر مسکراتے رہتے۔ اللہ پاک کا شکر ادا کرتے کہ اللہ پاک نے ان کے آنگن میں کتنی خوشیاں اور رحمتیں بھیج دی تھیں۔

وقت تھوڑا سا آگے بڑھا۔ سیرت ایک پیارے سے بیٹے کی ماں بن گئی۔ خوب خوب خوشیاں منائی گئیں اور اللہ پاک کا شکر ادا کیا گیا۔ تزکیہ نے بی ایس سی کر لیا اب ناظمہ بیگم تزکیہ کے لیے رشتہ تلاش کرنے لگیں۔ کافی دن بعد سیرت رہنے کے لیے آئی تھی اس کی ساس کسی رشتے دار کے پاس گئی ہوئی تھیں تو انہوں نے جاتے جاتے تاکید کی تھی کہ تم بھی دو دن اپنی امی کے گھر رہ آؤ۔ سیرت رہنے کے لیے آئی تو تزکیہ اور تقدیس بے حد خوش ہوئیں۔ منے کے ساتھ خوب مستیاں ہو رہی تھیں۔ سیرت کو اماں کے ہاتھ کے پراٹھے پسند تھے اس لیے آج ناشتے میں آلو کے پراٹھے ناظمہ بیگم نے پکائے تھے ناشتے کے بعد سب بیٹھے لنچ ڈیسائیڈ کر رہے تھے الیاس صاحب بھی گھر پر تھے۔

"آپا آج اپنے ہاتھوں کا پلاؤ پکا کر کھلاؤ بہت دن ہوگئے ہیں۔" تقدیس نے سیرت سے کہا تو سیرت مسکرائی۔

"اوکے میں پکاتی ہوں۔" سیرت نے کہا تب ہی فون کی گھنٹی بجی الیاس صاحب نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا۔

"اچھا......؟ کب ٹھیک ہے میں آتا ہوں...... آپ فکر نہ کریں۔" وہ بے حد گھبرائے ہوئے جلدی جلدی جملے ادا کررہے تھے۔

"ابا جی کیا ہوا؟" ان کے چہرے کی بدلتی رنگت اور پریشانی دیکھ کر تینوں بیٹیاں قریب آ گئیں۔

"شبانہ آپا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ وہ اسپتال میں ہیں میں اسپتال جارہا ہوں۔" الیاس صاحب نے بے حد گھبرائے ہوئے تھے۔

"ارے ارے دومنٹ رکیے...... میں بھی چلتی ہوں آپ کے ساتھ۔" ناظمہ بیگم نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"جلدی سے تیار ہوکر آجاؤ۔" الیاس صاحب نے کہا وہ بہت پریشان تھے آخر کو بڑی بہن تھیں۔

"بس میں نے کیا تیار ہونا ہے۔" ناظمہ بیگم نے کھونٹی سے چادر اتار کر اوڑھتے ہوئے کہا اور ان کے ساتھ ہوگئیں۔ اسپتال کے کوریڈور میں خالد صاحب' فاران اور اس کی بیوی نوید مل گئے۔ خاصے پریشان تھے۔

"پریشان مت ہوں خالد بھائی اللہ بہتر کرے گا۔" الیاس صاحب بہنوئی کے پاس بیٹھ گئے۔ ناظمہ بیگم نے فاران کو تسلی دی۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر نے آکر بتایا کہ اب طبیعت بہتر ہے تو سب نے خدا کا شکر ادا کیا۔

ناظمہ بیگم کی آنکھیں نم ہوگئیں کہ اللہ پاک نے کرم کردیا تھا۔ ساری زندگی آپا شبانہ نے بھائی بھاوج کو اہمیت دی تھی نہ بڑے ہونے کا کوئی رشتہ نبھایا تھا۔ ہمیشہ کمتر اور کم حیثیت جانا' بیٹیوں کی پیدائش کا قصوروار اور الیاس صاحب نے ہمیشہ رشتے کے حساب سے بہن کی عزت کی ان کو ان کا مقام دیا۔ سارا دن ہی دونوں میاں بیوی نے اسپتال میں گزار دیا کھانے پینے کا ہوش بھی نہ تھا۔ شام تک شبانہ بیگم کی حالت قدرے بہتر ہوگئی۔ رات ہونے لگی تھی اب مسئلہ تھا کہ شبانہ بیگم کے پاس رات کون رہے گا کیونکہ بہو نے تو صاف انکار کردیا تھا کہ وہ رات کو جاگ نہیں سکتی ویسے بھی دن بھر کی تھکی ہوئی ہے۔ تب ناظمہ بیگم جلدی سے بولیں۔

"ارے خالد بھائی...... آپ کیوں فکر کرتے ہیں میں رہ لوں گی۔ آپ سب لوگ گھر جائیں آرام کریں سارے دن کے تھکے ہوئے ہیں۔"

"ہاں چلیں یہ ٹھیک ہے صبح ہم آجائیں گے۔" فاران نے جلدی سے کہا۔ الیاس صاحب نے ستائشی نظروں سے بیوی کی جانب دیکھا تو شبانہ نے سر ہلایا۔ سیرت اور تقدیس نے سنا کہ اماں رکیں گی تو ان کو غصہ آ گیا۔

"ساری زندگی پھوپو نے ہمارے اور اماں کے ساتھ کیا کیا؟ آج ہماری اماں نے خدمات پیش کردیں۔" تزکیہ جو ابھی ناظمہ سے فون پر بات کرکے آئی تھی اب دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

"آپا ٹھیک ہے کہ پھوپو نے ساری زندگی ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے مگر اماں بتارہی تھیں کہ ان کی حالت ٹھیک نہیں اور نویدہ بھابی نے تو باقاعدہ چڑچڑاہٹ شروع کردی تھی اتنی بے زاری اور بدتمیزی سے چند گھنٹے گزارے کہ اماں کو برا لگا۔ ان کے آگے فاران بھائی تو بالکل بھیگی بلی بنے رہتے ہیں اماں کہہ رہی تھیں کہ سچ پھوپو پر بہت ترس آرہا ہے اس وقت وہ بہت بے بس اور مجبور ہیں دیکھو تو اللہ پاک کیسے کیسے حالات پیدا کرتا ہے کہ آج ہماری اماں ہی ان کی خدمت کررہی ہیں۔" تزکیہ نے بات مکمل کرکے دونوں بہنوں کو دیکھا تو سیرت اور تقدیس کے چہروں کا رنگ بھی بدلنے لگا۔

دوسرے دن صبح تینوں بہنیں کچن میں ناشتہ تیار کررہی تھیں۔ آج سیرت کو سسرال بھی واپس جانا تھا۔

"ابا جی...... اماں کب تک آئیں گی؟" تقدیس جو کبھی بھی اماں سے دور نہ ہوئی تھی ایک رات اماں کے بغیر گزار

کر وہ اداس ہو رہی تھی۔

"بس بیٹی میں ناشتے کے بعد جاؤں گا نوید آجائے گی اسپتال تو ناظمہ کو لے آؤں گا۔" الیاس صاحب نے کہا۔ تب ہی ابصار بھی آ گیا۔

"ٹھیک ہے ہم لوگ جاتے جاتے پھوپو کو دیکھتے ہوئے چلے جائیں گے۔" سیرت نے کہا۔

"اگر کوئی مسئلہ ہے تو کوئی بات نہیں سیرت میں آ کر لے جاؤں گا تمہیں۔" ابصار نے موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ابصار بھائی پلیز ایک دو دن کے لیے آپا کو چھوڑ دیں ناں۔" تقدیس نے کہا تو ابصار نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

الیاس صاحب اسپتال پہنچے تو ناظمہ بیگم کے ساتھ خالد صاحب بھی تھے۔ پتہ چلا کہ نوید ابھی سو رہی ہے اٹھ کر ناشتہ کر کے آئے گی۔ ناظمہ بیگم کافی تھکی ہوئی لگ رہی تھیں ساری رات جاگتی رہیں ویسے بھی ان کو بی پی کی شکایت بھی تھی۔ پھر ٹائم گزرتا رہا اور نوید کا کوئی پتہ تھا نہ ہی فاران آیا۔ کوئی کال بھی اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ خالد صاحب خاصے شرمندہ لگ رہے تھے یہی حالت شبانہ بیگم کی بھی تھی۔ وہ ویسے ہی شرمندگی محسوس کر رہی تھیں کل صبح سے ناظمہ بیگم ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوئی تھیں۔ دن کا ایک بج گیا تو الیاس صاحب نے کہا۔

"ناظمہ چلو تم گھر جا کر تھوڑا آرام کر لو۔"

"نوید آ جائے گی تھوڑی دیر تک تب تک میں بھی تو ہوں شبانہ کے پاس۔" خالد صاحب نے بھی کہا۔

"نہیں خالد بھائی آپا کے پاس کسی عورت کا ہونا ضروری ہے۔"

"ناظمہ تم تھک گئی ہو اب تمہیں آرام کرنا چاہیے۔ میں ٹھیک ہوں اب تم گھر جا کر آرام کر لو۔" شبانہ بیگم نے نحیف آواز میں ناظمہ بیگم سے کہا۔

"نہیں آپا میں ٹھیک ہوں آپ فکر نہ کریں۔" ناظمہ بیگم نے کہا تب ہی فاران آ گیا۔

"بیٹا نوید نہیں آئی؟" اسے اکیلا دیکھ کر خالد صاحب نے پوچھا۔

"جی پاپا...... اس کے سر میں درد ہے میڈیسن لے کر سو رہی ہے وہ نہیں آ سکتی۔ رات بھر اس کی نیند ڈسٹرب رہی۔" فاران کے دوٹوک جواب پر شبانہ بیگم کا چہرہ یک دم پھیکا پڑ گیا۔

"بیٹا تمہاری ممانی بھی رات بھر جاگتی رہی ہیں ان کو بھی آرام کی ضرورت ہے، گھر چھوڑ کر کل صبح سے یہاں پر ہیں۔" خالد صاحب کا لہجہ تھوڑا تلخ ہوا۔

"ارے نہیں بھائی صاحب ایسی کوئی بات نہیں گھر میں بچیاں ہیں کوئی مسئلہ نہیں...... مجھے تو جاگنے کی عادت بھی ہے دو چار دن کی بات ہے ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ناظمہ بیگم نے جلدی سے کہا تو الیاس صاحب کے ساتھ ساتھ خالد صاحب نے بھی ستائشی نظروں سے دیکھا جب کہ شبانہ بیگم کے چہرے پر ندامت کے ساتھ ساتھ احسان مندی بھی تھی۔

قدم قدم پر شبانہ بیگم نے ناظمہ بیگم کی تذلیل کی تھی۔ طنز کا نشانہ بنایا، ہر موقع پر انہیں بیٹیاں پیدا کرنے اور بھائی پر بوجھ ڈالنے کے طعنے دیتی رہیں، مگر آج وہی ناظمہ بیگم جو ہمیشہ سے ان کی دل جلی باتوں کا شکار رہیں۔ کتنی خوش اسلوبی اور محبت سے ان کا خیال رکھ رہی تھیں اپنی نیند اور چین حرام کر کے ماتھے پر شکن تک نہ لائیں مسکراتے ہوئے اپنی خدمات پیش کر رہی تھیں۔ تب شبانہ بیگم کو اپنی زیادتیاں اپنی تنک مزاجی یاد آ گئی۔ ان کو شرمندگی ہو رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو تھے۔

"اچھا ٹھیک ہے ناظمہ میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لے آتا ہوں۔" الیاس صاحب نے کرسی اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... نہیں الیاس میاں آپ رہنے دیں میں فاران سے کہہ کر منگوالوں گا۔" خالد صاحب جو پہلے ہی ناظمہ بیگم کی ہمدردی سے متاثر تھے جلدی سے بولے۔

"اچھا آپا...... میں چلتا ہوں شام کو پھر چکر لگاؤں گا۔"

الیاس صاحب نے شبانہ کے قریب جا کر ملائمت سے کہا تو شبانہ بیگم نقاہت سے سر ہلا کر رہ گئیں۔

لگا تار تین دن تک ناظمہ بیگم اسپتال میں رہیں۔ مسلسل جاگنے بے آرامی اور نیند نہ ہونے کی وجہ سے ان کا بی پی ہائی ہوگیا۔ نوید تو بس آتی تو کچھ دیر کے لیے پھر کچھ نہ کچھ بہانہ کر کے واپس چلی جاتی فاران بھی کچھ نہ کہتا طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو شبانہ بیگم نے زبردستی ان کو گھر بھیج دیا کہ تم اپنا چیک اپ کراؤ اور دوا لو۔ ناظمہ بیگم گھر تو چلی گئیں دوا بھی لے لی مگر ان کا دل گھر میں بالکل نہیں لگا۔ ابھی شبانہ بیگم کی طبیعت اس قابل نہیں تھی کہ انہیں یوں چھوڑا جاتا ایک عورت کا ساتھ ہونا ضروری تھا خالد صاحب تو ساتھ رہتے مگر وہ خود بیچارے بھی بی پی کے مریض تھے شوگر بھی ہائی رہتی وہ خود بیمار رہتے تھے۔

"الیاس احمد...... مجھے آپا کی بہت فکر ہورہی ہے۔ میں اب بہتر ہوں میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔" شام کو الیاس احمد اسپتال جانے کے لیے تیار ہوئے تو ناظمہ بیگم نے کہا۔

"ارے نہیں ناظمہ...... خدانخواستہ تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو الگ پریشانی ہوجائے گی۔ اللہ مالک ہے اللہ بہتر کرے گا۔" الیاس صاحب نے بیوی کی جانب پرستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں خود آرام کی ضرورت ہے ناظمہ۔"

"ابا جی...... اماں کو آرام کہاں...... جب سے آئی ہیں پھوپو کے لیے پریشان ہیں ان ہی کی باتیں کیے جارہی ہیں ڈھنگ سے سوئی بھی نہیں۔" تزکیہ نے جو ابھی کمرے میں آئی تھی درمیان میں بولی۔

"ہاں بیٹی...... شاباش ہے تمہاری ماں پر کہ وہ اتنا صاف دل رکھتی ہیں۔ گزشتہ زیادتیوں کو بھلا کر جس محبت سے انہوں نے آپا کا خیال رکھا ہے میرا سر فخر سے بلند ہوگیا ہے۔" الیاس صاحب نے ناظمہ بیگم کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اعتراف کیا۔

"اچھا اماں چلیں ایسا کرتے ہیں کہ دن میں پھوپو کے پاس میں رہوں گی اور رات کو آپ چلی جایا کریں اس طرح آرام بھی مل جائے گا اور ٹائم بھی پاس ہوجائے گا۔ کچھ دنوں کی تو بات ہے۔" تزکیہ نے حل پیش کیا۔

"گڈ آئیڈیا۔" الیاس صاحب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"دیکھا بیگم ہماری بچی بھی کتنی سمجھدار ہے کتنا اچھا حل نکالا ہے۔ یہ بہتر ہے ناں؟" ناظمہ بیگم مسکرا دیں۔ دوسرے دن صبح الیاس صاحب تزکیہ کو لے کر اسپتال آگئے۔

"السلام علیکم پھوپو آپ کیسی ہیں؟" تزکیہ شبانہ بیگم کے قریب آ گئی۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو...... الیاس اس بچی کو کیوں لے کر آگئے ہو پریشان ہوگی۔ دن میں خالد تو ہوتے ہیں میرے پاس۔"

"پھوپو کیسی باتیں کررہی ہیں پریشانی کیسی؟ ویسے بھی اماں کہہ رہی تھیں آپ بہت بولتی ہیں اسی لیے جب تک میں رہوں گی صرف میں بولوں گی اور آپ سنیں گیں ویسے بھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے میں آپ سے اچھی اچھی باتیں کروں گی کہ آپ کا مائنڈ فریش ہوجائے گا۔" تزکیہ نے شبانہ بیگم کے سر پر ہاتھ رکھ کر بالوں کو سہلاتے ہوئے مزاحیہ لہجے میں کہا تو شبانہ بیگم کی آنکھیں بھر آئیں۔ انہوں نے تزکیہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریب کر کے ماتھے پر بوسہ لیا یہ وہ بچیاں تھیں جن کو ساری زندگی پھوپو کا پیار نصیب نہیں ہوا تھا۔

"اللہ پاک تمہیں بھی خوشیاں دے شاد رکھے۔" انہوں نے دعا دی۔

"آمین ثم آمین۔" تزکیہ مسکرائی اور خالد صاحب کی جانب پلٹی۔ "پھوپا جان آپ بھی اب گھر جائیں بالکل پرسکون ہو کر شام تک آرام کریں پھر آجایئے گا آج میں اور پھوپو سارا دن خوب گپ شپ لگائیں گے۔"

"اچھا گڑیا......" خالد صاحب مسکرا دیئے کتنی پیاری اور معصوم بچی ہے بچپن ہی دل میں ہو چلا۔

یہ بھی پرائیوٹ روم تھا۔ درمیان میں خاصی کھلی جگہ تھی اور دیوار کے ساتھ بیڈ لگے تھے ساتھ ہی الماریاں اور کرسیاں پڑی تھیں۔ دوپہر میں اس بیڈ پر ایک خاتون آ گئیں ان کے ساتھ ایک لڑکا تھا۔ ادھیڑ عمر کی سوبر اور اچھی فیملی کی خاتون لگ رہی تھیں۔ الیاس صاحب اور خالد صاحب بھی گھر چلے گئے جاتے جاتے تاکید کر گئے کہ ''اگر خدانخواستہ طبیعت ذرا سی بھی بگڑے تو فوراً کال کر دینا۔''

''ارے آپ لوگ فکر نہ کریں دیکھنا میں کیسے پھوپو کو فٹ فاٹ کر دوں گی اصل دوا تو پھوپو کو ابھی تک ملی ہی نہیں۔'' تزکیہ اتراتے ہوئے بولی تو دونوں ہنس دیئے۔

دونوں کے جانے کے بعد اس نے شیلف کا جائزہ لیا۔ ضرورت کی چیزیں موجود تھیں ساتھ ہی ناریل کے تیل کی شیشی بھی رکھی تھی۔ دوسرے بیڈ پر لیٹی خاتون نیند میں تھیں۔ کبھی کبھی آنکھ کھول کر دیکھ لیتیں پھر آنکھیں بند کر لیتیں۔ تزکیہ نے بھی بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

''پھوپو آپ کے بال کتنے روکھے ہو گئے ہیں آئیں میں آپ کو تیل لگا دوں۔'' تزکیہ نے شبانہ بیگم کے لمبے مگر روکھے اور بے رونق الجھے بالوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ان کو تکیے کا سہارا دے کر تھوڑا سا اونچا کر کے بٹھایا اور آہستہ آہستہ ان کے سر میں تیل کی مالش کرنے لگی نرم و ملائم ہاتھوں سے تیل جذب کر رہی تھیں۔ شبانہ بیگم کو سکون محسوس ہو رہا تھا ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں کتنا اچھا لگ رہا تھا ایسی مالش تو کبھی کسی نے نہیں کی اور کرتا بھی کون ایک بہو تھی وہ بھی نک چڑھی بدتمیز اور زبان دراز اور کوئی تھا نہیں۔ پھر تزکیہ نے شبانہ بیگم کا منہ دھلوایا بالوں کی چٹیا بنائی صاف ستھری ہو کر شبانہ بیگم خود کو فریش محسوس کر رہی تھیں۔ سامنے بیڈ پر لیٹی خاتون سوتے جاگتے خاموشی سے دیکھ رہی تھیں ان کے ساتھ آنے والا لڑکا شاید دوائیں وغیرہ لینے گیا ہوا تھا۔ تزکیہ نے دیکھا تو وہ ہولے سے مسکرائیں۔

''السلام علیکم۔'' تزکیہ نے حسب عادت سلام کر دیا۔

''وعلیکم السلام بیٹی۔'' انہوں نے نحیف لہجے میں جواب دیا۔

''آنٹی آپ اکیلی ہیں؟'' تزکیہ نے سوال کیا۔ ''آپ کے ساتھ جو صاحب تھے وہ چلے گئے کیا؟''

''نہیں بیٹی میرا بیٹا نیچے گیا ہے آتا ہوگا۔'' انہوں نے جواب دے کر سوال کر ڈالا۔ ''یہ تمہاری والدہ ہیں؟'' اشارہ شبانہ بیگم کی جانب تھا۔

''نہیں یہ میری بھتیجی ہے میرے چھوٹے بھائی کی بچی۔'' تزکیہ کے جواب دینے سے پہلے شبانہ بیگم بولیں ان کے لہجے میں ستائش تھی۔

''ماشاءاللہ اللہ سلامت رکھے۔ بہت خدمت گزار اور پیاری بچی ہے۔'' انہوں نے تعریفی نظروں سے تزکیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں الحمدللہ...... اللہ پاک نصیب اچھے کرے آمین۔'' شبانہ بیگم نے کہا اسی وقت ان خاتون کا بیٹا آ گیا اور تزکیہ شبانہ بیگم کے بیڈ کے پاس آ گئی اور پردہ برابر کر کے اپنا پورشن سیپرٹ کر لیا تھا۔ سارا دن وہ پھوپو کے ساتھ رہی ان سے مزے مزے کی باتیں کرتی رہی۔ کھانا اور دوا وقت پر دیتی رہی۔ شبانہ بیگم کچھ دیر کے لیے سو بھی گئیں شام تک اس طرح مصروف رہی شام کو ناظمہ بیگم کو لے کر الیاس صاحب اور خالد صاحب بھی آ گئے تھے۔ ناظمہ بیگم آئیں تو خاتون سے سلام دعا کی اور تھوڑی بہت بات چیت کی تو پتہ چلا کہ وہ خاتون سلمٰی بیگم جن کا کوئی قریبی رشتے دار نہ تھا وہ بیوہ خاتون تھیں شوہر اچھے خاصے پیسے والے تھے اور پھر ان کا بیٹا ابریز بھی کسی غیر ملکی کمپنی میں اچھی اور معقول جاب کرتا تھا۔ مغرب ہو چکی تھی ابریز کو جانے کی فکر بھی تھی والدہ کو دیکھنے کے لیے کوئی خاتون نہ تھیں تب ناظمہ نے اس کو تسلی دی۔

''بیٹا فکر مت کرو میں ہوں ناں۔ میں تمہاری والدہ کو بھی دیکھ لوں گی۔ ویسے بھی مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔''

''شکریہ آنٹی بہت مہربانی ہوگی آپ کی۔'' ابریز نے تشکرانہ لہجے میں کہا۔

''ارے نہیں بیٹا ایسی کوئی بات نہیں ہے اگر ہم کسی کے

کام آجائیں تو یہ ہماری خوش نصیبی ہوتی ہے کہ اللہ پاک نے ہم سے نیکی کا کام لیا ہے۔''

''اوکے پھوپو اب اجازت دیں کل پھر آجاؤں گی صبح آپ کو تنگ کرنے کے لیے۔'' تزکیہ سر پر چادر اوڑھ کر واپسی کی تیاری کرکے شبانہ بیگم کے پاس آکر شرارت سے بولی۔

''اوکے آنٹی صبح ملیں گے۔ ان شاء اللہ سلمیٰ بیگم کو اپنی جانب متوجہ پاکر تزکیہ نے ان کو بھی مخاطب کیا۔ ان شاء اللہ سلمیٰ بیگم مسکرادیں۔

سلمیٰ بیگم اچھی ملنسار خاتون تھیں ان کو تزکیہ اچھی لگی تھی معصوم ملنسار اور پرخلوص لڑکی تھی سلمیٰ بیگم کی طبیعت میں دو دن میں بہتری آگئی تھی۔ ان کی شبانہ بیگم اور ناظمہ بیگم سے کافی باتیں ہوئیں ان کو یہ دونوں خواتین اچھی لگی تھیں سلمیٰ بیگم نے اپنا موبائل نمبر دے کر دونوں کا نمبر لے لیا تھا۔

تزکیہ دن میں آئی تو شبانہ بیگم کے ساتھ ساتھ سلمیٰ بیگم کے بھی چھوٹے موٹے کام کردیتی ان کا بھی خیال رکھتی اور بدلے میں سلمیٰ بیگم اسے ڈھیروں دعائیں دیتیں۔ سلمیٰ بیگم نے اپنے بارے میں بتایا تھا کہ ان کی لو میرج ہوئی تھی جس کی وجہ سے اپنے خاندان سے بالکل تعلق ختم ہوچکا تھا۔ کچھ سال پہلے ان کے شوہر کی وفات ہوگئی تھی ان کی رہائش پوش ایریا میں تھی سلمیٰ بیگم کی دیکھ بھال کے لیے ایک کل وقتی ملازمہ بھی رکھی ہوئی تھی وہ چاہتی تھی کہ ابریز شادی کرلے مگر...... پھر سلمیٰ بیگم کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو ان کو ڈسچارج کردیا گیا۔ ان کو شبانہ بیگم کی فیملی اچھی لگی تھی جو رشتوں کی قدر کرنا جانتے تھے جس کا انہوں نے برملا اظہار بھی کردیا تھا۔

''میں نے آپ کے یہاں محبت خلوص اور رشتوں میں سچائی دیکھی ہے میں تو ساری زندگی رشتوں کے لیے ترستی رہی ہوں۔'' سلمیٰ بیگم کی آواز رندھ گئی۔ تزکیہ نے جلدی سے بوتل سے پانی نکال کر گلاس میں ڈالا اور ان کو پلایا۔ شبانہ بیگم نے ان کی جانب دیکھ کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''سلمیٰ بہن آپ سے ان شاء اللہ ہم رابطے میں رہیں گی' میرے بھائی بھاوج اور اس کی بچیاں بہت اچھی ہیں اللہ پاک ان کو اجر دے وہ لوگ بھی آپ سے رابطے میں رہیں گے۔'' سلمیٰ بیگم سر ہلا کر رہ گئیں۔

''پھوپو سلمیٰ آنٹی بیچاری کتنی دکھی اور اکیلی ہیں ناں......؟ ایک بیٹا ہے وہ بھی ظاہر ہے اپنے کام میں بزی رہتا ہوگا نوکروں کے ساتھ بھلا کیا باتیں کرتی ہوں گی مجھے بہت ترس آیا ہے ان پر۔'' سلمیٰ بیگم کے جانے کے بعد تزکیہ نے دکھ بھرے لہجے میں شبانہ بیگم کو مخاطب کرکے کہا۔

''ہاں بیٹی یہ دنیا ہے یہاں ہر قسم کے لوگ ہیں کہیں پیسہ ہے تو سکون نہیں' کہیں سکون ہے تو پیسہ نہیں غربت اور افلاس سے تنگ آکر لوگ خودکشی کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ کہیں بے تحاشہ دولت ہے مگر بے اولاد ہوتے ہیں اور کہیں...... وہ ایک لمحے کے لیے رکیں اور ٹھنڈی سانس بھری تزکیہ نے بغور ان کے دھواں دھواں چہرے کی جانب سوالیہ نگاہ اٹھائی۔ ''کہیں یہ سب کچھ ہے لیکن...... وہ سکھ نہیں' محبت اور اپنائیت نہیں' اولاد کے دلوں میں ماں باپ کی محبت نہیں۔'' ان کا لہجہ حد درجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ تزکیہ چونکی نویدہ اور فاران بھی تو ایسی اولاد میں شامل تھے اور چند دنوں میں تزکیہ نے اندازہ لگالیا تھا کہ پھوپو کی بہو کتنی بے حس اور بدتمیز ہے۔

''ارے واہ پھوپو دیکھیں تو کتنے مزے کا میسج آیا ہے۔'' تزکیہ نے پھوپو کو اداس دیکھ کر فوراً ان کی توجہ ہٹانے کی کوشش کی۔ شبانہ بیگم اس پیاری لڑکی کو دیکھنے لگی جو چند دنوں میں کس طرح سے چہرہ پڑھنا سیکھ چکی تھی اور اندرونی کیفیت کو سمجھنے لگی تھی۔ دوسرے دن شبانہ بیگم کو ڈسچارج کردیا گیا۔ ڈاکٹر نے دواؤں کے ساتھ ساتھ بہت ساری ہدایات اور احتیاط بھی بتائی تھی۔

''آپا ایک بات کہوں۔'' ناظمہ بیگم نے سامان سمیٹتے ہوئے شبانہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ارے ناظمہ...... بھلا تمہیں اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟ تم...... تم نے تو مجھے خرید لیا ہے۔ مجھے معاف کردینا ناظمہ میں نے...... میں نے ساری عمر تم سے اور تمہاری بچیوں کے ساتھ سرد مہری برتی' کبھی بھی خلوص اور محبت بھری ایک نگاہ بھی نہ ڈالی اپنے رشتہ اور بڑے پن کا کہیں بھی کبھی بھی ثبوت نہیں دیا' ہمیشہ طنز کا نشانہ ہی بنایا۔ کبھی بھی تم لوگوں سے ہمدردی کے دو بول نہ کہے مگر...... مگر...... ان چند دنوں میں تم نے اور تمہاری بچیوں نے جس طرح میرا خیال رکھا' میری ضرورتوں کو کہے بنا سمجھا اور پورا کیا' اپنی نیند' چین قربان کرکے مجھے جس طرح سنبھالا اس وقت جب کہ میں مجبور' بے بس اور لاچار تھی۔ اس وقت تم لوگوں نے میرا ساتھ دیا۔ نہ میرے تلخ رویے کو یاد کیا نہ میری سرد مہری کو جواز بنا کر مجھ سے کنارہ کشی اختیار کی...... میری اولاد سے زیادہ میرا خیال رکھا...... دل کرتا ہے تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں۔"

"ارے ارے آپا...... خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں...... مجھے شرمندہ نہ کریں جو ہوگیا ہے سو ہوگیا ہے اس کا ذکر کرکے یا معافی مانگ کر ہمیں شرمندہ نہ کریں۔ اگر آپ نے کچھ کہا بھی تو بھائی کی محبت میں کہا' اگر آپ کی جگہ میں ہوتی تو...... شاید میں بھی ایسا سوچتی۔"

"نہیں ناظمہ...... میں نے حقیقت میں زیادتی کی...... اب تو اللہ پاک سے دعا ہے اللہ پاک تمہاری بچیوں کو لمبی زندگی عطا کرے' ان کے نصیب بلند کرے' تمہاری بیٹیاں تو قابل فخر ہیں' میرے لبوں پر ہر دم یہی دعا رہتی ہے۔ اللہ پاک سب کو خیر سے اپنے اپنے گھر کا کردیں اور شاد آباد رہیں (آمین)۔"

"بس آپا...... دعائیں ہی چاہیں اور کچھ نہیں۔" ناظمہ بیگم جذب سے بولیں پھر سر پر ہاتھ مار کر بولیں۔

"ارے دیکھیں جو بات کہنی تھی وہ تو درمیان میں رہ گئی۔"

"ہاں ہاں بولو۔" شبانہ بیگم نے کہا۔

"آپا...... میں یہ کہہ رہی تھی کہ اگر آپ یہاں سے کچھ دن کے لیے ہمارے گھر میں چلیں خالد بھائی سے اجازت لے لیں' ویسے بھی وہ آپ کا اپنا گھر ہے اور آپ کے بھائی اور بچیوں کو بھی بہت اچھا لگے گا۔" ناظمہ کی بات پر شبانہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"ناظمہ...... مجھے تمہارے ساتھ جانے میں دلی خوشی ہوگی مگر تم لوگ پہلے ہی میرے لیے اتنا کچھ کرچکے ہو۔" شبانہ بیگم نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"آپا...... کیسی باتیں کررہی ہیں آپ......؟ ہمیں تو بہت خوشی ہوگی۔ میرا تو ہمیشہ سے بہت دل کرتا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہیں۔" ناظمہ بیگم کا لہجہ آزردہ ہوگیا۔

"شبانہ...... کچھ دن کے لیے چلی جاؤ۔" خالد صاحب جو تھوڑی دیر پہلے ہی روم میں داخل ہوئے تھے درمیان میں بولے۔

"میں روز آجاؤں گا تمہاری خیریت لیتا رہوں گا۔" ناظمہ بیگم نے گھر کال کرکے تزکیہ اور تقدیس کو بتایا کہ پھوپو کو لے کر آرہی ہیں' پھوپو کے لیے بستر لگادو۔

تزکیہ نے برآمدے سے تخت اٹھوایا اور تقدیس کی مدد سے اسے اپنے کمرے میں بچھا کر گدا ڈال دیا۔ نئی چادر نکال کر اس پر بچھادی۔ تکیے پر غلاف چڑھایا۔ نیا تولیہ نکال کر لٹکا دیا۔ چھوٹا سا اسٹول تخت کے ساتھ لگا کر رکھ دیا تاکہ پھوپو کی دوائیں اور دوسرا سامان وہاں پر رکھ دیں۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق پھوپو کے لیے چکن سوپ' پورچ تیار کردیا۔ دونوں کو پھوپو کے آنے کی خوشی ہورہی تھی پہلی بار پھوپو آرہی تھیں۔ اب ایک خوش گوار تعلق قائم ہوچکا تھا۔ پھر شبانہ بیگم کو لے کر ناظمہ اور خالد صاحب آگئے۔ ان کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں اس گھر میں جب بھی آتیں دل میں بغض رکھ کر ہی آتی تھیں مگر دلوں کی رنجشیں ہوچکی تھی۔ شبانہ بیگم کے آنے سے گھر میں غیر معمولی خوش گوار چہل پہل ہونے لگی تھی۔

سیرت بھی چکر لگالیتی۔ خالد صاحب بھی روزانہ آجاتے۔ الیاس صاحب زبردستی ان کو کھانے پر روک

لیتے۔ دیر تک بیٹھ کر باتیں کرتے۔ تقدیس اور تزکیہ شبانہ بیگم کے آگے پیچھے لگی رہتیں۔ کھانے کا' دوا کا' صفائی کا خیال رکھتیں ان کے پیر دباتیں' سر میں تیل لگا کر مالش کرتیں۔ شبانہ بیگم کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔ کتنی محبت سمیٹ رہی تھی وہ یہاں آ کر سکون اور اطمینان کا احساس ہوتا۔ شبانہ بیگم تقریباً ہفتہ بھر رہیں خوب رونق لگی رہی۔ الیاس صاحب کو بھی بہت اچھا لگتا تھا بڑی بہن تھیں دل صاف ہو چکے تھے یہی اچھی بات تھی۔ شبانہ بیگم نے جاتے جاتے بھاوج اور بھتیجیوں کو دامن پھیلا پھیلا کر دعائیں دیں۔

تزکیہ اور تقدیس کے پیپرز بھی ہونے والے تھے۔ پھوپو کے جانے کے بعد دونوں نے پڑھائی پر دھیان دینا شروع کیا۔ پڑھنے میں ویسے بھی اچھی تھیں نمایاں کامیابی حاصل کرتیں پھر بھی ایگزامز کے زمانے میں دونوں کو کسی چیز کا ہوش نہ رہتا۔ کھانے پینے تک کا خیال نہ رہتا۔ ناظمہ بیگم بھی ان کے کھانے پینے کا خیال رکھتیں۔ ان کی ضرورتوں کا خیال رکھتیں اور دونوں بس پڑھائی میں ہی مگن رہتیں۔ آخر اللہ اللہ کر کے امتحان ختم ہوئے تو ان دونوں کے ساتھ ساتھ الیاس احمد اور ناظمہ بیگم نے بھی سکھ کا سانس لیا۔

اس روز موسم بہت خوش گوار تھا آج الیاس صاحب کی بھی چھٹی تھی۔ صبح سے ہی آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ہواؤں اور ہلکی بارش نے موسم کو مزید حسین بنا دیا تھا۔ ناظمہ بیگم نے الیاس صاحب کی فرمائش پر پکوڑے تیار کیے تھے۔ ساتھ ہی تزکیہ جو نت نئی ڈشز ٹرائی کرتی رہتی تھی اس نے کچوریاں اور چٹنی بنائی تھی۔ برآمدے میں بیٹھے سب لوگ موسم کے ساتھ ساتھ چائے اور ساون کے پکوان سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ ناظمہ بیگم کا فون بجنے لگا۔ تزکیہ نے دیکھا اسکرین پر سلمیٰ آنٹی کا نمبر تھا۔

"اماں سلمیٰ آنٹی کی کال ہے۔" تزکیہ نے قدرے حیرانی سے دوبارہ اسکرین کو غور سے دیکھا اور سیل ناظمہ

رابعہ سعید۔ ملتان

بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں

السلام علیکم! قارئین جی ہاں! مجھے رابعہ سعید کہتے ہیں۔ نک نیم رابی ہے۔ گھر والے اسی نام سے پکارتے ہیں۔ ماشاء اللہ سے آٹھ بہنیں' تین بھائی ہیں۔ تین بہنوں کی شادی ہو چکی ہے۔ پھر چوتھے نمبر پر مجھ سے بڑی بہن فوزیہ ہے۔ ما بدولت کا نمبر پانچواں ہے۔ دونوں بہنوں نے دینی' دنیاوی تعلیم کمبائن حاصل کی ہے۔ مجھے سفید اور لیمن کلر بہت پسند ہے۔ کھانے میں چکن پلاؤ پسند ہے۔ شاعری بہت پسند ہے۔ خود لکھنے کی کوشش بھی کرتی ہوں۔ شاعروں میں وصی شاہ اور نازیہ کنول کی شاعری اچھی لگتی ہے۔ رائٹرز میں نازیہ عشاء' اقراء' عفت سحر بہت زبردست لگتی ہیں۔ ویسے تو سبھی خوب لکھتے ہیں۔ اللہ پاک ان سب کو مزید ہمت اور ترقی دے۔ کھیل میں کرکٹ کھیلنا اچھا لگتا ہے۔ آئیڈیل شخصیت ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ پاک ہمیں آپ ﷺ کی دی گئی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ زیادہ دوستیں نہیں بنائی صرف ایک ہی دوست ہے شائستہ گل۔ کتابیں نہ صرف پڑھنا پسند ہے بلکہ ان کو جمع کرنا بھی میرا شوق ہے۔ تحفہ میں بھی کتاب دینا اور لینا پسند کرتی ہوں۔ عادت کی خود کو بہت اچھی سمجھتی ہوں۔ مگر گھر والے نہیں سمجھتے ان کی نظر میں جھگڑالو ہیں۔ کھانا بہت لذیذ پکاتی ہوں۔ ذرا ذرا سی بات پر خفا ہونا میری فطرت ہے۔ حاضر جواب بھی ہوں۔ لوگ میری اس عادت سے بہت چڑتے ہیں۔ ناول انتہائی شوق سے پڑھتی ہوں۔ چار عدد بھانجے اور بھانجیاں ہیں۔ سب سے بہت محبت کرتی ہوں۔ ماں باپ کو بے پناہ چاہتی ہوں۔ اب اجازت دیں۔ اتنا برداشت کیا آپ کی نوازش ہے۔ اللہ حافظ۔

بیگم کی طرف بڑھایا۔

"اوہ......" ناظمہ بیگم نے جلدی سے کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم! جی...... الحمدللہ...... آپ کیسی ہیں...... طبیعت کیسی ہے......؟"

"آپا بھی الحمدللہ بالکل ٹھیک ہیں......؟ جی...... اچھا...... ضرور ضرور...... میں ایڈریس سینڈ کرواتی ہوں۔" جتنی دیر ناظمہ نے بات کی اتنی دیر الیاس صاحب کے ساتھ ساتھ تزکیہ اور تقدیس بھی ان کو غور سے دیکھتے رہے آخری جملے پر سب نے حیرانگی سے انہیں دیکھا۔

"جی جی...... ان شاءاللہ ضرور...... اللہ حافظ۔" ناظمہ بیگم نے بات ختم کرکے موبائل آف کیا۔

"کیا ہوا اماں......؟" تزکیہ نے سب سے پہلے سوال کیا۔

"ارے بھئی وہ سلمیٰ بیگم تھیں بہت اچھی ہیں بے چاری۔ اتنا پیسہ ہے مگر نام کو غرور نہیں ہے کل شام کو ہمارے یہاں آنے کا کہہ رہی تھیں۔ تم لوگ ذرا چائے کے ساتھ کچھ اہتمام کرلینا۔" ناظمہ بیگم نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ الیاس صاحب نے سوالیہ نظریں بیوی پر ڈالیں۔

"دراصل بے چاری تنہائی کا شکار ہے۔ خاندان سے کٹی ہوئی ہے اسپتال میں اچھی دوستی ہوگئی تھی ان سے تب ہی نمبر لے کر کہا تھا کہ آپ ہمارے گھر ضرور آئیں۔ میں تو بھول بھی گئی تھی مگر انہوں نے یاد رکھا۔" ناظمہ بیگم نے تفصیلاً کہا تو الیاس صاحب سر ہلا کر رہ گئے۔

"چلو آپا...... کل تم کوئی نئی ڈش تیار کرلینا۔ ویسے بھی آج کل تم تجرباتی ڈشز تیار کرتی ہو۔" تقدیس نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"اچھا...... کیا میں تجرباتی کھانے کھلا رہی ہوں بدتمیز لڑکی۔" تزکیہ نے غصے سے تقدیس کو گھور کر کہا۔

"ویسے بھئی یہ بات تو ماننے والی ہے کہ سارے تجربے خوش گوار اور خوش ذائقہ ہی ہیں اب تک۔" الیاس صاحب نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا تو تزکیہ نے اترا کر منہ بنایا۔

"اونہہ...... دیکھ لیا ناں تم نے چٹوری بلی۔" تقدیس مسکرادی۔

دوسرے دن اتفاق سے سیرت بھی آگئی۔ اس کا بیٹا کافی شریر تھا۔ سیرت آجاتی تو تزکیہ کی کچن سے چھٹی ہوجاتی۔

"ارے اماں...... اتنی امیر خاتون کیوں آرہی ہیں بھئی......؟" سیرت نے سنا تو شاکی لہجے میں پوچھا۔

"آپا سلمیٰ آنٹی بہت اچھی ہیں۔ دھیمے لہجے میں بات کرنے والی اور سوبر سی خاتون اتنا پیسہ ہے مگر لہجے میں انکساری اور عاجزی ہے تم بھی ملوگی ناں تو اچھا لگے گا۔" تزکیہ نے کہا تو سیرت چپ ہوگئی۔ شام کو سلمیٰ بیگم اپنے ڈرائیور کے ساتھ آئیں۔

ناظمہ بیگم نے سیرت کا تعارف کروایا۔ تقدیس اور تزکیہ کو وہ اسپتال میں دیکھ چکی تھی۔ تقدیس تو ایک بار ہی آئی تھی۔ جب کہ تزکیہ نے تو کافی وقت اسپتال میں گزارا تھا بلکہ سلمیٰ بیگم کے بھی بہت سے چھوٹے موٹے کام کردیتی ان کا بھی خیال رکھتی تھی۔ ناظمہ بیگم ان کو لے کر ڈرائنگ روم میں آگئیں۔ چھوٹا سا مگر صاف ستھرا سا ڈرائنگ روم جس کے کونے کونے میں ثبوت مل رہا تھا کہ یہ سگھڑ مکینوں کا گھر ہے۔ عام سے میٹریل کے دو صوفوں کے سیٹ پڑے تھے۔ درمیان میں شیشے کی میز اور دیواروں پر شیلف بنے تھے۔ شیلف پر ہاتھ کے بنے ہوئے خوب صورت شو پیز رکھے تھے۔ جب کہ میز پر بھی واز اور ٹشو بکس ہینڈ میڈ تھا۔ دیواروں پر لگی پینٹنگز بھی بچیوں نے ہی بنائی تھی۔

"ماشاءاللہ ناظمہ بہن...... آپ کا ڈرائنگ روم بہت خوب صورت طریقے سے سجایا گیا ہے سچ پوچھیں تو مجھے بہت اچھا لگا ہے یہاں ایک ایک چیز ہینڈ میڈ ہے۔" سلمیٰ بیگم نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کھلے دل سے تعریف کی تھی۔

"جی شکریہ...... یہ سب میری بچیوں کا سلیقہ ہے۔ خاص طور پر تزکیہ تو کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہتی ہے۔ آج کل کھانا پکانا سیکھ رہی ہے۔" ناظمہ بیگم نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"ہاں...... مجھے اسپتال میں اندازہ ہوگیا تھا کہ آپ بھی کچھ کم سگھڑ نہیں ہوں گی۔ بیٹی اچھی...... فرمان بردار

سلیقہ شعار اور نرم مزاج والی ہو تو اس کی ماں کی فطرت اور تربیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ بیٹی کا چال چلن، بات چیت، رہن سہن اور اس کے عمل سے ہی اس کی تربیت کا پتہ لگ جاتا ہے اور میں نے اسپتال میں تزکیہ کو اور آپ کو دیکھ کر ہی اندازہ لگالیا تھا کہ آپ نے اپنی بچیوں کی تربیت کس نہج پر کی ہے۔ اور آج یہاں آ کر میرے اندازے کو یقین میں بدل دیا اور...... اور...... میں چاہتی ہوں کہ تزکیہ کو اپنے اکلوتے بیٹے کی دلہن بنا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لے جاؤں جس طرح وہ یہاں پر ہے ویسے ہی میرے گھر کو بھی اپنے سلیقے، محبت اور پیار سے سجائے، سنوارے اور میرے گھر کی اداسی کو دور کردے اور میں اسی مقصد سے آج آپ کے پاس آئی ہوں۔"

"جی...... جی...... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ......؟" ناظمہ بیگم نے حیرت اور غیر یقینی سے سلمٰی بیگم کی جانب دیکھا۔ ابریز کو ناظمہ بیگم نے دیکھا تھا۔ خوب صورت، ہینڈ سم اور امیر نوجوان تھا۔

"ناظمہ بہن...... آپ اچھی طرح سے سوچ سمجھ لیں...... بھائی صاحب سے، شبانہ آپا سے مشورہ کرلیں ابریز کو آپ نے دیکھا ہوا ہے۔ میں آپ کے سامنے ہوں۔ آپ اگر مطمئن ہو جائیں تو ہمارے گھر آئیں اچھی طرح تسلی کر کے فیصلہ کریں۔ بس اتنا یقین رکھیں کہ میں تزکیہ کو اپنی بیٹی بنا کر رکھوں گی۔ میرے گھر میں اس کی حیثیت شہزادیوں جیسی ہوگی۔"

"جی...... جی سلمٰی بہن، میں آپ کو بتادوں گی سب سے مشورہ کرنے کے بعد۔" ناظمہ بیگم نے کہا تب ہی تزکیہ چائے اور دیگر لوازمات کی ٹرے سنبھالے آ گئی۔ سیرت اور تقدیس بھی آ گئیں اور باتیں کرنے لگیں۔ کچھ دیر بعد سلمٰی بیگم نے اجازت چاہی۔ سلمٰی بیگم چلی گئیں، تزکیہ ٹرے میں بچا ہوا سامان رکھ کر اٹھا کر کچن میں آ گئی۔ سیرت اور تقدیس وہیں ناظمہ بیگم کے پاس تھیں۔

"اماں واقعی...... سلمٰی آنٹی تو بہت ڈیسنٹ اور سوبر خاتون ہیں۔" سیرت نے کہا۔

"ہاں......" ناظمہ بیگم نے اثبات میں سر ہلایا اور ساتھ ہی سلمٰی بیگم کے آنے کا مقصد بھی بیان کیا۔

"ہائیں......! سچ اماں......؟" سیرت نے حیرت اور غیر یقینی کی ملی جلی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے پھر تصدیق چاہی۔

"ہاں سیرت...... انہیں ہماری تزکیہ بہت پسند آئی ہے۔" ناظمہ بیگم نے دوبارہ کہا تو تقدیس جو منہ پھاڑے دونوں کی باتیں سن رہی تھی خوشی سے چلا کر نعرہ لگایا۔

"یاہو......" اور سیدھی کچن کی طرف بھاگی جہاں تزکیہ چائے کے برتن دھو کر شیلف میں رکھ رہی تھی۔ تقدیس نے جا کر تزکیہ کو پیچھے سے پکڑ کر گھما ڈالا۔

"ارے...... ارے...... تقدیس پاگل ہوگئی ہو کیا......؟ یہ کیا بدتمیزی ہے ابھی میرے ہاتھ سے کپ گر کر ٹوٹ جاتا تو......" تزکیہ نے جھنجھلا کر اسے پیچھے دھکیلا تھا۔

"ارے میری پیاری آپا...... میں جو گڈ نیوز سن کر آ رہی ہوں تم بھی سنو گی تو ناچنے لگو گی۔" تقدیس نے اس کے ہاتھ سے کپ لے کر دوبارہ سنک میں رکھ کر معنی خیز انداز میں کہا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

"سنو لڑکیوں میں ماجدہ آپا کے ساتھ میلاد میں جا رہی ہوں اور شام کو تمہارے تایا کی فیملی نے آنا ہے۔"

"اماں میرا کل ٹیسٹ ہے میں نے اس کی تیاری کرنی ہے۔" عاصمہ نے اپنے سامنے رکھی کتابوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اچھا تو پڑھائی کرلے۔ سنبل ذرا لسٹ بناؤ سودا سلف کی؛ میں واپسی پر لیتی آؤں گی۔" فہمیدہ نے ڈائجسٹ کی ورق گردانی میں مصروف سنبل کو دیکھ کر کہا لیکن وہ اس قدر انہماک سے ڈائجسٹ کے صفحوں پر نظریں جمائے بیٹھی تھی کہ اس لمحے وہاں کیا باتیں ہو رہی ہیں وہ مکمل بے خبر تھیں۔

"سنبل......" فہمیدہ نے غصے سے اس کو آواز دی تو اس نے یک لخت ڈائجسٹ کو بند کیا اور عاصمہ کو گھورنے لگی۔

"تم بکواس نہیں کرسکتی تھی کہ مما آگئی ہیں۔" وہ دانت پیس کر عاصمہ سے مخاطب ہوئی جو اس کی درگت پر مسکرائے جارہی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ اب فہمیدہ کی طرف متوجہ تھیں۔

"یہ تو کام ہیں اس لڑکی کے یہ تو سرے سے بے خبر ہے۔" فہمیدہ نے عاصمہ کو دیکھا۔

"کس کا سرا؟" وہ غائب دماغی سے پوچھنے لگی تو عاصمہ کو اپنی ہنسی روکنا محال لگا۔

"تمہارا سر...... میرا نہیں۔" فہمیدہ اب عاجز آچکی تھیں یک دم ہی غصے میں آگئیں۔

"سودا سلف کی لسٹ بنانی ہے شام کو تمہارے تایا کی فیملی آرہی ہے۔" فہمیدہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں تو یہ کون سا اتنا مشکل کام ہے میں سمجھ رہی تھی بکرے کا سرل گیا ہے۔" سنبل لاپروائی سے بولی۔

"کون سے بکرے کا سر۔" فہمیدہ اور عاصمہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"وہی بکرے کا سر جو کل ساتھ والے مہربان انکل کے گھر سے نہایت بھیانک انداز میں چوری ہوا تھا بے چارہ بکرا، اچھا بھلا تھا خوش وخرم لیکن آج کل لوگ کہاں کسی کو خوش دیکھ سکتے ہیں کل شام کو مہربان انکل نے بکرے کو چارہ ڈالا تھا خود اپنے ہاتھوں سے پھر اس کی پیٹ تھپتھپائی مشکل سے کوئی دو گھنٹے گزرے ہوں گے کہ زندہ سلامت بکرے کا کوئی سر کاٹ کر لے گیا اف دہشت گردی کی بھی حد ہوتی ہے اتنا ظلم ایک بے زبان پر، سری کھانا ہی تھی تو بازار سے مل جاتی ہے ناں۔" سنبل نے بتایا۔

"ہمارے ساتھ مہربان انکل کون سے ہیں جن کا کوئی بکرا بھی ہے؟" فہمیدہ نے عاصمہ کو دیکھا اس نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

"بکرا بھی ہے نہیں بکرا بھی تھا۔" سنبل نے تصحیح کی اور عاصمہ کی نوٹ بک سے پیپر پھاڑ کر اس کا قلم تھام لیا۔

"ہاں مما سودا بولو کیا کیا لکھنا ہے۔" لاپروا اور الہڑ انداز فہمیدہ نے سر پیٹ لیا جبکہ عاصمہ ہونقوں کی طرح دیکھے جارہی تھی۔

"شامی کباب، قورمہ اور میرے خیال میں مٹن پلاؤ ٹھیک رہے گا بھائی صاحب کو مٹن پلاؤ زیادہ پسند ہے، اللہ بخشے اماں بی سے ہر دوسرے ہفتے پکوایا کرتے تھے۔"

"مما پہلے مجھے لکھوالیں ناں پھر اماں بی کو بخشتے رہنا ناں۔" فہمیدہ خاموش ہوئیں تو سنبل چڑ کر بولی۔

"کس قدر بدلحاظ عورت ہے تو اپنی دادی کے لیے

ایسے بول رہی ہے۔"

"اُف غضب خدا کا مما آپ نے تو حد ہی کردی.....عورت.....!" سنبل کا تو سر ہی چکرا گیا۔

"اماں واقعی یہ تو آپ نے زیادتی کی ہے سنبل کو عورت کہہ کر۔" عاصمہ نے سنبل کے چہرے پر افسوس کو انتہائی واضح دیکھا تھا جواب کاغذ قلم رکھ کر ملکہ دکھیا کا روپ دھار چکی تھی۔

"ہائے تم لوگوں کی عقل کیا گھاس چرنے گئی ہے لڑکی تو پیدائشی عورت ہوتی ہے۔"

"اماں حد کرتی ہیں آپ بھی لڑکی پیدا ہوتے ہی عورت کیسے ہوجاتی ہے بھلا۔" اب کے عاصمہ نے بھی ان کی بات کو مائنڈ کیا تھا۔

"اللہ بخشے اماں بی کہا کرتی تھیں......"

"لڑکی جب پیدا ہوتی ہے تو وہ عورت ہی ہوتی ہے۔" سنبل نے چڑ کر فہمیدہ کی بات کاٹی تھی جس پر عورت پر بحث کرتی عاصمہ نے بمشکل اپنا قہقہہ روک کر اسے چپ رہنے کا کہا کیونکہ فہمیدہ کی خونخوار نظر اس پر جم چکی تھی۔

"اماں آپ سودا لکھوائیں۔" عاصمہ نے مزید بحث سے اجتناب برتتے ہوئے موضوع بدل دیا۔

"کچھ سامان تو باورچی خانے میں رکھا ہے میرے خیال میں صرف قیمہ، گوشت اور چکن ہی لانے پڑیں گے۔" فہمیدہ پُرسوچ انداز میں بولی۔

"اور میٹھے میں زردہ ٹھیک رہے گا۔" فہمیدہ نے ان دونوں کو دیکھا سنبل تو چہرے پر یاسیت طاری کیے لاتعلق بیٹھی تھی عاصمہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اللہ بخشے اماں بی کہا کرتی تھیں کہ چاولوں سے دستر خوان کی رونق بڑھتی ہے۔" فہمیدہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"اللہ تو بخش دے گا اگر آپ بھی بخش دو تو......" سنبل تو اب اماں بی کی دی گئی مثالوں سے اس قدر عاجز آچکی تھی کہ اب اکثر اوقات صبر کا دامن چھوڑ کر بدتمیزی پر اتر آتی اور فہمیدہ کی ڈانٹ سن کر ہی خاموش ہوتی تھی۔

"اماں سنن پلاؤ پکا تو رہے ہیں ناں۔" عاصمہ نے نرمی سے کہا۔

"مما......"

"تمہیں کتنی بار منع کیا ہے میمنے کی طرح مما نہ کہا کر امی کہا کر۔ اماں کہا کر جیسے عاصمہ کہتی ہے کیسی مٹھاس ہے ان لفظوں میں کیسا اپنا پن ہے کہ دل باغ باغ ہوجاتا ہے۔" وہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ فہمیدہ نے اس کو ٹوک دیا۔

"لیکن سوچنے والی بات یہ ہے کہ میمنا آپ کو مما کیوں کہتا ہے جبکہ آپ کی اولادیں تو ہم دو ہی ہیں۔" دوسرے پل سنبل تپ کر بولی۔

"حد ہوتی ہے بے شرمی اور بدلحاظی کی یاں سے بات کی تمیز نہیں رہی کیا۔" اب وہ غصے میں آچکی تھیں۔

"اللہ بخشے اماں بی کہا کرتی تھی کنواری عورت کو زبان درازی سے گریز کرنا چاہیے نجانے یہ کیسا زمانہ آگیا ہے۔"

"یار اب خاموش ہوجاؤ۔" عاصمہ نے سنبل کو گھورا

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگزِشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

لیکن وہ مسلسل ان کو زچ کیے جارہی تھی۔
"اماں یہ سارا کھانا کب تک تیار کرنا ہے۔" عاصمہ نے کمرے سے باہر جاتی فہمیدہ سے پوچھا۔
"شام تک۔" وہ دو لفظ کہہ کر باہر نکل گئی جبکہ ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔
"شام تک، اب دیکھ لے تو اپنی اماں کے کام۔" سنبل نے دوبارہ ڈائجسٹ اٹھایا۔
"میں دیکھ لوں گی لیکن تو پہلے یہ بتا کہ یہ مہربان انکل کون ہیں جن کے بکرے کی گردن کسی نے کاٹ دی۔" عاصمہ نے اس کے ہاتھ سے ڈائجسٹ چھین کر کڑی نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔
"ڈائجسٹ دے ناں۔" سنبل منت بھرے لہجے میں بولی۔
"پہلے بتا کیا چکر ہے۔" عاصمہ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔
"ایک تو مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ لوگوں کے دماغ میں وہ باتیں کیسے آجاتی ہیں۔ جو سامنے والے انسان نے بھی سوچی بھی نہیں ہوتیں۔" سنبل تنگ مزاجی سے بولی۔
"دیکھو میری عورت نما لڑکی بہنا۔" عاصمہ نے شریر لہجے میں مسکرا کر اس کا موڈ ٹھیک کرنا چاہا جس پر سنبل نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"اللہ بخشے اماں بی کہا کرتی ہوں گی کہ پہلے ہی کسی کو شک کی نظر سے نہ دیکھو کہ بعد میں چاپلوسی کرنی پڑے۔" سنبل بھی مسکرائی۔
"اس ڈائجسٹ میں ناول ہے جس میں مہربان انکل کے بکرے کو کسی نے کھڑے کھڑے ذبح کر کے اس کی گردن لے کر فرار ہوگیا اور مزے کی بات یہ کہ نیوز والوں نے اس کو فل کوریج دی ہے لیکن ابھی تک بکرے کو بے رحمی سے قتل کرنے والا مجرم گرفتار نہیں ہوا۔" سنبل نے ہنستے ہوئے عاصمہ کو بکرے کی ساری کہانی سنائی جس پر عاصمہ بھی ہنستی چلی گئی۔
"اب ایسا ہے ناں کہ مجھے پیپر کی تیاری کرنی ہے اور تمہارے لیے یہ بہترین موقع ہے ہیروئن بننے کا گھس جا باورچی خانے میں کس لے کر اور ساری ڈشیں بنا ڈال آخر یہ ڈائجسٹ پڑھ پڑھ کر رائٹرز کی ہیروئن کی تھوڑی سی تو پھرتی اپناؤ۔" عاصمہ نے کچن کے کام سے دامن بچا کر اس کو ہیروئن بننے کا لالچ دیا اور خود کتابوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔

○......❀......○

اس نے جلدی جلدی پیاز کاٹ کر رکھی اور بڑی سی دیگچی کو چولہے پر رکھ کر اس میں آئل ڈال کر اس میں کٹی ہوئی پیاز ڈال دی پھر ٹماٹر کو چھیل کر ڈالا اور بھوننے لگی اور ساتھ ساتھ سل پر پودینہ اور سبز مرچ پیسنے لگی فرج سے کھیرے نکال کر رکھے اور پیاز کو لچھوں میں کاٹنے لگی اب ٹماٹر اور پیاز بھون گئے تھے تو ان میں مصالحہ جات شامل کردیے۔
"قسم سے کیا ہیروئن ہے ایک وقت میں اتنے کام اور ماتھے پر ایک بھی بل نہیں یہ ہیروئن یقیناً کوئی جادو ٹونہ کرتی ہوں گی۔" وہ کچن میں کھڑی ناول کھولے پڑھ رہی تھی اور سین پڑھ کر خود بخود ہیروئن کی پھرتیوں کی قائل ہونے لگی تھی۔
"یقیناً اس کے کچن میں دو تین بڑے بڑے گیس گیزرز ہوں گے تبھی تو بڑی سی دیگچی ایک گیزر پر رکھ کر مطمئن دکھائی دے رہی ہے۔" وہ تصور کی آنکھ سے اس کے کچن کا نظارہ کرنے لگی۔
"چل سنبل اب تو بھی دکھا دے دنیا کو کسی جادو ٹونے کے بغیر بھی تجھ میں اتنی صلاحیت ہے کہ چار پانچ کھانے آدھے دن میں پکالے۔" سنبل نے ڈائجسٹ کو بند کیا، خود کلامی کی خود کو موٹیویٹ کیا اور ٹوکری سے پیاز نکال کر کاٹنے لگی۔
"کمبخت یہ آنکھوں کا پانی۔" سنبل پچھلے تیس منٹ میں صرف تین پیاز کاٹ سکی تھی اور آنکھیں تھیں کہ مسلسل برستی جارہی تھیں دوپٹے کا کونا مکمل بھیگ چکا تھا ناک لال ہوتی جارہی تھی خدا خدا کر کے بالآخر اس نے پیاز کاٹ

لیے۔ اب اگلا مرحلہ ٹماٹر کا تھا جن کو پہلے چھیل کر پھر کاٹنا تھا کیونکہ ہیروئن کے ہر کام میں ایک انوکھا پن چھلکتا ہے اور سنبل نے اپنے آپ کو ہیروئن ثابت کرنا تھا ٹماٹر کو چھیلنا بھی ماؤنٹ ایوریسٹ کو سر کرنے کے مترادف ثابت ہوا، ٹماٹر مچھلی کی طرح ہاتھوں سے پھسلتے جا رہے تھے بمشکل سنبل نے ٹماٹر چھیل کر ان کو کاٹ کر الگ پلیٹ میں ڈالا اور دیگچے کو چولہے پر رکھ کر اس میں آئل ڈالا اور قورمہ تیار کرنے لگی اب چولہے پر مزید کوئی چیز پک نہ سکتی تھی کیونکہ ماشاء اللہ دیگچے کا سائز اتنا تھا کہ وہ چاروں طرف پھیل گیا سنبل پر اب ایک جھنجلاہٹ سی طاری ہونے لگی تھی۔ یک دم ہی وہ اکتا گئی اس پر عاصمہ بھی پڑھائی میں مصروف تھی ورنہ وہ باتیں تو کرتی رہتی۔

"حد ہوگئی، ویسے یہ ہیروئن بننا واقعی بڑا کٹھن کام ہے۔" وہ بڑبڑائی اور گلابی مائل پیاز میں کٹے ہوئے ٹماٹر ڈال دیے اور خود سل بچھا کر دھنیا اور پودینہ نکال کر چٹنی بنانے لگی۔

"کم از کم ساتھ ساتھ یہ کام تو ہوسکتا ہے۔" اس نے اپنی سوچ پر مسکرا کر کہا۔ پودینے کے پتے دھو کر رکھے دھنیا کاٹا اور سبز مرچ دھو کر باریک کاٹ لی کہ پیسنے میں آسانی ہوگی اب وہ احتیاط سے سنگ مرمر کے ملائم سل بٹے سے پودینہ دھنیا اور سبز مرچ پیسنے لگی کچھ دیر میں وہ گیس پر رکھے دیگچے کو مکمل طور پر فراموش کرچکی تھی اور احتیاط سے چٹنی پیسنے لگی۔

"اماں جب گرینڈر موجود ہیں سہولت ہے تو سل پر مصالحہ پیسنے کی کیا ضرورت ہے اور یہ دھنیا، پودینہ کی چٹنی تو گرینڈر میں اتنی اچھی بن جاتی ہے۔" سنبل ہمیشہ اس کے خلاف تھی لیکن فہمیدہ اس کے کسی اعتراض کو خاطر میں نہ لاتی تھیں۔

"اللہ بخشے اماں بی کو کہا کرتی تھیں جو ذائقہ دیسی طریقہ اپنا کر کھانا پکانے میں آتا ہے ناں وہ ان مشینوں میں کہاں خوامخواہ کا شور الگ اور بجلی کا زیاں الگ۔" فہمیدہ کی ہمیشہ کی نصیحت ذہن میں آئی تو وہ خوامخواہ ہی ایک بار پھر چڑنے لگی۔

"ہائے اوئے ربا میں مرگئی۔" کچھ دیر بعد دیگچی کے اندر سے سلگنے کی آواز اور عجیب سی بدبو نے اس کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے اون گلووز کے بغیر ڈھکن کو اتارنے لگی تو وہ اتنا گرم تھا کہ اس کی نرم و نازک پوروں کو جلاتا ہوا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر آ گرا اور کتنی دیر تک اس کے گرنے کی آواز گونجتی رہی۔

"کیا ہوا......؟" عاصمہ ہانپتی ہوئی کچن میں داخل ہوئی اور پیاز ٹماٹر کے جلنے کی بو اور سنبل کے ہاتھ پر نظر پڑی تو سر تھام لیا۔

"کچھ تو ڈھنگ سے کرلیا کرو۔" غصیلے انداز میں وہ سنبل کے ہاتھ کو ٹھنڈے پانی میں رکھنے کے لیے آگے بڑھی۔

"میں نے سوچا میں بھی دو تین کام ایک ساتھ کرسکتی ہوں۔" وہ اپنی سرخ ہوتی پوروں کو ٹھنڈے پانی میں ڈبوتے ہوئے شرمندہ انداز میں عاصمہ کو دیکھ کر بولی۔

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں تم تو جیسے بڑی سگھڑ ہو ناں۔" عاصمہ نے ترش لہجے میں کہا۔

"دو گھنٹے ہوگئے ہیں یہاں گھسے ہوئے اور ابھی تک بس یہی کیا ہے۔" عاصمہ نے فرش پر پڑے دیگچے کے ڈھکن کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"نہیں......نہیں......" وہ یک دم اس کی طرف پلٹی اور احتجاج کرنے لگی۔

"نہیں نہیں پیاز بھی جلائے ٹماٹر بھی ضائع کیے۔" عاصمہ اب کھلے عام طنز کررہی تھی۔

"ارے واہ...... یہ دھنیا بھی تو کاٹا ہے، چٹنی بن رہی ہے ماشاء اللہ۔" عاصمہ کی نظر سل پر پڑی تو مزید گویا ہوئی۔

"اب سارا کام پھر سے کرنا پڑے گا۔" عاصمہ نے اس کے بھینچے لب اور شرمندہ انداز کو دیکھ کر کہا۔

"اللہ بخشے اماں بی کہا کرتی تھیں رزق کو ضائع کرنا اللہ کی ناشکری ہے۔" عاصمہ نے اس کو دیکھ کر فہمیدہ کے

انداز میں کہا تو سنبل نے سنگ مرمر کے سل بٹے کو اٹھا کر اس کو خونخوار نظروں سے دیکھا۔

"اب کیا کروں؟" سنبل نے اب مدد طلب نظروں سے عاصمہ کو دیکھا۔

"تم تو ہیروئن والا میٹریل ہی نہیں ہو، نہ شکل نہ اسٹائل اور نہ ہی تمہارا خاندان ایسا ہے کہ تم ہیروئن بن سکو اس لیے ایسے خواب دیکھنا چھوڑ دو اور برائے مہربانی اس ڈائجسٹ کو بھی اب بخش دو یہاں انگلیوں کے جادو چلتے ہیں قلم سے شاہکار تخلیق کیے جاتے ہیں اور دماغ کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔" عاصمہ نے اس کی طرف دیکھا جو ہونقوں کی طرح اس کی کڑوی کسیلی تقریر سن رہی تھی۔

"تو دفع ہو جا یہاں سے تمہیں کس نے کہا تھا کہ یہاں آؤ۔" اب کے سنبل کے صبر کا پیمانہ بھی چھلک پڑا۔

"ہیروئن کوئی آسمان سے نہیں اترتی ہیں اسی دنیا میں بستی ہیں۔"

"اسی دنیا میں نہیں...... اس دنیا میں۔" عاصمہ نے ڈائجسٹ کی طرف اشارہ کر کے اس کو کہا۔

"ہاں...... تو...... کچھ نہ کچھ تو سچائی ہوتی ہے ناں تبھی تو قلم کا جادو بھی سر چڑھ کر بولتا ہے ناں۔" سنبل نے ذرا سا منہ کلا کر کہا۔

"ہاں سچائی اتنی ہی ہوتی ہے جتنی یہاں نظر آرہی ہے۔" عاصمہ نے کچن کی بکھری چیزوں کی طرف اشارہ کیا۔

"تم جاؤ اب یہاں سے بڑی مہربانی تمہاری اور دوبارہ یہاں قدم رکھا ناں تو ٹانگیں توڑ کر انہی کا سوپ بنا کر نہ پلا دیا تو سنبل نام نہیں میرا۔" سنبل دانت پیس کر بولی اور سل کی طرف بڑھی کہ کم از کم چٹنی تو تیار کر دے۔

"اللہ بخشے اماں بی کو کہا کرتی تھی کہ عورت کی زبان درازی اس کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔" عاصمہ نے ایک بار پھر اس کو زچ کیا۔

"تو جاتی ہے کہ میں اب تیرا سر پھوڑوں۔" سنبل نے سل کا بٹہ اٹھا کر اسے گھورا۔

"ٹانگوں کا سوپ بنا کر پلائے گی تو کیا سر سے مغز نکال کر کھلائے گی۔" عاصمہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"مغز ہے کہاں تیرے سر میں۔" سنبل نے نیٹ کے دوپٹے سے اپنے چہرے کو ڈھانپا تو باہر قدم بڑھاتی عاصمہ نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم بین کرنے لگی ہو۔" عاصمہ اس کے پاس آ کھڑی ہوئی اور دونوں کہنیاں ورک ٹاپ پر ٹکا کر دونوں ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ رکھ کر اسے دیکھا۔

"تیرے منہ میں خاک، میں کیوں بین کروں۔" سنبل نے نیٹ کے دوپٹے کے اندر سے ہی اسے گھورا تھا۔

"تو منہ کیوں ایسے ڈھانپ لیا ہے۔" عاصمہ کھڑی ہو کر اس سے پوچھنے لگی تھی۔

"زبیدہ آپا نے کہا تھا کہ سل پر ایسے چٹنی پیستے پیستے اگر چھوڑ دو تو اس میں پانی آجاتا ہے اور سل بٹا مارتے سے آپ کی آنکھ میں اس کا چھینٹا پڑنے کا خدشہ ہوتا ہے اس لیے احتیاط ضروری ہے۔" سنبل سبٹے سے دھنیا، پودینہ اور سبز مرچ کو پیستے ہوئے بولی۔

"زبیدہ آپا کون؟" گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے عاصمہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"وہی زبیدہ آپا جن کے ٹوٹکے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔" سنبل نے نیٹ کے دوپٹے سے ڈھانپے چہرے سے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو عاصمہ نے سر پیٹ لیا اور بنا کچھ کہے کچن سے باہر نکل گئی۔

"عاصمہ...... عاصمہ......" ابھی وہ اپنے کمرے تک ہی پہنچی تھی کہ سنبل کی آواز نے اس کے قدم روک دیے اور کمرے میں جانے کے بجائے وہ واپس کچن کی طرف بھاگی۔

"اب پتا نہیں کیا کر دیا اس نے۔" بڑبڑاتی ہوئی وہ کچن میں داخل ہوئی تو سنبل دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے کھڑی تھی۔

"کیا ہوا ہے۔" وہ فکر مندانہ لہجے میں اس سے پوچھنے لگی۔
"مجھے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا ہے۔" وہ گھبرائی آواز میں چلائی۔
"کیوں کیا ہوا ہے۔" اس کی بات سن کر تو عاصمہ پر بھی گھبراہٹ طاری ہونے لگی تھی۔
"اماں کو بلاتی ہوں۔" وہ بولی۔
"نہیں، نہیں مجھے پانی دو۔" سنبل نے عاصمہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔
"میں سمجھی تھی کہ یہ دھنیا اور پودینہ صحیح سے پس گئے ہیں تو میں نے دوپٹا ہٹا دیا تھا دوپٹا ہٹاتے ہی ہاتھ سے چھوٹ کر ٹیبل پر جا گرا اور سبز مرچ کا بیج اچھل کر سیدھا میری آنکھ میں آ پڑا اُف شدید جلن ہو رہی ہے۔" سنبل کے بتاتے ہی عاصمہ جو چند لمحے پہلے ہمدردی میں اس کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھی ہنسی کا وہ دورہ پڑا کہ سنبھلنے میں ہی نہ آ رہی تھی۔
"تم سیدھی سادی عورت ہی بنی رہو، ہیروئن والے گن نہیں ہیں تیرے اندر۔" بمشکل اپنی ہنسی روکے سنبل کو کہا تو وہ جو لگاتار آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے جا رہی تھی کراہ کر رہ گئی۔
"اُف یار یہ مرچیں اتنی خطرناک ہوتی ہیں آج اندازہ ہوا ہے۔" کچھ دیر بعد جب ذرا جلن کم ہوئی تو سنبل نے سرخ آنکھوں کو جھپکتے ہوئے عاصمہ کو دیکھا۔
"اب کچھ ریسٹ کرلو۔" عاصمہ نے ایک بار پھر طنز کیا اور کچن سے باہر نکل گئی جبکہ وہ مسلسل ڈائجسٹ والی ہیروئن بننے کے بارے میں سوچے جا رہی تھی۔

○......❀......○

"ممّا میرا مطلب ہے اماں میں نے قورمہ پکا دیا ہے شامی کباب بھی اور چٹنی بھی۔"
"تم نے بنا دیا سلاد۔" فہمیدہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"یہ تمہاری آنکھ کو کیا ہوا؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا تو فہمیدہ نے اس کی سرخ آنکھ کو دیکھ کر پوچھا۔
"کچھ نہیں اماں بس چٹنی بناتے ہوئے سبز مرچ نے دہشت گردی کردی اور آنکھ پر حملہ کردیا۔" سنبل نے آنکھ کو دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے کہا تھا عاصمہ ہنسنے لگی۔
"ویسے اماں ذرا دھیان تو دیں سنبل نے تین کام ایک ساتھ کیے ہیں۔" تو تُس بناتی عاصمہ نے شریر لہجے میں فہمیدہ سے کہا۔
"ہاں تو......!" سنبل نے غضب ناک انداز سے اسے دیکھا تھا۔
"تو یہ کہ تو، تو سچ مچ کی ہیروئن بن گئی ہے۔" عاصمہ نے آنکھ دبا کر کہا۔
"دو، تین گھنٹے میں نہ سہی پانچ چھ گھنٹے میں ہی سہی۔" عاصمہ نے بات مکمل کی تو سنبل نے منہ بسور لیا، جبکہ اب فہمیدہ مزید کچھ پکانے کے لیے کچن کی طرف چلی گئی تھی۔
"اُف میں تو تھک گئی۔" سنبل نے تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔
"اس پر آنکھ کا حشر نشر۔" عاصمہ نے اس کے تھکے تھکے انداز کو دیکھا تھا جو ایک بار پھر آنکھ کو رگڑ رہی تھی۔
"تمہاری ایک آنکھ چھوٹی ہوگئی ہے۔" عاصمہ نے ایک بار پھر اسے چھیڑا۔
"ہیں کیا مطلب؟" سنبل یک لخت اٹھ بیٹھی۔
"مطلب یہ کہ اب آنکھ کو رگڑنا بند کرو۔" لال ٹماٹر تو پہلے ہی ہو چکی ہے اور چھوٹی بھی لگ رہی ہے کام تیرے پہلے ہی ماشاء اللہ ہیں اب چھوٹی بڑی آنکھوں کے ساتھ تو تم کسی اینگل سے بھی ہیروئن نہیں لگتی۔" عاصمہ نے مسکراہٹ دبا کر اس کو تفصیل سے بتایا تو سنبل نے ساتھ رکھا سرہانہ اٹھا کر عاصمہ کی طرف پھینکا۔
"تمہارے جیسی بہن کے ہوتے ہوئے بنا ظلم میں کبھی ہیروئن بن بھی نہیں سکتی۔" سنبل نے خشمگین نظروں سے اسے دیکھ کر دہائی دی تھی۔

''ایسا کر اماں سے کہہ کر میری شادی کرا دے۔''
عاصمہ نے فٹافٹ حل پیش کیا۔
''غضب خدا کا، ایسی بے حیا اولاد میں نے آج تک نہیں دیکھی۔'' اس سے پہلے کہ سنبل اس کی بات کا جواب دیتی فہمیدہ کمرے میں داخل ہوئی۔
''نہیں اماں میرا وہ مطلب نہیں تھا۔'' ان کی غضب ناک آواز پر عاصمہ پر بوکھلاہٹ نے حملہ بول دیا تھا۔
''اماں سے کہہ کر میری شادی کرا دے کا دوسرا مطلب کیا ہے۔'' فہمیدہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے قہر آلود نظروں سے اسے گھورے جا رہی تھیں۔
''اماں میں تو اسے مذاق میں کہہ رہی تھی ورنہ خدا کی قسم مجھے تو شادی کا رتی بھر بھی شوق نہیں۔'' عاصمہ حواس باختہ اپنی صفائیاں دیے جا رہی تھی جبکہ سنبل اپنی ہنسی ضبط کرنے کی مسلسل کوشش میں مبتلا تھی اور فہمیدہ مشکوک نظروں سے اس کو دیکھے جا رہی تھیں۔
''اللہ بخشے اماں بی کو کہا کرتی تھیں کہ عورت شرم وحیا کا پیکر ہوتی ہے اور شادی بیاہ جیسے معاملات میں اس کا یوں منہ پھاڑ پھاڑ کر بولنا اس پر بے حیائی کا ٹھپا لگا دیتا ہے۔''
''اماں معاف کر دیں، میں تو ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی، یہ تو بس ایسے ہی منہ سے نکل گیا تھا۔'' عاصمہ اب مزید شرمندگیوں میں گری جا رہی تھی۔
''ہاں اماں ایسے مذاق میں بات ہو رہی تھی، اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں اور ویسے بھی میں اس سے بڑی ہوں ناں تو اصولی طور پر پہلے میری شادی ہونی چاہیے ناں؟'' سنبل بولی تو عاصمہ نے چونک کر اسے دیکھا اور ہاتھ میں پکڑا پین اس کی کمر میں چبھو دیا کہ وہ تڑپ اٹھی جبکہ اس کی بات پر فہمیدہ نے سر تھام لیا۔
''اللہ بخشے اماں بی کو صحیح ہی کہا کرتی تھیں کہ لڑکیوں کو زبان درازی سے گریز کرنا چاہیے۔'' فہمیدہ نے کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کی اور وہاں سے چلی گئیں۔
''تمہارا دماغ گھاس چرنے گیا ہوا ہے کیا اور تمہیں کہا کس نے تھا کہ بیچ میں بولو۔'' فہمیدہ کے جاتے ہی عاصمہ سنبل کو لتاڑنے لگی۔
''میں نے سوچا کہ تمہیں اماں کے قہر سے بچا لوں۔'' وہ منمنائی۔
''سمجھداری بھی کسی چڑیا کا نام ہے بہنا جس سے تم ہمیشہ سے پیدل ہو۔'' عاصمہ نے دانت پیس کر اس کو سنائی تھیں۔
''مجھے بچانا تھا تو تھوڑی سی عقل بھی استعمال کر لیتی ناں ساتھ تمہیں سنائی نہیں دے رہا تھا کہ اماں مجھے کس بات پر ڈانٹ رہی ہیں تو ضروری تھا اپنی بڑائی کے بعد شادی کا ذکر کرنا۔'' عاصمہ کو صحیح معنوں میں اس کی عقل پر افسوس ہو رہا تھا۔
''میں نے جان بوجھ کر نہیں کہا اسے وہ تو پتا ہی نہیں چلا کیسے منہ سے نکل گیا۔'' سنبل اپنی غلطی کا اعتراف کر رہی تھی۔
''جہاں یہ پڑھتی ہو ناں کہ ہیروئن ایک ساتھ چار پانچ ڈشز پکا لیتی ہیں وہاں ان کی سمجھداری کے قصیدے بھی درج ہوں گے پلیز ان پر بھی دھیان دیا کرو۔'' سنبل نے ایک بار پھر ڈائجسٹ کو اٹھایا تو عاصمہ نے تپ کر کہا۔
''ہاں یار واقعی یہ بات بھی ہے قسم سے ایسی ایسی عقل مندی کی باتیں کرتی ہیں کہ سارے خاندان میں ان کی سمجھداری کے چرچے شروع ہو جاتے ہیں ہر خاص و عام کی زبان پر ان کی عقل مندی سلیقہ شعاری کے قصے قسم سے یار میرا تو خون جل جل کر پہلے کالا اور پھر بہت مشکل سے نارمل رنگ میں آتا ہے۔'' سنبل نے ایک بار پھر اس کو ڈائجسٹ کی ہیروئن کی کوالٹی بتائی۔
''ہاں تو اس سے سیکھ کچھ۔'' عاصمہ ایک بار پھر اپنے نوٹس کی طرف متوجہ ہو گئی اور سنبل اثبات میں سر ہلا کر ایک بار پھر ڈائجسٹ کی عقل مند، سلیقہ شعار ہیروئن کو حسرت بھری نظر سے دیکھنے لگی۔

''تم نے سنا کچھ؟'' تایا کی فیملی جا چکی تھی وہ کچن میں برتن سمیٹنے میں مصروف تھی کہ عاصمہ نے اس سے پوچھا وہ یک دم پلٹی۔

''نہیں مجھے تو کوئی آواز نہیں آرہی کیسی آوازیں ہیں کچھ انہونی ڈراؤنی ہیں کیا؟'' سنبل دوسرے لمحے اس کے پاس اکھڑی ہوئی تھی تو عاصمہ نے چھبتی نظروں سے اسے دیکھا جو سانس روکے کچھ سننے کی کوشش میں دوپٹے کو کانوں کے پیچھے کیے کھڑی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے ڈراؤنی آوازیں کہاں سے آئیں گی۔'' عاصمہ نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

''میں نے ایک ڈراؤنی کہانی پڑھی ہے۔'' سنبل منہ بسور کر بولی۔

''اف اللہ اور اب تم یہ سمجھ رہی ہو کہ تمہیں کچھ ڈراؤنا مطلب کوئی جن بھوت نظر آئے گا۔'' عاصمہ چڑ کر بولی۔

''ہو بھی تو سکتا ہے ناں۔'' سنبل نے لاچاری سے اسے دیکھا۔

''کہانیوں کی ہیروئن سے تو بڑا کچھ سیکھ چکی ہو ناں اب بس جن بھوت کے نظر آنے کی کسر رہ گئی ہے۔'' عاصمہ نے خشمگین نظروں سے اسے دیکھا۔

''یار میں کوشش کر تو رہی ہوں ناں لیکن ان جیسی انرجی کہاں سے لاؤں۔'' سنبل نے اسے دیکھا تھا۔

''تایا جی تمہارے رشتے کے لیے آئے تھے۔'' عاصمہ نے تپ کر کہا تو سنبل کو جیسے کرنٹ لگا۔

''کیا تجھے کس نے کہا۔'' برق رفتاری سے وہ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

''اللہ بخشے اماں بی کہا کرتی تھیں کہ عورت کو چوکنا رہنا چاہیے۔'' عاصمہ نے ہنس کر کہا۔

''یار میں نہیں کرنے والی اس موچھل سے بیاہ۔'' سنبل رخ موڑ کر رونی صورت بنا کر بولی۔

''اس کی تو فکر نہ کر ایک چکر سیلون کا لگا کر آیا تو مونچھیں ٹرم ہو جائیں گی باقی بندہ ٹھیک ہے شریف ہے اس لیے زیادہ بھاؤ کھانے کی ضرورت نہیں۔'' عاصمہ نے شریر لہجے میں کہا تو سنبل مسکرانے لگی۔

''ایک بھی گن اس میں ہیرو والا نہیں۔'' ایک اور اعتراض اٹھایا۔

''ہاں تو تم جیسے بڑی بالی وڈ کی ایشوریا رائے ہو ناں۔'' عاصمہ نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''دفع ہو جا تو۔ اچھا تو اماں نے کیا کہا؟'' لاکھ لاتعلقی سہی لیکن وہ یہ جاننا چاہ رہی تھی۔

''یار تجھے تو معلوم ہی ہے ناں ابا کے بعد تایا ہی نے ہماری سرپرستی کی ہے تو ایسے موقع پر اماں بھی کہاں کوئی اعتراض کر سکتی ہیں اور پھر معید بھائی تو ویسے بھی اماں کے چہیتے ہیں۔'' عاصمہ نے اس کو تفصیل بتائی تو وہ گہرا سانس لے کر دوبارہ اپنا کام بنٹانے لگی۔

○......❀......○

''میں کیسی لگ رہی ہوں۔'' سنبل صبح سے فہمیدہ کے پیچھے پڑی تھی کہ اس کے سر میں آئل لگا دیں ابھی ابھی وہ لگا کر فارغ ہوئی تھی سنبل نے سارے بال کس کر پیچھے کر کے باندھے آنکھوں میں کاجل کی موٹی تہہ لگائی اور لب گلوس لگایا آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا تو انتہائی اجنبی روپ ابھرا۔

بہت دن پہلے اس نے ایک ناول میں ہیروئن کے بالوں میں آئل لگا پڑھا تھا آنکھوں میں کاجل تھا لب گلوس بھی تھا اتنے میں ہیرو کی آمد ہوئی تو وہی ایک لمحہ تھا جب محبت نے اپنا جنم لیا تھا اگر معید آجائے تو یک دم ہی اس کی دھڑکن میں ایک انوکھا سا احساس جاگا جس کو پل بھر میں اس نے جھٹک دیا اور امتحان کی تیاری کرتی عاصمہ کے پاس جا کھڑی ہوئی اور اپنے اس حلیے کی بابت پوچھنے لگی۔

''ایسے لگ رہا ہے باہر بہت تیز بارش ہو رہی ہے اور بارش سے اپنے آپ کو بچاتے بچاتے بھیگتے ہوئے ککڑ (مرغ) نے اندر قدم رکھا ہو۔'' عاصمہ نے سرسری نظر اس پر ڈالی اور دوبارہ اپنی نظریں کتاب پر جماتے ہوئے کہا تو سنبل نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"تمہاری تو آنکھیں ہی بدصورت ہیں ان کو تو خوب صورتی کی پہچان ہی نہیں میں بہت اچھی لگ رہی ہوں۔" وہ بظاہر انتہائی اعتماد سے بولی عاصمہ نے چونک کر گہری نظر اس پر ڈالی۔

"معید بھائی نے کہا ہے کیا؟" عاصمہ کا لہجہ انتہائی مشکوک تھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟" وہ تپ کر بولی۔

"میری اپنی نظر بالکل ٹھیک ہے اور گھر میں اتنا بڑا جو شیشہ ہے کیا وہ جھوٹ بول رہا ہے۔" سنبل نے تنک مزاجی سے کہا تو عاصمہ ہنسنے لگی۔

"کیا یہ کیسی ڈائجسٹ کی ہیروئن کا حلیہ ہے۔" عاصمہ نے پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتا۔" وہ حیران ہوئی۔

"تمہاری شکل سے لگ رہا ہے۔" وہ ایک بار پھر ہنسی تھی تو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"وہ کیسے کرتی ہیں میں کچھ بھی کروں تو سارا الٹا ہی ہوتا ہے۔" سنبل بددلی سے بولی۔

"تم آئیڈل پر یقین رکھتی ہو؟" عاصمہ نے سنبل کو دیکھا اپنی کتابیں سائیڈ پر رکھی اور اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہاں شاید۔" سنبل نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا اور ڈانوڈول سا جواب دیا۔

"کیوں پوچھا۔" عاصمہ نے کوئی جواب نہ دیا تو سنبل سے استفسار کیا۔

"ہر انساں کا آئیڈیل ہوتا ہے اور وہ آئیڈیل برائی سے مبرا ہوتا ہے اور ضروری نہیں کہ آئیڈیل مخالف جنس میں بھی تلاش کیا جائے جو کہانیاں تم پڑھتی ہو ان میں جن ہیروئن کا ذکر ہوتا ہے وہ ایک آئیڈیل سوچ ہوتی ہے وہ کردار جو ہمارا آئیڈیل ہوتا ہے جس میں ہر کوالٹی ہوتی ہے سمجھداری میں اپنی مثال آپ سلیقہ شعاری میں ان کا کوئی ثانی نہیں لیکن حقیقت میں ان کا وجود کہاں ہوتا ہے اگر ہوتا بھی ہے تو کتنا جب ہم اپنے آئیڈیل کی بات کرتے ہیں تو ہر کوالٹی کو بیان کرتے ہیں۔" عاصمہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا جو انہاک سے نظریں اس پر جمائے بیٹھی تھی۔

"ہر کوئی انہونی خاصیت کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ ہم ویسا ہی بننا چاہتے ہیں ہمیں وہ آئیڈیل شخص ہی ہے۔"

"لیکن یہ کہانیاں تو فی میل رائٹر کی ہیں ناں جن میں......"

"میں نے کہا تو ہے کہ ضروری نہیں ہمارا آئیڈیل مخالف جنس ہی ہو۔" سنبل کی بات کاٹ کر عاصمہ نے کہا۔

"مطلب ان کہانیوں میں ہیروئن کی جو کوالٹی بیان کی جاتی ہیں وہ سب رائٹر، اپنی آئیڈیل پرسنالٹی کو بیان کر رہی ہوتی ہیں حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا؟" سنبل پرسوچ نظروں سے اس کو دیکھ کر بولی۔

"حقیقت ہوتی ہے لیکن اس کی پرسنٹیج کم ہوتی ہے تم اماں کو دیکھو کیسے کام کرتی ہیں ابا کے بعد ہمیں کیسے سنبھالا لیکن اس کے ساتھ اماں کتنی غصے والی بھی ہیں۔ کتنا تلخ بولتی ہیں بے عزتی کرنے پر آتی ہیں تو ذرا لحاظ نہیں کرتیں۔" عاصمہ نے آخری بات کہتے ہوئے منہ بسورا تھا سنبل نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"لیکن اماں کے کام کی مثال واقعی نہیں ملتی یہ واقعی سلیقہ شعاری میں ایک خاص پہچان رکھتی ہیں اب اگر ہم اماں کا کریکٹر کسی ناول میں ڈالیں گے تو یہاں سے ایک رائٹر کے قلم کا جادو چلتا ہے اس کے لفظوں میں وہ تاثیر ہوتی ہے کہ سامنے والا قائل ہو جاتا ہے اس لیے میری عورت نما ہیروئن بہنا کہانیوں سے سیکھو ان کو اتنا سر پر سوار نہ کرو کہ جان عذاب میں آ جائے کیونکہ آئیڈیل کو ہمارا اپنا ذہن تراشتا ہے اور حقیقی زندگی آئیڈیل کو فالو کرنے سے نہیں حقیقت کا مقابلہ کرنے سے پرسکون ہوتی ہے۔" عاصمہ نے بات ختم کر کے گہرا سانس لیا۔

"تم تو ناولز یا ڈائجسٹ نہیں پڑھتی ہو پھر اتنا گہرا تجزیہ۔" سنبل نے متغیر نظروں سے اسے دیکھا۔

”ناولز یا ڈائجسٹ نہیں پڑھتی لیکن عقل سمجھ سے نوازی گئی ہوں۔“ عاصمہ نے ہنس کر کہا۔

”اچھا کیا میں اچھی نہیں لگ رہی۔“ سنبل نے بات پھر وہیں سے شروع کی جہاں ختم کی تھی۔

”نہیں۔“ عاصمہ ہنس کر بولی۔

”کس قدر سفاک ہو تم ذرا جو میرا دل رکھ لیتیں۔“ سنبل پیر پٹختی وہاں سے نکل گئی اور عاصمہ نے سر جھٹک کر کورس کی کتاب اٹھالی۔

O......❁......O

”کتنی بار منع کیا ہے مغرب کے وقت بال کھول کر نہ گھوما کرو۔“ سنبل نے بال شیمپو کیے تھے اس کے بعد ہیئر ڈرائیر سے بالوں کو ڈرائی کررہی تھی کہ فہمیدہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس کو ڈانٹنے لگی۔

”اماں میں کہاں گھوم رہی ہوں، کمرے میں ہی تو ہوں ناں۔“ سنبل نے فہمیدہ کو دیکھ کر قدرے اکتا کر کہا۔

”اس وقت بال کھولنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“ فہمیدہ نے غصیلے لہجے میں ایک بار پھر اس کو منع کیا۔

”اللہ بخشے اماں بی کو کہا کرتی تھیں کہ مغرب کا وقت بڑا بھاری ہوتا ہے اس وقت ساری مخلوق اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹتی ہیں عورتوں کا کھلے بالوں گھومنا یا ننگے سر رہنا اچھا نہیں ہوتا۔ کوئی جن بھوت عاشق ہوگیا تو کہاں درباروں میں دھکے کھاتی پھروں گی۔“ فہمیدہ نے ایک چادر اس کی طرف پھینکی۔

”لے اس سے سر ڈھانپ لے۔“ سنبل نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔

”حد ہوتی ہے اماں جن بھوت یہاں کہاں سے آ گئے بھلا اور کیا میں اتنی حسین وجمیل صورت والی ہوں کیا اور اماں کیا اب صرف جن بھوت ہی بچے ہیں مجھ پر عاشق ہونے کے لیے۔“ سنبل چڑ کر بولی۔

”یہ بڑوں کی باتیں ہیں جیسا کہا ہے کر۔“ فہمیدہ اس کی تلخی سے خائف ہوکر خت انداز میں بولیں۔

”اماں جن بھوت تو ویران جگہ پر ہوتے ہیں ناں۔“

”تجھے کتنی بار منع کیا ہے۔ بحث نہ کیا کر اللہ بخشے اماں بی کو کہا کرتی تھیں کہ عورت کو بحث نہیں کرنی چاہیے زبان کی تیزی عورت کے حق میں بہتر نہیں ہوتی۔“ فہمیدہ ایک بار پھر اس کو زچ کرنے لگی تھی۔

”اُف اماں......“ اس نے مزید کچھ کہے بنا چادر سے سر ڈھانپ لیا۔

”اماں ایک بات مانیں گی۔“ دوسرے لمحے اس کو کچھ یاد آیا تو اٹھ کر فہمیدہ کے قریب آ گئی انہوں نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔

”کیا بات اب جب تک موسم بدل نہیں جاتا کوئی جوڑا نہیں سلوا سکتی۔“ فہمیدہ نے اس کی طرف کڑی نظروں سے دیکھا تھا۔

”اماں دو دن بعد عاصمہ کی سالگرہ ہے۔“ سنبل نے دھیمے لہجے میں کہا۔

”وہ کیا ہوتا ہے۔“ اماں نے اسے دیکھا۔

”اماں مطلب جس دن عاصمہ پیدا ہوئی تھی ناں وہ دن دو دن کے بعد پھر آرہا ہے۔“

”ہائے لڑکی تیرا دماغ چل گیا ہے کیا وہ تو پیدا ہو چکی ہے ناں پھر کیسے پیدا ہوگی۔“ فہمیدہ نے انگشت شہادت ٹھوڑی پر رکھ کر کہا تو سنبل گھبرا گئی۔

”ہائے اللہ اب اماں کو کیسے سمجھاؤں۔“ اس نے خود کلامی کی۔

”اماں جس تاریخ کو جس مہینے کو جب کوئی پیدا ہوتا ہے ناں تو اگلے سال وہی مہینہ اور تاریخ جب آتی ہے ناں تو وہ ایک سال کا ہوجاتا ہے۔“ سنبل نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں فہمیدہ کو بتایا۔

”ہاں لیکن عاصمہ تو پچھلے سال نہیں پیدا ہوئی ناں۔“ فہمیدہ نے پرسوچ انداز میں کہا۔

”اماں......؟“ سنبل کو جیسے شاک لگا تھا۔

”اماں میرا مطلب ہے ہر سال جب جب وہ مہینے اور تاریخ آتی ہے تو وہ سالگرہ کا دن ہوتا ہے اور دو دن بعد عاصمہ کی سالگرہ ہے اور میں نے کیک بنانا ہے تو مجھے اس

کا سامان چاہیے اب آپ نماز پڑھ لیں۔'' سنبل ایک ہی سانس میں بول کر ان کو ہکا بکا چھوڑ کر وہاں سے باہر قدم بڑھا چکی تھی۔

''اللہ بخشے اماں بی کو کہا کرتی تھیں کہ ایک وقت آئے گا جب فضول خرچیاں آسمان کو چھونے لگے لگیں وہ وقت آ گیا ہے شاید۔'' فہمیدہ نے خود کلامی کی اور نماز کے لیے دوپٹا سر پر لپیٹنے لگی۔

O......❀......O

''اماں نے کہا تھا کہ اگلے مہینے تک تمہاری شادی کی تیاریاں شروع کر دیتی ہیں۔'' عاصمہ کی اس نئی اطلاع نے اس کو حواس باختہ کر دیا۔

''ایسے کہاں ہوتا ہے بھلا نہ کوئی لو اسٹوری چلی نہ میری عیدی آئی نہ ہی آدھی آدھی رات میرے موبائل کی بتی روشن رہی اور شادی کی تیاریاں بھی شروع۔'' سنبل منہ بنا کر بولی۔

''تم اپنے آپ کو مشرقی ہیروئن سمجھو جو مکمل ارینج میرج کرتی ہے کوئی چکر وکر چلائے بغیر۔'' عاصمہ نے خشمگین نظروں سے اسے گھورا تھا۔

''مشرقی ہیروئن کے بھی کبھی بھولے بسرے ہی سہی لیکن نینا چار ہو جاتے ہیں۔'' سنبل تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''اللہ بخشے اماں بی کو کہا کرتی تھیں کہ نینوں کو چار کرنے والی عورت کا چلن اچھا نہیں ہوتا۔'' عاصمہ نے مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھا تھا۔

''دفع دور، بدتمیز عورت، خبردار ایک اماں ہی کافی ہیں ناں اماں بی کی مثالیں دینے کے لیے۔'' سنبل نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھ کر پاس رکھا کشن اسے دے مارا جسے اس نے ہنستے ہوئے کیچ کر لیا۔

''ویسے یار بڑی عجیب بات ہے ڈائجسٹ کی ہیروئن کچھ بھی پہن لیں ایک دم ایسی زبردست لگتی ہے اور ایک میں ہوں بن ٹھن کر بھی سنبل ہی رہتی ہوں۔'' سنبل نے پھر ڈائجسٹ اٹھا لیا تھا کسی ہیروئن کی خوب صورتی کے قیصدے اسے ایک بار پھر احساس کمتری میں مبتلا کرنے لگے تھے۔

''تو پھر شروع ہو گئی۔'' عاصمہ نے اسے گھورا اور ڈائجسٹ اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ وہ چلاتی رہی لیکن عاصمہ نے پھر اسے ڈائجسٹ نہ دیا۔

O......❀......O

پچھلے تین گھنٹوں سے کچن سے مسلسل آوازیں آ رہی تھیں اور سنبل کا کوئی اتا پتا نہ تھا اس نے سختی سے منع کر رکھا تھا کہ جب تک وہ نہ کہے عاصمہ اور اماں میں سے کوئی بھی کچن میں قدم نہیں رکھ سکتا۔

''ویسے تم کر کیا رہی ہو؟'' عاصمہ کی برداشت اب ختم ہو چکی تھی وہ کچن کے دروازے تک آئی اور سنبل کو آواز دی۔

''اندر نہیں آنا۔'' سنبل کی صرف آواز اس تک پہنچی تھی عاصمہ نے دروازے سے ہی کچن میں جھانکا لیکن کچھ نظر نہ آیا۔

''پہلے بتاؤ کہ کیا کر رہی ہو۔'' عاصمہ بضد ہوئی۔

''دیکھ عاصمہ اگر تو نے یہ لکشمن ریکھا پھلانگنے کی کوشش کی تو جل کر بھسم ہو جائے گی۔'' عاصمہ نے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ سنبل دونوں بازو پھیلائے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور رعب دار آواز میں بولی۔

''اماں...... اُف......!'' یک دم ہی عاصمہ کی چیخ بلند ہوئی۔

''یہ...... یہ...... کیا حال بنایا ہوا ہے کیا کر رہی ہے۔'' عاصمہ نے سنبل کو دیکھا۔

سامنے کے سارے بال آٹے سے بھرے تھے ہاتھ دونوں گندے اتنی خوب صورت گرین لانگ شرٹ کے سامنے کالے نشان لگے ہوئے تھے عاصمہ چونکہ دروازے کو پھلانگ کر اندر کھڑی تھی اس نے ذرا سا لپک کر دیکھا تو کم از کم تین چار چین گلاس دیگچی سنک میں رکھے تھے۔

''سنبل کیا کر رہی ہو، کوئی آ رہا ہے کیا؟'' عاصمہ کو

تشویش لاحق ہوئی۔

”نہیں تو...... آئے گا کون بھلا۔“ سنبل نے لاپروا انداز میں کہا۔

”پھر اتنی تیاری کس خوشی میں۔“ عاصمہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا تھا۔

”اور اپنا حال دیکھو ذرا۔“ عاصمہ اس کے حلیے کی طرف اشارہ کرتے کہنے لگی۔

”کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہی کہ میں ہیروئن لگ رہی ہوں۔“ سنبل نے پرجوش انداز میں اس سے پوچھا۔

”بھوتنی لگ رہی ہو۔“ عاصمہ نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا اور اس کے بالوں پر سے آٹا اتارتے ہوئے ہنس کر کہا۔

”تم ذرا آنکھوں کو بند کر کے مجھے دیکھو کسی ناول کی ہیروئن کے روپ میں اور پھر بتاؤ کہ کیسی لگ رہی ہوں۔“ سنبل ایک بار پھر فضول ہانکنے لگی تھی۔

”میں آنکھیں بند کرتی ہوں ناں تو مجھے کچھ نظر نہیں آتا اس لیے تم اپنا یہ نسخہ اپنے پاس رکھو اور مجھے بتاؤ کہ کیا کر رہی ہو۔“ عاصمہ نے خشمگین نظروں سے اسے دیکھا۔

”سرپرائز ہے ناں یار۔“ وہ پاؤں پٹخ کر بولی۔

”سرپرائز کیسا سرپرائز؟“ عاصمہ کو تجسس ہوا۔

”بتا دیا تو سرپرائز ختم ہو جائے گا ناں۔“ سنبل نے اسے گھورا تھا۔

”اللہ بخشے اماں بی کو کہا کرتی تھیں کہ......!“

”تو دفع ہو جا یہاں سے۔“ عاصمہ کی بات کاٹ کر سنبل نے اس کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر اس کا رخ دروازے کی طرف کر دیا اور باہر کی طرف ہلکا سا دھکا دیا۔

”سنبل یاد رکھنا میرے ساتھ غداری تجھے مہنگی پڑے گی۔“ عاصمہ نے باہر رک کر پلٹ کر اسے دیکھا وہ ایک ہاتھ دروازے کے پٹ پر رکھے دوسرے ہاتھ میں لکڑی کا چمچ گھما رہی تھی۔

"اللہ بخشے اماں کو کہا کرتی تھیں جو تمہارے کام میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کرے اس کو اسی کی ٹانگوں کا سوپ بنا کر پلاؤ تاکہ اس کی عقل ٹھکانے آئے۔" سنبل پر اس کی دھمکی کا کچھ اثر نہ ہوا تھا ڈھٹائی سے بولی تو چڑنے کے باوجود عاصمہ کو ہنسی آ گئی۔

"بتاؤ ناں کیا کر رہی ہو؟" عاصمہ کو اب مزید تجسس نے گھیر لیا تھا۔

"رات کو بتاؤں گی اب جا۔" سنبل پر اس کے منت بھرے لہجے کا کچھ اثر نہ ہوا تھا۔

"سنبل......!" عاصمہ نے منہ بسور کر اس کو دیکھا۔

"تخلیہ......!" سنبل نے شاہانہ انداز میں کہا اور کچن کا دروازہ بند کر دیا تو چار و ناچار عاصمہ کو واپس آنا پڑا۔

○......❁......○

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ہیپی برتھ ڈے ڈیئر عاصمہ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" رات کے بارہ بجے تھے سنبل ٹرے میں کیک رکھے موم بتی جلائے کمرے میں داخل ہوئی اور عاصمہ جو پڑھائی کر رہی تھی نے یک دم چونک کر اسے دیکھا۔

"یہ...... یہ سب کیا ہے۔" عاصمہ صحیح معنوں میں چونکی تھی حیرانی سے سنبل کو دیکھا۔

"یہ ہے سرپرائز۔" سنبل نے ٹرے کو سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

"لل...... لیکن اماں......!" عاصمہ کی حیرت ابھی تک سوا نیزے پر تھی۔

"اُف...... اماں...... اماں کو کیسے بھول سکتی ہوں بھلا۔" سنبل نے سر پر ہاتھ مارا اور فٹافٹ اماں کی طرف لپکی جو یقیناً سو رہی تھیں۔

"اماں...... اماں۔" سنبل گہری نیند سوئی فہمیدہ کو جگانے لگی۔

"ہائے ہائے کیا آفت آ گئی ہے۔" فہمیدہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔

"اماں عاصمہ کی سالگرہ ہے تو کیک کاٹنا ہے آپ بھی آئیں۔" سنبل نے مدہم آواز میں کہا۔

"اس وقت سالگرہ ہے وہ تو کل ہے ناں۔" فہمیدہ آنکھیں رگڑ کر بولیں۔

"اماں رات کے بارہ بجے کے بعد دوسرا دن شروع ہو جاتا ہے ناں۔" سنبل نے جھنجلا کر کہا۔ "اماں اٹھیں ناں عاصمہ نے کیک کاٹنا ہے۔" سنبل نے ان کو جمائیاں لیتے دیکھ کر کہا۔

"اس وقت کیک کون کھائے گا۔" فہمیدہ نے نیند سے بوجھل آنکھوں سے اس کو دیکھ کر پوچھا۔

"اچھا اماں آپ سو جائیں۔" سنبل نے ان کو گھور کر کہا تو فہمیدہ جو اٹھ کر بیٹھی تھیں ایک دم سے لیٹ گئیں۔

"حد ہے۔" سنبل بڑبڑائی اور عاصمہ کی طرف چلی گئی، جو ابھی تک بے یقینی کی سی کیفیت میں بیٹھی انتہائی خوب صورتی سے سجے کیک کو دیکھ رہی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں ایک تجسس بھی تھا۔

"یہ کیک کہاں سے آیا ہے اور یہ ساتھ ایک مفن (Muflin) کیوں ہے؟" سنبل واپس آئی تو عاصمہ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور اس سے کیک کی بابت پوچھنے لگی۔

"یہی تو سرپرائز تھا ناں پانچ گھنٹے لگا کر جو حالت بری کی تھی۔" سنبل نے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب یہ کیک تم نے بنایا ہے۔" عاصمہ قطعی یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔

"ہاں تو اور کیا۔" سنبل اترائی تھی۔

"اور یہ مفن؟" (Muflin) عاصمہ نے پھر پوچھا۔

"اس کا راز بھی ابھی کھل جاتا ہے۔" سنبل نے پر اسراری مسکراہٹ کو چہرے پر سجا کر کہا تو عاصمہ نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب کون سا راز؟"

"تم پہلے اس موم بتی کو تو بجھاؤ میرے ہاتھ کب سے بے چین ہو رہے ہیں تالیاں بجانے کو۔" سنبل نے

تقریباً آدھی سے زیادہ پگھلی ہوئی موم بتی کی طرف اشارہ کیا تو عاصمہ کو اس پر بے اختیار پیار آیا۔

''ہاں کیوں نہیں۔'' عاصمہ نے دوسرے پل پھونک مار کر موم بتی بجھا دی تو سنبل نے آہستہ آہستہ تالیاں بجا کر اسے ایک بار پھر وش کیا۔

''نہیں...... نہیں...... نہیں یہ نہیں۔'' عاصمہ نے ربن بندھی چھری اٹھا کر کیک کاٹنا چاہا تو سنبل چلا اٹھی۔

''کیا ہوا؟'' عاصمہ اس کے چلانے پر گھبرا گئی۔

''دیکھو اس کو اور کاٹو یہ......!'' سنبل نے کیک کو سائیڈ پر کیا اور مفن کو اس کے سامنے رکھا۔

''دیکھتی اس کو رہو اور کھاؤ یہ۔'' سنبل خجل سے انداز میں بولی۔

''کیا مطلب؟'' عاصمہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''وہ کیا ہے ناں کہ کیک بن اچھا گیا تھا دیکھو تو کتنا پیارا ہے لیکن۔'' سنبل شرمندہ ہو رہی تھی۔

''یہ اتنا سخت کیوں ہے؟'' اس سے پہلے کہ سنبل مزید کچھ کہتی عاصمہ نے کیک کاٹنے کے لیے اس کے درمیان چھری رکھی لیکن وہ تو یوں تھا جیسے پتھر ہو۔

''یہ تو...... یہی تو مجھے بھی سمجھ نہیں آئی ناں کہ یہ اتنا سخت کیوں ہے اس لیے میں نے ساتھ یہ مفن منگوالیا تھا۔'' سنبل نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''ہاہاہا......!'' عاصمہ کا بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا۔

''سو سویٹ آف یو۔'' عاصمہ اس سے لپٹ گئی۔

''آدھی رات کیا خوشی ملی جو یوں چڑیلوں کی طرح ہنسے جا رہی ہو۔'' فہمیدہ جاگ گئی تھی اٹھ کر آ گئی اور آنکھوں کو چندھیا کر ان کو دیکھنے لگی۔

''اماں عاصمہ کی سالگرہ ہے ناں تو اس خوشی میں۔'' سنبل نے مفن کا چھوٹا سا ٹکڑا منہ میں ڈال کر فہمیدہ کو بتایا۔

''اللہ بخشے اماں بی کو کہا کرتی تھیں کہ جوان جہان عورتوں کا یوں آدھی آدھی رات تک جاگنا نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے۔'' فہمیدہ نے پیر گھسیٹتے ہوئے ان کی طرف بڑھ کر کہا۔

''اماں آج تو سالگرہ ہے ناں۔'' عاصمہ نے منہ بسورا۔

''اچھا، یہ اچھی سالگرہ ہے جو آدھی رات کو منائی جاتی ہے۔'' فہمیدہ نے کہا اور باہر نکل گئی۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' عاصمہ نے سنبل کو دیکھا جو منہ بنائے بیٹھی تھی۔

''کاش، ہم بھی زیادہ سارے بہن بھائی ہوتے تو اس وقت کتنا مزہ آ رہا ہوتا ہے ناں۔'' سنبل نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''اللہ بخشے اماں بی کو کہا کرتی تھیں بچے دو ہی اچھے کم بچے خوشحال گھرانہ۔'' عاصمہ نے اس کو گدگدی کرتے ہوئے کہا۔

''اور پھر زیادہ بہن بھائیوں میں تمہارے ہیروئن بننے کا ایک فیصد بھی چانس نہ رہتا، کیا پتا کوئی اور بہن ان کوالٹیز کے ساتھ پیدا ہوتی جو ہیروئن کی ہوتی ہیں۔'' عاصمہ نے مسکراہٹ دبا کر کہا تو سنبل نے اسے دیکھا۔

''ہاں یہ تو صحیح کہا۔'' سنبل نے تائید کی۔

''اور تم تو میری ہیروئن بہن ہو ناں، سب سے اچھی۔'' دوسرے لمحے عاصمہ اس سے لپٹ کر بولی۔

''میں سچی، میں ہیروئن ہوں۔'' سنبل نے پر مسرت لہجے میں اس سے پوچھا عاصمہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''یاہو......!'' سنبل نے وقت کو بھول کر زوردار نعرہ لگایا اور دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

''شامی کباب، قورمہ، بریانی، رائتہ، کوفتے، رشین سلاد، کھیر، رس ملائی، بریڈ رولز اور پاپا نے کہا ہے کہ وہ نان، برگرز اور چکن بروسٹ سنگاپورین رائس اور کڑاہی گوشت خود لیتے آئیں گے۔'' لسٹ پڑھتے پڑھتے حدیقہ جتاتی نظروں سے ابتسام کی جانب ہر ڈش کے نام کے بعد پلکیں اٹھا کر ایک نظر ضرور دیکھ لیتی۔ جس کی آنکھیں پہلے ہی اتنی لمبی لسٹ سن کر حیرت سے پھٹی جارہی تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر حدیقہ کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھی جو زاعم کے ساتھ بیٹھی ان ڈشز کے نام پڑھ رہی تھیں جو انہیں کل آنے والے ان مہمانوں کے لیے تیار کرنے تھے جن کے آنے کا شور گزشتہ ایک ہفتے سے ان کے گھر میں گونج رہا تھا اور بالآخر کل وہ تشریف لانے والے تھے۔ آج آفس سے واپسی پر سعود الحسن نے سانس لینے کے بعد یہ لسٹ حدیقہ کو تھماتے ہوئے کہ وہ کل کی تقریب کے لیے آج سے ہی تیاری شروع کردیں اور جس چیز کی ضرورت ہو وہ حدیقہ ان کے ساتھ جا کر بازار سے خرید لے تاکہ عین وقت پر پریشانی نا ہو۔

''یہ لو تم بھی پڑھ لو۔'' حدیقہ نے ابتسام کی نظروں میں بے یقینی سی دیکھی تو ہاتھ میں پکڑا کاغذ ابتسام کی طرف بڑھا دیا۔ جس پر ایک نظر ڈالتے ہی ابتسام کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اس پر وہی کچھ لکھا ہے جو حدیقہ اسے بتارہی تھی۔

''آپی اتنا کچھ تو آپ کی منگنی کے مینیو میں بھی نہیں رکھا گیا تھا۔ گن کر پانچ چیزیں تھیں۔ بریانی، قورمہ، کسٹرڈ، فش اور کباب۔ پھر اب ایسا کون سا اتنا خاص ایونٹ ہوسکتا ہے جس کے لیے اتنا اہتمام کیا جارہا ہے؟'' زاعم کی حدیقہ سے کی جانے والی سرگوشی اتنی بھی آہستہ آواز میں نہیں کی گئی تھی کہ ابتسام سن نا سکتی۔

''مجھے تو وہی لگ رہا ہے جو تمہیں لگ رہا ہے۔ آخر کو ابتسام مجھ سے زیادہ پاپا کی لاڈلی ہے۔ ظاہر ہے اس کی منگنی پر پاپا مجھ سے زیادہ اہتمام کر ہی سکتے ہیں۔'' حدیقہ اب ہلکی آواز میں زاعم سے مخاطب تھی لیکن ایک ایک حرف ابتسام کی سماعتوں میں اترا تھا وہ اپنی بہن کے ایسے الفاظ سن کر شاکڈ تھی۔

''سنو ابتسام...... میں پاپا کے ساتھ مارکیٹ جارہی ہوں تم چلو گی؟'' حدیقہ نرم لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی۔

''ہوں...... نہیں میں کچھ دیر آرام کروں گی آج یونیورسٹی میں بہت تھکاوٹ ہوگئی۔ پھر رات میں کل کے کھانے کی تیاری بھی کرنی ہے۔ آپ چلی جائیں۔'' صبیح چہرے پر سوچ وبچار میں گم ہونے کے آثار نمایاں تھے حدیقہ چینج کرنے کے ارادے سے کمرے کی طرف بڑھ گئی تو ابتسام نے ایک نظر سعود الحسن کی طرف دیکھا کچھ فاصلے پر کشن کی مدد سے نیم دراز سعود الحسن رسالے کی ورق گردانی کرتے اس سارے منظر سے بظاہر لاتعلق نظر آرہے تھے۔ وہ کچھ پل تو ہاتھ میں تھامے کاغذ کو ایسے دیکھتی رہی جیسے ''آنے والے مہمان کون ہیں'' کا معمہ حل کررہی ہو پھر کچھ سمجھ نا آیا تو دل ودماغ سے منفی سوچوں کو جھٹک کر آرام کی نیت سے اپنے کمرے میں جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔

ابتسام کے کمرے کی طرف بڑھتے ہی نئے افق پڑھنے میں مصروف سعود الحسن نے ڈائجسٹ ایک

سائیڈ پر رکھا' ان کے چہرے کی ہلکی سی شرارتی مسکراہٹ اب اور گہری ہوگئی تھی۔

☆......☆☆☆......☆

اس گھر کی بیرونی دیوار ہری بیلوں اور گلابی اور ہلکے جامنی پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ مکان پر ایک نظر ڈالتے ہی یہ علم ہوجاتا تھا کہ گھر حال ہی میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اس گھر کے سربراہ سعود الحسن تھے جو اپنی دو بیٹیوں حدیقہ' ابتسام اور بیٹے زاعم کے ساتھ مقیم تھے۔ بیٹیوں سے ان کی والہانہ محبت کا یہ عالم تھا کہ چھ برس قبل جب ان کی اہلیہ کا دماغ کی شریان پھٹ جانے سے انتقال ہوگیا تو خاندان اور گھر والوں کے شدید دباؤ کے باوجود انہوں نے دوسری شادی نہیں کی اور کچھ عرصہ قبل جب جوائنٹ فیملی میں رہتے بچوں کو ''ان کمفرٹیبل'' محسوس کیا تو اپنی ساری جمع پونجی خرچ کرکے شہر کے اس پوش علاقے میں یہ خوب صورت گھر تعمیر کروایا جس کا نام انہوں نے اپنی بیٹیوں کے نام پر رکھا تھا۔ تینوں بچے سعود الحسن کے انتہائی فرماں بردار تھے۔ اہلیہ کے جانے کے بعد دکھ اپنی جگہ لیکن ایک اور کڑا مرحلہ بچوں کی تربیت کا تھا' جس میں سعود الحسن پوری طرح کامیاب ٹھہرے تھے۔ وہ دن رات اپنے رب کا شکرادا کرتے نا تھکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سلجھی ہوئی اور تمیزدار اولاد سے نوازا تھا۔ باشعور بچے تہذیب وتمیز کے دائرے میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کو تنگ کرتے' ہنسی مذاق کرتے تو سعود الحسن کو یوں لگتا جیسے ہر طرف سے مسکراہٹوں کی روشنیاں پھوٹ رہی ہوں۔ اور وہ دل ہی دل میں دن میں جانے کتنی بار سربسجود ہوتے۔

حدیقہ اور ابتسام کی عمروں میں دو برس کا فرق تھا۔ حدیقہ بڑی تھی اور میڈیکل کے آخری سال جب کہ ابتسام بی کام کی طالبہ تھی۔ زاعم دونوں سے چھوٹا تھا اور ایف ایس سی کررہا تھا۔ کچھ ماہ پہلے سعود الحسن نے بھائی کی خواہش پر حدیقہ کی رضامندی سے اس کا رشتہ بھتیجے محسن سے طے کردیا تھا۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ محسن کا ہاؤس جاب اور حدیقہ کا فائنل ایئر ختم ہوتے ہی دونوں کی شادی کردیں گے۔ وہ لڑکیوں کی شادی میں بے جا تاخیر کے خلاف تھے۔ زندگی یونہی ہنستی مسکراتی گذر رہی تھی کہ انہی دنوں سعود الحسن نے تینوں بچوں کو بتایا کہ ان کے گھر اگلے ہفتے کچھ خاص مہمان آنے والے ہیں لیکن بارہا پوچھنے کے باوجود یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہیں بس یہی کہا کہ یہ سرپرائز ہے۔ حدیقہ سے زیادہ ابتسام کو یہ جاننے کی بے چینی تھی کہ آخر یہ مہمان کون ہیں۔ تینوں بھائی بہنوں میں ابتسام سب سے زیادہ باپ کی لاڈلی تھی اور سعود الحسن اس کی ہر جائز خواہش پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ حدیقہ اور زاعم کے کہنے پر وہ مختلف حیلوں بہانوں سے سعود الحسن سے مہمانوں کا نام اگلوانے کی کوشش کرتی رہی لیکن وہ تھے کہ ایک ذرا سا اشارہ تک نہ دیا۔

☆......☆☆......☆

"پردیسی میرے یارا وعدہ نبھانا
پردیسی میرے یارا لوٹ کے آنا
مجھے یاد رکھنا کہیں بھول نا جانا
پردیسی پردیسی......
جانا نہیں مجھے چھوڑ کر منہ موڑ کر
ابتسام کافی دیر سے اپنے کمرے میں بیٹھی اکاؤنٹنگ کا ایک سوال حل کرنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔ دل ودماغ پر انجانے مہمانوں کی آمد کے سوچ سے جھنجلاہٹ سی طاری تھی۔ ایک سوال حل نہیں ہورہا تھا' دوسرا عجیب سی بے چینی اور اب گانے کا یہ بے ہنگم سا شور۔ وہ برا سا منہ بناتی کمرے سے باہر آئی تھی سی ڈی پلیئر فل آواز میں آن تھا لیکن آس پاس کوئی نا تھا۔ واپس آ کر وہ پھر سے پین پکڑ کر کام کرنے لگی تھی کہ ایک بار پھر میوزک کی تیز آواز نے اسے غصہ دلا دیا تھا۔

"بہنا او بہنا
میرا جیجا جی کا کیا کہنا
رب نے ایسی جوڑی بنائی
جیسے طوطا اور مینا"

اس بار باہر نکلنے سے پہلے وہ بیڈ پر رکھا کشن اٹھانا نا بھولی تھی۔ سامنے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے' آنکھیں موندے ایک پیر جھلاتا زاعم گلوکار کی آواز سے آواز ملاتا لطف اندوز ہورہا تھا۔ ابتسام نے دور سے ہی کھینچ کر کشن اس کی سمت پھینکا تھا۔ جو اس نے کمال مہارت سے کیچ کرلیا تھا۔

"میں شور سے ڈسٹرب ہورہی ہوں' کیا بدتمیزی ہے یہ؟" وہ اب اس کے قریب کھڑی گانے کی تیز آواز کی وجہ سے تقریباً چلاتے ہوئے بول رہی تھی۔

"شور...... کہاں ہے شور؟" ریموٹ سے والیوم کم کرتا زاعم حیرانی کا اظہار کرتا گویا ہوا۔

"آپ کی ہی منگنی کے فنکشن کے لیے گانے یاد کررہا تھا پھر آپ نے کہنا ہے ایک ہی بھائی تھا اور اس نے بھی ڈھنگ سے تقریب میں حصہ نہیں لیا۔"

"پھولوں کا تاروں کا سب کا کہنا ہے۔
ایک ہزاروں میں میری بہنا ہے۔"

وہ اب سی ڈی پلیئر آف کرکے ابتسام کا ہاتھ پکڑے گول گول گھوم رہا تھا اور ابتسام ہکا بکا اس ساری صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔ پھر اس نے دوسرا ہاتھ ہوا میں اٹھایا اور ایک زوردار مکا زاعم کے کاندھے پر جڑ دیا۔ اگلے ہی لمحے زاعم دھپ سے زمین پر آن گرا۔

"ہائے مرگیا...... کوئی تو بچالے۔ آپی آپ کا تعلق پچھلے جنم میں ہٹلر سے تو نہیں تھا؟ ہائے مرگیا میں۔" ایک ہاتھ کندھے پر رکھے زاعم کی آہ وزاریاں جاری تھیں مگر مجال ہے جو ابتسام کے تاثرات میں کوئی فرق آیا ہو۔

"بند کرو یہ ڈرامہ ورنہ اب یہ گل دان سر پہ پھوڑ دوں گی۔" ٹی وی ٹرالی کے اوپر رکھے ماربل کے گل دان کو اٹھائے وہ سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی کے اثرات نمایاں دیکھ کر وہ بھی سنجیدہ ہوکر بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ...... کیا کہہ رہے تھے تم؟" ابتسام اس سے کچھ فٹ کے فاصلے پر بیٹھ گئی۔

"وہ آپ کو معلوم تو ہے ہمارے گھر مہمان آنے والے ہیں۔" زاعم گویا ہوا۔

"ہمم...... آنے والے ہیں تو؟" ابتسام کی بے چینی بڑھ گئی۔

"حدیقہ آپی اور مجھے لگتا ہے کہ سنڈے کو آپ کی منگنی ہے۔ میں اسی لیے خوش ہورہا تھا اور آپ نے اتنا غصہ کردیا۔" زاعم بولا اور ابتسام کی رنگت پھیکی پڑتی جارہی تھی۔

"زاعم دروازے پر دیکھو کون ہے۔" کچن میں مصروف حدیقہ لاؤنج تک آئی تھی۔ اس نے آنکھ سے

زاعم کو وہاں سے اٹھنے کا اشارہ کیا اور زاعم اگلے ہی لمحے ایسے غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ اور ابتسام اپنے ہی خیالوں میں اتنی مصروف تھی کہ کچھ اور سوچ ہی نہیں سکی۔

''آپی...... یہ زاعم کیا کہہ رہا تھا؟ کیا آپ کو واقعی ایسا لگتا ہے کہ پاپا میری رائے لیے بنا میرا رشتہ کہیں طے کردیں گے؟'' حدیقہ نے اسے غور سے دیکھا نرم و ملائم سفید رنگت میں لمحوں میں زردی اتر آئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر اسے ساتھ لگایا۔

''کردیں گے نہیں مجھے لگتا ہے طے کردیا ہے۔ شاید پاپا کو لڑکا زیادہ ہی پسند آگیا ہے اور انہیں یقین ہوگا کہ تم انکار نہیں کرو گی تو انہوں نے سرپرائز رکھ لیا۔ لیکن پریشان مت ہو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تمہیں رشتہ پسند نہ آیا تو انکار کردینا میں پاپا کو سمجھالوں گی۔'' بہن کو ساتھ لگائے وہ دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔ اسے ابتسام سے ہمدردی ہورہی تھی اور پاپا پر حیرانی بھی کہ انہوں نے ابتسام سے پوچھے بنا اس کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کیسے کرلیا۔

''ایسا کبھی نہیں ہوسکتا آپی......'' ابتسام نے قطعی انداز میں کہا تو حدیقہ نے فوراً حیرانی سے اس کی سمت دیکھا۔

''میرا مطلب ہے میں پاپا کے کسی بھی فیصلے سے کبھی انکار نہیں کرسکتی۔'' حدیقہ کے حواس ابتسام کے جواب پر بحال ہوئے اور ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''میں تو پاپا کے لیے پریشان ہوں اگر انہوں نے ایسا فیصلہ کرلیا ہے تو میری اور آپ کی شادی کے بعد زاعم اور پاپا کا دھیان کون رکھے گا؟ میں یہ بات سوچ کر بہت پریشان ہوں...... مجھے بھی ایسا ہی کچھ محسوس ہورہا تھا لیکن یقین کریں میرے دل میں کبھی ایک لمحے کو بھی پاپا کی کسی بھی بات سے انکار کا تصور تک نہیں آیا سوچنا تو بہت دور کی بات۔ ہمارے پاپا کبھی ہمارے لیے غلط سوچ ہی نہیں سکتے۔'' ابتسام کے الفاظ اس کے دل کی کیفیت کا غماز تھے۔ حدیقہ کی آنکھیں نم ہونے کو تھیں۔ وہ سعود الحسن کی تینوں بچوں سے محبت سے اچھی طرح واقف تھی۔ ابتسام نے سچ ہی تو کہا سعود الحسن اس کے لیے کبھی کوئی غلط فیصلہ کر ہی نہیں سکتے۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔

☆......☆☆......☆

''ابتسام...... تم کب سے آن لائن نہیں ہوئیں؟'' حدیقہ ہاتھ میں موبائل پکڑے کچھ ٹائپ کرنے میں مصروف تھی۔ اچانک ہاتھ روک کر اس نے ابتسام سے سوال کیا جو حجاب ہاتھ میں پکڑے صدف آصف کا سلسلے وار ناول ''دل کے دریچے'' پڑھنے میں مصروف تھی۔ یہ ناول اس کا فیورٹ تھا حجاب ہاتھ میں آتے ہی وہ سب سے پہلے یہی ناول پڑھا کرتی مگر آج وہ اندر سے اتنی بوجھل تھی کہ کتنی دیر سے نظریں جمائے کچھ پڑھنے کی کوشش کررہی تھی مگر پڑھ نہیں پارہی تھی۔ حدیقہ نے غور سے اسے دیکھا وہ غائب دماغی سے ڈائجسٹ پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ حدیقہ کو تشویش ہوئی۔

''ابتسام......'' اب کے اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلایا۔

''ہوں...... کیا کہہ رہی تھیں آپ؟'' وہ جیسے خواب سے بیدار ہوئی۔

''تم ٹھیک تو ہو نا؟'' حدیقہ اس کی اس قدر غائب دماغی پر حقیقتاً پریشان ہوگئی تھی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں آپ بتائیں کیا کہہ رہی تھیں؟'' اس نے جواباً مسکرانے کی کوشش کی جس میں وہ چاہتے ہوئے بھی حقیقت کا رنگ نا بھر سکی جسے دیکھ کر حدیقہ یقین کرلیتی کہ وہ واقعی ٹھیک ہے۔

''میں پوچھ رہی تھی تم نے فیس بک کب سے لوگ آن نہیں کی؟'' حدیقہ نے اس کے خوب صورت

چہرے کی اداسی کو دل میں اترتا محسوس کیا۔
''دو تین دن سے۔''
''مگر کیوں؟'' وہ حیران ہوئی' جانتی تھی کہ ابتسام کے لیے فیس بک کتنی اہم ہے۔ کچھ سال پہلے جب اس نے فیس بک جوائن کی تھی تو یونہی فاخرہ گل کا نام سرچ کرتے ہوئے وہ واقعی اسے مل گئی تھیں۔ پھر ایک کے بعد ایک رائٹر سے اس کی دوستی ہوتی چلی گئی اب تو کئی معروف رائٹرز مشہور ادبی فورمز اور آنچل حجاب نئے افق کے آفیشل پیجز اور فورمز کی وہ مشہور ایڈمن تھی۔ فیس بک کی دنیا کے کتنے ہی اچھے لوگ اس کے ایسے دوست تھے جن کو وہ روز نظر نا آتی تو وہ پریشان ہو جاتے اور ابھی کچھ ماہ پہلے آنچل کی نائب مدیرہ سعیدہ نثار سے اس کی فیس بک پر بات چیت شروع ہوئی تو بات فون تک چلی گئی اور ابتسام اکثر ان کی تعریفیں کرتی نظر آتی تھی۔ اب اچانک سے ایسا رویہ' حدیقہ سوچ رہی تھی۔
''بس یونہی دل ہی نہیں کیا۔'' ابتسام ہولے سے بولی تو حدیقہ سوچوں کے جال سے نکل کر پھر سے موبائل پر کچھ دیکھنے لگی۔
''یہ دیکھو سمیعہ علی نے ایک گروپ میں پوسٹ لگائی ہے تمہاری گمشدگی کی...... اور پوسٹ کے کمنٹ بار میں ایس ویلم سیدزادی رفاقت' خیام' ضیاء' افشاں اور شہباز اکبر کے کمنٹس بھی ہیں۔ بلکہ تمہارے کتنے دوستوں نے مجھے بھی میسجز کیے ہیں۔'' موبائل کی اسکرین اس کو دکھاتے ہوئے حدیقہ نے کہا۔
''سعیدہ آپی اور صدف آصف کا کوئی کمنٹ نہیں۔ آپی اور صدف آپی نے آپ سے پوچھا میرے بارے میں؟'' ابتسام نے حدیقہ کا موبائل فون لے کر پوسٹ کے سب کمنٹ پڑھے اسے یہ دو نام نا دیکھ کر مایوسی ہوئی تھی کسی امید کے زیر اثر اس نے حدیقہ سے فوراً سوال کیا۔
''نہیں ان کا تو کوئی میسج نہیں آیا مجھے۔'' حدیقہ نے ایک بار پھر انباکس چیک کرتے ہوئے جواب دیا۔
''چلو اب تم جلدی سے فیس اکاؤنٹ اوپن کرو اور دوستوں کو خود خیریت کی اطلاع دو۔ جو لوگ آپ کی پروا کرتے ہیں ان کو پریشان نہیں کرتے۔'' حدیقہ نے اسے سمجھانا چاہا۔
''کسی کو نہیں میری پروا...... سعیدہ آپی اور صدف نے پوچھا تک نہیں۔ سچ کہتے ہیں لوگ فیس بک اصل میں فیک بک ہے مجھے نہیں ہونا آن لائن' پلیز مت فورس کریں مجھے۔'' غصے سے کہتی ابتسام نے تکیہ ایک جھٹکے سے سیدھا کیا اور کروٹ لے کر آنکھیں موند لیں۔
''میں بات کروں سعیدہ آپی اور صدف آصف سے؟ انہیں بتاؤں تم ناراض ہو دونوں سے......'' حدیقہ نے اس کے ریشمی بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
''بالکل نہیں ورنہ میں آپ سے بھی ناراض ہو جاؤں گی۔'' قطعی لہجے میں جواب آیا تھا۔ اسی لمحے حدیقہ کے موبائل فون پر وائبریشن ہونے لگی حدیقہ مسکرا اٹھی وہ جانتی تھی آنے والی کال پر آنچل کی نائب مدیرہ سعیدہ نثار سے بات ہونے والی ہے۔

☆......☆☆......☆

''واؤ......'' حدیقہ اور پاپا کے مارکیٹ جانے کے بعد ابتسام سوچوں میں گم لیٹے ہوئے نیند کی وادی میں گم ہو گئی تھی۔ روم کی لائٹ بھی آن تھی۔ آنکھ کھلی تو گھڑی پر نظر پڑی۔ چھوٹی سوئی آٹھ پر دیکھ کر وہ جھٹ سے بیڈ سے اٹھی۔
''افففف...... اتنی دیر تک سوتی رہی میں۔'' ہاتھ کی پشت سے نیند کے خمار سے مندی آنکھوں کو مسلتے ہوئے پوری طرح جاگنے کی کوشش کی آنکھیں کھلیں تو پیروں کے پاس رکھے خوب صورت اسکن جالی دار فراک نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی اور

اب اسے ہاتھ میں تھام کر اس کے ہونٹوں سے "واؤ" نکلا۔ خوب صورت آنکھوں میں توصیفی رنگ اتر آئے تھے۔ اسکن کلر کی لمبی گھیر دار فراک پر گولڈن کام کیا گیا تھا جو پہلی نظر میں ہی دل ونظر کو بھا رہا تھا۔

"مجھے یقین تھا یہ ڈریس تمہیں پسند آئے گا۔" کمرے میں داخل ہوتی حدیقہ نے ابتسام کے چہرے پر پسندیدگی کی سند دیکھ کر کہا۔

"کل تمہیں یہی پہننا ہے۔ پاپا نے کہا ہے۔" ابتسام کے چہرے پر سمجھ نا آنے والے تاثرات پر حدیقہ نے اسے اگلی بات بھی بتائی۔

"تو مطلب خدشات واقعی سچ ہونے جا رہے ہیں۔" ابتسام کی آنکھیں اتنے اہم فیصلے پر اپنی ذات سے باپ کی لاتعلقی پر بے اختیار نم ہوئیں۔

"پاپا...... آپ ایک بار پوچھ تو لیتے۔ میری تو جان آپ کے لیے حاضر۔ میں بھلا کیسے آپ کی کسی بھی بات سے انکار کرتی؟" آنسو بس چھلکنے کو تھے۔

"آپ ہی تو کہتے ہیں اچھی بیٹیاں ماں باپ کا مان ہوتیں ہیں۔ میں آپ کا مان بننا چاہتی ہوں پاپا۔ میری ذات پر اتنی بے اعتباری کیوں؟ میں اچھی لڑکی ہوں پاپا...... میں اچھی بیٹی ہوں۔" کرب سے سوچتے اپنے جان سے پیارے باپ سے گلہ کرتے کب اس کی پلکوں پر ٹمٹماتے ستارے آنکھ سے ایک ایک کر کے ٹوٹتے پھسلنے لگے اسے علم ہی نا ہوا۔ سوٹ بیڈ پر رکھ کر اس نے بے بس انداز میں حدیقہ کو دیکھا۔ آخر ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا تھا۔ سر اچانک سے بھاری ہو گیا تھا۔ وہ واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ حدیقہ اسے ایسے روتا دیکھ کر پریشانی سے سر تھام کر رہ گئی۔ ابتسام کے دل کا دکھ وہ دل سے محسوس کر رہی تھی اس نے ابتسام کو بتائے بنا سعود الحسن سے بات کرنے کا سوچ لیا تھا۔

☆......☆☆......☆

"کیا آپ کو ایسا لگتا ہے کہ میں ابتسام کے لیے بہتر فیصلہ نہیں کر سکتا؟" حدیقہ کی بات سن کر سعود الحسن نے الٹا سوال کیا۔

"یہ بات نہیں پاپا...... بس میں یہ کہہ رہی ہوں کہ آپ ایک بار اس بارے میں ابتسام کو خود بتا دیں۔ وہ بہت اپ سیٹ ہے کہ آپ کو اس پر اعتماد نہیں۔" حدیقہ اداس لہجے میں بولی۔

"بس کل تک۔ مجھے یقین ہے کل میری بیٹی کی سب شکایتیں دور ہو جائیں گی۔" سعود الحسن مسکرائے۔

"اور آپ خوامخواہ زیادہ پریشان نا ہوں کل مہمانوں کے آنے کے انتظامات کا سوچیں بلکہ ابتسام کی دو تین قریبی سہیلیوں کو بھی بلالیں کل ملا کر کوئی دس بارہ لوگ ہو جائیں گے۔" سعود الحسن نے پیار سے ہلکی سی چپت حدیقہ کے سر پر رسید کی اور بات ہی ختم کر دی۔

"جی پاپا......" حدیقہ کا دل بجھ کر رہ گیا تھا۔

☆......☆☆......☆

"ارے...... اتنا اہم دن اور تم یہاں اکیلے اتنی خاموشی سے بیٹھی ہو؟" صوبیہ، ترنم اور ثانیہ آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئیں تھیں۔ تینوں ابتسام کی بہترین دوستوں میں شمار ہوتیں تھیں۔ ابتسام جو بیڈ کراؤن سے تکیے کی مدد سے ٹیک لگائے اداس سی کیفیت میں بیٹھی تھی حیران ہوئی۔

"اتنی بڑی خواہش پوری ہو رہی ہے پھر بھی منہ بنا کر کیوں بیٹھی ہو؟" ثانیہ کے بعد سدا کی بھلکڑ ترنم نے بھی رنگ ملایا۔

"میری کون سی بڑی خواہش؟" ابتسام نے حیرانی سے استفسار کیا۔

"اگر حدیقہ آپی نا بلاتیں تو عین ممکن تھا موصوفہ آج کی تاریخ میں ہمارے بنا ہی گمشدہ ہو جاتیں۔" صوبیہ نے ایک جاندار گھوری سے ترنم کو نوازتے ہوئے ابتسام کا دھیان اپنی طرف کیا۔

"بس اچانک ہی تو یہ سب ہوا مجھے تو سمجھ ہی نہیں

آ رہی پاپا کو یہ کیا سوجھی۔ کسی کا کیا دھیان رکھتی پھر آئی ایم سوری فور ڈیٹ۔" ہولے ہولے بولتی ابتسام کے لہجے میں تھکن واضح تھی۔

"او...... اور...... بس کر یار اب رلائے گی کیا؟" ثانیہ کی بات پر سب کے ہی ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"چلو جی اب جلدی سے فریش ہو جاؤ پھر دو گھنٹے تک تمہارا اس کمرے سے باہر جانا ممنوع ہے۔" صویب نے ابتسام کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ سے نیچے اتارا۔

"ان دو گھنٹوں میں تمہاری پالش کر کے تمہیں چمکائیں گے نا...... ثانیہ بیچاری کا بیوٹیشن کا کورس آخر کہیں تو کام آجائے۔" ترنم نے آنکھ دبائی۔ ابتسام ہلکا سا مسکرا اٹھی اور ثانیہ نے ترنم کی طرف اتنے صاف ستھرے انداز میں "بے عزتی" کرنے پر اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا تھا۔

ابتسام نہا کر باہر نکلی تو تینوں دوستیں دھیمی آواز میں مسکراتیں جانے کون سے راز و نیاز کر رہی تھیں۔ ابتسام کو دیکھ کر سب خاموش ہو گئیں۔

"واہ...... ڈریس تو بہت پیارا ہے اور تم پر سج بھی بہت رہا ہے۔" ترنم نے اسے سراہا۔

"بلکہ ایسا نہیں لگتا جیسے یہ بنا ہی پرنسز ابتسام کے لیے ہو؟" صویب نے ثانیہ کی طرف نظر کرتے سوالیہ انداز اختیار کیا۔

"ہاں بالکل...... ماشاء اللہ تو کہہ دو نہ دیدیوں نظر ہی نا لگا دینا۔" ثانیہ ہنستے ہوئے بولی تو ترنم اور صویب نے فوراً دل سے ماشاء اللہ کہا۔

"میں ذرا آپی کو دیکھ آؤں کچھ کام رہتا نا ہو؟" ویسے تو رات کو اور صبح ابتسام نے حدیقہ کے بارہا منع کرنے کے باوجود اس کی کافی مدد کروی تھی۔ سب تقریباً تیار تھا جب وہ کمرے میں آ کر خاموشی اور اداسی کی دھند میں لپٹ کر بیٹھی تھی۔

"اب سات بجے سے پہلے آپ کا باہر جانا ناممکن ہے میم۔ چلیے ذرا ہمارے پاس بیٹھیں۔" صویب اچانک سے اٹھی اور اسے شانے سے تھام کر ڈریسنگ ٹیبل پر بٹھا دیا۔

"میں حدیقہ آپی سے پوچھ لیتی ہوں کوئی ہیلپ چاہیئے تو میں کر دوں گی۔" ثانیہ نے ابتسام سے کہا تو اس نے دھیرے سے گردن ہلا کر خود کو ترنم اور صویب کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

"تم خوش نہیں لگ رہی ہو ابتسام۔ کوئی پریشانی ہے کیا؟" صویب نے پوچھا۔

"ارے نہیں یار بس ابھی کچھ سال کی پلاننگ میں منگنی شادی کچھ نا تھا' بس ایسے جلدی میں یہ سب ہو گیا تو تھوڑا عجیب سا فیل ہو رہا ہے۔" ابتسام نے جواب دیا۔

"تو تم یہ سوچو کہ اگر منگنی کے بجائے تمہاری کسی کے ساتھ سالگرہ ہوتی تو کیسا لگتا؟ تب زیادہ عجیب لگتا یا اب لگ رہا ہے۔" ترنم نے ایک بار پھر اپنی اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دیں تھیں۔ ابتسام کی مسکراہٹ اور صویب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"تم بھی نا ترنم کبھی نہیں سدھر سکتیں۔" ابتسام اس کے بالوں کو ڈرائیر سے سکھاتی ترنم سے مخاطب ہوئی۔

"ویسے بات تو مزے کی ہے ابتسام ذرا سوچو منگنی یا شادی کے بجائے کسی کے ساتھ تمہاری سالگرہ ہوتی تو کیسا فیل ہوتا۔" ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی لپ اسٹک کا شیڈ چیک کرتے صویب شرارتی انداز میں بولی تو ابتسام کے لبوں کے گوشے ایک بار پھر ذرا سے پھیل گئے تھے۔

کتنا خوب صورت رشتہ ہوتا ہے دوستی کا ایک ہفتے سے چھائی خاموشی اور اداسی کو دوستوں کے ہوتے وارد ہونے کے لیے کہیں جگہ نہیں مل رہی تھی۔

☆......☆☆......☆

"اب بس بھی کر دو اب تو سات بھی بج گئے ہیں۔

گردن اکڑ گئی ہے میری۔'' پچھلے دو گھنٹے سے اس کا میک اپ کرتی ترنم کے مشاق ہاتھ انتہائی سست روی سے اس کے چہرے پر چل رہے تھے۔

''تم دو منٹ چپ نہیں رہ سکتی...... سارا مسکارا تمہارے ہلنے سے آنکھ کے نیچے لگ گیا اب یہاں پر بیس دوبارہ سے بنانی پڑے گی۔''

''اف...... اب میں اٹھنے لگی ہوں مجھے نہیں کروانا میک اپ ویک اپ۔ دوبارہ بیس مطلب تین گھنٹے اور...... اور پتا ہے صویب بیس بناتے وقت ہاتھ ایسے چلاتی ہے جیسے فروالی بلی کے بچے کو پیار کررہی ہو۔'' ابتسام کی بلی والی مثال پر ترنم اور صویب دونوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''اب بس دس منٹ اور...... اللہ کرے مس کال جلدی آجائے۔'' ترنم نے آخری جملہ اوپر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب...... مس کال کا میرے میک اپ سے کیا تعلق...... کس سے بات کرتی ہوتم؟'' ابتسام نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

''کتنی شکی ہوتم یار...... نرمین کی کال آنی ہے اس نے کہا تھا تم سے بات کروادوں۔'' ترنم اچھی خاصی گڑبڑا گئی تھی۔

''اس کے پاس میرا نمبر ہے تو سہی پھر تم سے کیوں کہا؟'' ابتسام اب بھی کچھ نہیں سمجھی۔

''چھوڑو ایسے ہی کہہ دیا ہوگا ویسے ترنم اتنے وقت میں تو تم دو دلہنیں تیار کردیتی ہو آج کچھ زیادہ وقت نہیں لگ گیا تمہیں؟ حالانکہ ابتسام کو تو زیادہ میک اپ کی بھی ضرورت نہیں۔'' صویب نے سنجیدہ انداز میں ترنم سے پوچھا۔

''تو اسی لیے تو دیر لگ رہی ہے آئی شیڈ نہیں لگانا۔ آنکھوں کے نیچے کاجل لگا تو اوور ہوجائے گا۔ سمجھ ہی نہیں آرہا کیا چیز کہاں لگاؤں۔'' ترنم نے جواب ابتسام کے سیاہ ریشمی بالوں کو کرل کررہی تھی پھاڑ کھانے والے انداز میں جواب دیا تو صویب کے لیے قہقہہ روکنا انتہائی مشکل ہوگیا۔ ابتسام البتہ منہ بنا کر خاموش بیٹھی رہی۔ اسی دوران صویب کے موبائل فون کی اسکرین روشن ہوئی تو دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔

''لو ہوگئیں تیار۔ آئینہ دیکھ لو ایک بار......'' اگلے پل ترنم کا جملہ حاضر تھا وہ خود بھی اس بے جا تاخیر سے اکتا گئی تھی۔

ابتسام نے آئینہ دیکھا تو ایک پل تو خود کو پہچان نہیں سکی تھی خوب صورت تو وہ پہلے بھی تھی لیکن کبھی سجنے سنورنے کا تکلف نہیں کیا تھا۔ پیروں کو چھوتی فراک میں اس کا لمبا متناسب سراپا مزید دلکش نظر آرہا تھا۔ سلیقے سے لگایا آئی لائنر اور کاجل۔ پلکوں کی گھنی چلمن کے پیچھے سیاہ آنکھوں کا عکس انتہائی خوب صورت تھا۔ کٹاؤ دار ہونٹ جن کا کٹاؤ ہلکی براؤن نفاست سے لگی لپ اسٹک نے اور نمایاں کردیا تھا۔ ماتھے پر چھوٹی سی بندیا جو اس کے گول چہرے پر خوب سج رہی تھی۔ گولڈن نیکلس اور کانوں میں جھولتے جھمکے۔ ریشمی بال جن کو نیچے سے کرل کیا گیا تھا لیکن پھر بھی کمر تک آرہے تھے۔ وہ خود کو دیکھتی مبہوت رہ گئی تھی۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔'' صویب نے آگے بڑھ کر اس کی بلائیں لیں۔

''چلو باہر چلیں لائٹ آف ہونے......'' ترنم نے صویب کے گھورنے پر جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''بنوں ری بنوں میری چلی سسرال وے
انکھیوں میں پانی دے گئی۔''

روم کا دروازہ کھلا اور رزاعم گانا گاتا نمودار ہوا۔

''تمہیں تو ابھی بتاتی ہوں بے وفا بھائی کتنی جلدی بدل گئے ہور کو ذرا......'' ابتسام جو ایک پیر میں جوتا پہن چکی تھی اور دوسرے پیر میں اسٹائلش گولڈن جوتا

پہن رہی تھی۔ اسے پکڑنے کے لیے فوراً اس کے پیچھے بھاگی۔ وہ لمحوں میں سیڑھیاں اتر گیا تھا۔ ابتسام نے بھی بنا سوچے اس کے پیچھے قدم بڑھا دیئے ابھی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ لائٹ آف ہوگئی۔ وہ اندازے سے فراک سنبھالتی آہستہ آہستہ نیچے اتر آئی تھی۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو اور اندھیرے سے اسے ڈر محسوس ہوا۔

''حدیقہ آپی......'' اس نے حدیقہ کو پکارا لیکن کوئی جواب نا آیا تو وہ خود سوئچ بورڈ کی طرف بڑھی ابھی ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ سارا گھر روشنی میں نہا گیا...... اوپر سے گرتی گلاب کی پتیاں اس پر بارش کی مانند برس رہی تھیں سامنے دیوار پر بڑا بڑا لکھا تھا ہیپی برتھ ڈے ٹو ابتسام اینڈ حجاب وسیع لاؤنج سال گرہ کی سجاوٹ سے سجا ہوا تھا سعود الحسن' ثانیہ' حدیقہ' ترنم' صہیب' زعیم اور کچھ اجنبی لوگ سال گرہ کا گانا گا رہے تھے۔ ان میں دو چہرے تو کافی شناسا معلوم ہو رہے تھے۔ چند لمحوں بعد وہ انہیں پہچان گئی تھی۔ ایک تو صدف آصف تھیں جن کی تصویر اس نے فیس بک ان باکس میں دیکھی تھی اور دوسرے آنچل کے مدیر خصوصی طاہر قریشی صاحب تھے۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی وہ خوشی کا اظہار کیسے کرے۔ وہ اپنی لایعنی سوچوں میں اتنی مصروف تھی کہ اس کے ذہن میں ایک بار بھی نہیں آیا کہ اس کی سال گرہ نومبر میں ہے۔ وہ چند قدم بڑھ کر میز کے پاس آگئی تھی مسکراہٹ اس کی ہونٹوں اور آنکھوں سے پھوٹے جا رہی تھی۔ وہ طاہر قریشی صاحب سے سر پر شفقت سے بھرپور ہاتھ پھیروا کر صدف آصف کے گلے لگ گئی تھی۔

''سال گرہ بہت مبارک اب تو ناراض نہیں ہو نا؟'' انہوں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''ہاہاہاہا...... نہیں آئی لو یو اپیا......'' خوب صورت پنکھڑی جیسے ہونٹوں سے ہنسی پھوٹ رہی تھی۔

''ہم بھی کھڑے ہیں انتظار میں ہم سے بھی مل لیجیے گڑیا جی......'' شناسا آواز پر وہ ایک دم سے صدف آصف سے علیحدہ ہوئی۔

''سعیدہ آپی......!'' وہ ہمیشہ اسے گڑیا ہی کہتی تھیں لیکن اس نے آج تک ان کو دیکھا نا تھا۔

''کیسا لگا ہمارا سرپرائز؟''

''ذرا بھی نہیں اچھا لگا......'' وہ روٹھی روٹھی ان کی مہربان آغوش میں سما گئی تھی۔ سب ہنسنے لگے تھے۔

''اور یہ قیصر آراء ہیں......'' سعود الحسن نے نام بتایا وہ جانتے تھے مزید تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔ سب سے مل کر اس کی نظر کیک پر پڑی۔

میز پر رکھے ایک ہی کیک پر دو نام لکھے تھے ابتسام' حجاب۔

''میری طرف سے میری سب سے پیاری بیٹی کو سال گرہ بہت بہت مبارک ہو۔'' سعود الحسن نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ سے تو میں پکا والا ناراض ہوں کتنا پریشان کیا آپ نے مجھے۔'' اس نے منہ بنایا۔

''صرف مجھ سے کیوں ناراض ہو؟ باقی سب بھی تو اس پلان میں برابر کے شریک تھے۔'' سعود الحسن نے شرارتی انداز سے حدیقہ اور زعیم کو دیکھا۔

''مطلب زعیم اور آپی بھی......!'' زعیم دانتوں تلے دبی زبان دیکھ کر وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔

''تم نے سعیدہ نثار آپی سے پچھلے ماہ کہا تھا نا کہ تمہاری بڑی خواہش ہے کہ تم حجاب کی سال گرہ کے ساتھ ہی اپنی سال گرہ منا سکو اور اس میں قیصر آنی' انکل طاہر اور سعیدہ آپی بھی ہوں تو بس آپی نے مجھے بتا دیا میں نے پاپا کو اور ہم نے یہ پلان بنایا۔ کہ زعیم اور میں تمہیں یہ یقین دلائیں گے کہ تمہاری منگنی ہو رہی ہے۔ لیکن ہمیں اتنی محنت نہیں کرنی پڑی تم خود بخود ہی مانتی چلی گئیں۔'' حدیقہ مسکرائی۔

''ہاں تمہیں روتا دیکھ کر میرے دل کو کچھ کچھ ہوتا تھا۔ میں نے تو پاپا سے کئی بار کہا کہ تمہیں بتا دیا جائے

لیکن انہوں نے سختی سے منع کردیا۔'' ابتسام حیرت میں گھری انکشافات کی زد میں تھی۔

''اگر بتادیتے تو یہ اتنی خوشی جو اچانک ملی ہے کبھی محسوس نا ہوتی۔'' صویب کی بات پر اس نے اپنے دل میں جھانکا واقعی ایسی خوشی آج سے پہلے کبھی محسوس نا ہوئی تھی۔

''تم تینوں کو بھی علم تھا نا؟'' ابتسام نے ثانیہ، ترنم اور صویب کو مصنوعی ناراضگی سے دیکھا۔

''ہاں بالکل علم تھا اور ترنم کے مشاق ہاتھوں کا آج سستی سے چلنا بھی ہمارا پلان تھا تاکہ باہر کی سب سجاوٹ اور کام مکمل ہوجائے۔ طے یہ ہوا تھا کہ کام مکمل ہوتے ہی حدیقہ آپی ہمیں مسڈ کال دیں گی اور اس کے کچھ منٹ بعد زعیم تمہیں تنگ کرے گا جس پر تم لازماً باہر جاؤ گی اور باقی تو سب تمہارے سامنے ہے۔'' ثانیہ نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔ ابتسام کو بے اختیار خود پر رشک آیا۔ یہ سب اسے کتنا چاہتے ہیں۔

''چلیے جناب اب کیک کاٹ لیں یا ساری رات باتیں ہی کرنی ہیں؟'' وہ میز تک آئی تھی سب ہی دائیں بائیں کھڑے تھے۔ صویب ثانیہ اور ترنم نے مل کر موم بتیاں روشن کی تھیں۔ چھری اٹھا کر سعیدہ نثار آپی کا ہاتھ تھام کر اس نے موم بتیاں بجھائیں اور کیک کاٹنے کے لیے چھری اٹھائی۔ سب سال گرہ کا گانا گا رہے تھے جب ابتسام نے ہاتھ اچانک روک لیا۔ سب حیران ہوئے۔ گانے کی آواز بند ہوگئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' سعود الحسن نے پوچھا۔

''میں تو انیس سال کی ہوئی ہوں پھر یہاں بیس کیوں لکھا ہوا؟'' کیک پر لکھا بیس دیکھ کر اس نے پوچھا۔

''انیس سال کی ہماری ابتسام اور ایک سال کا ہمارا حجاب کتنے ہوئے بھئی؟''

''بیس۔'' طاہر قریشی کے سوال پر سب کا مشترکہ جواب آیا۔ ابتسام کے لبوں پر ہنسی دوڑ گئی تھی۔

''اس کا مطلب اگلے سال حجاب کے ساتھ سال گرہ منائی تو میں بیس کے بجائے بائیس سال کی ہوجاؤں گی۔'' خوشی کی تتلیاں سب کے آس پاس رقص کررہی تھیں۔ دلوں میں محبتوں کی رنگین شمعیں روشن تھیں۔ شفاف آنکھیں موتیوں سا چمک رہی تھیں۔ کون کہتا ہے اب محبتیں نہیں بانٹی جاتیں۔ دلوں میں گنجائش ہو اور لوگ خالص اور سچے ہوں تو سب کچھ ممکن ہے۔ فیس بک جسے سب فیک بک کہا کرتے ہیں آج اسی فیس بک کی بدولت ابتسام ایسے لوگوں سے مل رہی تھی جن سے ملنا ایک خواب تھا۔

''ایک بات تو بتاؤ ابتسام۔'' ترنم کی بات پر سب کو کیک کھلاتی ابتسام اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''منگنی یا شادی ہونے کے بجائے......'' ترنم نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک لمحہ کو صویب کو دیکھا۔

''سال گرہ کسی کے ساتھ منائی جائے تو کیسا لگتا ہے؟'' گانے کی طرز پر گاتے ہوئے صویب اور ترنم کے الفاظ پر سب کے ہونٹ مزید مسکرا اٹھے اور پھر سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ایک آواز ہوکر بولے۔

''بڑا اچھا لگتا ہے۔''

قسط نمبر 3

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شہباز ایک کیسینو میں جاب کرتا ہے وہیں سینڈی نام کی ایک خاتون اسے ڈانس کی آفر کرتی ہے شہباز کچھ سوچ کر اس کی آفر قبول کرلیتا ہے دوسری طرف عارف علی ماہین کو اپنے بھائی باقر کا رشتہ اس کی بہن نیلم سے کرنے کا کہتا ہے جس پر ماہین انکاری ہوتی عارف علی کو طیش دلا جاتی ہے عارف علی غصہ میں ماہین کو سامان سمیت گھر سے نکال دیتا ہے اور بچیوں کو اپنے پاس رکھتا ہے جبکہ عارف علی کو اس کے بھائی سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ شہباز کیسینو کے مالک حاجی صاحب سے اپنے دو دن کے کام کے پیسے لیتا جرمنی سے ہالینڈ پہنچ جاتا ہے۔ یہاں اس کی ملاقات اینا علی سے ہوتی ہے شہباز اپنے گھریلو حالات اینا علی کو بتاتا ہے اینا علی شہباز کو اپنے ساتھ گھر لے جاتی ہیں اینا علی کی دونوں بیٹیاں شادی شدہ ہوتی ہیں جبکہ بیٹا ایک طویل عرصے سے امریکہ میں مقیم ہوتا ہے اینا کے شوہر علی حسن کا تعلق بھارت سے ہوتا ہے وہ ریٹائرمنٹ کے بعد اپنا اسٹوڈیو چلا رہے ہوتے ہیں۔ ماہین کی ضرورت کا خیال بڑی ماں اور شہباز ہی رکھتے تھے جبکہ عارف علی نے دونوں بیٹوں اور اس سے یہ تک کہہ دیا تھا کہ مجھ سے کچھ بھی مانگنے کی ضرورت نہیں جس چیز کی ضرورت ہو بابر علی سے مانگا کرو کیونکہ اس کے بعد کاروبار کا کرتا دھرتا بابر علی ہی تھا۔ اینا علی کی طرح ان کے شوہر علی حسن بھی شفیق انسان ہوتے ہیں شہباز کو وہ قدرے ریزرو خاموش اور تنہائی پسند لگے تھے علی حسن کا زیادہ وقت اپنے اسٹوڈیو میں گزارتا ہے علی حسن صاحب کی مخلصانہ کوششوں کی وجہ سے شہباز علی کو ہالینڈ ایمبیسی کا چھ ماہ کا وزٹ ویزہ مل جاتا ہے۔ دوسری طرف عارف علی اپنی ضد پر قائم ہوتا ہے عارف علی بچیوں کا اسکول جانا بھی بند کر دیتا ہے عارف علی کو بڑی امی اور ماہین کی بچیوں کے اسکول جانے کی خبر مل چکی تھی ماہین کے جانے کے بعد عارف علی کے بڑے بھائی اور بھابی بچیوں کا خیال رکھتے ہیں۔ رات کھانے کے وقت منجھلے چچا ہادیہ کی اداسی کی وجہ پوچھتے ہیں اور بڑی بھابی کے بتانے پر بچیوں کو ماہین کے پاس لے آتے ہیں۔ شہباز ملک سے باہر اپنے بہن بھائیوں کے سکھ کے لیے گیا تھا لیکن جب اسے ماہین کے دکھ کا پتا چلتا ہے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے اور اینا آنٹی کے پوچھنے پر شہباز ماہین کا ماضی انہیں تفصیل سے بتا دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

تایا ابو کے ہمراہ بڑے سے گیٹ سے اندر داخل ہوتی ہادیہ اور انیقہ کے محسوسات ایسے تھے جیسے ایلائس ونڈر لینڈ میں داخل ہوتے وقت محسوس کر رہی تھی۔ ان کی کھوجتی نگاہوں میں اس گھر کے ایک ایک گوشے کے لیے بے پناہ محبت سمٹ آئی سب سے پہلے ان پر ساجی ماموں کی نظر پڑی تھی۔

”بی بی باجی...... بی بی باجی...... ہادی نکی آ گئیں۔“

ایک نعرہ مار کر وہ ان دونوں کی طرف بے تابی سے بڑھے اور دونوں کو بیک وقت اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔ پھر تو جیسے ہر طرف سے پیار کی پھوار سی برسنے لگی۔ سفید کمرے کے لوہے والے دروازے سے برآمد ہوتی بڑی امی کچن سے نکلتی ماہین اور بھینسوں کا چارہ تیار کرتی لالہ آنٹی...... سب ہی اپنا کام چھوڑ کر بھاگ آئیں۔ آن واحد میں گھر کے تمام نفوس ان دونوں کے

گرد اکٹھے تھے ماہین بار بار دونوں کو سینے سے لگاتیں ان کے چہرے پر پیار کرتیں۔ کسی کو یقین ہی نہ آرہا تھا کہ عارف علی نے اپنی ضد کیسے توڑ دی۔ کس طرح بچیوں کو ماں سے ملنے ماں کے پاس رہنے کی اجازت دے دی۔

"دس دن بعد میں انہیں آ کر لے جاؤں گا بیٹا...... بس دعا ہی کر سکتا ہوں کہ عارف کے دل میں رحم آجائے اور وہ انہیں تمہارے پاس مستقل رہنے کی اجازت دے دے۔" بڑے بھیا ماہین کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے بولے۔

"اور میں آتا جاتا رہوں گا کسی قسم کی فکر کی ضرورت نہیں۔ جو بھی چاہئے ہو بے فکر ہو کر مجھے کہا کرو۔ میں تمہارا جیٹھ ہی نہیں بڑا بھائی ہوں...... ایک دادا کی نسل ہیں، ہم ایک خون ہیں کسی قسم کی اجنبیت غیریت برتنے کی ضرورت نہیں۔" ماہین کو سمجھا کر بچیوں کو پیار کر کے وہ کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے ہادیہ ایقہ مسلسل ماہین کے ساتھ چپکی بیٹھی تھیں۔

"ماما جی آپ کو پتہ ہے یہ ایقہ ٹھیک سے کھانا نہیں کھاتی تھی۔ نہ بات مانتی تھی روتی بھی بہت تھی مجھ سے سنبھلتی ہی نہیں تھی۔" ہادیہ نے فوراً شکایت کا پٹارا کھولا۔

"او میرا بچہ کیوں تنگ...... ماما نے آپ کو سمجھایا تھا ناں اچھے بچے تو ماما کی ہر بات مانتے ہیں۔"

"بس مجھے آپ کے پاس آنا تھا ماما جی...... مجھے وہاں کچھ بھی اچھا نہیں لگتا...... فہدی بھی نہیں۔"

"ارے...... ارے فہدی تو آپ کا چھوٹا بھیا ہے جانی۔ لڑائی جھگڑا تو بہن بھائی کرتے ہی ہیں۔ مگر ایسے ناراض نہیں ہوتے ناں اور آپ تو اتنی بہادر بیٹی ہیں میری...... پھر روتی کیوں تھیں پتہ بھی ہے آپ کے آنسو ماما بالکل نہیں دیکھ سکتیں۔"

"تو آپ وہاں کب تھیں جو مجھے دیکھتیں...... تبھی تو اتنا روئی میں ورنہ آپ مجھے کب رونے دیتیں ماما۔" ایقہ ان کے گداز سینے پر سر رکھے معصومیت سے کہنے لگی۔ ماہین کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"بس اب آپ میرے ساتھ رہنا...... اب ماما آپ کو خود سے دور نہیں کریں گی۔"

بڑی امی کے گھر مہمانوں کا آنا جانا لگا ہوا تھا۔ مسلسل ایک آرہا تھا ایک جا رہا تھا۔ ہر آنے والے کی تواضع آب زمزم اور کھجور سے کی جاتی اور جاتے ہوئے جائے نماز تسبیح یا اسی طرح کا کوئی نہ کوئی چھوٹا بڑا تحفہ بھی دیا جاتا۔ ہادیہ بڑی امی کے ساتھ جڑی بیٹھی بڑے ذوق وشوق سے وہ سارے قصے سنتی رہتی جو بڑی امی ہر آنے جانے والے کو اپنے سفر کی بابت سنا رہی ہوتیں۔ ہر بات ہی اسے پریوں کی کہانیوں کی طرح دلچسپ لگتی اور حیرت انگیز بھی۔ جب بڑی امی نے بتایا کہ نماز کے وقت تمام لوگ دکان دار سب دکانیں کھلی چھوڑ کر نماز ادا کرنے چلے جاتے ہیں پھر بھی وہاں کوئی چوری نہیں ہوتی تو ہادیہ کو چند دن پہلے کا ایک دلدوز واقعہ یاد آ گیا۔

جب شاویز چاچا کی بڑی سی ڈیپارٹ منٹل اسٹور نما دکان میں نقب زن اترے تھے اور بہت کچھ چوری کر کے واپس جاتے ہوئے چوکیدار بابا کو بے دردی سے ذبح کر کے چلے گئے تھے اس واقعہ نے سارے علاقے میں شدید ہراس پیدا کر دیا تھا۔ اور وہ ملک کتنا پُر امن تھا جہاں لوگ دن میں پانچ وقت نماز کی ادائیگی کے لیے جا رہے ہیں دکانیں کھلی چھوڑ کر اور بے فکری کے ساتھ کہ یہاں چوری کا تصور بھی نہیں۔ اسی طرح بڑی امی نے یہ بھی بتایا تھا کہ انہوں نے خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہوئے گل ماموں کو باقاعدہ احرام باندھے حاجیوں کے ہمراہ کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا جب کہ وہ ایمسٹرڈیم میں تھے۔ بڑی امی نے بتایا تھا۔

"میری آنکھوں کو دھوکا نہیں ہوا تھا۔ میں نے گل کو ہی دیکھا تھا وہاں۔" اور ہادیہ حیران سی ان کا منہ دیکھے جا رہی تھی۔ اسی طرح ایک اور واقعہ جو ماہین سے متعلق تھا وہ بھی کافی حیرت انگیز تھا۔ بڑی امی خانہ کعبہ میں تہجد کی نماز ادا کر کے دعا مانگ رہی تھیں جب انہیں ماہین کی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ کچھ دیر کو تو وہ خود بھی حیران

معروف مصنف و کالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شاہکار
پیہم خیال
مشتاق احمد قریشی
شائع ہو گئی ہے

ہوگئی تھیں لیکن بات صرف یہیں تک نہ تھی انہیں سسکیوں کے ساتھ خاصی بلند آواز میں روتی ماہین کی بات بھی سنائی دی تھی۔

"امی جی...... میرے لیے دعا کریں میری بچیاں مجھے مل جائیں۔" بڑی امی نے تڑپ کر چاروں طرف دیکھا چند اجنبی چہروں کے سوا وہاں کوئی بھی نہ تھا انہوں نے وہم سمجھ کر جھٹکنا چاہا لیکن وہ ایسا بھی نہ کرسکیں کیونکہ ماہین کی آواز حقیقی معنوں میں ان کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ ان کی سسکیاں ابھی تک بڑی امی کے کانوں میں گونج رہی تھیں اور شاید خدا کے گھر میں کی گئی دعاؤں ہی کا ثمر تھا کہ آج ان کی بیٹی کی سونی آغوش پھر سے آباد ہوگئی تھی۔ بہت دن بعد آج انہوں نے ماہین کو مسکراتے دیکھا تھا۔

"یااللہ میری زندگی کی آزمائشیں کچھ کم تو نہ تھیں جو میری بیٹی کے نصیب میں بھی درد ہی درد لکھ دیئے تو نے میرے مالک اپنا دکھ تو سہہ گئی تھی میں اس کا دکھ کیسے سہوں۔ یہ سینہ تو فگار ہوچکا...... چھلنی چھلنی ہے مالک۔ اب تو کرم کی نگاہ کردے۔ میرے وجود کے ٹکڑے الگ الگ ہوکر کٹ کر بکھرے پڑے ہیں ان کے ساتھ ہی میری سانسیں بھی بکھر گئی ہیں مولا...... تو رحم کی نگاہ کردے۔" بڑی امی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو اپنی اوڑھنی میں جذب کرکے پھر سے کام میں لگ جاتیں۔

شہباز کی دوری نے بڑی امی کی نیند بالکل ہی چھین لی تھی۔ رات رات بھر پورے گھر میں ٹہلتے...... تسبیح ہاتھ میں لیے اسماء کا ورد کرتے رہنا۔ بچوں کی خیر کی دعائیں مانگتے رہنا اور دن بھر گھر کے کام کاج میں مصروف رہنا۔ زندگی گزر نہیں رہی تھی بلکہ آہستہ آہستہ ان کو گزار رہی تھی۔ دیمک بن کر ان کے وجود کو اندر ہی اندر چاٹ رہی تھی۔ ایک اور بہت بڑا واقعہ جو انہوں نے کسی کو نہیں بتایا تھا وہ حج کے دوران حجرہ اسود کو بوسہ دیتے ہوئے ان کے سر پر لگنے والی چوٹ کا تھا سر میں مسلسل درد تو رہنے ہی لگا تھا لیکن یہ کب چھوٹی چھوٹی باتوں کو خاطر میں لاتی تھیں یہی حال ان کی صابر بیٹی ماہین کا بھی تھا۔

چپ چاپ درد سہتے جانا پھر بھی مسکراتے رہنا۔ کسی سے شکایت کرنا نہ ہی کچھ جتانا...... اور شاید یہی غلطی بہت بڑی تھی کیونکہ جب تک آپ کسی کو اپنے وجود کا احساس نہ دلائیں کوئی احساس کرتا ہی کہاں ہے۔ ہر رشتے ہر تعلق پر اپنی اہمیت واضح کرنی پڑتی ہے یہ یقین دہانی کرانی پڑتی ہے کہ ہم آپ کی ذمہ داری ہیں دوسری صورت میں آپ اپنے حق سے بھی محروم کردیئے جاتے ہیں۔ اور وقت گزر جانے کے بعد آپ احساس دلانا بھی چاہیں تو لوگ اتنے ہٹ دھرم ہوچکے ہوتے ہیں کہ آپ کی طرف سے بہت آرام سے کان لپیٹ لیتے ہیں۔ ماہین نے یہی کیا تھا شروع میں اپنی کسی ضرورت کسی خواہش کا احساس عارف علی کو نہ دلایا تھا کبھی کچھ نہیں مانگا تھا قناعت پسندی سے جینے کو اپنا طرز زندگی بنالیا اور اس کا نتیجہ عارف علی کی بے پروائی بے نیازی اور غیر ذمہ داری کی صورت میں آج ان کے سامنے آرہا تھا اور اب عارف علی جس نہج پر جینے کا عادی ہوچلا تھا اس راہ پر کہیں ماہین اور ان کی بچیوں کے لیے کوئی پُرسکون پڑاؤ نہیں تھا۔ حالات کی تمازت سے جھلستا احساس محرومی سے اندر ہی اندر کٹتے رہنا۔ جلتے کڑھتے رہنا ہی ان کا مقدر تھا اور اس سب کے بعد اب باپ کے گھر پر سے ان کا حق و اختیار بھی چھن جاتا تھا کیونکہ اگر ہادیہ اور انیقہ یہاں بڑی امی کے گھر پروان چڑھتیں تو باپ کے گھر سے انہیں کچھ ملنے کی امید رکھنا عبث تھا۔ یعنی ہر صورت میں لاحاصلی ہی ان کا نصیب تھی۔

❁......❁......❁......❁

چار ماہ ایمسٹرڈیم میں کیفے ریسٹورنٹ ٹی زوانتے میں ویٹر کا کام کرتے ہوئے شہباز خاصا مشاق ہوچکا تھا گھر پر ہر ماہ معقول رقم بھیجنے کے باوجود اس کے پاس خاصی رقم پس انداز ہوچکی تھی جن میں سے ہر ماہ اپنا آنٹی کو بھی وہ کچھ نہ کچھ دیتا تھا۔ پہلی دفعہ کے بعد اپنا آنٹی نے اس سے دوبارہ کبھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ کچھ وقت مزید

گزرا اور وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ ویزہ ختم ہونے سے پہلے کس طرح کوئی ایسا لائحہ عمل بنالیا جائے جس کی بدولت اس کے لیے یہاں سروائیو کرنا آسان ہوسکے۔ یہ ایریا اس کے لیے خاصا پُرسکون اور فائدہ مند ثابت ہوسکتا تھا۔ لیکن اس صورت میں اگر اس کے پاس یہیں کے کاغذات ہوتے اور یہاں رہنے کے لیے اور لیگل ہونے کے لیے جو حل علی حسن صاحب نے اسے بتایا تھا وہ فی الحال اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ رات میں اس نے علی حسن صاحب سے اس حوالے سے بات کرنے کی ٹھان لی۔ رات کھانے کے بعد جب وہ اپنے اسٹوڈیو میں چلے گئے تو وہ بھی اینا آنٹی کو انفارم کر کے وہیں چلا آیا۔ وہ پہلی بار ان کے اسٹوڈیو میں آیا تھا۔ تبھی اسے وہاں موجود پاکر وہ پہلے تو قدرے حیرت سے چونکے پھر مسکرادیے۔

"آؤ...... آؤ برخوردار آج تو ہمارے اسٹوڈیو کے نصیب جاگ گئے۔" وہ ایسے ہی بزلہ سنج تھے برجستگی کے ساتھ بولنے والے۔

"ارے انکل کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔"

"نہیں بھئی شرمندہ کیوں کریں گے میں تو بے حد خوش ہوا ہوں کہ تم آج یہاں بے دھڑک چلے آئے مجھے اور اس گھر کو اپنا سمجھا ناں...... تبھی آئے۔"

"ایک بہت اہم بات کرنی تھی جو اینا آنٹی کے سامنے کرنا شاید مناسب نہیں کیونکہ وہ میری ماں کی طرح ہیں اور ماں کے دل کو دکھانا میں ٹھیک خیال نہیں کرتا۔"

"ارے ایسا کیا ہے جو تم اینا سے بھی چھپانا چاہتے ہو؟" علی حسن صاحب بری طرح چونکے کیونکہ شہباز اور اینا کی بے تکلفی بہت اچھی طرح جانتے اور دیکھتے آئے تھے۔ شہباز ہر بات اینا سے ڈسکس کرتا تھا اور اینا کی ہر بات کو بے حد اہمیت بھی دیتا تھا۔

"انکل میں جانتا ہوں میں ان کے لیے میکائل حسن کی ایک پرچھائیں ہوں وہ مجھ میں اسی کو کھوجتی اور دیکھتی ہیں لیکن یہ آپ بھی بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ میں مستقل یہاں نہیں رہ سکتا۔ بہت سے معاملات جن پر میرا کوئی بس نہیں ہے اور میں اپنی وجہ سے آپ دونوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ کچھ وقت مزید ہے ویزہ ختم ہوتے ہی میں پھر سے ال لیگل ہو جاؤں گا۔ ایسی صورت میں آپ کے لیے اور اینا آنٹی کے لیے میں پریشانی کی وجہ بن جاؤں گا۔ آپ یقیناً میری بات سمجھ رہے ہوں گے۔"

"جی بیٹا جی تم بولو۔" ان کی پوری توجہ اس کی جانب تھی۔

"جہاں تک بات ہے یہاں شادی کی تو انکل میں فی الحال خود کو ایسے کسی جھنجھٹ میں پھنسانا نہیں چاہتا اور نہ ہی اپنی محنت اور مشقت کی کمائی ان مفت خور یورپین عورتوں پر لٹانا چاہتا ہوں کیونکہ میری اس کمائی کی سب سے بڑی حق دار میری ماں ہے اور میرا خاندان ہے۔ جنہوں نے آج تک کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزاری ہے اور شاید آپ کو اینا آنٹی نے بتایا ہو میری شادی شدہ بہن انہی دنوں بچیوں کے ہمراہ ہمارے ہی گھر آگئی ہیں یعنی اب وہ تینوں بھی میری ہی ذمہ داری ہیں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں شہباز یہ ایک سنجیدہ معاملہ ہے ٹھیک ہے مزید بولو۔"

"اب ایسی صورت حال میں آپ خود مجھے بتائیں کہ کیا میں ایسی حالت میں خود کو کسی اور معاملے میں پھنسانے کا رسک لے سکتا ہوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" شہباز نے صاف اور کھرے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں بیٹا...... ان میں سے کوئی بات بھی غلط نہیں ہے اور یقیناً اینا بھی تمہیں درست مشورہ دیتی اگر تم اس سے بھی ڈسکس کر لیتے تو۔"

"بے شک مجھے اینا آنٹی سے کوئی شکوہ یا ان پر بے یقینی نہیں لیکن وہ عورت ہیں نرم دل رکھتی ہیں میں اگر یہاں سے جانے کا کہوں گا تو انہیں بے حد تکلیف ہوگی اور میں انہیں کوئی بھی تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"وہ تو تم جب بھی جاؤ گے بیٹا اسے تکلیف تو ہوگی
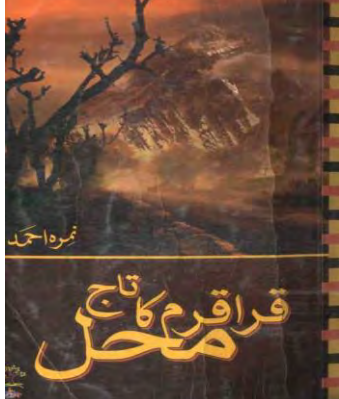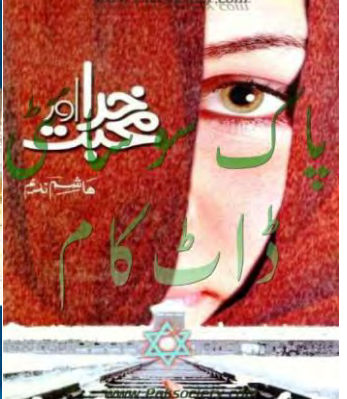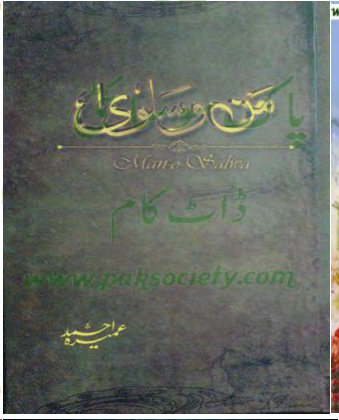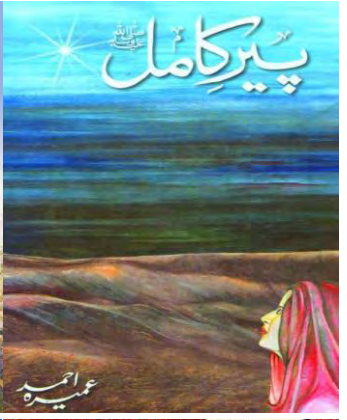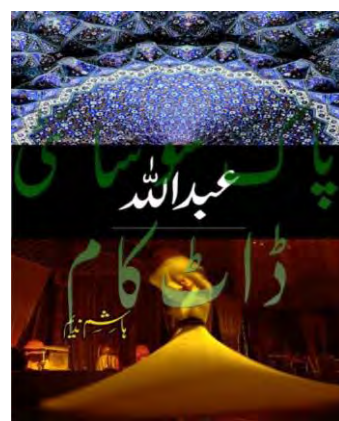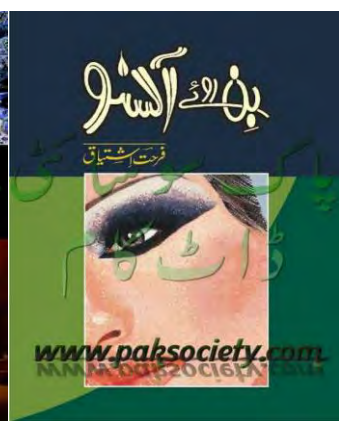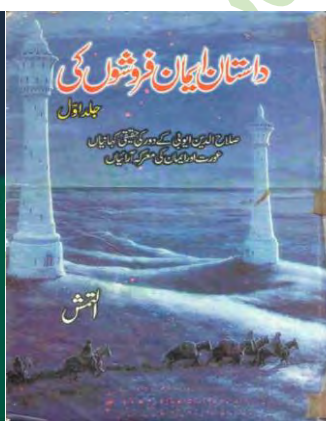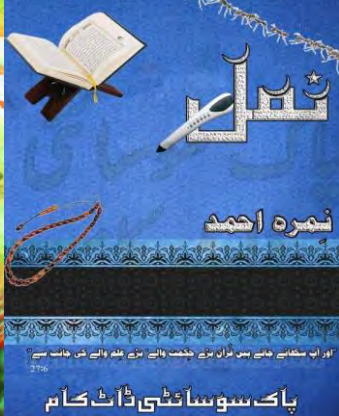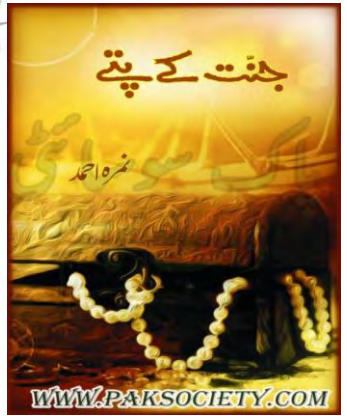
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہی...... وہ تمہیں بیٹا کہتی ہی نہیں دل سے سمجھتی بھی ہے۔“
”آئی نو انکل...... بھی یہ سب میں ان سے نہیں آپ سے ڈسکس کررہا ہوں۔“
”اب تم مجھے یہ بتاؤ شہباز میاں کہ دراصل تم چاہتے کیا ہو؟ مجھ پر واضح ہوگا تبھی تو کوئی مشورہ دے پاؤں گا ناں۔“ علی حسن مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر بولے۔
”انکل میں اسی ویزے کے دورانیے میں ہالینڈ سے باہر جانا چاہتا ہوں کیا اس سلسلے میں آپ میری مدد اور رہنمائی کرسکتے ہیں۔“
”او یعنی تم ایمسٹرڈیم سے نہیں کنٹری سے ہی جانا چاہ رہے ہو۔“ انہوں نے مبہم سے انداز میں کہا۔
”جی انکل۔“
”ہوں مجھے سوچنے دو۔“ وہ کچھ دیر کے لیے جیسے کسی سوچ میں گم ہوگئے۔
”اسی ویزے کے دوران تم یہاں سے جانا چاہتے ہو۔“ کچھ توقف کے بعد جیسے اچانک انہیں کچھ یاد آگیا۔
”ارے واہ یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا...... گڈ تم سمجھو شہباز تمہارا کام بن گیا۔ میرا ایک بہت بہترین دوست سوئیٹزرلینڈ میں رہتا ہے میں اس سے بات کرتا ہوں ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ بہتر حل نکل آئے گا۔“ وہ پُرخلوص لہجے میں بولے۔ شہباز کے دل پر سے جیسے سارا بوجھ انہوں نے اتار کر اپنے کندھوں پر دھر لیا تھا۔
”انکل کسی قسم کی پریشانی تو نہیں ہوگی ناں آپ کے لیے۔“
”ارے نہیں بھئی۔ ایک ذرا سی زبان ہی تو ہلانی ہے کیا پریشانی...... اب تم جاکر آرام سے سو جاؤ صبح بات کریں گے۔“
”ٹھیک ہے انکل...... بے حد شکریہ۔“ شہباز نے عقیدت سے ان کی طرف دیکھا۔
”شکریہ پاکٹ میں رکھو اب جاؤ۔“ انہوں نے مصنوعی غصے سے اس کی طرف دیکھا اور پھر ایزل لگی اپنی ایک نامکمل لینڈ اسکیپ کی طرف متوجہ ہوگئے تو شہباز بھی اٹھ کر باہر نکل آیا۔

اگلے کچھ دن خاصی مصروفیات کی نذر ہوگئے۔ علی حسن صاحب نے نہ صرف اپنے دوست سے شہباز کے متعلق تمام بات چیت کرلی بلکہ وہ شہباز کو اپنے پاس بلانے پر راضی بھی ہوگیا۔ ادھر باقاعدہ ویزے کے دوران اس کا سوئیزرلینڈ جانا بھی خاصا آسان رہا تھا بس ایک الجھن تھی اور وہ یہ کہ ایناآنٹی کو جب سے پتہ چلا تھا کہ وہ جارہا ہے وہ دن میں وقفے وقفے سے کئی بار آنسو بہاتی نظر آتیں۔ شہباز کے لاکھ یقین دلانے کے باوجود کہ وہ ان سے ملنے ہالینڈ ضرور آئے گا انہیں اس کی کسی بات پر ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا۔
”جب میکال اتنے سالوں بعد بھی نہیں آیا تو تم بھی نہیں آؤ گے۔“ اسے اکثر یہی کہتی سنائی دیتیں۔
”اوفوہ...... اینا آنٹی بیٹا کہتی ہیں اور بیٹے پر اتنا سا بھی یقین نہیں کتنے افسوس کی بات ہے یہ۔“ وہ لاڈ سے ان کے پاؤں کے قریب نیچے زمین پر بیٹھا ان کے گھٹنوں پر ہاتھ دھر کر بولتا۔
”یقین ہے تم پر شاہ باز...... لیکن وقت بہت ظالم ہے یہ اسی طرح دور کردیتا ہے مجھ سے میرے اپنوں کو۔ میں ماں ہوں اور اپنے بچوں کے بغیر جینا کسی ماں کے لیے کتنا مشکل ہوتا ہے تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو شاہ باز...... اور ایسا کیوں ہے کہ ہمیشہ میرے ساتھ ہی ایسا ہوتا ہے اور ہوتا ہی چلا جاتا ہے۔“ اینا آنٹی نے اپنی پہلے سے سرخ ہوتی ناک کو اور زور سے دبا کر سرخ کرلیا۔
”اوہو اینا آنٹی آپ پلیز مجھے ایک آدھ تھپڑ رسید کردیں مگر اپنی اس خوب صورت سی ننھی منی ناک پر اتنا ظلم نہ کریں۔“ شہباز نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ ان کی طرف دیکھا تو وہ بھی بھیگی پلکوں کے ساتھ مسکرادیں۔
”یو آر رچ آ ڈ پول شاہ باز۔“ انہوں نے ایک عدد مکا اس کے کندھے پر جڑ دیا۔ ”چلو اٹھو میں نے کھانا تیار کرنا

ہے اور ہاں یہ مت سمجھنا کہ تمہاری جان چھوٹ گئی۔ ایسا پاسیبل نہیں ہے تمہیں جستی فائی کرنا ہوگا کہ تم ہمیں چھوڑ کر کیوں جارہے ہو اور عالی سے بھی میں اچھی طرح نمٹوں گی بچوں کی ہر جائز ناجائز مانتے ہوئے ہمیشہ یہ مجھے اگنور کردیتے ہیں۔" اینا آنٹی اپنی بات ختم کرکے کچن کی طرف بڑھ گئیں اور شہباز گہری پُرسوچ نگاہیں ان پر ٹکائے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگا۔

بے شک یہ پڑاؤ بہت حسین بے حد پُرسکون تھا لیکن اسے اپنی منزل کی طرف قدم بڑھانے تھے۔ محبتوں کا قرض چکانا تھا اسے اجنبی چہروں کے درمیان محبت و شفقت کا حصار خدائے واحد کی مہربانی سے صرف اس لیے ملا تھا کہ وہ کچھ دیر کو ستا سکے کچھ دیر اپنی پریشانی اور اذیت سے ہٹ جائے اور ایک بار پھر آگے آنے والے طوفانوں کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کرسکے۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کی نظر کچن میں کام میں مصروف اینا علی پر پڑی اور اسٹول پر پانی کا گلاس تھامے علی حسن صاحب پر بھی۔

"بی بریو اینا اب تمہیں چاہیے کہ زندگی کو اس کی تمام تلخیوں اور تبدیلیوں سمیت قبول کرلو۔" اس کے کانوں میں علی حسن کی آواز آئی۔

"یہ طے ہے کسی کے زندگی سے چلے جانے سے دنیا ختم نہیں ہوجاتی۔ دنیا کے کاموں کا تسلسل جاری رہتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا ہے تو ہم لوگ حقیقت کو تسلیم کیوں نہیں کرلیتے۔ تم جانتی ہو ناں میں تسلسل پسند ہوں۔ جدت‘ ردو بدل کو کبھی بھی نہ پسند کرنے والا۔ اس کے باوجود میں خود کو ڈھال لیتا ہوں۔ مانوس کرلیتا ہوں ماحول سے‘ چیزوں سے‘ انسانوں سے اور اس کے جذبوں سے بھی...... لیکن پھر کہیں نہ کہیں اس انسیت کا اختتام بھی تو ہونا ہوتا ہے ناں اینا علی حسن۔ تو وقت جیسے اور جس طرح ہمیں لے کر چلنا چاہتا ہو سو لے چلے۔ تم میں ہم سب بس اس کے ہیں ہم سب بس اس کے followers ہیں۔ ہم اسے Dominate نہیں کرسکتے۔ سوائے اتنے قیمتی آنسو مت بہاؤ اینا کیونکہ آج بھی تمہارے آنسوؤں سے مجھے ویسی ہی اول روز جیسی تکلیف ہوتی ہے۔"

شہباز نے ان کی مکمل بات سن لینے کے بعد قدم آگے بڑھائے۔ کچھ دیر پہلے اینا علی کے لیے اس کے دل میں جو خدشات تھے وہ سب جیسے فضا میں تحلیل ہوگئے۔ کیونکہ اسے تسلی تھی علی حسن بہت احسن طریقے سے اینا کو نہ صرف سنبھال لیں گے بلکہ ان کی ہمراہی میں بہت جلد اینا علی اس کی جدائی کے فیز سے نکل آئیں گی۔ اب وہ بہتر انداز میں آگے بڑھنے کے بارے میں سوچ سکتا تھا۔

❁......❁......❁......❁

دل میں بہت گھٹن ہے، بہت آنسو ہیں۔ اپنی کم مائیگی کا احساس ہے۔ کس قدر بے مایہ ہوں کتنی بے شناخت میری کرچی کرچی روح اذیت کے کتنے پلوں سے گزری‘ کتنے شمشانوں میں جلی‘ کتنے گھاٹوں پر موت کے مہیب سایوں سے ڈرتی‘ خود کو بچاتی محض‘ میں ایک فرض کی ادائیگی پر مامور رہی کہ ایک ماں میں...... ماں جو غرض سے ماورا ہے۔ ماں جو بے لوث ہے اخلاص کا سرچشمہ۔ سچائیوں کی معراج۔ ہر درد اولاد کے نام پر سہہ جانے والی۔ کبج کبج کر ننگے پاؤں مسلسل کانچ پر چلنے والی۔ لیکن آج میں ہار رہی ہوں۔ پل پل یہ احساس سانس روک دیتا ہے کہ میری بیٹیاں اپنے حق سے محروم ہوکر اپنے ننھیال میں پلیں گی۔

کل اس آنگن میں جانے کس خاندان کی کس سوچ کی مالک لڑکیاں بہوئیں بن کرآئیں گی۔ میری ذات اور میری بیٹیوں کا وجود ان کے لیے ناگوار بوجھ بن جائے گا آج میرے بھائی جو ہر پل میرے لیے میرے بچوں کے لیے سوچتے ہیں اپنی بیویوں کے آنے کے بعد اگر ان کی سوچیں بدل گئیں۔ تب میں کیا کرپاؤں گی۔

ماہین حقیقت پسندی کے ساتھ سوچ رہی تھی وہ جانتی تھی کہ بظاہر پُرسکون نظر آنے والے حالات آگے جاکر ان کے لیے اور ہادیہ انیقہ کے لیے کتنے صبر آزما اور مشکل

ہوسکتے ہیں۔ وہ اپنی وجہ سے کسی رشتے کو کسی امتحان میں ڈالنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ خاص طور پر وہ رشتے جو ان کے لیے حاصل زندگی تھے۔ ان کا مان اور بھروسہ تھے وہ کیسے یہ گوارا کرلیتیں کہ ان کے لیے کسی کے دل میں بھی کسی قسم کا منفی خیال پنپنے پائے۔ شام میں ہادیہ، ایقہ ساجی ماموں کے ساتھ صحن میں بیٹھی باتیں کررہی تھیں جب اچانک گیٹ دھڑ دھڑانے کی آواز آئی۔ ساجی ماموں اٹھ کر گئے اور جب واپس آئے تو ان کا رنگ بالکل پھیکا پڑچکا تھا۔

''عارف بھائی باہر کھڑے ہیں بی بی باجی...... ہادیہ اور ایقہ کو بلارہے ہیں۔'' بمشکل ان کے منہ سے یہ نکلا تھا۔ ماہین اپنی جگہ جیسے پتھر کی ہوگئیں۔ ایقہ تو بھاگ کر ماہین کے کندھے سے جالگی۔

''ماما جی...... ہم نے نہیں جانا آپ ابو سے کہیں ناں ہمیں آپ کے پاس رہنے دیں...... ہم آپ کے پاس رہنا چاہتے ہیں۔ ماما جی......''

''تو ٹھیک ہے پھر جاکر خود کہو اپنے باپ سے......'' بڑی امی عصر کی نماز ادا کرکے فارغ ہوتے ہی بولیں۔ ''جا کر کہو کہ تم اپنی ماں کے ساتھ رہنا چاہتی ہو......''

''امی جی...... یہ کیسے کہہ سکتی ہیں آپ۔ انہیں اندر بلا کر خود بات کرلیں ان سے۔'' ماہین زرد چہرے کے ساتھ اپنی ماں کا منہ دیکھ کررہ گئیں۔

''نہیں...... تم اچھی طرح جانتی ہو ماہین کہ اگر میں نے اس کا سامنا کیا تو پھر ہم دونوں کو ہی اتنا غصہ آئے گا کہ بہت کچھ مزید برا ہوجائے گا۔ میں اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ جس نے میری پھول جیسی بچی کو اذیت میں رکھا اور اب تک مسلسل اذیت دیئے جارہا ہے۔ جسے یہ تک احساس نہیں کہ ماں سے بچوں کو چھین کر وہ آخر کون سا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ میرے کلیجے پر وار کیا ہے اس نے۔ اسے دیکھ کر وہ سارے زخم پھٹ جائیں گے جن پر مشکل سے کھرنڈ آیا ہے۔ اس کی اولاد ہے یہ منواسکتی ہے تو منوالیں ورنہ اپنا گند سنبھالے خود۔ میری بیٹی مجھ پر بوجھ نہیں۔'' بڑی امی کے سختی سے کہے الفاظ نے کچھ پل کے لیے ہادیہ اور ایقہ کو بھی متحیر کردیا تھا۔ اپنی مہربان، محبت بھری نانی کے منہ سے اپنے لیے ایسے الفاظ شدید اچنبھے اور دکھ کا باعث تو تھے لیکن فی الحال سب سے بڑا مسئلہ ماں سے دوری کا تھا جو کسی صورت نہیں چاہتی تھیں۔

''میں جاتی ہوں ماما جانی......'' ہادیہ آگے بڑھی۔

''ایقہ تم بھی جاؤ ہادی کے ساتھ...... ابو ہیں تمہارے بیٹا...... کچھ نہیں کہیں گے۔'' ماہین نے ایقہ کو بازو سے پکڑ کر آگے کیا۔

''نہیں...... وہ ہمیں زبردستی پکڑ کرلے جائیں گے۔ ہادی تم بھی مت جاؤ۔ گیٹ بند کردو پھر وہ اندر نہیں آئیں گے۔''

''ماما جی...... ہادی کو روک لیں ناں وہ نہ جائے۔'' ایقہ گھبراہٹ میں روتے ہوئے بولی۔

''لیکن ہادیہ کے پرعزم قدم گیٹ کی جانب بڑھ چکے تھے۔ اس نے چھوٹے گیٹ سے باہر جھانکا۔ قدرے فاصلے پر گراؤنڈ میں لگے درخت کے تنے سے ٹیک لگائے عارف علی گیٹ پر نگاہیں جمائے کھڑا تھا۔ اسے باہر آتا دیکھ کر سیدھا ہوگیا۔

''السلام علیکم ابو......''

''وعلیکم سلام...... ایقہ کہاں ہے ہادیہ پتر؟ اسے بھی بلاؤ میں آپ دونوں کو لینے آیا ہوں۔''

''ابو...... ہم نے نہیں جانا......'' بمشکل تمام لرزتے لبوں سے اتنا ہی نکلا۔

''کیا مطلب......؟'' عارف علی کرنٹ کھانے والے انداز میں پلٹا۔

''ابو...... میں اور ایقہ ماما جی کے پاس رہنا چاہتے ہیں۔'' دبوسی ہادیہ میں جانے کہاں سے اتنا حوصلہ آگیا تھا۔ وہ جو عارف علی کے آجانے پر بچپن میں بیڈ کے نیچے تو کبھی دروازے کے پیچھے چھپ جایا کرتی تھی۔ آج بے شک نظریں جھکی ہوئی تھیں مگر لہجے میں ایک محسوس کی جانے والی سختی نے عارف علی کو حیران کردیا۔

"ہمیشہ کے لیے......؟" عارف علی نے پوچھا۔
"جی......" اسی انداز میں جواب آیا۔
"یعنی قطعات......" عارف علی نے اپنی زبان اور انداز میں قطع تعلق کے حوالے سے سوال کیا۔
"جی......ابو......" ہادیہ اندر سے بے طرح گھبرانے کے باوجود اوپر سے خاصی مضبوط ہو کر بولی۔
"ٹھیک ہے......" توقع کے برخلاف بنا کوئی شور شرابہ کیے لعن طعن یا ڈرامہ رچائے عارف علی نے بس اتنا کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ ہادیہ بے یقینی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ آنکھوں سے چھلک پڑنے والے آنسوؤں کو بے دردی سے پونچھتی وہ گیٹ سے اندر آ گئی۔ گھر کے اندر موجود تمام نفوس پر ایک محسوس کی جانے والی گھبراہٹ طاری تھی۔ جب ہادیہ نے عارف علی کے چلے جانے کا بتایا تو سب کی حیرت سوا ہو گئی کہ بنا کوئی سخت سست کہے عارف علی ایسے کیسے چپ چاپ چلا گیا۔ البتہ صرف ایک ماہین تھی جو بنا کوئی سوال جواب کیے بس شکرانے کے نفل ادا کرنے چل پڑی تھی کیونکہ کو دسوئی ہو جانے کا ڈر ان کے اندر کوڑیالے سانپ کی طرح پھن پھیلائے بیٹھا رہا تھا۔ جتنی دیر ہادیہ باہر رہی تھی وہ جانے کتنی آیات دہرا بیٹھی تھی۔ اوپر سے خاموش اور اندر سے بلکتے دل کے ساتھ بس وہ اپنے رب سے صرف اتنی دعا مانگ رہی تھیں کہ ان کی بیٹیاں ان سے دور نہ ہوں۔ ان کے آنگن کے یہ پھول ان سے دوری کے احساس سے ہی مرجھانے لگتے تھے کجا کہ وہ ان سے اتنی دور ہو جائیں کہ وہ پھر کبھی ان کو دیکھ نہ سکتیں۔

❀......❀......❀......❀

زیورخ...... بے حد امیر شہر...... سوئزرلینڈ دنیا کی جنت کا ایک ٹکڑا...... جہاں قدرت نے حسن کا ایک جہاں بے کراں سا نگاہوں کے سامنے ہویدا کر دیا۔ اس کی ستاروں بھری خوب صورت راتیں اور اس کے روشن سنہری دن۔ آنکھوں کو تروتازہ کر دینے والا سبزہ اور جھیل زیورخ کا حسین اور خوش نما منظر...... شہباز زیورخ میں قدم رکھ چلا تھا۔ علی حسن کا دوست سید عبدالرحیم آغا ایک خوب صورت، خوب سیرت مہربان پٹھان تھا جو یہاں کی پولیس میں ایک اہم عہدے پر تھا۔ کسی حد تک شہباز کے لیے ایک مضبوط ڈھال بن سکتا تھا وہ۔

سب سے پہلے کچھ کارروائی کی خاطر اسے اپنے آفس لے آیا تھا اور پھر وہاں سے اپنے لگژری اپارٹمنٹ میں۔ اس اپارٹمنٹ میں آتے ہی اسے بالکل یہ احساس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ پاکستان سے باہر کسی اور ملک کے کسی اور شہر میں موجود ایک گھر میں کھڑا ہے۔

عبدالرحیم آغا نے یہاں خالصتاً علاقائی طرز کی سجاوٹ کر رکھی تھی۔ دیواروں پر موجود ہینگرز، دیواروں کے ساتھ لگے گدے اور گاؤ تکیے۔ اسپیشل حقہ، ٹریڈیشنل قسم کے چند موڑھے تھے...... شہباز کو اپارٹمنٹ اور اس کا مالک دونوں ہی بے حد اچھے لگے۔

"میں یہاں اکیلا ہی رہتا ہوں۔ بقول میرے قریبی لوگوں کے میرے سینے میں دل نہیں جسٹ ہارٹ بیٹس کیلکیولیٹ کرنے والا آلہ لگا ہوا ہے کیونکہ کئی سالوں سے میں نے کسی رہنے والے کی صورت نہیں دیکھی۔" شہباز نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک طویل عرصہ پہلے دشمنی کی وجہ سے میرے خاندان کے سبھی لوگوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ صرف میرے بوڑھے دادا اس حادثے میں زندہ بچے تھے۔ انہوں نے فوری طور پر تمام جائیداد فروخت کی اور مجھے لے کر یہاں آ گئے۔ چند سال تک وہ میرے ساتھ رہے مجھے یہیں کی نیشنلٹی ملی اور میں نے اپنی تمام تعلیم یہیں حاصل کی۔ زندگی میں اپنے دادا کے سوا میں کسی سے بھی جڑا ہوا نہیں تھا۔ سو ان کے چلے جانے کے بعد میرے اس اپارٹمنٹ میں آج تک کوئی نہیں آیا۔ علی حسن میرا بہت اچھا دوست ہے اس نے تمہارے حوالے سے اس طرح بات کی کہ میں کسی طور انکار نہیں کر پایا اور تمہیں بلانے کی حامی بھر لی...... تم بھی کیا سوچتے ہو گے کہ صرف میں بول رہا ہوں۔ اصل میں تمہارے متعلق تو میں سب ہی کچھ جانتا

ہوں جو کچھ علی حسن کو پتہ ہے۔" سید عبدالرحیم آغا خاصے پراسرار انداز میں مسکرایا۔ یا پھر شہباز کو ایسا لگا جیسے اس کی ہیرے کی انی جیسی چمک دار آنکھوں میں کچھ راز پوشیدہ تھے۔

"تم کیا لو گے......؟ چائے، کافی یا کوئی ڈرنک......؟"

"کچھ بھی نہیں سر......" شہباز نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

"دیکھو برخوردار...... تکلف نہیں چلے گا اور وہ اس لیے کہ تمہیں یہیں رہنا ہے...... تکلف سے تکلیف ہی ہوگی۔" اس کے انداز سے جھلکتی برجستگی پر شہباز بھی مسکرا اٹھا۔

"سر مجھے ایک بے حد اہم اور ضروری بات کرنی ہے اور وہ یہ کہ مجھے جسٹ گائیڈ لائین چاہیے ہوگی میں آپ پر بوجھ نہیں بن کر رہنا چاہوں گا۔"

"خدا قسم یہی بات علی حسن نے بھی کہی تھی کہ تم احسان لینا گوارا نہیں کرتے۔ ٹھیک ہے برخوردار ٹھیک ہے آج کے دن تو میزبانی کا شرف دینا پڑے گا تمہیں ورنہ پٹھان کے جذبہ مہمان نوازی کی توہین کا باعث بنو گے۔ کل کی کل دیکھی جائے گی۔" وہ مسکرایا تو شہباز بھی مسکرا دیا۔

"فی الحال یہ اپارٹمنٹ تمہارے ڈسپوزل پر ہے نہا دھو کر فریش ہو کر آرام کرو۔ کچن میں کچھ اسنیکس بنانے والی چیزیں موجود ہیں۔ بھوک لگے تو اپنی مدد کے تحت تیار کر لینا ان شاء اللہ رات کھانے کی ٹیبل پر ملاقات ہوگی اللہ نگہبان......" اسے وہیں چھوڑ کر سید عبدالرحیم آغا وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اس نے ابتدائی ہدایات پر تو عمل کر لیا کچن میں جا کر اپنی لیے کچھ تیار کرنے کی بجائے اس نے بھرپور نیند کو ترجیح دی۔ شاید تین چار گھنٹے مستقل بہتر نیند لینے کی وجہ سے جب شام میں آغا صاحب سے اس کی ملاقات ہوئی تو وہ خاصا تازہ دم تھا۔ کھانے پر آغا صاحب نے خاصا تکلف کر ڈالا تھا۔ خالصتاً ایشین مصالحے دار کھانے بھوک کی اشتہا بڑھا رہے تھے۔

"سر آپ نے بہت تکلف کیا؟" شہباز کو اتنے بہت سے مختلف فوڈ آئیٹمز کو دیکھ کر شرمندگی ہو رہی تھی۔

"او یارا...... یہ کیا ہے کاش تم ہمیں کوئٹہ میں ملے ہوتے پھر دیکھتے وہاں کی روایتی ڈش کھلاتے کھڈی کباب، لاندی، ذائقہ نہیں ہے ان میں یار...... اصل میں خاتون خانہ جو نہیں ہے۔ چراغ باورچی خانہ ہوتی ہے۔ اپنے کو تو یہ بھینگی انگریز ایک آنکھ نہیں بھاتیں شادی ہو تو پٹھان سے ہو...... اپنے جیسی روایتی بنیاد پرست سے...... ورنہ نہ ہو۔" وہ خاصے دلچسپ اور باتونی شخص سے مل رہا تھا۔ صبح کے بالکل برخلاف اس وقت عبدالرحیم خان دوستانہ موڈ میں تھا۔ کھانے کے بعد اس نے تمام بچا کچھا کھانا اٹھا کر جیسے تیسے فریزر میں رکھا اور الیکٹرک کیٹل میں گرین ٹی تیار کی۔

"میں تو قہوہ پیتا ہوں تم اگر چائے پینا چاہو تو تمہاری مرضی......"

"جتنا کچھ آپ نے کھلا دیا ہے اس کے بعد گرین ٹی ہی مناسب رہے گی۔" شہباز مسکراتے لہجے میں بولا۔

"اوہ...... اچھا...... اچھا...... ٹھیک۔" غالباً یہ اس کا تکیہ کلام تھا۔ قہوہ کپوں میں انڈیل کر وہ کامن روم میں آ گئے۔

"ہاں تو برخوردار...... میرا خیال ہے اب ذرا کھل کھلا کر بات چیت کی جائے تو بہتر ہوگا۔ علی صاحب نے تمہارے متعلق جو بتایا ہے اس لحاظ سے تم ایک محنت کش انسان دکھائی دیتے ہو۔ جس شہر میں تم اس وقت موجود ہو یہ سوئیزرلینڈ کا کراچی ہے...... کچھ سمجھ آئی؟"

"جی...... یعنی مائی باپ۔"

"بالکل یہاں اگر کسی کو کھانے کی تلاش ہو تو اسے کچھ نہ کچھ کھانے کو مل جاتا ہے کوئی بھی بھوکا نہیں مرتا۔ زیورخ مہنگا ترین شہر ہونے کے باوجود کم سے کم چھ لاکھ ایسے شہریوں پر مشتمل ہے جو پاورٹی لائن یعنی غربت کے معیار سے بھی نیچے زندگی گزار رہے ہیں ایک طرف سب سے

بڑا ریلوے اسٹیشن انٹرنیشنل ایئرپورٹ بہترین ترین کنکشنز اور ویل ڈیولپڈ اور نیٹ ورک نے اسے ترقی یافتہ شہروں میں شامل کردیا ہے تو دوسری طرف بے روزگار افراد کی بڑھتی شرح نے اس کی اکانومی پر بھی بے حد بوجھ ڈالا ہے۔ یہاں تمہیں رومن کیسل‘ کیرولنگین امپیریل پیلس جیسی مصروف تاریخی عمارتیں بھی دکھائی دیں گی اور جدید وقدیم زبانیں بولنے والے مختلف طبقات میں بٹے لوگ بھی۔ یہ چرچز اور ہاؤسز کا کلسٹر ہے اور یہاں تمہیں دنیا کی مشکل ترین زبانیں سننے کو ملیں گی۔ زیورخ جرمن‘ سوئز جرمن‘ ڈگلوسک سوئز‘ جرمن سوئز‘ سٹیڈ جرمن جن میں سے اگر سیکھنے کی کوشش کرو تو سوئز جرمن قدرے آسان ہے۔“ شہباز کو سید عبدالرحیم آغا ایک چھوٹا انسائیکلوپیڈیا دکھائی دے رہا تھا جس نے مختصر وقت میں اس شہر کا سارا حال وجغرافیہ بیان کرکے رکھ دیا تھا۔

”تم مجھے وکی پیڈیا مت سمجھنا۔ یہ سب میں نے تمہاری آسانی کے لیے بتایا ہے کہ تمہیں یہاں کے ماحول کو سمجھنے میں کچھ آسانی ہو۔ ویسے تمہاری تعلیم کتنی ہے؟“ وہ مسکرا کر بولے۔

”آئی سی ایس کے بعد پڑھائی کو خیرآباد کہہ دیا تھا سر۔“

”کیا مزید پڑھنے کا ارادہ رکھتے ہو؟“

”پہلے بہت شوق تھا مگر اب نہیں لگتا کہ کچھ پڑھ پاؤں گا۔ بہتر یہی ہے کہ کام کروں اور اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی تعلیم ان کے شوق پورے کروں۔“

”میرا اندازہ تھا کہ اگر تم کچھ مزید تعلیم حاصل کرلیتے تو تمہاری ترقی کے چانسز مزید بڑھ جائے خیر..... دیکھتے ہیں۔“

”جی سر..... میں یہاں کسی بھی قسم کا کوئی سا بھی کام کرنے کو تیار ہوں۔ جتنی بھی مشقت کرنے پڑے سر۔ کیونکہ میں اپنے گھر سے مشقت کے خیال سے ہی نکلا ہوں۔ کچھ بھی ہوجائے مجھے واپس نہیں جانا۔ یہیں رہ کر میں اپنے گھر کے سب افراد کی ہر خواہش ہر حسرت پوری کرپاؤں گا۔ پاکستان میں جس قدر بھی کام کروں دو وقت کی دال روٹی سے آگے کچھ بھی سوچنا ممکن نہیں میرے لیے اور میرے اوپر اور بہت سی ذمہ داریاں ہیں سر۔“

”ہاں مجھے علی حسن نے بتایا ہے کہ تم نے گلیوں میں جھاڑو لگائے‘ ویٹری اور مزدوروں کے ساتھ اینٹیں اور بلڈنگ میٹریل تک اٹھانے کا کام کیا ہے اور شاید بیمار بھی پڑ گئے تھے۔“

”جی..... میرے سینے میں انفیکشن ہوگیا تھا۔ سیمنٹ ریت کا کام کرنے کی وجہ سے چیسٹ اور لنگز پرابلم ہوگیا تھا مگر اب بھی ٹھیک ہوں اور ہر قسم کا کام کرسکتا ہوں۔“ شہباز کی بے ریا آنکھوں سے جھلکتا عزم عبدالرحیم آغا کو بے حد متاثر کرگیا۔

”پرعزم بہادر اور جری لوگ مجھے ہمیشہ سے بے حد اچھے لگتے ہیں۔ مشکلات کا سامنا کرنے والے اپنے اندر کے جذبے سے باہر کی ہر مشکل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے۔ ٹھیک ہے برخوردار ان شاء اللہ رب کریم نے چاہا تو بہت اچھا ہوگا۔“ اس نے شہباز کا کندھا تھپکا۔

”جی سر..... مجھے بھی یقین ہے کہ زندگی میں آسانیاں خود بخود نہیں آتیں انہیں لانے کی کوشش کرنی پڑتی ہے اور اگر ان کوششوں میں آپ کا اخلاص آپ کے اپنوں کی دعائیں اور آپ کے خالق کی رضا بھی شامل ہو تو پھر ان آسانیوں کو اور آسائشات کو آپ تک پہنچنے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔“

”شاباش برخوردار..... بہت اچھی سوچ ہے تمہاری ٹھیک ٹھیک..... میرا خیال ہے ابھی رات کافی ہوچلی ہے سوجانا بہتر ہے۔“

”جی سر اور اگر آپ مجھے اجازت دیں تو کل صبح میں اس شہر کے کچھ گلی کوچوں کو دیکھنا چاہوں گا۔“

”کیوں نہیں ضرور..... یوں بھی تمہارے پاس ابھی دو ماہ کا وقت ہے سوئز اور سیز والوں نے ان دو ماہ کو ہالینڈ کی بجائے یہاں کے ویزے میں شمار کرلیا ہے۔“ عبدالرحیم

آغا خوش دلی سے بولا۔

"کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد وہ وہاں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور اسے اس کے کمرے کے متعلق تو پہلے ہی سے پتہ تھا۔ سو وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ دن بھر آرام کرنے اور چار گھنٹوں کی گہری نیند لینے کی وجہ سے اس وقت اسے سونے کی حاجت تو نہیں تھی البتہ سوچنے کی جو بیماری اسے جرمنی میں اس کیسو کے سیلن زدہ کمرے سے لگی تھی وہ آج بھی اسی طرح تھی۔

کسی کسی پل اسے اپنا آپ ایک ایسے مسافر کی طرح دکھائی دیتا جو طویل مسافتیں طے کرتا رہا ہو لیکن اس کے سامنے لق و دق صحرا تہہ بہ تہہ کھلتا چلا جائے۔ چلتے چلتے پاؤں آبلوں سے بھر جائیں۔ وجود و روح زخموں سے اٹ جائے مگر سفر ہو کہ ختم ہونے میں ہی نہ آتا ہو۔ حالات...... حالات جیسے مردار خور گدھوں کی طرح اس کا گوشت نوچنے اور کھسوٹنے کے لیے تیار ہوں کہ کہیں کسی پل اس کے قدم لڑکھڑائیں وہ گرے کچھ بے سدھ ہو اور اس کی بوٹیوں پر ضیافت اڑائی جائے۔ ایسے میں وہ کبھی بھی کچھ لمحوں قنوطی ہو جاتا لیکن پھر اپنی ازلی مستقل مزاجی کے باعث جلد ہی اس الجھاؤ سے باہر آجاتا۔ کیونکہ وہ مایوسی کو اپنے اوپر سوار کرنے والوں میں سے ہرگز نہیں تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁
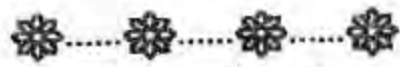
"میرے جیسے انسان کے ساتھ یہی ہونا چاہیے۔ میں نے اپنے اردگرد کے بارے میں کبھی اتنے عمیق انداز میں سوچا کب ہے۔ اپنی بیوی اپنے بچوں کی ضرورتوں اور خواہشات کا خیال کرنے کی بھی ضرورت ہی نہیں سمجھی تو آج کیسے کس بنیاد پر وہ میرے ساتھ چلے آتے۔" عارف علی جب سے گھر واپس آیا تھا مسلسل سگریٹ پھونکے جا رہا تھا۔ آج اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو رہا تھا لیکن کیا غضب تھا کہ جب اسے یہ احساس ہوا تھا وقت ریت کی مانند اس کے ہاتھوں سے پھسل گیا تھا۔ اس کی بیوی ریت کی مانند ایک وفا شعار قناعت پسند صابر و شاکر احساس کرنے والی عورت اس سے بالکل مایوس ہو کر میلوں دور جا کھڑی ہوئی تھی اور اس کی بیٹیاں جن کی ذہنی و نفسیاتی ضرورتوں سے غافل ہو کر اس نے اتنا طویل عرصہ گزار دیا تھا جو کچھ اس کے گھر میں ان دونوں نے بچپن میں جھیلا تھا وہ سب کچھ ان کی شخصیت کو کھا گیا تھا۔

ان کے مزاج‘ ان کا رکھ رکھاؤ‘ ان کی گفتگو ان کی سوچیں سب کچھ کمپلیکس کے زیر اثر آچکے تھے کہ شاید تمام عمر لگ جاتی ان کے اندر کی گرہوں کو سلجھانے میں اور خود عارف علی...... اپنی ذات کے زعم میں ضد اور اپنی مردانگی کے جس احساس کے زیر اثر غلطیوں پر غلطیاں کیے گیا تھا آج وہ غلطیاں ناقابل تلافی نقصان اس کی رگ رگ میں اس طرح طلب بن کر رچ بس چکا تھا کہ اب وہ جاننے کے باوجود بھی خود کو ان سب چیزوں سے الگ نہیں کرسکتا تھا۔ وقتی طور پر کچھ اچھا سوچ بھی لیتا۔ جب نشے کی طلب وجود میں توڑ پھوڑ کرتی تو سب کچھ بھلا کر اس کے قدم اسی راستے پر رواں دواں ہو جاتے جہاں اس کے سکون کی اسپیل موجود ہوتی۔ اپنے اندر کی طلب پوری کرتے ہوئے خود سے جڑے ہر تعلق ہر رشتے سے نگاہیں چرا لیتا۔ سکون کی آغوش میں مزے کی نیند سوتے ہوئے اسے کبھی یہ اندازہ نہ ہو پاتا کہ کس طرح اپنے وجود سے منسلک لوگوں کو اذیت کی گہری کھائی میں دھکیل رہا تھا۔ لیکن اس سب کے باوجود آج اسے اپنے اندر کا خلا بے چین کر رہا تھا۔ آج پہلی بار اس نے دھیان اور توجہ سے اپنے گھر میں چلتے پھرتے نفوس کو دیکھا۔ جن کے چہرے اندرونی آسودگی اور خوش حالی سے جگمگا رہے تھے۔ بچوں کے لاڈ اٹھانے والے والدین...... یہ اس کے چھوٹے بھائی تھے لیکن اس سے کہیں زیادہ سمجھ بوجھ والے...... کس طرح انہوں نے گھر اور گھر والوں کو ایک خوش حال اور متوازن زندگی دے رکھی تھی۔

ان کی بیویاں آسودگی اور پُرسکون کی زندگی گزار رہی تھیں۔ فرمائشیں کرتی تھیں۔ ان کے چہرے کامیاب

ازدواجی زندگی کے رنگوں سے مزین کیسے دمک رہے تھے اور ان کے بچے...... لاڈ اٹھواتے' بچپن سے پوری طرح آشنا۔

اسے ماہین یاد آ گئی خود میں سمٹی ہوئی۔ عام سے لباس میں سادہ چہرے کے ساتھ سنجیدہ سی اپنے کام میں ہر دم مصروف...... نہ کچھ مانگنا نہ شکایت کرنا۔ پھر نگاہوں کے آگے ہادیہ اور انیقہ کے چہرے آ گئے۔ بھولے بھالے چہروں پر محسوس کی جانے والی مایوسی واداسی آنکھوں میں غیر محسوس سی حسرت اٹھا آتی۔ کبھی اس کے آنے پر بھاگ کر اس کی طرف نہیں لپکی تھیں۔ کبھی اس کے شانوں پر جھول کر کوئی فرمائش نہیں کی تھی۔ کر بھی کیسے سکتی تھیں اس نے انہیں کون سا مان اور یقین دیا تھا۔ اسے تو یہ تک پتہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ کس کلاس میں پڑھ رہی ہیں۔ عید تہوار' خاندان میں کسی کے شادی بیاہ پر ان کے کپڑے' جوتے ضرورت کی چیزیں ہیں یا نہیں۔ نہ کبھی اس نے پوچھنے کی زحمت کی نہ کبھی کسی نے اسے بتایا۔

جس طرح بھی ہوا ماہین ہر موقع پر اس کی عزت بنا دیا کرتی تھی۔ رقم پس انداز کر کے یا شہباز اور امی جی کے دیئے ہوئے پیسوں کو مناسب وقت پر استعمال کرنے کے خیال سے بچا بچا کر رکھتیں۔ بہت سنبھال کر خرچ کرتی لیکن ہر ممکن کوشش ہوتی کہ گھر کے دیگر تمام افراد سے کسی صورت کم دکھائی نہ دیں۔ اپنے خالی کمرے میں بیٹھا عارف علی آج سوچ رہا تھا کہ زندگی بھر محنت کرتے' زمینیں جائیدادیں بناتے کا اسے کیا فائدہ ہوا تھا۔ اس کی بنائی دولت پر سب عیاشی اور سکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں جب کہ وہ خود...... آپ راندہ درگاہ کی طرح تنہا ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ کوئی درد آشنا نہیں۔ کوئی ایسا اس کے قریب نہیں جسے وہ اپنا کہہ سکے۔ اندر کے اکیلے پن نے اسے اس قدر بے چین کر دیا کہ وہ بے جی کے پاس جا بیٹھا۔

"بے جی......" کافی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے خود میں ہمت مجتمع کی۔

"ہاں پتر......" بے جی سبزی بنا رہی تھیں ایک ذرا کی ذرا انہوں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔

"آپ سے ایک بات کہنی تھی۔"

"بول پتر کیا بات ہے......؟"

"وہ بے جی...... میں چاہتا ہوں آپ ماہین اور بچیوں کو واپس لے آئیں۔" بالآخر اس کے منہ سے بات نکلی اور بے جی نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا کہہ رہا ہے عارف......"

"بے جی...... ماہین اور بچیوں کو لے آئیں واپس۔"

"تیرا کیا خیال ہے وہ آ جائے گی؟"

"ہاں...... شاید آ جائے بے جی۔"

"میرا نہیں خیال...... بہت اکڑ ہے تیری بیوی میں پہلے ہی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا تھا ناں...... اب سامان سمیت نکال باہر کیا ہے اب تو اس کی ماں بھی اسے بھیجنے پر تیار نہیں ہو گی۔"

"آپ جائیں گی تو وہ مان جائیں گی آپ ان کی جیٹھانی بھی تو ہیں۔ خالہ زاد بہن بھی ہیں۔ بڑی ہیں آپ کی بات وہ سن لیں گی۔"

"نہیں عارف میں نہیں جا سکتی۔ ان دو تین ماہ میں جتنے جھنجھٹ بنے ہیں اب کبھی اعتبار نہیں کریں گی تمہارا اور میں خود بھی تمہاری ذمہ داری نہیں لے سکتی۔ میں ذمہ داری لے کر انہیں لے بھی آؤں تو چار آٹھ دن بعد تم لوگوں کا پھر وہی تماشہ پھر وہی مٹنا...... کتنی بار تو تم اسے نکال چکے ہو پھر لے آتے ہو۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ہر گھر میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں۔ مگر کہیں اس طرح ہوا یوں گھر سے نکال باہر نہیں کیا جاتا۔ ہر عید تہوار پر تم لوگوں کا یہی ڈرامہ ہوتا ہے۔"

"آپ اس بار اسے لے آئیں دوبارہ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔" کہیں یہ احساس تھا کہ بے جی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ آج تک اس نے ماہین کو گھر کی آسودگی اور مان نہیں دیا تھا۔ کسی ملازمہ کی طرح رات دن گھر کے کام کرنے

کے بدلے دو روٹیاں دے کر احسان کیا تھا۔ ان کی ہر ضرورت ہر آرزو سے نظر چرا کر مسلسل انہیں اور بچیوں کو نظر انداز کیا تھا۔

"نہیں بھئی...... میری طرف سے تو نہ ہی ہے۔ اپنے جھگڑے خود نمٹاؤ۔ بچیاں جوان ہو رہی ہیں کل کلاں رخصت ہو کر اگلے گھر جانا ہے انہوں نے۔ ذرا ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا کر جھگڑے کرتے ہو اور فیصلے بھی خود ہی کرتے ہو۔ اس دن میں نے صرف باقر اور نیلم کے رشتے کی بات کی تھی یہ نہیں کہا تھا کہ پستول کی نوک پر جا کر یہ بات منواؤ۔ تم نے اتنی سی بات پر اتنا بڑا ہنگامہ کر کے مجھے بھی ان سب کی نظروں میں برا بنا دیا۔ اب کون سامنہ لے کر جاؤں وہاں میں......" بے جی نے کھری کھری سناڈالیں۔

"اپنی تین بہنیں ہیں تمہاری...... اگر ان کے گھر والے ان کے شوہر بھی سب کچھ کریں جو تم کرتے پھرتے ہو تو کیا ہو...... وہ تو بھلے مانس تمہاری بات جاننے کے باوجود نہ کچھ کہتے ہیں نہ تمہاری بہنوں کو طعنے دیتے ہیں...... مگر تم بھی کچھ ہوش کے ناخن لے ہی لو۔" عارف علی کو بے جی کی باتیں بہت کڑوی لگیں۔ اس نے ادھ جلا سگریٹ ایک طرف پھینکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے بے جی۔ جیسے آپ کی مرضی......" پھر بہت سے لوگوں کے ذریعے ماہین تک یہ پیغام پہنچا کہ عارف علی اپنے کیے پر شرمندہ ہے اور انہیں واپس گھر لانا چاہتا ہے۔ لیکن اب بڑی امی اس بات کے حق میں نہیں تھیں۔ انہوں نے سختی سے ماہین کو منع کر دیا تھا کہ شہباز بھی اب اس بات پر قطعی رضامند نہیں تھا کہ ماہین اور بچیاں دوبارہ اسی گھر میں جائیں جہاں پہلے ہی بے تحاشہ اذیت کاٹ چکی تھیں۔

ادھر عارف علی مسلسل اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ ایسا کون ہے جس کی بات ماہین اور بڑی امی نہیں ٹال سکتیں۔ کیونکہ خاندان کے سب سے بڑے ان سے ملاقات کر چکے تھے اور جب عارف علی کے ذہن میں ایک ایسی شخصیت کا چہرہ آ گیا جن کی کہی بات ٹالنا ماہین اور بڑی امی دونوں کے لیے ہی ممکن نہیں تھا۔ یہ نہیں تھا کہ گن پوائنٹ پر اپنی بات منوانے والی شخصیت تھیں۔ ہاں یہ تھا کہ پورے علاقے میں ان کی بے حد عزت و تکریم تھی اور وہ تھیں حسن ابدال کے زنانہ امام بارگاہ کے متولی ہاشمی صاحب کی بیٹی پروین ہاشمی...... انتہائی نیک، برگزیدہ، سلجھی ہوئی خاتون...... ماہین سے کچھ ہی سال بڑی تھیں لیکن بہت سی وجوہ کی بناء پر وہ ماہین اور باقی سب کے لیے بے حد قابل احترام تھیں۔

عارف علی نے انہیں اپروچ کیا تمام باتیں ان کے گوش گزار کر کے انہیں یقین دلایا کہ اگر ایک بار وہ ماہین سے ان کی سفارش کریں تو وہ آئندہ کبھی بھی کچھ ایسا نہیں کرے گا جو ماہین کے لیے تکلیف کا باعث ہو۔ پروین ہاشمی حساس اور نیک دل خاتون تھیں۔ قبرستان سے گزرنے پر پابندی کے باوجود کسی نہ کسی طرح بڑی امی کے گھر تک جا پہنچیں۔ اور جانے کس طرح سے انہوں نے ماہین اور بڑی امی کو منایا کہ وہ ایک بار پھر عارف علی پر بھروسہ کرنے پر تیار ہو گئیں۔

اگلے دن عارف علی بمع سامان ماہین اور بچیوں کو واپس گھر لے آیا۔ ہادیہ اور انیقہ ایک بار پھر اسی گھر میں آ گئیں جہاں ماں کے بغیر دو ماہ انہوں نے بے حد تکلیف سے گزارے تھے اور ماہین ایک بار پھر امید کا سہارا لے کر خاموشی سے ان سب چہروں کے درمیان گھل مل گئیں کیونکہ کچھ بھی تھا اس گھر میں ان کا اور ان کے بچوں کا حق تھا۔ عارف علی پروین ہاشمی کا بے حد مشکور تھا کہ جب اس کے اپنے گھر والوں نے اس کی مدد کرنے کو تیار نہیں تھے اس وقت انہوں نے اس کی مدد کی تھی۔ اس کا ٹوٹا ہوا گھر ایک بار پھر سے آباد کرنے میں وہ اس کے ساتھ آن کھڑی ہوئی تھیں۔

❀......❀......❀......❀
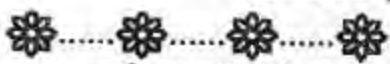
پہلی صبح کی کرنیں کھڑکی کے شیشوں سے چھن کر کمرے میں آ رہی تھیں جب اس کی آنکھ کھلی۔ فریش

ہو کر باہر آیا تو آغا صاحب جانے کو تیار کھڑے تھے۔
"آؤ برخوردار...... جلدی سے ناشتہ کرو میرے ساتھ۔ ضروری کام سے مجھے فوری نکلنا ہے...... ہاں یاد آیا تم نے بھی گھومنے پھرنے نکلنا تھا ناں......؟"
"جی سر۔"
"بس تو پھر ٹھیک ہے اس گھر کی دوسری چابی تمہارے پاس ہوگی۔ جب واپس آؤ تو روم میں آجانا۔" اس کے سامنے آملیٹ اور چائے کا مگ رکھتے ہوئے اس نے خاصے مصروف انداز میں کہا۔
"سر میں ناشتہ خود تیار کرلیتا ہوں آپ نے کیوں زحمت کی۔" اسے واقعی شرمندگی ہورہی تھی۔
"اوہو شہباز میاں...... ایک تو تم تکلفات میں بہت پڑتے ہو۔ بہرحال میں ناشتہ کرچکا ہوں۔ ہوسکتا ہے رات کو بھی نہ آسکوں۔ فریج میں سے کھانا نکال کر اوون میں گرم کرکے ضرور کھالینا ورنہ یہ پٹھان پھر تمہیں معاف نہیں کرے گا۔ یہ لو چابی سنبھالو...... فی امان اللہ۔"
عبدالرحیم آغا کے جانے کے بعد اس نے ناشتہ مکمل کیا اور تیار ہو کر کچھ کرنسی اپنی جیب میں رکھی۔ اچھے طریقے سے اپارٹمنٹ کو لاک کیا اور جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا ہوا باہر نکل آیا۔
زیورخ کی ٹھنڈی دھوپ میں چمک زیادہ تھی اور حرارت کم۔ یخ بستہ ہواؤں سے ناک اور کان جیسے برف کی ڈلیاں بن گئے تھے۔ بےفکرے لوگ ادھر ادھر آتے جاتے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ عبدالرحیم آغا کے بقول زیورخ کی زیادہ تر سائٹس دریائے لیمٹ کے دونوں اطراف واقع تھیں۔ رومن کیسل کی شاندار پُرشکوہ عمارت کو باہر سے دیکھتے ہوئے ایک چرچ کے قریب سے گزرتے ہوئے جھیل زیورخ کی خوب صورت گہرائیوں کو ناپتی اس کی آنکھیں ہر منظر سے پوری طرح لطف اندوز ہورہی تھیں۔ جھیل کی سطح پر آبی پرندوں کے غول عجیب خوب صورت سا سماں باندھ رہے تھے۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا پارک کے ایک سنگی بینچ پر آبیٹھا۔

اس سے قدرے فاصلے پر ایک ساٹھ پینسٹھ سال کا ایک بوڑھا شخص بیٹھا تھا۔ انتہائی گندے میلے کپڑوں اور لمبے سے اوور کوٹ میں ملبوس وہ شخص ناشتے کے نام پر خشک بن کے ٹکڑے کتر رہا تھا۔ شہباز کو ایک لمحے کے لیے اپنا آپ اس بوڑھے کی جگہ بیٹھا دکھائی دیا اور اندر تک ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ بوڑھا شخص جو عجیب بے دھیانی کے عالم میں کھانا کھانے میں مصروف تھا اپنے چہرے پر اس کی بھرپور گرم نگاہوں کا لمس محسوس کرکے اس کی طرف دیکھنے لگا۔
"یو ہوم لیس......" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ شہباز نے نفی میں سر ہلایا۔
"مائی نیم از نگی شیواللہ آئی ایم 66 ایئر اولڈ۔" وہ اٹھ کر شہباز کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ اس کے وجود سے اٹھتی بدبو نے شہباز کو ناک سکوڑنے پر مجبور کردیا۔ وہ شخص شاید بےحد تنہائی کا شکار تھا۔ سو شہباز کی متوجہ نگاہوں کا کچھ اور ہی مطلب جان کر اس کے قریب آگیا تھا۔ شاید وہ شہباز کو بھی اپنی ہی طرح اکیلا تنہا سمجھ رہا تھا۔
شہباز اس کے ساتھ باتوں میں لگ گیا۔ اس نے شہباز کو بتایا کہ چار سال تک وہ سلیپنگ بیگ کے ساتھ ایک گلی میں سوتا رہا۔ سردی گرمی اس نے ہر موسم گلی میں گزارا۔ برف باری کے موسم میں اس نے ریلوے برج کے نیچے ایک متروک ڈبے کے اندر اپنی رہائش بنائی اور پچھلے کئی سال سے وہ ڈبہ اس کا گھر تھا۔
اس بوڑھے سے ہی شہباز کو یہ پتہ چلا sunebage community centre کے نام سے ایک تنظیم ہے جو یہاں زیورخ میں درجنوں بےگھر لوگوں کی زندگیاں بچانے کا کام کررہی ہے۔ شہباز کو اس بوڑھے شخص جس نے اپنا نام نگی بتایا تھا اس سے باتیں کرکے عجیب سی طمانیت محسوس ہورہی تھی۔ یہ اس قدر سخت حالات میں بھی مسکرا رہا تھا۔
"I never lost my sense of humour

because i kept talking myself that things could not get any worse." اسے زندگی بدصورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ اب بھی خود کو یہ باور کرا رہا تھا کہ چیزیں زیادہ بری نہیں ہوسکتیں۔

شہباز نے جب اس سے یہ پوچھا کہ "ہر رات جب اتنی شدید سردی میں وہ باہر گزارتا ہے؟" تو کیا سوچا ہے۔ نگی ایک بار پھر مسکرایا تھا۔ اس کے منہ کے چند گنے چنے پیلے دانت ایک پل کو نمایاں ہوئے۔

"I told myself that i did not want to sepnd another freezing night outside."

وہ خوش تھا جس حال میں تھا۔ اب یہی گلی، یہ پرانا سروک ڈبہ اس کا زندگی سے واحد تعلق رہ گئے تھے۔ شہباز نے اس سے اس کی فیملی کا پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کا کوئی خونی رشتہ موجود نہ تھا۔ اور دوست احباب بھی غربت میں اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

"I lacked contacts and a social life- The loneliness was the hardest things to take. you often see a homeless person with a dog or othre pet- These are more than just companions in misfortune-"

اس نے اسے بتایا تھا۔ کچھ دیر تک شہباز اس کے قریب بیٹھا اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر اٹھتے ہوئے جب اس نے بیس فرانگ نگی کے ہاتھ میں رکھے تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"A glass of wine is the greatest luxary perhaps you know-"

شہباز اس کی بات سن کر مسکرا دیا پھر اس سے ہاتھ ملا کر پارک سے نکل آیا۔ وقت کس کس طرح اس کی تربیت کر رہا تھا۔ ایک طرف عبدالرحیم آغا جس کے اپارٹمنٹ کی تمام تر سہولیات اسے میسر تھیں تو دوسری طرف نگی کی صورت میں مستقبل کی ایک جھلک بھی اس نے دیکھ لی تھی۔

"A park bench would be a fine way to spend the right-"

نگی شیوالڈ نے اسے سروائیو کرنے کا بہت آسان راستہ دکھایا تھا۔

مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے
وہ قرض چکائے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

وہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے واپسی کے راستے پر ہولیا۔ زیورخ کے خوب صورت مناظر جھیل زیورخ کی تمام تر پراسراریت میں یک دم اب کوئی کشش باقی نہیں رہی تھی۔ چمکیلی سرد دھوپ پرندوں کے غول اور وجود میں قلفی جما دینے والی یخ بستہ ہوائیں وہ ہر چیز سے یکسر بے نیاز ہوگیا تھا۔ تنہائی نے اس کے وجود کے اندر پنجے گاڑ لیے تھے۔ مستقبل کا خوف عفریت بن کر اس کی گردن میں دانت گاڑ چکا تھا اسے گردن میں سے ٹیسیں اٹھتی محسوس ہوئیں سست قدموں سے وہ اپارٹمنٹ تک بالآخر پہنچ گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

وہی در و دیوار وہی سب کچھ ویسے ہی شب و روز البتہ عارف علی کا ایک ڈھنگ بدل گیا۔ اب وہ نشے میں مغلظات بکتے شور شرابہ کرنے کے بجائے خاموشی سے گھر آتا ایک طرف بیٹھ کر اپنے نشے کا کوٹا پورا کرتا اور پیٹ بھر کر سو جاتا۔ ماہین کو اس بات پر حیرت تھی کہ اگر اس نے اپنے آپ کو بدلنا نہیں تھا کسی قسم کی بہترین زندگی میں لانے کی آرزو یا کوشش نہیں کرنی تھی تو پھر وہ ان کو کیوں واپس اپنی زندگی میں لے کر آیا تھا۔ شاید وہ سب کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ بیوی بچے رکھنے کی اہلیت ہے اس میں یا پھر لاشعوری طور پر وہ اپنی تنہائی اور اکیلے پن سے خوف زدہ ہوگیا تھا ابھی کم سے کم یہ دو کمروں کا پورشن ماہین اور بچیوں کے وجود کے باعث کچھ بارونق تو لگتا تھا ان کی وجہ سے کبھی نہ کبھی کوئی اس پورشن میں جھانک بھی لیتا تھا۔

ندرت اور شمیمہ بھی جب کبھی میکے آتیں تو زیادہ تر یہیں ہوتا تھا ان کا پڑاؤ کیونکہ ماہین صرف بھابی نہیں تھیں ان کی فرسٹ کزن بھی تھیں باقی بھابیوں سے کہیں بڑھ کر ان کی آؤ بھگت کرتی تھیں اور دھیان رکھتی تھیں البتہ عارف علی کے وجود سے تقریباً تمام گھر کے افراد ہی کچھ ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے وہ دن بدن زندگی سے ہی نہیں خود سے اور اپنوں سے بھی دور ہوتا جارہا تھا ایک شوق ہی جیسے مطمع حیات بن چکا تھا نشے میں دھت پڑے سوتے رہنا۔ ہادیہ اور انیقہ اپنے تعلیمی مدارج طے کرتی جارہی تھیں خاموشی کے ساتھ اور ان سے کہیں زیادہ خاموش ماہین ایک سمجھوتے میں اپنی سانسیں پروئے آہوں کی مالا بنتی جارہی تھیں کہ انہی دنوں گل ماموں کے پاکستان آنے کی خبر نے جیسے ایک ہلچل سی مچادی۔ سوکھے دھانوں پر پانی پڑ گیا امیدیں پھر سے لہلانے لگیں ہر چہرے پر خوشی ایک نوید بن کر مسکراہٹ بکھیر گئی۔

❁.......❁.......❁.......❁

بہت جلد عبدالرحیم آغا سے رخصت لے کر ایک بار پھر وہ میدان کارزار میں آن پہنچا تھا۔ علی حسن صاحب نے تفصیلی بات چیت کی تھی اس نے اور اپنا آنٹی سے بھی جی بھر کر گفتگو کی۔ انہیں ڈھیروں تسلیاں دے کر اور بہت سی دعائیں سمیٹ کر اس نے اپنا آپ حالات کے سپرد کردیا۔ ان دنوں اسے ایک کارواش کی دکان پر ملازمت مل گئی تھی۔

سخت ترین سردی میں گاڑیاں دھونے کا عمل بار بار دھرانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ اور پاؤں سن اور شل سے ہوجاتے وہیں شوروم کے قریب ورکر روم میں محض تین سے چار گھنٹے سونے کی اجازت دی جاتی۔ اتنی مشقت نے اس کی صحت پر بھی بہت برا اثر ڈالا تھا۔ برفانی راتوں میں بھی کام کرنا پڑتا۔ پانی کے چھینٹے وجود کو خنجر کی طرح کاٹتے محسوس ہوتے مگر وہ تندہی سے اپنے کام میں لگا رہتا۔ اس دن تقریباً پندرہ دن بعد اسے سنڈے آف ملا۔ نہا کر کپڑے بدل کر آئینے میں اس نے اپنی شکل دیکھی تو پہچانی ہی نہ گئی۔ رخساروں اور جبڑوں کی ہڈیاں نمایاں ہوگئی تھیں اور رنگت سیاہی مائل ہونٹ شدید سردی کے باعث نیلاہٹ آمیز سے ہو گئے تھے ماہین کا شہزادہ بھیا...... اپنی ماں کا بے حد لاڈلا کیسے حالات میں تھا۔ اگر اس حال میں اس کے گھر والے اسے دیکھ لیتے تو رو پڑتے۔ مگر اسے تسلی تھی کہ اس کی ان مشقتوں کے بدلے اس کے اپنے سکھ کا سانس لینے لگے ہیں دو کمروں کے گھر میں مزید دو کمروں ایک کچن کا اضافہ ہوچکا تھا سب آسودگی کے ساتھ پیٹ بھر رہے تھے ننھی ننھی کتنی ہی حسرتیں تھیں جواب پوری ہورہی تھیں۔ مصور ماموں نے ڈیکوریشن پیسز کی دکان کھول لی۔ انہی دنوں لالہ آنٹی کا بہت اچھی جگہ سے رشتہ آیا جو تھوڑی بہت چھان بین کے بعد قبول کرلیا گیا اور شادی شہباز کے پاکستان آنے تک کے لیے موقوف کردی گئی تھی۔

اس نے آئینہ ایک طرف رکھا اور ورکر روم سے باہر نکل آیا۔ بڑے دنوں بعد وہ دریائے کے کنارے بنے خوب صورت چرچ کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے سامنے بنے بڑے سے لان میں ہرائسٹ اور نز آجارہی تھیں اتنے میں گیٹ کراس کرتی ایک نن پر نظر پڑی جو خاصے معروف انداز میں تیز تیز قدموں سے باہر آرہی تھی۔ تیزی سے شہباز کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے وقت پوچھا۔

''تھری او کلاک۔'' شہباز نے پہلے حیرت سے اس کی طرف دیکھا پھر جواب دیا۔

''اوہ آئی ایم ٹو لیٹ آئی ایم سلومی اینڈ یو۔''

''گل۔''

''گل او کے نائس ٹو میٹ یو گول۔'' وہ اس کے نام کے پرخچے بکھیرتی تیزی سے پاس سے گزرتی چلی گئی دو منٹ کی اس نارمل ڈسکشن سے جانے شہباز کے دل میں کیا آئی کہ وہ اس کے پیچھے چل پڑا۔

کچھ آگے جا کر جانے اسے کیا سمجھ آئی کہ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اپنے پیچھے شہباز کو آتے دیکھ کر وہ قدرے گھبرا گئی اور تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔ اس پل شہباز کو وہ

''ہولی میری'' کی تربیت یافتہ بھیڑ کی طرح بے ضرر اور بھولی سی لگی۔ ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود زیورخ میں اس کا کوئی ساتھی کوئی دوست نہیں تھا لیکن جانے کیوں آج اس کا دل چاہ رہا تھا کچھ دیر اس نن سے باتیں کرے اس کے ساتھ کچھ وقت گزارے۔

''تم میرے پیچھے کیوں آرہے ہو؟'' آخر کار وہ رکی اور تمتماتے چہرے کے ساتھ خاصے کرخت لہجے میں بولی۔

''میں صرف چند لمحے تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں ایکچوئلی میں یہاں نیا ہوں۔''

''لیکن میں تو پہلے ہی بہت لیٹ ہوچکی ہوں میں نے بہت ضروری کام سے کہیں جانا ہے کیا تم شام سات بجے یہیں مل سکتے ہو؟'' اسے شہباز کے چہرے کی بے ریائی دکھائی دے گئی تھی شاید۔

''ہاں کیوں نہیں...... تم جاؤ اپنا کام کرو۔ میں تمہیں یہیں ملوں گا۔''

''اوکے۔'' وہ آگے بڑھ گئی تو شہباز وہیں درخت کے نیچے رکھے ہوئے بنچ پر بیٹھ گیا دھیرے دھیرے رینگتے وقت نے جب سات بجنے کا مژدہ سنایا تو شہباز سیدھا ہو بیٹھا۔ یہ چار گھنٹے بہت بوریت اور بیزاری میں گزرے تھے اسے دور سے آتی سلویٰ کی جھلک دکھائی دی تو عجیب سی خوشی اس کے اندر در آئی۔ وہ مسکراتی ہوئی بنچ پر اس کے برابر آبیٹھی تھی۔

''تم کیا اس وقت سے یہیں بیٹھے ہو؟''

''ہاں میں نے سوچا اگر واپس چلا گیا تو دوبارہ کام پر لگا دیا جاؤں گا اور پندرہ دن بعد آج سنڈے آف ملا تھا میں اسے کسی صورت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''اوہ تم کیا کرتے ہو؟''

''کارواش اور تم۔''

''میں رومن کیتھولک چرچ میں نن ہوں اور ابھی نرسنگ کی اسٹڈی کررہی ہوں۔''

''کیا تم یہیں کی رہنے والی ہو؟''

''ہاں زیورخ کے سبرب میں میری اپنی فیملی ہے میرے فادر کا فارم ہاؤس ہے اور دیگر یورپین کی نسبت ہماری فیملی خاصی بڑی ہے۔ ہم سات بہن بھائی ہیں مجھ سے بڑے تین بھائی دو بہنوں کی شادیاں ہوچکی ہیں اور پھر میں اور مجھ سے چھوٹی نادین ہم دونوں ابھی پڑھ رہے ہیں تم کہاں سے بلونگ کرتے ہو؟''

''پاکستان کے ایک چھوٹے سے ٹاؤن سے...... میری ایک بڑی بہن ہیں جو شادی شدہ ہیں اور چار چھوٹے بہن بھائی ہیں سب ابھی پڑھ رہے ہیں کوئی بھی کام نہیں کررہا اسی لیے میں یہاں محنت مزدوری کررہا ہوں۔''

''تم ایشین کی یہ بات بہت اچھی ہے کہ تم لوگ صرف اپنے لیے نہیں سوچتے اپنی فیملی کے لیے سیکریفائز کرتے ہو اور اپنی پوری زندگی دے دیتے ہو دوسروں کو۔''

''کیا تم پہلے بھی کسی ایشین سے ملی یا دوستی کی؟''

''نہیں مگر میری کلاس میں دو انڈین گرلز ہیں جو پڑھائی کے ساتھ ساتھ تین تین کام کرتی ہیں۔ حالانکہ ان کے پیرنٹس نے انہیں یہاں جاب کے لیے بیچ دیا ہے۔ یو نو انڈیا' بنگلہ دیش میں لوگ اپنے بچوں کو تھوڑا بڑا کر کے سیل کردیتے ہیں اور ان کے بدلے پیسے لے لیتے ہیں۔ پھر بھی وہ یہاں کام کرکے اپنے گھر والوں کو پیسے بھیجتی رہتی ہیں۔ میں بہت سرپرائز ہوتی ہوں یہ سب دیکھ کر اگر ہمارے پیرنٹس نے ایسا کیا ہوتو ہم تو پوری زندگی ان کی طرف دیکھیں بھی نہ۔''

''ہاں یہ ہی تو فیملی کا کونسیپٹ ہے ناں۔ ایک خاندان کا تصور جہاں خود غرضی نہیں ہوتی۔ جہاں خود سے بڑھ کر اپنوں کا دھیان اور خیال رہتا ہے۔ ہمارے پیرنٹس پہلے خود قربانیاں دیتے ہیں ہماری خاطر اپنا آپ اپنی خواہشات مارتے ہیں تو پھر ہمیں بھی بڑے ہوکر ان کا دھیان رکھنا ہوتا ہے۔ ہم اپنے والدین کی بڑھاپے تک خدمت کرنا پسند کرتے ہیں انہیں خود سے دور کرکے اولڈ ہومز میں نہیں بھیجتے۔'' شہباز کی بات پر سلویٰ کے چہرے پر قدرے ناگواری سی آگئی۔

''کیا تم طنز کررہے ہو؟''

"ارے نہیں آئی ایم جسٹ ٹیلنگ یو۔ میں صرف تمہیں تہذیب کا فرق بتارہا ہوں ہمارے ہاں اولڈ ہومز نہیں ہیں۔"

"کیا وہاں سب لوگ ایسا ہی سوچتے ہیں جیسے تم بتا رہے ہو؟" وہ قدرے حیران سی دکھائی دی۔

ایک پل کو شہباز کی آنکھوں کے سامنے سعود تانگے والے کی ماں کا چہرہ آگیا۔ ماسی کریمن جس نے بیوگی کے باوجود اپنے بیٹے کو بے حد لاڈ پیار سے پالا تھا خوب دھوم دھام سے اس کی شادی کی تھی اور جب بہو آئی تو اسے اپنی بوڑھی ساس کا وجود کھٹکنے لگا کسی کانٹے کی طرح وہ اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی۔ تین کمروں کا گھر بھی اسے اپنے لیے کم نظر آتا تھا۔ شوہر کو پوری طرح ہاتھ میں لینے کے بعد اس نے ماسی کریمن کو گھر سے اس طرح باہر کروادیا کہ باہر گھوڑے کے چھپر میں سونے لگی اور ایک دن اسی کسمپرسی کی حالت میں دنیا سے کوچ کرگئی۔

"نہیں سب ایسا نہیں سوچتے مگر آل موسٹ ایسا ہی سوچتے ہیں والدین کا بہت بڑا حق ہوتا ہے ہم پر۔ ہماری خاطر انہوں نے بے حد تکالیف بھی ہوتی ہیں تو کیا ہم ان کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتے۔"

"مجھے تم سے مل کر باتیں کرکے بہت اچھا لگا گول کیا تم مجھ سے دوستی کرو گے؟"

"کیوں نہیں ضرور۔"

"اوکے تو پھر شیک ہینڈ کرو ہم کل یہیں مل رہے ہیں ناں۔"

"کل ہاں مل تو سکتے ہیں مگر صرف ایک گھنٹے کا آف ملتا ہے مجھے۔ لنچ کے لیے دو سے تین بجے کا اسی دوران ہی میں مل سکتے ہیں۔"

"اوکے گول کل دو بجے یہیں لنچ ہم مل کر کریں گے ابھی دیر ہورہی ہے چلنا چاہیے۔" شام کے سائے خاصے گہرے ہوچلے تھے۔ سلوی کو چرچ کے گیٹ پر چھوڑ کر آگے بڑھتے شہباز نے ایک طویل عرصے بعد خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کیا تھا اور پھر آنے والے دنوں میں وہ دونوں ایک گھنٹہ بات چیت اور لنچ کرتے اور وقت ایک ساتھ گزارتے ایک دوسرے کے کافی قریب آگئے۔

شہباز کو سلوی دوسری انگریز خواتین سے یکسر الگ دکھائی دی۔ وہ نہ اسموکنگ کرتی تھی نہ ڈرنک...... مکمل باپردہ کپڑے پہنتی تھی اور اس کا کوئی بوائے فرینڈ بھی نہیں تھا۔ وہ نہ تو جدت پسندوں کی کسی تحریک کی حامی تھی اور نہ ہی جدید فیشنز کی تقلید میں خود کو بھلانے والوں میں سی تھی۔ بلکہ بہت سادہ اور معصوم سی تھی اور جب شہباز نے ایک دن اس کے لائے کھانے کو اس لیے نہ چھوا کہ وہ Pig کے گوشت کی آمیزش سے بنا ہوا تھا اس دن کے بعد اس نے Pig کا گوشت بھی جیسے خود پر حرام کرلیا وہ غیر محسوس انداز میں خود کو شہباز کے رنگ میں ڈھالتی جارہی تھی کہ اچانک ایک دن شہباز نے پاکستان جانے کا مژدہ سنادیا۔

"تم پاکستان کیوں جارہے ہو گول۔"

"ارے بھئی ساڑھے تین سال ہوگئے میں اپنوں سے دور ہوں اپنی ماں اپنے بھائی بہن اتنے عرصے سے میں ان سے نہیں ملا۔ کیا اب بھی نہیں جانا چاہیے مجھے......" وہ مسکرایا۔

"ہم جانا تو چاہیے۔" وہ سر جھکا کر بولی۔

"پھر......" شہباز نے جھکے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔

"تمہارے بغیر میں یہاں اکیلی ہوجاؤں گی۔ مجھے عادت ہوگئی ہے تمہاری۔" اسی طرح جھکے ہوئے سر کے ساتھ سرگوشی نما انداز میں کہا۔

"وہ تو مجھے بھی ہے...... میں بھی جس دن تم سے نہ مل سکوں تو ایسا لگتا ہے جیسے کچھ کھو سا گیا ہو۔" شہباز نے بھی کھلے دل سے اعتراف کیا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس اجنبی دیس میں سلوی کا وجود اس کے لیے واحد اپنائیت اور انسیت کی وجہ تھا۔

"اگر میرے پیرنٹس مجھے پرمیشن دے دیں تو کیا تم مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ گے گول۔ میں بھی پاکستان دیکھ لوں گی اور اس طرح ہم ایک دوسرے سے دور بھی نہیں ہوں گے۔"

''ارے..... کیا ایسا پاسیبل ہے۔'' شہباز نے خوش گوار یت آمیز حیرت کے ساتھ پوچھا۔

''ہاں ہوسکتا ہے اگر میری فیملی راضی ہوجائے تو.....'' سلومی کسی گہری سوچ میں بولی۔ اور پھر جانے کیسے اور کس طرح ضد کرکے اس نے اپنے پیرنٹس کو اپنے پاکستان جانے کے لیے رضا مند کرلیا۔

شہباز کے لیے بھی یہ ایک خوش گوار بات تھی کہ ان ساڑھے تین سال میں ملنے والی اپنی واحد بے غرض دوست کو وہ اپنے ساتھ لے کر جائے اور اپنوں سے ملوائے۔ اور وہ اکتوبر کی ایک ہلکی سرد خنکی لیے ملگجی شام تھی جب اس کے قدموں نے راولپنڈی ایئر پورٹ کی سخت زمین کو چھوا تھا۔ اس کے ہمراہ آتی سلومی کی نگاہیں بہت مشتاق انداز میں چاروں سمت گردش کررہی تھیں۔ ضروری کارروائی اور کسٹم کو بھگت کر اور ایک گھنٹے کا سفر طے کرکے جب وہ اپنے گھر کا گیٹ بجا رہا تھا اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ہو کا عالم تھا اور سب گھر والے سو رہے تھے۔ اپنے دل کی بے چین دھڑکنوں کی آواز اسے اپنی سماعت سے ٹکراتی محسوس ہورہی تھی۔ گیٹ کھلتے ہی جو پہلا چہرہ دکھائی دیا امی جی کا چہرہ تھا۔ جن کی بے چین اور ناسودہ آغوش میں سمٹ کر وہ بری طرح رو دیا تھا۔ سلومی نے حیرت سے ماں بیٹے کے اس ملاپ کو دیکھا پھر بہن بھائیوں کے ملنے کا رقت آمیز منظر بھی اس کی آنکھیں حیرت سے دیکھتی رہیں۔

''یہ ایشین لوگ کتنے جذباتی ہوتے ہیں۔'' اس کا ذہن یہی سوچ رہا تھا۔ بڑی دیر کے بعد سب کو اس کا دھیان آیا۔ سب کی نظروں میں اپنے لیے پیار بھری حیرت دیکھ کر وہ بھی اندر ہی اندر کسمسا رہی تھی۔ جلدی میں لالہ آنٹی کے ہاتھوں تیار کیے گئے لال مرچ والے آملیٹ اور روٹی کھاتے ہوئے سوں سوں کرتی ان سب کو حیرت سے دیکھتی جارہی تھی۔

''حیران مت ہو..... ابھی مشن کے امتحان اور بھی ہیں۔'' شہباز امی جی سے لپٹا بیٹھا اس کی حالت پر ہنس رہا تھا۔ وہ بھی اس کی شرارت پر جھینپتی مسکراتی کہیں سے بھی یورپین نہیں لگ رہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

''ہادی..... نکی..... اٹھو بیٹا دیکھو کون آیا ہے۔'' ماہین انہیں جگا رہی تھیں۔

''ماما جی..... کون آیا ہے؟''

''ساجی ماموں آیا ہے۔''

''ساجی ماموں.....'' پہلے انیقہ پھر ہادیہ اچھل کر بستر سے باہر نکلیں۔

''جی ہاں اور خوش خبری یہ ہے کہ آج تم دونوں اسکول نہیں جارہیں۔'' ساجی ماموں بیڈ پر ایک طرف ٹکتے ہوئے بولے۔

''وہ کیوں ساجی ماموں۔''

''ارے بھئی گل بھائی آگئے ہیں اور ساتھ میں لمبی سی گوری بھی ہے۔'' ساجی ماموں ڈرامائی انداز میں بولے۔

''گل ماموں آگئے.....'' خوشی سے تقریباً چلاتی انیقہ ساجی ماموں کے بازو سے لپٹ گئی۔ ماہین کی کمانیت بھری مسکراہٹ کا راز ان پر اب افشا ہوا اور نہ تو انہوں نے ماں کو اس طرح مسکراتے بہت کم ہی دیکھا تھا۔

''اب جلدی جلدی فریش ہوکر کپڑے بدلو اور تیار ہوجاؤ ہم کچھ دیر تک گل سے ملنے جارہے ہیں۔'' ماہین بستر تہہ کرتے ہوئے دونوں سے بولیں۔ دونوں کو ناشتہ بھول بھال گیا۔ بھاگتے دوڑتے آدھے گھنٹے میں وہ بالکل تیار کھڑی تھیں۔

''ساجی تم ایسا کرو سائیکل پر بیگ رکھ کر لے جاؤ میں تانگے میں ہادیہ اور انیقہ کے ساتھ آتی ہوں۔''

''ماما جی مجھے بھی ساجی ماموں کے ساتھ بھیج دیں ناں۔'' انیقہ زیادہ ہی اتاؤلی ہورہی تھی۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے تم ساجی کے ساتھ چلی جاؤ میں اور ہادیہ پیچھے تانگے میں آجائیں گے۔'' خوشی تھی کہ سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی۔ قدرت نے اپنی رحمتوں کے خزانوں کے

منہ کھول دیئے۔

گل ماموں آ گئے تھے ان کے فیورٹ ماموں۔ وہ جو کہا کرتے تھے دو بار ماں ماں کہو تو ماما بنتا ہے۔ یعنی ماں سے دگنا پیار کرنے والا۔ ماں کی طرح ممتا لٹانے والا۔ بے غرض بے لوث رشتہ۔ اور ان سے اس قدر محبت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ گل ماموں کی مشابہت ماہین کے ساتھ بہت زیادہ تھی۔ ان کی آنکھیں ویسی ہی سحر انگیز خاموش اور اداس تھیں۔ بھرے بھرے عنابی ہونٹ اسی طرح ایک دوسرے میں پیوست رہتے تھے جس طرح ماہین کے۔ ویسا ہی چہرہ جس پر کبھی بھی ناگواری کی سلوٹ نہیں آتی تھی اور ایک دوسرے میں پیوست ہونٹ بس اسی پل مسکراتے تھے جب اپنے بہت قریبی رشتوں کو اپنے اردگرد محسوس کرتے تھے۔ وہ ماہین ہی کی ذات کا پرتو لگتے تھے اور ہادیہ اور انیقہ کے لیے ان کی شفقت و محبت بھی بے پایاں ہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی آمد پر وہ دونوں مارے خوشی کے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ بڑی امی کے گھر پہنچ کر گل ماموں سے مل کر اور سلومی آنٹی کو دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

ان کے ننھے منے ذہن یہ نہ جانتے تھے کہ سلومی یہاں کس رشتے کس تعلق کی بنا پر تھی۔ بس وہ تو یہ سوچ کر بے طرح خوش ہو رہی تھیں کہ اپنی دوستوں کو جب وہ بتائیں گی کہ ان کے ماموں کے ساتھ ایک انگریز میم بھی آئی ہے تو کس قدر رعب پڑے گا سب پر۔ ادھر سلومی کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی گل کی ساری فیملی سے ملنے کے بعد اسے اپنا یہاں آنے کا فیصلہ بالکل درست لگ رہا تھا۔ اتنے مخلص اور سادہ مزاج لوگوں کے درمیان وہ بالکل بھی اجنبیت محسوس نہیں کر رہی تھی۔ بڑی امی کو کسی کسی وقت ناگواری سی محسوس ہوتی تھی کیونکہ وہ ایک عیسائی خاتون کو اپنے گھر کے برتن استعمال کرتے دیکھ کر عجیب سے مخمصے میں پڑ جاتیں۔

”امی جی اہل کتاب کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے آپ وہم نہ کیا کریں۔“ شہباز ان کے گلے میں بازو ڈال کر بولا۔

”ارے گل میرے بچے قرآن پاک میں یہودی اور عیسائی کو دشمن کہا گیا ہے کہ یہ مسلمانوں کے دشمن ہوتے ہیں۔ پھر یہ تمہارے کمرے میں رہتی ہے۔ مجھے تو کراہت سی محسوس ہوتی ہے اگر تمہارا ارادہ اس کے ساتھ شادی کرنے کا ہے تو فوری طور پر اس سے نکاح کا بندوبست کرو۔“

”ارے امی جی ہم صرف اچھے دوست ہیں اور میرے کمرے میں وہ اس لیے رہتی ہے کیونکہ آپ سب کے ساتھ ابھی وہ مانوس نہیں ہوئی آپ بالکل بھی فکر نہ کریں۔“

”نہیں بچہ یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کئے میں نے اجنبی مرد اور عورت کے درمیان تیسرا ہمیشہ شیطان ہوتا ہے مجھے یہ سب کچھ ٹھیک نہیں لگتا اور ہاں لالہ کے سسرال والوں نے پیغام بھجوایا ہے کہ وہ آج شام تاریخ لینے آ رہے ہیں انہیں تمہاری آمد تک کے لیے روک رکھا تھا اور وہ تو دو تین مہینے کے اندر شادی مانگ رہے تھے لیکن میں اور تمہاری بی بی نہیں چاہتے تھے کہ تمہاری غیر موجودگی میں یہ اہم فرض ادا ہو۔“

”ٹھیک ہے امی جی جیسا آپ مناسب سمجھیں گی ویسا ہی ہوگا۔“ شہباز نے سعادت مندی سے کہا۔

”اور ہاں عبدالمنصور کے لیے تربیلے کے ہیروں کی پوتی کا رشتہ بھی دیکھا ہے غریب لوگ ہیں مگر بہت اچھے سلجھے ہوئے اور بچی بھی بہت ہی پیاری ہے۔ اگر تم کہو تو بات آگے چلائیں۔“

”کیوں نہیں امی جی اگر آپ بہتر سمجھتی ہیں تو ضرور بات چلائیں یہ سب فرض تو ہیں ناں جتنے ادا ہو جائیں اتنا اچھا ہے۔“

”تم پاکستان کتنے وقت کے لیے آئے ہو گل۔“

”امی جی آیا تو تین ماہ کے لیے ہوں لیکن اگر کچھ مزید وقت بھی لگ جائے تو کوئی مسئلہ نہیں میری وہاں مستقل جاب تو کوئی ہے نہیں مزدوری ہی کرنی ہے تو مزدوری تو مل ہی جاتی ہے۔“

”میرا بچہ اگر مزدوری ہی کرنی ہے تو یہاں اپنے ملک

میں رہ کر کرلو ناں پردیس جانا ضروری ہے کیا؟'' جب سے وہ آیا تھا امی جی کتنی ہی بار یہ سوال دہرا چکی تھیں اور اس نے ہر بار ہی تحمل سے جواب دیا تھا اس بار بھی وہ قدرے مسکرا کر بولا تھا۔

''او ماں جی یہاں رہ کر میں اپنے بہن بھائیوں کو وہ مستقبل نہیں دے سکتا جو میں چاہتا ہوں ایک بار میں وہاں ٹھیک سے سیٹ ہو جاؤں پھر عبدالمصور اور ساجد کو بھی اپنے پاس بلالوں گا۔ بہت سے خواب دیکھے ہیں میں نے سب کے لیے۔ بس آپ دعا کیا کریں اللہ نے چاہا تو اس جدائی اور پردیس کا نتیجہ بے حد خوب صورت نکلے گا بس آپ اور بی بی کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔''

''دعائیں تو دن رات ہیں تمہارے لیے میرا چاند...... ساری رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے جب سے تم پردیس گئے ہو ایک رات ڈھنگ سے نہیں سوئی تمہاری ماں۔ ہر ہر لحہ دعائیں اور مناجاتیں کی ہیں جو آج تمہیں اپنے سامنے دیکھ رہی ہوں۔ ورنہ تو ہمت ٹوٹتی ہی جارہی تھی کہ جانے تمہارے آنے پر میں زندہ بھی ہوں گی یا نہیں۔ خدا پاک کا لاکھ شکر اس نے بچھڑوں کو ملا دیا۔ تمہاری بہن کا بھی یہی حال تھا راتوں کو اٹھ اٹھ کر تہجد پڑھ کر تمہاری سلامتی کی دعائیں مانگتی تھی اب دیکھو کیسی خوش ہے کیسے کھلکھلاتی پھرتی ہے۔ تو یہ سب تمہارے وجود سے ہے میرا بچہ...... ہمیں دولت نہیں چاہئے ہمیں تمہاری ضرورت ہے گل۔'' امی جی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

''امی جی آپ میرا حوصلہ ہیں میری سب سے بڑی ہمت اور آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ میں کبھی بھی آپ کے آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ جس طرح آپ نے آج تک بہادری سے حالات کا سامنا کیا اور ہمیں بھی بہادری سے حالات کا سامنا کرنا سکھایا آج آپ کے آنسو ہمارا حوصلہ توڑ دیں گے۔ ہمیں آج بھی آپ کے اسی حوصلے اسی ہمت کی ضرورت ہے آپ بھی جانتی ہیں اپنے وطن سے آپ سب سے دور جانا میرا شوق نہیں میری ضرورت ہے میں صرف روکھی سوکھی کھلا کر اپنے بہن بھائیوں کا پیٹ نہیں بھرنا چاہتا۔ ان کے دلوں میں آنے والی ہر آرزو ہر خواہش منہ سے ادا ہونے سے پہلے پوری کرنا چاہتا ہوں کیا یہ تمنا غلط ہے میری؟ کیا ان کے بچپن اور جوانیوں کو آسودہ حال دیکھنے کی خواہش ناجائز ہے اور پھر بی بی کی طرف دیکھیں امی جی دو دو بیٹیوں کی ماں ہے وہ۔ جس گھر کو آپ نے محل سمجھ کر اس کے لیے چنا تھا وہ گھر قید خانے سے بھی بدتر ثابت ہوا ہے اس کے لیے۔ وہ پھر بھی صبر شکر کر کے گزارہ کر رہی ہے۔ میں اس کی ڈھارس اور تسلی بننا چاہتا ہوں اس کا بوجھ بانٹنا چاہتا ہوں جو عارف علی اس کے کندھوں پر ڈال کر خود بے پروا اور بے نیاز ہو بیٹھا ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے بچہ...... بیٹیاں پرایا دھن ہیں ایسے جلدی جلدی بڑی ہو رہی ہیں چند سالوں میں شادی کے قابل ہو جائیں گی تو ظاہر ہے ان کے لیے سب کچھ ہم سب کو ہی کرنا پڑے گا ناں۔''

''جی تو خود سوچیں ناں امی جانی...... میں اگر اپنے قابل بھی ڈھنگ سے نہ ہو پایا تو یہ سب کچھ کس طرح کر پاؤں گا اور یہ سب فرائض پوری طرح ادا نہ کر سکنے کا احساس جرم مجھے جینے نہیں دے گا۔ مجھے آپ کی طرف سے حوصلے وہمت کی تھپکی چاہئے پھر دیکھیے گا کہ آپ کا گل کس طرح ہر مشکل سے خدا کا نام لے کر گزر جائے گا۔''

''ان شاء اللہ میرا بچہ خدا ہر میدان میں کامیابی عطا کرے میرے چاند کو۔''

''آمین...... اور ابھی جلدی سے چائے کے لوازمات کی لسٹ بنا کر دے دیجئے تاکہ میں لے آؤں شام میں لالہ کے سسرال والوں نے بھی آنا ہے۔'' شہباز مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

(انشاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

روشنی کے راستے

حیاء بخاری

سائیکل چلاتے گھر کی طرف جاتے ماسٹر ہدایت اللہ کے چہرے پر مسکراہٹ کافی روشن تھی جس جگہ سے گزرتے گاؤں کے لوگ مبارک باد دیتے ان کا چہرہ مزید کھل اٹھتا۔

''مبارک ہو ماسٹر جی آپ کی بیٹی نے تو گاؤں کا نام روشن کردیا۔'' چوہدری صاحب نے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا اشارہ دیتے ہوئے ماسٹر ہدایت اللہ کو آواز دی ماسٹر جی بھی رک گئے۔

''شکریہ چوہدری صاحب بس دعا ہے آپ کی۔'' وہ مصافحہ کرتے ہوئے بولے۔

''اب تو امید ہے ہمارے گاؤں کی بچیوں کی قسمت بھی جاگ اٹھے گی ورنہ باہر کی استانیاں تو گھر بیٹھے تنخواہ لے لیتی ہیں۔ کچی عمارتوں میں پڑھانے کو ان کا جی ہی نہیں لگتا آپ کی بیٹی آپ کی طرح ہی سایہ دار درخت بن کر سب کو علم کی ٹھنڈی معطر ہوا دے گی تو بچیاں جی اٹھیں گی۔'' چوہدری صاحب بے حد خوش نظر آرہے تھے۔

''ان شاء اللہ...... ان شاء اللہ۔'' ماسٹر جی مسکرائے۔

''ہم نے تو باقاعدہ مٹھائی تقسیم کی ہے بس اب میری بیٹی سے کہیں جلد از جلد اسکول میں کام شروع کردے جس طرح کی بھی ضرورت ہو، میرے بندے حاضر ہوں گے۔''

''شکریہ چوہدری صاحب اللہ آپ پر رحمت رکھے۔'' وہ مصافحہ کرتے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

......☆☆......

''جب تک تمہاری پوسٹنگ نہیں ہوجاتی تم اسکول میں رضا کارانہ طور پر کام شروع کردو بیٹا چوہدری صاحب نے بھی ہر ممکن تعاون کا وعدہ کیا ہے۔'' وضو کرنے کے بعد چادر سے منہ ہاتھ خشک کرتے ہوئے انہوں نے ثمرین سے کہا۔

''کیا مطلب بابا اسی گاؤں کے کچے پکے اسکول میں۔'' چائے پیتی ثمرین حیرت سے بولی۔

''اسکول...... اسکول ہوتا ہے کچا پکا نہیں، عمارت اہم نہیں ہوتی ہمیشہ خلوص اور کام اہم ہوتا ہے۔'' وہ شفقت سے اسے سمجھاتے ہوئے بولے۔

''مگر بابا میرا مشن یہ نہیں ہے میرا خواب تو بہت آگے جانا ہے میں شہر جا کر بڑا کام کرنا چاہتی ہوں تاکہ دیگر لوگوں سے آگے جاسکوں۔'' وہ آکر ان کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئی۔ ماسٹر جی کچھ دیر اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے رہے پھر مسکرا دیے۔

''بعض اوقات آگے نکل جانے میں وہ کامیابی اور خوشی نصیب نہیں ہوتی جو لوگوں کے ساتھ چلنے میں ہوتی ہے۔'' اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''لیکن بابا میں نے اتنی تعلیم اس طرح گاؤں کی مٹی میں خوار ہونے کے لیے تو نہیں حاصل کی

میں زندگی کی ہر آسائش چاہتی ہوں مجھے خود کو ثابت کرنا ہے اور پھر میرا خواب بزنس میں آگے جانا ہے نہ کہ یوں ایک چھوٹے سے اسکول میں سو دو سو بچیوں کو الف ب پڑھانا۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''تم نے کہیں نوکری کے لیے درخواست دے رکھی ہے۔'' بابا نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

''جی ایک دو جگہ اپلائی کر رکھا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''وہاں سے جواب آتے آتے چار پانچ ماہ تو آرام سے لگ جائیں گے۔'' انہوں نے اندازہ لگایا۔

''جی اتنا وقت تو لگے گا۔'' ثمرین نے سر ہلایا۔

''بس یہ عرصہ تم گاؤں کی بچیوں کو دے دو۔ بعد میں تم جو بھی فیصلہ کرو گی مجھے منظور ہوگا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو بابا۔'' وہ ان سے لپٹ گئی ماسٹر جی مسکرا دیے۔

......☆☆......

چوہدری صاحب نے وعدے کے مطابق نہ صرف اسکول کی عمارت کی مرمت کرادی تھی بلکہ صحن بھی پکا کرا دیا تھا بجلی کا انتظام بھی ہوگیا تو ثمرین نے کلاس لینا شروع کردی اسکول کے ریکارڈ کے مطابق آٹھ لوگ عملے میں شامل تھے جو گھر بیٹھے تنخواہ لیتے اور کبھی کبھار آ کر حاضریاں لگا جاتے اس نے سب سے پہلے گاؤں کی خالہ اور چوکیدار کو حاضر رہنے کی تلقین کی اور ساتھ ہی تمام اساتذہ کے نام ان کی معلومات سے ایڈریس لے کر خطوط روانہ کیے کہ اگر دو دن کے اندر حاضری یقینی نہ بنائی گئی تو اوپر خط لکھ کر بھجوا دیا جائے گا آگے ان کی قسمت۔ اس کی اس دھمکی نے کام دکھایا اور تقریباً آدھی استانیاں حاضر تھیں۔

''تم ہوتی کون ہو ہمیں یوں بلانے والی۔'' ہیڈ مسٹریس نے ذرا سا تاؤ دکھانا چاہا۔

''عوام اور یاد رکھنا عوام جیسی طاقت اور کسی میں نہیں ہوتی۔'' وہ مسکرا کر ان کا دل جلا گئی تھی کچھ دن تک یہ کھچا کھچا ماحول رہا اور پھر اس کی دیکھا دیکھی بھی ٹیچرز نے دل سے پڑھانا شروع کردیا تھا وہ بے حد خوش تھی۔

......☆☆......

''کیسا لگ رہا ہے میری بیٹی کو اسکول۔'' بابا نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''بہت اچھا بابا...... بلکہ میری امید سے بہت

بڑھ کر اور پتا ہے اسکول کی تمام اساتذہ اور بچیوں سے میری کافی دوستی بھی ہوگئی ہے۔''

''تم نے میرا کام کر کے میرا مان بڑھا دیا۔'' بابا تشکر بھرے لہجے میں بولے۔

''آپ بھی نہ بابا...... یہ تو میں نے خود کو بھی مصروف کرنے کے لیے کیا۔'' وہ مسکرائی۔

''اچھا......تو پھر ایک کام اور بھی کردو۔''

''وہ کیا......!'' وہ متوجہ ہوئی۔

''گاؤں کی عورتوں کے ہاتھ میں جو جادو ہے اسے بڑے شہروں میں متعارف کرادو۔''

''جادو۔'' وہ حیران ہوئی۔

''آج امی کے ساتھ جانا کچھ گھروں میں خود جان جاؤ گی۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اور پھر واقعی شام تک امی کے ساتھ مختلف گھروں میں عورتوں کے ہاتھ کی کڑھائی سلائی دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی پھر کتنے دن تک وہ ان کے ہنر کو سامنے رکھ کر مختلف منصوبے جو اس کے ذہن میں کلبلانے لگے ان کو تشکیل دینے لگی صرف ایک ہفتے کے ہوم ورک کے بعد اسے اچھی طرح اندازہ ہوگیا تھا کہ اگر وہ کچھ محنت کرتی تو نہ صرف ایک کامیاب بزنس شروع کرسکتی تھی بلکہ گاؤں کے غریب لوگوں آسائش بھری زندگی گزارنے کے قابل ہوسکتے تھے ان کے ہاتھ سونا اگلتے تھے اس ہنر کو صرف متعارف کرانا تھا اس کی قیمت کی شناخت کرنی تھی۔

اس مقصد کے لیے وہ تین دن تک شہر میں ایک دوست کے گھر بھی رہی اس کے ساتھ مل کر اس نے بازاروں کے کتنے ہی چکر لگائے شہر کے بڑے بڑے ٹیلرز سے ٹھیکے پہ کپڑے سلائی کرنے کی بات کی پیسے نمٹائے اور جو نمونے لے کر وہ ساتھ آئی تھی انہیں دیکھتے ہی ان سب کاروباری لوگوں کی آنکھوں میں ستائش ابھری تھی جنہیں اس نے یہ آئیڈیاز دکھائے تھے وہ سب اسے کام دینے کے لیے تیار تھے اگلی دفعہ وہ گاؤں سے ایک ڈائسن اور دو آدمی لے کر گئی تھی اور شہر سے خاصا کام لے کر آئی تھی گاؤں کی عورتوں کے لیے کئی ٹیلرز نے آدھی پیمنٹ بھی ایڈوانس کردی تھی اس نے وہ رقم بھی ان خواتین میں تقسیم کردی تھی ان کے غربت زدہ چہروں پر خوشی چھاگئی۔ وہ اور زیادہ دل لگا کر کام کرنے لگیں اور اس محنت کا ثمر بہت میٹھا تھا سبھی کو ان کا کام بہت پسند آیا تھا اگلی دفعہ کام اور زیادہ تھا سو ثمرین نے عورتوں کی تعداد بھی بڑھادی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ اسکول کو بھی دیکھ رہی تھی اسے یہ سب ایک انجانی خوشی سے سرشار کررہے تھے۔

ایک ماہ کے اندر ہی وہ اس قابل ہوچکی تھی کہ بازار سے اپنا کپڑا خرید کر اپنے من پسند ڈیزائنز پر کام کرسکے اس نے یہی کیا تھا نتیجہ اور اچھا نکلا تھا اس کے تیار کردہ ڈیزائنز کو مزید سراہا گیا تھا گاؤں کے غریب لوگوں کی حالت اچھی ہونے لگیں۔ سارا گاؤں ماسٹر ہدایت اللہ کی بیٹی پر فخر کرنے لگا تھا اور ثمرین اسے گاؤں سے اپنے لوگوں سے محبت ہونے لگی تھی وہ خوش تھی مسرور اور مطمئن بھی۔ سارا دن ساری رات کام کرتی پھر بھی تھکن محسوس نہ ہوتی۔ لوگ اس کی عزت کرنے لگے تھے پہلے اس کے باپ کے حوالے سے کہ وہ ماسٹر جی کی بیٹی تھی اور اب اس کی اپنی ذات کے حوالے سے کہ وہ گاؤں کی ہونہار بیٹی تھی لوگوں کی محبت اور عزت نے اسے بدل کر رکھ دیا تھا گاؤں کی کچی مٹی سے اسے گھن کی بجائے سوندھی سی خوشبو محسوس ہونے

سمیہ کنول

آج میں آپ کو جس شخصیت سے ملوانے جارہی ہوں وہ بہت خاص الخاص بہت کیوٹ اور ہر دل عزیز ہیں۔ ان کا تعارف ان کی زبانی سنیے۔ احترام سے پیار سے محبت سے ویلکم کیجئے۔ میں ہوں سمیہ کنول آپ سب کی دوست بھمبر کنڈ کے بہت پیارے اور خوبصورت گاؤں میں رہتی ہوں۔ ایف ایس سی پارٹ ٹو کی طالبہ ہوں اور بی ایس سی کرنا میرا خواب ہے۔ مجھے پیار ہے پاکستان سے پاکستان کے ہر فرد سے ہر پاکستان کے ذرے سے۔ مجھے نفرت کسی سے نہیں۔ کیونکہ میرے دل میں محبت کا جذبہ ہے ہر کسی کے لیے۔ اپنی فیملی سے اپنی دوستوں سے اور آرمی کے ہر فرد سے آئی لائک آرمی۔ میری دوستوں میں صبیحہ شاہین آمنہ اقصیٰ سلطان ایمن نوشابہ عروسہ صاحب کرن شہزادی مشی خان سائرہ اور سب سے بیسٹ فرینڈ میری بہن کنزہ ہے۔ میں کنزہ کے زیادہ قریب ہوں اور ہر بات اس سے شیئر کرتی ہوں۔ مجھے اپنی فیملی کے علاوہ جو عزیز ہے وہ ہے زینب فرسٹ ایئر ڈگری کالج نمبر 2 مانسہرہ۔ کھانے میں مجھے سب کچھ پسند ہے سوائے چکن اور گوشت کے۔ لباس میں فراک زیادہ پہنتے ہیں آج کل لانگ شرٹ اور کیپری۔ اگر بات کروں شوق کی تو میرے شوق ہیں عجیب سے آسمان پر اڑنا بائیک چلانا بچوں کے ساتھ کھیلنا چاند کو رات گئے تکنا پتنگ اڑانا مہندی لگانا اور دوسروں کو تنگ کرنا۔ بہت حساس ہوں میری حساسیت اپنے لیے نہیں ہے۔ میں دوسروں کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتی۔ ہر دلعزیز بننا میرا خواب ہے شوق ہے جنون ہے تعارف کچھ زیادہ لمبا ہوگیا۔ اب اجازت چاہوں گی۔ اللہ حافظ

لگی تھی۔

......☆☆......

بابا گھر آئے تو ننھا سا خاکی لفافہ ہاتھ میں تھا ان کے چہرے پر خوشی تھی۔

''ثمرین بیٹا۔'' وہ اندر کمرے میں ایک سوٹ ڈیزائن کررہی تھی بابا کی پکار پر باہر لپکی۔

''جی بابا۔''

''دیکھو تو تمہارے آرڈر آئے ہیں۔ شہر میں ایک بہت بڑی فرم نے تمہیں ملازمت دے دی ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے خوشخبری دی۔

''سچی بابا۔'' وہ چہکی بابا خوش تھے۔

''لیکن......!'' لفافہ دیکھتے ہوئے اچانک وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''لیکن کیا۔'' بابا بولے۔

''اب مجھے نوکری نہیں کرنی میں نے گاؤں کے لوگوں کے ساتھ مل کر روشنی کے یہ راستے طے کرنے ہیں ان سے آگے جاکر مختصر منزل کا راہی نہیں بننا مجھے بابا۔'' اس نے کہتے ہوئے وہ کاغذ پھاڑ دیا تھا ماسٹر ہدایت اللہ نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔ انہیں پتا تھا ان کی ہونہار بیٹی ہمیشہ روشنی کے راستوں کی مسافر رہے گی۔ ان شاء اللہ

"حجاب کہاں ہو؟ مجھے آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے۔" عمر کی جھنجھلائی ہوئی آواز پر کچن میں پراٹھا بیلتی حجاب کے ہاتھوں میں مزید تیزی آ گئی تھی۔

"جی بس آئی ابھی' آپ ٹیبل پر آ جائیں۔" حجاب نے تیز لہجے میں جواب دیا۔

"مگر یہاں تو ناشتا ہے ہی نہیں۔" عمر نے بے زاری سے کہا۔

آج عمر کی آفس میں اہم میٹنگ تھی' جس کی وجہ سے اس کا وقت مقررہ پر آفس پہنچنا بے حد ضروری تھا۔ کل اس لیے خاص طور پر اس نے حجاب سے کہہ دیا تھا کہ صبح سارے کام وقت پر ہو جانے چاہئیں تاکہ وہ آفس سے لیٹ نہ ہو مگر وہی ہوا جو اب روزمرہ کا معمول بن چکا تھا۔ حجاب ہر کام میں بہت وقت لگاتی تھی اس کی اس عادت کی وجہ سے عمر بے حد نالاں تھا۔ وہ ہر کام وقت پر کرنے کا عادی تھا' اس نے زندگی کو ایک خاص قرینے سے بسر کیا تھا اور متمنی تھا کہ اس کا جیون ساتھی بھی اس کی طرح چاق و چوبند ہر وقت چوکس رہنے والا ہو مگر جتنا وہ عملی زندگی میں سرگرم تھا' حجاب اس کی نسبت خیالوں میں گم رہنے والی افسانوی سوچ کی مالک لڑکی تھی اب جبکہ شادی کو ایک سال کا عرصہ ہونے والا تھا تب بھی اس کی عادات میں کوئی واضح تبدیلی نہ آ سکی تھی۔

وہ چاہتی تھی کہ قدم سے قدم ملا کر عمر کا ساتھ دے مگر اس کا بار بار کسی اور ہی دنیا میں گم ہو جانا اس کے خیالات کی روش منتشر ہو جاتی تھی' وہ اصل بات بھول جاتی تھی۔ صبح دیر نہ ہو اس نے بالخصوص آلارم سیٹ کر دیا تھا مگر کام کرتے کرتے دیر ہو ہی گئی تھی۔ وہ تیزی سے کچن سے پراٹھا پلیٹ میں رکھ کر لے آئی تھی۔

"آپ بیٹھیں بس آملیٹ لاتی ہوں۔" حجاب کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"اچھا ایسا کرو مجھے صرف چائے دے دو' میں ناشتا آفس میں ہی کر لوں گا۔" عمر نے قطعیت سے کہا۔

"چائے...... مگر چائے تو میں نے تیار ہی نہیں کی ابھی۔" حجاب نے اٹکتے ہوئے کہا۔ عمر کا غصہ دیدنی تھا' وہ بے حد آف موڈ کے ساتھ گھر سے نکل گیا تھا۔

وہ بے ساختہ رو دی تھی' بے بسی کے آنسو اس کے گال نم کر گئے تھے۔ اچانک کسی شے کے جلنے کی بو سے وہ حواسوں میں لوٹی تھی' آملیٹ بری طرح سے جل چکا تھا اور اسے لگ رہا تھا کہ یہ جلا ہوا آملیٹ اس کو منہ چڑا رہا ہو' وہ منہ بسور کر رہ گئی تھی۔

❀......❀......❀

"زوبی آپا آ رہی ہیں' ہفتہ بھر یہیں قیام کریں گی۔ تم ان کو شکایت کا موقع نہ دینا۔" عمر نے اسے اپنی آپا کی آمد کی اطلاع دی تھی' وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

اگلی شام زوبی آپا اپنی دو بیٹیوں سمیت آن وارد ہوئیں۔ زوبی آپا بہت ملنسار تھیں مگر بے حد سلیقہ شعار اور معاملہ فہم بھی۔ جلد ہی انہوں نے جان لیا تھا کہ حجاب ایک سچے دل کی لڑکی ہے مگر اپنی چند غلطیوں کی بدولت عمر کے لیے دردِ سر بن چکی ہے' انہوں نے سوچا کہ اب اگر آئی ہیں تو وہ حجاب کی اصلاح کر کے ہی جائیں گی۔ حجاب اپنے والدین کی اکلوتی اور چہیتی اولاد تھی اس لیے نازونعم میں پلی بڑھی تھی۔ اب شادی کے بعد اچانک اس پر گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ آن پڑا تھا اگرچہ وہ تندہی سے پوری طرح کوشاں تھی کہ سارے انتظامات کو احسن طریقے سے چلا سکے مگر کوئی نہ کوئی کمی بیشی رہ ہی جاتی تھی اور وہ بکھر

جاتی تھی۔

صبح وہ جاگی تو اسے کچن سے کھٹ پٹ کی آوازوں نے متوجہ کرلیا' وہ کپڑوں کی سلوٹیں درست کرتی بالوں کو پونی میں جکڑے کچن کی جانب لپکی وہاں زوبی آپا اطمینان سے کام میں مصروف تھیں۔

''ارے آپا...... آپ نے کیوں زحمت کی' میں آ ہی رہی تھی۔'' حجاب نے شرمندگی سے کہا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا...... چند کام رات کو سونے سے پہلے نپٹالیا کرو اب یہ چند برتن جو بغیر دھلے پڑے تھے انہیں دھولیتی تو صبح تم کو صاف ستھرا کچن ملتا پھر آج کے دور میں رات کو آٹا گوندھ لینے اور فریج میں رکھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں چونکہ تم سے جلد کام نہیں ہوتے اس لیے یہ کام تو رات کو ہی کرلینے والے ہیں۔'' زوبی آپا کا لہجہ بے حد ٹھنڈا تھا' جہاں طنز اور تضحیک کا کوئی نشان نہ تھا۔ حجاب نے ان پہلوؤں پر تو کبھی سوچا ہی نہ تھا' حجاب نے دیکھا کہ آپا نے چولہے کے ایک جانب جلدی سے چائے کا پانی چڑھا دیا تھا اور دوسری جانب ہلکی آنچ پر توا رکھ دیا تھا اور مسلسل کئی پراٹھوں کے لیے تیاری میں مصروف عمل تھیں پھر انہوں نے آنچ تیز کردی اور فٹافٹ پراٹھے بیل بیل کر ڈالتی جارہی تھیں۔ جب پراٹھے تیار ہوگئے تو انہوں نے کٹی ہوئی پیاز مرچ اور دوسرے آمیزے کو یکجان کیا وہ ان کی پھرتی اور تیزی کی دل سے قائل ہوچکی تھی۔

''دیکھو چندا...... تم وقت ضائع نہ کرو اتنی دیر میں کہ عمر جاگے اس کے کپڑے اور تمام ضروری اشیاء ایک جانب اکٹھی کرکے رکھ دو۔'' ان کا نصیحت آموز انداز بے حد چاشنی لیے ہوئے تھا وہ حواسوں سے لوٹی ہو جیسے۔ خرد کی دنیا میں آتے ہی وہ عمر کی تیاری میں اس کی مدد کروانے چل دی تھی۔ عمر جاگ چکے تھے اس نے لپک کر تمام اشیا ان کے سامنے رکھ دی تھیں۔

جتنی دیر میں عمر تیار ہوکر ڈائننگ ٹیبل تک آیا' اس وقت تک ناشتہ کی دلفریب مہک چہار سو پھیل چکی تھی' عمر نے اطمینان سے ناشتہ کیا۔

''ارے آپا...... آملیٹ بھی اور ساتھ میں آلو کے پراٹھے بھی۔'' عمر نے بشاش لہجے میں کہا۔

''ہاں مجھے معلوم ہے میرے بھائی کو آلو کے پراٹھے بے حد پسند ہیں ناں۔'' زوبی آپا کے لہجے میں محبتوں کی مہکار تھی۔ حجاب نے بے حد ندامت محسوس کی تھی' زوبی آپا نے پہلے ہی دن گھر میں اتنے سارے کام اکیلے نبٹائے تھے اور کسی قسم کی تھکن کا کوئی شائبہ ان کے چہرے پر نہ تھا بلکہ ایک طرح سے اطمینان سے بیٹھی تھیں۔ جتنے دن زوبی آپا یہاں رہیں وہ باتوں ہی باتوں میں حجاب کو کوئی نہ کوئی بات سمجھاتی رہی تھیں۔

آخری دن جب زوبی آپا نے جانا تھا' حجاب کا دل بے حد بوجھل تھا' اسے زوبی آپا سے بے حد انسیت ہوگئی تھی۔ زوبی آپا اپنی پیکنگ میں مصروف تھیں مگر آج حجاب نے زوبی آپا جیسی ہی ذمہ داری سے کچن کو سنبھالا تھا اور بروقت سارے کام نبٹا لیے تھے۔ عمر نے قدرے تعجب

سے حجاب کی پھرتیاں ملاحظہ کی تھیں اور دل میں خوش بھی تھا۔ زوبی آپا نے حجاب کی بڑھ کر بلائیں لی تھیں دل سے دعا دی تھی کہ وہ شاد و آباد رہے۔

زوبی آپا کے جانے کے بعد وہ بے حد اداس ہوگئی تھی مگر زندگی ایک مخصوص ڈگر پر چلنے لگی تھی اور اب عمر کو اس کی ذات سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہ رہی تھی۔ اب ہر کام اسے وقت پر تیار ہی ملا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ حجاب بھی عمر کا مزاج سمجھنے لگی تھی اور اب عمر کے مزاج میں ڈھل گئی تھی۔ حجاب کی سالگرہ قریب آرہی تھی وہ بے حد خوش تھی شادی کے بعد یہ اس کی پہلی سالگرہ تھی جو وہ اپنے محبوب شوہر کے ساتھ منانے والی تھی اس سے صبر نہ ہوا تو اس نے باتوں ہی باتوں میں عمر کو یاد کرایا تھا کہ فلاں دن اس کی سالگرہ آرہی ہے۔ عمر نے دھیان نہ دیا وہ کچھ مایوس سی ہوگئی تھی۔ اسے یاد تھا کہ اس کی سالگرہ پر گھر والے خاص طور پر اہتمام کیا کرتے تھے۔ کزنز مل کر اسے وش کرتی تھیں اور پھر اسے تحائف بھی ملا کرتے تھے۔ اسے وی آئی پی انداز میں بھرپور طریقے سے وش کیا جاتا تھا مگر عمر نے کوئی خاص نوٹس نہ لیا تھا۔

کل اس کی سالگرہ کا دن تھا وہ سوچ رہی تھی کہ کل کون سا خاص سوٹ زیب تن کرے یقیناً عمر اسے باہر کھانا کھلانے بھی لے جائیں گے اور پھر وہ اس خاص الخاص دن میں بے حد اچھا لگنا چاہتی تھی اس نے عمر سے کوئی ذکر نہ کیا تھا۔ حجاب کا خیال تھا کہ عمر اب اسے ایک خاص سرپرائز دینے کے چکر میں ہوگا اور وہ عمر کا یہ سرپرائز اسے سالگرہ کا دن یاد کروا کے کرکرا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ بھی عمر کے سامنے انجان سی بنی رہی تھی شام کو عمر آئے فائلوں کا کچھ کام باقی تھا عمر نے اسے کافی لانے کو کہا اور خود کمپیوٹر پر آفس کا باقی ماندہ کام نبٹانے لگے تھے خاصا ٹائم ہو چلا تھا بارہ بجنے ہی والے تھے۔ حجاب کا خیال تھا کہ عمر کام کا بہانہ بنا کر پورے بارہ بجے اسے سالگرہ مبارک کہے گا مگر بارہ بجنے میں چند منٹ ہی باقی رہ گئے تھے جب عمر نے اپنا تمام کام سمیٹ لیا۔

"میں بہت تھک گیا ہوں تم کیوں جاگ رہی ہو سو جاؤ۔" عمر نے بڑھ کر لائٹ آف کردی اور کروٹ لے کر سو گیا۔

حجاب کو لاتعداد سوچوں نے اپنے حصار میں لے لیا تھا اس کے لب مقفل تھے مگر آنسوؤں کا ریلا رواں تھا جو اس کا تکیہ بھگونے لگا تھا۔

کیا وہ اتنی ہی غیر اہم تھی کہ عمر کو اس کی سالگرہ کا دن بھی یاد نہ رہا تھا۔ اسے بے انتہا درد و کرب نے جکڑ رکھا تھا وہ روتی رہی نجانے کب روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی سر بھی بے حد بوجھل ہو رہا تھا اس نے پلٹ کر نگاہ ڈالی عمر جاگ چکا تھا اور واش روم میں تھا وہ بھی کسل مندی سے اٹھ بیٹھی تھی۔

حجاب کا خیال تھا کہ آفس ٹائم تو گزر ہی چکا ہے اس لیے آج عمر کی چھٹی ہوگی۔ اچانک ایک خیال خوشنما سا اس کی سوچ کے دریچے پر اپنا نقش چھوڑ گیا۔

"ممکن ہے عمر نے میری خاطر آج آفس سے چھٹی لے لی ہو۔" اس کا دل بے تحاشا دھڑکا تھا۔ "اوہ تو موصوف کا یہ پروگرام تھا۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

اس نے کسی وشنگ کارڈ کے تعاقب میں سائیڈ ٹیبل پر نگاہیں دوڑائی تھیں مگر اسے مایوسی ہوئی۔ کوئی بھی گلاب کی ادھ کھلی یا کوئی بھی کارڈ یا محبت نامہ اس کو نہ ملا۔ اس کی متلاشی نگاہیں مایوس واپس لوٹ آئی تھیں وہ تھوڑا سا افسانوی سوچ رکھنے والی لڑکی تھی اور اس کا خیال تھا کہ اسے اسی طرح وش کیا جائے گا۔ اس کی اہمیت اس کو وش کرنے سے ملزوم ٹھہرتی تھی۔ عمر کی تیاری دیکھ کر وہ خیالات سے بری طرح چونکی تھی عمر تیزی سے تیار ہو رہا تھا۔

"آپ کہیں جا رہے ہیں کیا؟" امید و بیم کی کیفیت سے دوچار وہ حسرت سے بولی۔

"ہاں آج بہت اہم میٹنگ ہے اور اس لیے میں رات گئے کام نبٹاتا رہا سارا آفس ورک ختم کیا اب جانا تو ضروری ہے اور ہاں تم رات کو میرا کھانے پر انتظار نہ کرنا

میں شاید لیٹ ہوجاؤں گا۔" عمر اپنے خیالوں میں گم اسے ہدایات سے نواز رہا تھا اور اس کو لگ رہا تھا جیسے وہ گہرے پاتال میں ہو اور کم مائیگی کا احساس اس پر حاوی تر تھا۔ عمر اسے خدا حافظ کہتا یہ جا وہ جا' وہ اپنے خیالات میں مستغرق کافی دیر تک بیٹھی رہی۔ اچانک وہ اپنے گال نم ہوجانے سے چونکی تھی اس کے گال پر تواتر سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"کیا میں اتنی ہی ارزاں اور کم مایہ ہوں کہ عمر کو میری سالگرہ کا دن بھی یاد نہ رہا۔" وہ افسردگی سے سوچ کے رہ گئی۔

وہ سمجھتا نہیں
میں ارزاں نہیں
فقط اس کی چاہت کی طلب
کرتی ہے مجھ کو بے وقعت

❀......❀......❀

شام کے ملگجے سائے میں وہ نڈھال سی لیٹی تھی' جب اچانک باہر ہارن کی آواز پر چونکی۔ تھکاوٹ اتنی تھی کہ اٹھ کر دیکھنے کی بھی زحمت نہ کی' اچانک بے تحاشا آتی آوازوں پر وہ چونکی تھی۔

"حجاب...... اتنا اندھیرا کیوں کر رکھا ہے؟" یہ عمر کی متعجب آواز تھی۔ عمر نے لپک کر سوئچ آن کیا تو چہار سو روشنی چھا گئی۔ حجاب کی سوجی آنکھیں اس کے رونے کی چغلی کھا رہی تھیں' اتنا بھی نہ پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے؟

"تم یہاں اتنی اداس کیوں بیٹھی ہو؟" عمر نے بے تابانہ آگے بڑھ کر اسے تھاما۔

"آپ سے کیا مطلب؟ اتنی فکر ہوتی تو آج کا خاص دن بھی یاد ہوتا۔"

"کون سا خاص دن؟" عمر نے حیرت سے پوچھا' وہ نظریں چرا گئی' بتانا ہی عبث تھا۔

"اچھا تم ذرا اپنا حلیہ درست کر کے باہر آؤ' آپی اور بچے آئے ہیں۔" عمر نے اسے تاکید کی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اس نے بال سمیٹے اور واش روم میں گھس گئی۔

کافی دیر ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھوتی رہی' سست روی سے وہ کمرے سے باہر آئی تو زوبی آپی کی سدرہ بیٹھی تھی۔

"باہر آجائیں آنٹی...... سب بلا رہے ہیں۔" وہ بادل نخواستہ اٹھ کر باہر آ گئی۔ ڈرائنگ روم کی جانب آوازوں کا شور تھا وہ وہیں آ گئی۔ سامنے اماں اور ابا کو دیکھ کر وہ خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات لیے رو دی تھی جب رو چکی تو اس نے اطراف کا طائرانہ جائزہ لیا سب کتنا سجا سجایا لگ رہا تھا۔

زوبی آپا نے تھوڑی دیر میں ہی بچوں کے ساتھ مل کر غباروں اور لائٹوں سے عمدہ سجاوٹ کر دی تھی۔

"اتنا حیران کیوں ہو رہی ہو' دیکھو تمہارے لیے اتنا کچھ لائی ہوں۔" ڈائننگ ٹیبل مختلف ڈشز سے سجی ہوئی تھی اور درمیان میں موجود کیک اس پر جگمگاتی ہوئی لو دیتی موم بتیاں وہ ایک دم رو دی تھی۔

"پگلی...... کیا میں آج کا خاص دن بھول سکتا ہوں جب کہ میری بیگم کی سالگرہ ہے۔" عمر نے اس کے کان کے قریب آ کر کہا تو وہ شرما سی گئی تھی۔ پھر سب کی سنگت میں اس نے کیک کاٹا' بے تحاشا دعائیں سمیٹی تھیں اور تحائف کا انبار تھا جو اسے موصول ہوا تھا' وہ بے تحاشا خوش تھی۔

"سالگرہ مبارک ہو حجاب......" عمر نے اس کے کان میں سرگوشی کی اور وہ آسودہ سی ہو کر ہنس دی۔

❀

"بندہ سوہنا ہو یا نہ ہو؟ مگر سوہنے دل کا مالک ضرور ہو۔" یہ جملہ تاک کر جس پر اچھالا گیا تھا وہ اس سے بے خبر ہرگز نہ تھی۔

"دل سوہنا ہو یا نہ ہو مگر اعمال سوہنے ضرور ہونے چاہئیں۔" وہ بھی اس سے کم نہ تھی...... آخر دوست بھی تو وجیہہ کی ہی تھی۔

"ہک ہا...... کیا' کیا نہ سوچا تھا مگر سب خواب دھرے کے دھرے رہ گئے۔" بالوں کی لٹ انگلی پر لپیٹتے وجیہہ نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"تو کس نے کہا تھا خواب دیکھو...... خوابوں سے نکل آؤ محترمہ ان خوابوں میں کچھ نہیں رکھا۔" اس سے ہمدردی کی جارہی تھی جس سے بے خبر وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔ یہی خواب تو ہیں جو ہمیں جینے کی امید دلاتے ہیں۔ ورنہ یہ ظالم دنیا اور اس کی ظالم باتیں دل جلا کر راکھ کردیتی ہیں۔" اس کے لہجے میں اداسی رچ بس گئی تھی۔ انیزہ اس کے انداز پر مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔ گھما پھرا کر بات کر کے وجیہہ اپنا مطلب نکالنا بخوبی جانتی تھی۔

"ویسے جناب آپ کو آج شاپنگ کا بخار کیوں چڑھا؟" انیزہ نے ورق گردانی کرتے اس سے استفسار کیا۔

"بس ایسے ہی جی چاہ رہا تھا سوچا تمہیں ساتھ لیتی چلوں۔"

"جانتی بھی ہو اس وقت میں فری نہیں ہوتی' تم ایسا کرو آنٹی کے ساتھ ہی چلی جاؤ......" ڈائجسٹ رکھ کر وہ اس کے نزدیک چلی آئی جہاں وجیہہ دیوار پر دونوں ہاتھ رکھے ان پر چہرہ ٹکائے اس سے بات چیت کررہی تھی۔

"یار چلو نا پلیز...... اور ویسے بھی آج تو تمہارے لیے گفٹ بھی لینا ہے تمہاری برتھ ڈے قریب ہے تمہیں تمہاری پسند کا گفٹ دلاتی ہوں تم بھی کیا یاد کروگی کس سخی سے پالا پڑا ہے۔" وجیہہ نے خوشامدانہ انداز اپنایا۔

"بالکل بھی نہیں......" نفی میں سر ہلاتے انیزہ نے جانے سے پھر انکار کیا۔

"ہمسائے پرائے ہوتے جارہے ہیں......" انیزہ پلٹ کر ڈائجسٹ اٹھانے کے بعد نیچے جانے لگی تو وجیہہ نے بسورتے ہوئے دہائی دی جسے نظر انداز کرتے تیزی سے سیڑھیاں اترتے وہ نیچے چلی گئی۔

❀......❀......❀

"اس بار میں اپنی سال گرہ کے گفٹ اپنی پسند سے لوں گی۔" رات کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سب بیٹھے تھے جب انیزہ نے ایک نظر ان پر ڈالنے کے بعد فرمائش کی۔

"اور کوئی حکم گڑیا رانی۔" یہ آواز اس کے ابو کی تھی جو سب سے پہلے اسے سنائی دی۔ باقی کنجوسوں کے سردار ادھر ادھر منہ چھپانے کی کوشش کررہے تھے۔

"بھائی جان آپ نے سن لیا نا؟ میں نے کیا کہا؟" آنکھیں سکیڑے اس نے سب سے پہلے اپنے بڑے بھائی کو مخاطب کیا۔

"میرا بچہ تمہاری کوئی فرمائش پوری نہ کروں یہ کیسے ہوسکتا ہے مگر وہ کیا ہے نا کہ اس بار میں تمہارا گفٹ اس فرمائش سے بھی پہلے لے چکا ہوں۔ سو سوری گڑیا۔" سارے جہان کی معصومیت چہرے پر سجائے جنید نے

اس سے معذرت کی۔

"منیب بھیا آپ؟" اس نے سیل فون پر بزی منیب کو پکارا۔

"انیزہ کتنی بار کہا ہے مجھے اس مشکل میں مت ڈالا کرو‘ تمہاری فرمائش پوری کرنے کے چکر میں میری جیب خالی ہوجاتی ہے۔" نظریں اب بھی سیل فون پر تھیں۔

"شرم نہیں آتی بہن کا دل دکھاتے ہوئے؟" یہ عدیل تھا جس نے ایک زوردار دھپ منیب کو رسید کی۔

"لو میں ہوں نا تمہارا بھائی‘ جب میری اپنی جاب ہوگی تو دیکھنا کیسے تمہاری ساری فرمائشیں پوری کرتا ہوں۔" اس کے کاندھوں پر بازو پھیلا کر عدیل بولا۔ لفظوں میں جیسے شرینی گھلی تھی۔

"تم بھی لگے ہاتھوں انکاری ہوجاؤ۔" خبیب‘ عدیل سے دور ہٹ کر اس نے اپنے سے چھوٹے حسیب کو غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔

"آپی میں تو اسٹوڈنٹ ہوں ابھی اور طالب علموں کی جیب اکثر خالی ہوتی ہے۔" اس کی طرف سے بھی ہری جھنڈی دکھلا دی گئی۔

"امی دیکھ رہی ہیں اپنے لاڈلوں کو...... پھر اگر میں شکایت کروں تو آپ خفا ہونے لگتی ہیں۔"

"خبردار جو ہماری گڑیا کو اب کسی نے کچھ کہا تو۔ جیسا یہ کہتی ہے ویسا ہی کرنا پڑے گا۔" اس نے شکایت امی سے کی مگر جواب ابو کی طرف سے آیا تھا۔ چاروں دانت نکالے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"میں اب کسی کا کوئی کام نہیں کروں گی۔" پیر پٹختی وہ غصے سے بولتی واک آؤٹ کرگئی تو اس کے بھائیوں کا چھت پھاڑ قہقہہ بلند ہوا۔ ابو مصنوعی غصہ کرنے لگے جس کا ان پر کوئی اثر نہ ہورہا تھا۔

وہ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ بڑا بھائی جنید ابو کے ساتھ بزنس میں تھا۔ سنجیدہ مزاج خوبرو سا جنید اسے سب سے زیادہ پیارا تھا۔ وہ بالکل ابو کی طرح اس کا خیال رکھتا تھا کبھی کبھار ہی باقیوں کے ساتھ مل کر اس کو تنگ کرتا ورنہ ہمیشہ اسی کی طرف داری کرتا۔ اس سے چھوٹا منیب جسے ہر وقت ایک ہی بات کا رونا تھا کہ اسے جیب خرچ دوسروں کی نسبت کم ملتا ہے مگر اسے کون سمجھاتا کہ اس کی شاہ خرچی زیادہ تھی تبھی اس کی پاکٹ منی جلد بے وفائی کرجاتی۔ تیسرے نمبر پر عدیل تھا۔ جو ہر بار ایک ہی جملہ کہتا۔

"جب اپنی جاب ہوگی تبھی ہر فرمائش پوری کروں گا۔" نجانے اس کو جاب کب ملنی تھی فی الحال تو دور دور تک کوئی امکان نظر نہیں آرہے تھے۔ سب سے چھوٹا حسیب جو اسٹوڈنٹ تھا اپنی پاکٹ منی ختم ہونے کے بعد بہانے سے اس سے بھی پیسے بٹور کر لے جاتا۔ انتہائی شرارتی دھوم دھڑکے کا شوقین جس کی توجہ پڑھائی میں کم اور باقی چیزوں میں زیادہ تھی۔

وجیہہ اس کی اکلوتی سہیلی تھی جو اس کی ہمسائی بھی تھی دونوں گھروں کی چھت کے درمیان دیوار تھی اکثر

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایڈ فری لنکس

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

ہی دونوں سہیلیاں چھت پر گپ شپ لگالیتیں گھر آنے جانے کا تردد کم ہی کیا جاتا تھا وجیہہ ٹی وی ڈراموں کی جب کہ انیزہ زیادہ تر رسالوں کی شوقین تھی۔ ہنستی مسکراتی خوشیوں سے بھرپور زندگی گزرتی چلی جارہی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁
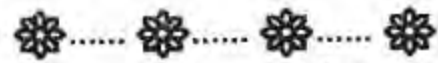
وہ روٹھ جانے کے باوجود وقت پر سب بھائیوں کے کام کررہی تھی ناراضگی ہنوز برقرار تھی بات چیت بھی کسی سے نہیں کررہی تھی۔ آج اتوار کا دن تھا وہ کمرے میں آئی تو چاروں ہوش وخرد سے بیگانہ الٹے سیدھے لیٹے ہوئے تھے رات شاید دیر تک ٹی وی سے مستفید ہوتے رہے تھے کیونکہ حسیب کے ہاتھ میں ابھی تک ٹی وی ریموٹ تھا۔ ساتھ ہی عدیل کروٹ کے بل سویا ہوا تھا۔ دونوں بڑے بھائی اوپر بیڈ پر آڑے ترچھے پڑے تھے۔ کمرے کی ہر شے بے ترتیب تھی جو انیزہ کی طبیعت پر گراں گزر رہی تھی۔ اس نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی ساڑھے گیارہ کا وقت تھا۔ امی اپنے صاحبزادوں کی پسند کا ناشتہ پکا چکی تھیں۔

دو مرتبہ انہیں آواز دے کر گئیں اس بار انہوں نے انیزہ کو بھیجا وہ جانتی تھیں اب کی بار وہ آگے پیچھے کچن میں ضرور آئیں گے۔ کمر پر ہاتھ ٹکا کے اس نے پُرسوچ انداز میں سر ہلاتے باری باری انہیں دیکھا پھر نیچے گری ہوئی چیزیں اٹھا کر ان کے ٹھکانوں پر رکھیں۔ حسیب کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر ٹیبل پر رکھا۔ سائیڈ ٹیبل سے پانی کا خالی جگ اٹھا کر واپس کچن میں آئی، فریج سے ٹھنڈا یخ پانی جگ میں انڈیلنے کے بعد مسکراتے ہوئے دوبارہ کمرے کا رخ کیا۔ امی نے اپنی بیٹی کا یہ کارنامہ صبر سے برداشت کیا اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ کچھ ہی لمحوں بعد وہ چاروں ہڑبڑا کر اٹھ کر سیدھے لائن میں کھڑے تھے۔

ہوا تو کچھ نہیں تھا بس اس نے پورا جگ ان پر خالی کردیا تھا۔ پوری آنکھیں کھولے وہ بہن کو گھور رہے تھے جواب کاندھے اچکا کر انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتی باہر نکل گئی۔

''ہٹلر کی جانشین......'' حسیب منہ میں بڑبڑایا اس کی بڑبڑاہٹ واضح سنائی دی تھی۔

منیب اور جنید دوبارہ بیڈ پر ڈھے جانے کے انداز میں گرے تو عدیل کو شرارت سوجھی۔

''وہ آگئی انیزہ......'' بس اس کا یہ کہنا تھا کہ منیب جنید سے بھی پہلے واش روم میں گھس گیا۔ اور انیزہ کو وہاں نہ پاکر جنید اس پر پل پڑا ان کی حالت سے محظوظ ہوتے عدیل اور حسیب زور زور سے ہنسے جارہے تھے۔ سلیقے سے تیار ہوکر وہ ایک ساتھ آکر کچن میں بیٹھ گئے تو انیزہ نے ٹیبل پر ناشتہ لگانا شروع کردیا۔

حلوہ پوری گوبھی کے پراٹھے آملیٹ تازہ چکن کا سالن دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا۔ کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو کچن میں پھیلی ہوئی تھی۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد انیزہ کے ہاتھ سے تیار کردہ اسپیشل چائے نوش کی گئی۔ امی سندھی بریانی پکانے کی تیاری کررہی تھیں۔ برتن دھونے کے بعد وہ بھی لاؤنج میں چلی آئی اتوار کا دن خوب ملے گلے سے منایا جاتا تھا۔ تبھی وہ چاروں لڈو کھیل رہے تھے۔

''امو دیکھو نا یہ منیب بے ایمانی کررہا ہے۔'' حسیب نے مدد کے لیے اسے پکارا جسے نظرانداز کیے وہ خاموشی سے آکر صوفے پر بیٹھ گئی۔ ٹی وی آن کرکے اونچی آواز میں نیوز چینل لگالیا۔

''آواز تو آہستہ کرو۔'' عدیل نے دہائی دی۔ ایک نظر ان پر ڈالنے کے بعد آواز زیادہ اونچی کردی۔ چاروں نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔ اس کی خاموشی وخفگی کا احساس انہیں بھی ہوچکا تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁
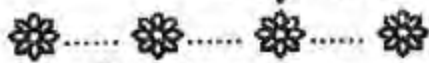
شام میں وہ ڈھیروں شاپنگ بیگز تھامے چلی آئی۔ امی خاص انیزہ کی سالگرہ پر اس کے لیے اور

وجیہہ کے لیے ایک جیسے سوٹ بنوا رہی تھیں۔ آج بھی وہ اسی سلسلے میں ڈسکیشن کر رہی تھیں کہ کیسا ڈریس بنوایا جائے۔ جب وہ سب ایک ساتھ آئے۔

"الٰہی خیر' یہ مارکیٹ کس خوشی میں لوٹ کر آئے ہیں آپ لوگ۔" وجیہہ نے انہیں مخاطب کیا۔

"ہماری پیاری انو کی سال گرہ قریب ہے تو ہم نے سوچا کیوں نا اس بار تیاری پہلے سے کرلی جائے۔" منیب نے جنید کو کہنی ماری اور مسکرا کر جواب دیا۔ اب وہ باری باری امی کو اپنی شاپنگ دکھا رہے تھے ساری چیزیں کارپیٹ پر بکھیر دی گئیں' شرٹس پرفیومز شوز موزے بنیان انیزہ بھی خوشی خوشی ہر چیز اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"میرے گفٹ کدھر ہیں؟" ساری چیزیں جب سمیٹ لی گئیں تو وہ رونی صورت بنا کر بولی۔

"گفٹ تو سرپرائز ہوتا ہے سو وہ تو سال گرہ کے دن ملے گا۔ جب ہم کیک کھائیں گے۔" وہ کورس میں بولے اور یہ جا وہ جا۔ جب کہ اس نے امی کو ایسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو دیکھ لیے کنجوس شہزادوں کے کرتوت۔

"چندہ بھائی تنگ کرتے ہیں مذاق میں' ایک ہی تو بہن ہو' تمہیں ہی تنگ کرنا ہے اور پھر دیکھو نا تمہارا خیال بھی تو کتنا رکھتے ہیں' یہی دن ہوتے ہیں ان شرارتوں کو انجوائے کرو' انہیں دل پر مت لو...... پھر ہر کوئی اپنی زندگی میں مصروف ہو جائے گا تو ساتھ مل بیٹھنے کا موقع نہیں ملے گا۔" انہوں نے خود سے لپٹا کر اسے سمجھایا تو وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا دی۔

"اس بار کیک بیکری سے منگوانے کے بجائے ہم خود بیک کریں گے اور تم میرا ساتھ دو گی آئی سمجھ؟"

"اوکے باس کوئی اور حکم؟" اس کے تحکمانہ انداز پر وجیہہ شرارت سے مسکرائی۔

"اور یہ کہ کھانا پکانے میں بھی میری ہیلپ کرو گی یو نو؟ کچن کا سارا کام میں خود کرتی ہوں ویسے کیک میں خود بیک کروں گی تم اس پر ڈیزائننگ کر دینا۔"

ناسمجھ

او پگلے دیوانے لڑکے
کیسے بتاؤں تم کو یہ کہ
محبت مر کر بھی زندہ ہے
محبت تو دل میں ہوتی ہے
ذرا سمجھو تم
جب تم برف پر تڑپتی تتلی کو
ہتھیلی پر رکھتے ہو
اس میں ایک امید جاگتی ہے
پھر جب تم اس کو
پھول پر رکھتے ہو تو
جیسے وہ جی اٹھتی ہے
کیونکہ معلوم ہے تم کو
تتلی کی محبت پھول ہے شاید
گر غور کیا ہو تم نے
چند پل کا ملن جو
میسر ہے اسے مگر یہ بھی
یہ بھی اس کی خوشی کے لیے کافی ہے
او پگلے دیوانے لڑکے
یہی بات جو تم سمجھ جاؤ
پھر یہ کچھ پوچھنے کو باقی نہ رہے
چاہے تم دور ہونا چاہو
تمہاری محبت تو
میرے دل میں ہے
تمہارے دل میں ہے
پھر یہ فاصلے یہ دوریاں
سب بے معنی ہیں
او پگلے دیوانے لڑکے
چند پل جو گزرے تیرے ساتھ
ان لمحوں کو یاد رکھنا
یادوں میں یاد رکھنا تم
یہی میری محبت کا وصول ہوگا
تمہاری محبت سرخرو ہو جائے گی
اب کے سمجھ جاؤ تم
او پگلے دیوانے لڑکے
او پگلے دیوانے لڑکے

دعا رانی..... ڈھوک پراچہ' ضلع اسلام آباد

"میرے نام والا کیک چھوٹے سائز کا ہوگا اور حجاب کے لیے بڑے سائز کا کیک بنائیں گے۔"

"محترمہ یہ حجاب کون ہے؟" وہ جو اپنی لے میں بولے جارہی تھی وجیہہ کی آواز پر اس کی زبان کو بریک لگا۔

"تمہیں نہیں معلوم حجاب کا؟ آنچل کی سہیلی ہم جولی ہے یہ۔"

"اب یہ آنچل کون ہے؟ دیکھو میں نہ آنچل کو جانتی ہوں اور نہ ہی حجاب کو؟ اور تم ہو کہ ان کے لیے کیک بنا رہی ہو بھئی ان کی سالگرہ ہے تو وہ خود کیک بنائیں' تم نے بیکری کھول رکھی ہے کیا؟" وجیہہ ہاتھ نچا کر تیز لہجے میں بولی۔

"پاگل میرا موسٹ فیورٹ ڈائجسٹ ہے آنچل اور پچھلے سال ادارے والوں نے نیا آنچل حجاب کے نام سے متعارف کروایا' حجاب کو اب ایک سال ہوگیا ہے۔ حجاب کی اور میری سالگرہ ایک ساتھ آگئی ہے تو کیا میرا اتنا بھی حق نہیں کہ میں اس کی بھی سالگرہ مناؤں۔" انیزہ نے خفا ہو کر اسے دیکھا تو وجیہہ نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھاما۔

"اف خدایا' یہ لڑکی آخر کیا چیز ہے۔" وہ منہ میں بڑبڑائی۔

"کیا مل جاتا ہے...... تمہیں ان رسالوں سے؟ فضول میں ٹائم ویسٹ کرتی ہو۔"

"ایسے مت بولو یار یہ ڈائجسٹ میری تنہائی کے ساتھی ہیں۔ اچھے برے کی تمیز سکھاتے ہیں۔ دنیا والوں کے مکروہ فریبی روپ سے آگاہ کرتے ہیں۔ معاشرے کی تلخیوں کے ساتھ روشن پہلو بھی دکھاتے ہیں۔ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا اور سمجھا ہے میں انہیں جسٹ فار ٹائم پاس نہیں پڑھتی بلکہ ہر کہانی میں اصلاح کا پہلو اور سبق ڈھونڈتے ان کا بغور مطالعہ کرتی ہوں۔ کبھی تم پڑھو تو تمہیں معلوم ہو۔" وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔ وجیہہ جو یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"انیزہ میں رسالوں کہانیوں کو ٹائم پاس سمجھتی ہوں زندگی بہت تلخ ہے۔ ڈرامے اچھی تفریح ہیں اسی لیے میں ڈراموں کی زیادہ شوقین ہوں۔ تھکی ہاری سوچوں کے ساتھ انسان جب ڈسٹرب ہوتا ہے تو ٹی وی ڈراموں سے لطف اندوز ہو کر ان سوچوں سے چھٹکارا ملنے کے ساتھ فریش بھی ہوجاتا ہے۔"

"اور میں ان ڈراموں کو وقت کا ضیاع سمجھتی ہوں' مجھے سمجھ نہیں آتی لوگ ایسے ڈرامے آخر دیکھ کیسے لیتے ہیں۔ سوائے فضول رومانس کے ان میں ہوتا ہی کیا ہے۔ خصوصاً یہ انڈین ڈرامے تو مجھے ایک دم زہر لگتے ہیں۔ اتنے لمبے عرصے تک چلتے رہتے ہیں اور اسٹوری بھی بیکار کی' اس سے بہتر ہے تم بھی کوئی کہانی پڑھ لیا کرو......" وجیہہ جب خاموش ہوئی تو انیزہ نے اپنی بات پھر سے شروع کی۔

"اچھا پھر تم مجھے اچھی کہانیوں کے نام بتانا پڑھ کر دیکھوں گی۔"

"ہاں ٹھیک ہے تم سب سے پہلے فاخرہ گل کو پڑھنا' ان کا ناول "میں گلیاں دا روڑہ کوڑا" تو مجھے بے حد پسند ہے اور صائمہ قریشی کی "اناڑی پیا سیریز" بھی لازی پڑھنا بڑے مزے کی ہے میں تو پڑھ کر خوب ہنسی......"

"اور ام طیفور...... کی تو بات ہی سب سے آگے ہے۔ اتنا زبردست لکھتی ہیں کہ کیا بتاؤں دل چاہتا ہے بس پڑھتے رہیں اور ان کی کہانی کبھی ختم ہی نہ ہو...... انہوں نے جب بھی لکھا سمجھو ہماری عید ہوگئی۔ حرا قریشی کے افسانے بہت منفرد ہوتے ہیں۔" انیزہ نان اسٹاپ بولے جارہی تھی اور وجیہہ اس کی آنکھوں کی گہری ہوتی چمک پر نظریں جمائے اثبات میں سر ہلائے جارہی تھی۔

❀......❀......❀......❀

دونوں صبح سے کچن میں لگی ہوئی تھیں۔ کیک بیک

کرنے کے ساتھ کھانا بھی پکایا جارہا تھا۔

"انیزہ تمہیں ایک مشورہ دوں؟" وجیہہ نے فریج سے باؤل نکالتے ہوئے اسے پکارا۔

"کیوں نا ہم کال کر کے ادارے والوں کو حجاب کی سال گرہ وش کریں ان تک اپنی پسندیدگی پہنچائیں۔"

"مگر یار ایسا کیسے ممکن ہے؟"

"آؤ تم میرے ساتھ پہلے ہم کال کریں گے باقی کے کام بعد میں۔" وجیہہ اسے زبردستی اپنے ساتھ کچن سے باہر نکال لائی۔

ڈائجسٹ سے آفس کا نمبر دیکھ کر اس نے ڈائل کیا اور سیل فون کان سے لگالیا۔ دوسری طرف کال جارہی تھی مگر کسی نے ریسیو نہ کی۔ وجیہہ نے دوبارہ کال ملائی۔ قسمت اچھی تھی جو کال پک کرلی گئی۔ سلام کے بعد وجیہہ نے کہا کہ انہیں حجاب ڈائجسٹ کی مدیرہ سے بات کرنی ہے کچھ دیر انتظار کرنے کو کہا گیا اس نے سیل کا لاؤڈ اسپیکر آن کرلیا۔

"السلام علیکم! جی میں سعیدہ نثار بات کررہی ہوں آپ کون؟"

"وعلیکم السلام سعیدہ آپی میں انیزہ بات کررہی ہوں کوٹ ادو سے۔" وجیہہ نے اسے بولنے کا اشارہ کیا تو لبوں پر زبان پھیر کر انیزہ نے آہستگی سے انہیں جواب دیا۔

"انیزہ کیسی ہیں آپ؟" محبت سے بھرپور آواز انیزہ کو بہت اچھی لگی تھی۔

"آپی ہم نے حجاب کی سال گرہ وش کرنے کے لیے کال کی ہے۔ حجاب کی سال گرہ مبارک ہو ڈھیر ساری دعائیں اور نیک تمنائیں ڈائجسٹ ٹیم اور ادارے کے لیے ہمیشہ یونہی آنچل و حجاب کو سجاتے سنوارتے رہیں۔" اپنی خیریت بتانے کے بعد اس نے کال کرنے کا مقصد بتایا۔

"جزاک اللہ...... گڑیا یہ آپ کی اپنائیت و خلوص ہے جو ہمیں ہمیشہ سرشار رکھتی ہے۔ اس خوب صورت

و پرمسرت دن میں اپنی نیک تمنائیں ہم تک پہنچانے کا بہت شکریہ پیاری لڑکی۔“

الوداعی کلمات ادا کرنے کے بعد اس نے کال بند کردی۔ یہ کال اس کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ اس نے محبت کا ذرا سا حق ادا کیا تھا چہرے پر انوہی مسکان سجی تھی۔ وجیہہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا کر اس کے گال پر بوسہ دیا۔ ”ہمیشہ یونہی خوش رہو۔“ اس نے خلوص نیت سے دعا دی دونوں نے ایک ساتھ آمین کہا۔

❀ ...... ❀ ...... ❀ ...... ❀
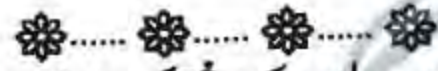
کیک کاٹ لینے اور کھانا ختم کرنے کے بعد اب گفٹس کی باری آئی تھی سب سے پہلے ابو اور امی نے اپنے گفٹ دیئے۔ امی نے گولڈ کی چین اور ابو نے اسلامی کتب کا سیٹ دیا۔ جنید بھائی نے انتہائی نفیس اور دیدہ زیب گولڈ کا بریسلیٹ دیا جس پر چھوٹے چھوٹے ہارٹ بنے ہوئے تھے۔ اسے وہ بریسلیٹ اس قدر پسند آیا کہ اس نے فوراً کلائی میں سجالیا۔ عدیل نے اشفاق احمد کی کتاب زاویہ گفٹ کی۔ ایسے ہی کچھ دن پہلے وہ وجیہہ کو بتارہی تھی کہ اب کی بار وہ اپنی پاکٹ منی سے زاویہ لے گی نجانے عدیل نے کہاں سے ان کی گفتگو سن لی تھی‘ اسے اس لمحے اپنے بھائی پر شدت سے پیار آیا تھا۔ منیب خاموش سا عدیل کے ساتھ ہی بیٹھا تھا‘ اس سے دو دو ہاتھ وہ بعد میں کرنے والی تھی کیونکہ وہ خالی ہاتھ بیٹھا تھا حسیب نے بہت پیاری ڈائری اور پین گفٹ کیا۔ ڈائری کے ساتھ موجود کارڈ وجیہہ نے اٹھالیا اور اس پر رقم تحریر قدرے اونچی آواز میں پڑھی۔

یہ بہنیں کیسی چڑیلوں جیسی ہوتی ہیں ہوتی ہیں
یہ بات بات پر ہنستی ہیں
یہ بات بات پر روتی ہیں
دل ہوتا ہے ان کا پتھر سا
یہ چالاک بڑی ہوتی ہیں
بھائیوں کی جیب خالی کراتی ہیں
پھر بھی ہر وقت
شکایتیں لگاتی ہیں......!!

انیزہ کی کھنک دار ہنسی گونجی......اس نے آگے بڑھ کر حسیب کو ہلکی سی چپت رسید کی۔

”منیب بھیا آپ ایسے کیوں بیٹھے ہیں خیریت ہے نا؟“ اب اس کا رخ منیب کی طرف تھا۔

”سب نے گفٹ دے دیئے مونی تمہارا گفٹ کہاں ہے؟“ وجیہہ بھی اس کی مدد کو آگے بڑھی...... منیب نے معصومیت سے سر اٹھا کر دونوں کو دیکھا۔

”اتنی دیر سے خاموش بیٹھا گفٹ ہی تو دے رہا ہوں......دل میں ڈھیروں ڈھیر دعاؤں کا تحفہ......اور یہ تحفہ باقی کے تمام تحائف سے زیادہ قیمتی ہے۔“ آنکھیں پٹپٹاتے وہ بولا تو ان کے قہقہے بلند ہوئے۔ انیزہ کی بسورتی صورت دیکھنے والی تھی۔

”کنجوسوں کے سردار آپ سے مجھے یہ امید ہرگز نہیں تھی۔“ وہ جانے لگی تو منیب نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا۔

”سوری گڑیا میں مذاق کررہا تھا۔“

”ایک بات اچھی طرح ذہن میں بٹھالیں ایسے جان لیوا مذاق مجھے ہرگز پسند نہیں......“ اس کی معذرت کو کسی خاطر میں نہ لاتی وہ خفگی سے بولی۔

”مونی بس کرو یار......مزید سرپرائز کے چکر میں اپنی درگت نہ بنواؤ تو ہی بہتر ہے۔“ عدیل نے ان کے پاس آکر کہا تو انیزہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

”مونی نے ریسٹورنٹ میں بکنگ کروائی ہے کل کا ڈنر اس کی طرف سے ہوگا‘ برتھ ڈے پارٹی انجوائے کریں گے اور اس کی جیب بھی خالی کروانی ہے۔“ جنید بھیا نے آگے بڑھ کر اسے اپنے حصار میں لے کر بتایا تو وہ خوشی سے اچھل پڑی......اسے آج کا دن اس سال کا خوبصورت ترین دن لگا تھا۔

❀ ...... ❀ ...... ❀ ...... ❀

''حجاب کی سال گرہ صرف ہم دونوں منائیں گی......'' یہ وجیہہ کا مشورہ تھا۔ جس پر اس نے بھی عمل کیا۔ اس برتھ ڈے کی ساری تیاریاں اس نے انیزہ کی غیر موجودگی میں کی تھی روم کو بھی لاک کرر کھا تھا۔

اندر آ کر وجیہہ نے کمرے کی لائٹ آن کی......

سامنے کا منظر دیکھ کر حیرت سے انیزہ نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ وجیہہ نے فخر سے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ اس سے داد اور تحسین کی منتظر تھی۔ انیزہ آہستگی سے چلتی ہوئی اپنی رائٹنگ ٹیبل کے قریب آرکی...... جس پر دلکش کیک رکھا تھا۔

''سال گرہ مبارک حجاب ڈائجسٹ۔'' کے الفاظ کیک پر جگمگار ہے تھے۔ کیک کے ساتھ اب تک کے آنے والے تمام حجاب ڈائجسٹ اس انداز سے رکھے گئے تھے کہ ٹائٹل کور کی ماڈل کی نظریں بھی جیسے کیک پر جمی تھیں۔ ساتھ ہی کچھ فاصلے پر آنچل ڈائجسٹ سیٹ کیے گئے تھے۔ کمرے میں جابجا سرخ گلابوں کی پتیاں اور ہیپی برتھ ڈے والے غبارے بکھرے ہوئے تھے۔

''چلو اب جلدی سے کیک کاٹو......'' وجیہہ نے چھری اس کے ہاتھ میں تھمائی۔

''حجاب کی سال گرہ وہ بھی ہمارے بغیر غلط بات ہے۔'' حسیب کی آواز پر دونوں نے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دروازے سے آدھا سر اندر کئے وہ دانتوں کی نمائش کررہا تھا۔

''اگر آپ کی اجازت ہوتو ہم اندر آجائیں؟'' حسیب آہستہ سے چلتا ان سے کچھ فاصلے پر آ کر ٹھہر گیا۔

''آپ جناب اندر آچکے ہیں......'' خاموش کھڑی انیزہ نے مسکراہٹ دباتے لب کشائی کی۔

''ارے رکو ابھی مت کاٹنا اپنی دوسری سہیلیوں کو تو آنے دو......'' ابھی وہ چھری کیک پر رکھنے ہی والی تھی جنید بھیا نے پکارا...... جو ان کی طرف آرہے تھے پیچھے عدیل اور منیب بھی تھے۔ وجیہہ کا پلان چوپٹ ہو چکا تھا اس نے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ اور گھورتے ہوئے انہیں دیکھا۔

''ہماری تو خیر ہے کیا تم لوگ کرن شعاع خواتین جنا ردا کے بغیر حجاب کی سال گرہ مناؤ گے؟ اٹس ناٹ فیئر۔'' افسوس سے سر ہلاتے جنید بھیا ان کے پاس آ گئے۔

''کیسی محبت ہے تمہاری ان سے انیزہ؟ انہیں انوائٹ بھی نہ کیا تم نے؟ وجیہہ تو چلو آدھے دماغ کی ہے تم ہی کچھ خیال کر لیتی......'' جنید بھیا کے بعد اب منیب بھائی گویا ہوئے۔

آدھے دماغ کی کہنے پر وجیہہ نے خونخوار تیور لیے اسے دیکھا اپنی شان میں یہ گستاخی برداشت سے باہر تھی۔ منیب اب بچہ بننے کی ایکٹنگ کررہا تھا۔ انیزہ کے پاس تو جیسے بولنے کو الفاظ تک نہ تھے۔

''انہیں بھی ٹیبل پر سیٹ کرد پھر مل کر کیک کاٹتے ہیں۔'' اس سے پہلے کہ وجیہہ اور منیب کی تکرار شروع ہوتی عدیل نے آگے بڑھ کر ڈائجسٹ وجیہہ کے حوالے کیے۔

تالیوں کی گونج میں کیک کاٹا گیا۔ ''ہیپی برتھ ڈے حجاب'' جنید نے اس یادگار چھوٹی سی تقریب کی تصویریں سیل فون کے کیمرے میں مقید کیں۔ وجیہہ انیزہ کے مسکراتے چہرے پر نظریں جمائے کھڑی اپنے ذہن میں آگے کا پلان ترتیب دے رہی تھی۔

وہ اس تقریب کا احوال لکھ کر ایڈیٹر کے نام خط کے ساتھ بھیجے گی ساتھ میں ریکویسٹ کرے گی کہ اگلے شمارے میں وہ اس خط کا جواب ضرور دیں۔

خط اور انتظار

معافیہ شیخ

"میں اب بھی آپ سے براہ راست بات کرنے کو نہیں کہتی میں بس یہ خط چھوڑ جاؤں گی مجھے جواب لکھ بھیجنا پچھلی بار کی طرح انتظار مت کروانا۔

آپ کے خط کی منتظر!"

اس نے خط لفافے میں ڈال کر پرس میں رکھا اور منہ دھونے چلی گئی۔ اس کا روز کا یہی معمول تھا صبح ناشتہ کرنے کے بعد اسکول کے لیے نکل جاتی جہاں وہ پرائمری اسکول کے بچوں کو انگریزی پڑھاتی تھی پھر واپس آ کر وہ ایک خط میں دن بھر کی روداد اور کچھ گلے شکوے لکھتی اور اسے پرس میں ڈال کر رات کا پکا کھانا کھانے لگ جاتی۔

کھانے سے فارغ ہو جانے کے بعد حسب معمول وہ تھوڑا آرام کرتی اور پھر یونیورسٹی کی طرف نکل پڑتی وہ پڑھانے کے ساتھ ساتھ پڑھ بھی رہی تھی۔

اس کی زندگی پڑھنے اور پڑھانے تک ہی محدود تھی۔ وہ کم گو ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی الگ دنیا میں رہنے والی لڑکی تھی۔ اس نے کبھی دوست نہیں بنائے اور نہ ہی کوئی ایسا دوست تھا جس سے وہ اپنی کوئی بات شیئر کرتی ہو اس کے دل سے بات نکلتی تھی تو صرف صفحے پر اترنے کے لیے جسے وہ سلیقے سے صفحے پر اتار دیتی تھی۔

اور ہر شام یونیورسٹی سے واپسی پر وہ لکھا ہوا خط اپنے باپ کے گھر کے باہر چھوڑ آتی جو اس کے واحد بہترین دوست تھے۔

خط نمبر

"میں آپ سے ناراض ہوں آپ نے اب بھی میرے خط کا جواب نہیں دیا' کیا آپ کو علم نہیں کہ میں بالکل اکیلی ہوتی ہوں یہ واحد خط ہی تو ہے جو آپ سے رابطے کا ذریعہ ہے۔ ٹیلیفون کے اس دور میں بھی آپ کو ٹیلیفون پسند نہیں خدارا خط کا جواب تو دیں۔ اچھا چلیں باقی گلے شکوے آپ سے مل کر کروں گی...... آپ کو بتاتی ہوں آج میرے اسکول میں رزلٹ تھا میری کلاس کی ایک بچی نے پورے اسکول میں ٹاپ کیا ہے اس کے والد صاحب آئے تھے بہت خوش تھے۔ میری طالبہ آمنہ بھی خوشی سے پاگل ہو رہی تھی مجھے بھی اچھی ٹیچر ہونے کا ایوارڈ ملا ہے۔ میں بھی خوش ہوں آپ بہت یاد آئے تھے تب......

اچھا اب تھک گئی ہوں صبح خط لکھوں گی اور آپ کے خط کا انتظار بھی کروں گی۔

آپ کی بیٹی"

"کل یکم تاریخ ہے مجھے تنخواہ ملے گی پھر میں اس سے اپنی یونیورسٹی کی فیس ادا کروں گی راشن لاؤں گی ہر بار راشن میں آپ کی پسند کی چیزیں لاتی ہوں آپ ہر دفعہ مجھے مایوس کر دیتے ہیں میرے گھر آتے ہی نہیں ایسا نہ ہو میں بھی آپ کے گھر آنا چھوڑ دوں لیکن میں رہ بھی تو نہیں سکتی نا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کے گھر کے پاس سے گزروں اور آپ تک اپنا خط بھی نا پہنچاؤں خیر میں نے کچھ نئے کپڑے بھی خریدے تھے۔ میری طالبہ کے والد کی کپڑوں کی دکان ہے ان سے خرید لائی تھی بتا دیا کہ رقم کی ادائیگی پہلی تاریخ کے بعد کر دوں گی۔ بہت عزت کرتے ہیں بلا جھجک مجھے سوٹ دے دیے اور کہنے لگے آپ کے پاس جب ہوں تب دے دیجیے گا میں شرمندہ ہو کر کہنے لگی نہیں تنخواہ ملتے ہی ادائیگی کر دوں گی میں نے صحیح کہا نا؟ ویسے کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے آپ کو خط لکھنے کی بجائے ڈائری لکھ لیا کروں کم سے کم خط کے جواب کی طرح انتظار تو نہیں کروں گی نا۔ مگر پھر بھی......

آپ کے خط کی منتظر"

"آج میں بہت اداس ہوں دل چاہتا ہے آپ کے گلے لگ کر بہت روؤں مگر آپ آتے ہی نہیں پتا نہیں

آپ کو کیا مصروفیات ہیں میں پیشہ ور خاتون ہوں اور اکیلی رہتی ہوں اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے نا کہ میں ایک بری عورت ہوں لوگ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟ وہ شاید ناواقف ہیں میں نایاب ملک ہوں عماد ملک کی بیٹی پاپا میرا دل کٹ جاتا ہے جب لوگ مجھے بری نظر سے دیکھتے ہیں میں بری عورت نہیں ہوں آپ کو تو معلوم ہے نا۔ آپ آجائیں گے تو سب ٹھیک ہوجائے گا آج میرے پاس الفاظ نہیں ہیں لکھنے کو صرف آنسو ہیں جو میں آپ کے گلے لگ کر بہانا چاہتی ہوں۔

میں کل آپ سے ضرور ملوں گی اور پورے سال میں لکھے گئے ہر خط کا جواب لوں گی۔''

یہ پہلی دفعہ ہوا تھا کہ خط کے اختتام پر آپ کے جواب کی منتظر یا آپ کی منتظر جیسے جملے نہیں لکھے گئے تھے نہ خط پرس میں ڈالا گیا تھا۔ ساری رات اس نے جاگ کر کاٹی اپنے آنسوؤں سے چہرے کو غسل دیا۔ کالی دردناک رات کٹ گئی اور نئی صبح کا سورج طلوع ہوا اس نے جلتی ہوئی آنکھوں میں پانی کے چھینٹے مارے اور بنا ناشتہ کیے پرس میں وہ خط ڈالا اور اسے کندھے پہ لٹکائے گھر سے نکل گئی۔

آج اس کے قدم اسکول کی جانب رواں نہیں تھے یہ تو وہ رستہ تھا جہاں وہ یونیورسٹی سے واپسی پر خط دینے جاتی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر چل رہی تھی جیسے آج ہار کر اس در پہ دستک دینے گئی ہو۔

''آج تو میرے ساتھ واپس چلو آپ کو تو مجھ سے منہ موڑے دو سال گزر گئے۔ مگر مجھے اب تک اکیلا رہنے کی عادت نہیں ہوئی میرے پاس بھلا کون سے رشتوں کی بھیڑ تھی جو مجھے چھوڑ کر اپنی الگ دنیا بسالی؟ مجھے گلے سے کیوں نہیں لگاتے؟ میں یاد نہیں آتی؟

میری ناراضی کی کوئی فکر نہیں؟ کیا میرا خیال بھی نہیں آتا؟

میرے آنسو نظر نہیں آتے؟ مجھ سے بات تو کرو آج تو ملاقات کا دن ہے آج میں صرف خط دینے نہیں آئی بلکہ آپ سے ملنے آئی ہوں پاپا۔ آپ کو پتا ہے نا پوری دنیا میں میرے واحد بہترین دوست آپ ہیں چلیں آج اپنے گھر چلتے ہیں بہت سی باتیں کریں گے۔

چلیں نا اب یہ ضدی بچہ بہت سی باتوں کی ضد نہیں کرتا نا ہی ہر چیز پر انگلی رکھتا ہے کہ یہ چیز خرید کر لے دیں میں وعدہ کرتی ہوں اب بھی تنگ نہیں کروں گی۔'' آنسو مسلسل اس کی آنکھوں سے رواں تھے۔

''آپ کہتے تھے بڑی ہوجاؤ پھر تمہیں تمہارے گھر بھیج دوں گا۔ مجھے بھیجنے کی بجائے آپ نے اپنا نیا الگ گھر بنالیا؟ آپ وعدہ خلاف ہیں۔ میں اب بھی آپ کو خط نہیں لکھوں گی مگر ہاں مگر آپ کے خط کا انتظار کروں گی۔

آپ کی بیٹی نایاب۔''

جس گھر پر دستک دینے وہ روز آتی تھی اس گھر کا کوئی دروازہ تھا نہ کوئی کمرہ نہ کھڑکی اس نے پرس میں موجود خط نکالا اور تختی کے پاس رکھ کر اپنے مردہ جذبوں کی لاش اٹھاتی خود کو گھسیٹتے شہر خموشاں میں بسے لوگوں کے درمیان سے آنسو بہاتی نکل آئی۔

ہاتھوں میں سرخ رنگ کا انتہائی خوب صورت انویٹیشن کارڈ تھامے وہ بغور اس پر اپنی عقابی، گلابی اور شرابی آنکھیں جمائے گولڈن رنگ کی لکھائی سے الجھ رہی تھی۔ "ہائے اللہ کتنا مزہ آئے گا پارٹی میں۔" وہ سوچ کر ہی جھوم اٹھی تھی چھلانگ مار کے کمبل میں گھستے ہوئے اس نے ایک بار پھر سے اپنا سابقہ عمل دہرایا تھا۔

"حجاب پارٹی انویٹیشن" باہر والے کور پہ جھلملاتا سا لکھا ہوا تھا۔

لمبی قدموں کو چھوتی ریڈ فراک پہ نازک گولڈن منی کوٹی پہنے تراشیدہ بالوں کی ٹیل بنائے ہیل والے سینڈل پاؤں میں سجائے ہاتھ میں کارڈز لیے ریڈ خوب صورت سے کارپٹ پہ وہ محو انتظار تھی۔ داخلی دروازے کے عین سامنے میزبانی کے فرائض انجام دینے کے لیے وہ سراپا تیار تھی۔ "حجاب پیلس" کے لان میں سجی نفیس ٹیبلو کے گرد کرسیاں خالی رکھی تھیں۔ جذباتیت سے پر مسکراہٹ سجائے وہ گردن دائیں سے بائیں اچک اچک کر انتظامات کی تسلی کر رہی تھی۔

آف وائٹ ہلکی سی کڑھائی والے سوٹ میں خوب صورت دوپٹا سر پر ڈالے ازلی نرم سی مسکراہٹ لیے ایک پرنور قابل احترام ہستی داخلی دروازے سے اندر آئی تو اس جلوہ نمائی پہ دل یکبارگی دھڑک کر پسلیوں سے ٹکرا کر باہر نکلنے کی سعی کرنے لگا۔

"السلام علیکم۔" بے حد جوش سے وہ ان کے گلے آن لگی۔

"وعلیکم السلام۔ اف یہ نرماہٹ میں کب سے انتظار کر رہی ہوں آپ کا طبیعت وجود خوشگواریت روح بخیر ہیں آپ کی۔"

"الحمدللہ بفضل خداوندی کرم رب کا میں خیر سے ہوں۔ عافیت سے ہوں۔"

"گڑیا آپ کا حال کیسا ہے؟" اس کے سوال کا جواب دے کر انہوں نے پوچھا تو وہ بے حد خوشی سے بولی۔

"حال مت نہ پوچھیں بس انتظار کی سل میں دب گئی میں تو۔" وہ مصنوعی آہ بھر کر بولی تو مقابل کی آنکھیں بھی مسکرا اٹھیں یہ آپ کے لیے سرخ پھولوں کا گلدستہ پیش کرتے ہوئے اس نے کارڈز سائیڈ ٹیبل پر رکھے۔

"نوازش ڈیئر۔" ہاتھ بڑھا کر یہ محبت نامہ تھاما گیا یہ سو بری ہستی ہماری عزیزہ مدیرہ قیصرآرا تھیں۔

شروعات اتنی حسین اور دل پزیر تھی اختتام بھی ظاہر ہے لاجواب ہوگا اگلی ہستی کو دیکھ کر اس کی چیخ نکلتے نکلتے آخر نکل ہی گئی نازیہ کنول نازی اپنے پیارے سے بیٹے عبدالہادی کے ساتھ شریک محفل تھیں۔ "اللہ مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا آنچل کی جان حاضر ہیں۔" وہ ان کے بیٹے کو چٹاچٹ پیار کرتے ہوئے بولی۔

"بہت بہت شکریہ اس پزیرائی کا۔"

"ہاٹ ریڈ ڈریس میں قاتل لگ رہی ہیں آپ میرا اور آپ کا آج سیم ٹو سیم کلر ہے ڈریس کا واہ کیا حسین اتفاق ہے۔" وہ سر دھننے لگی۔

"اچھا ایک ریکوئیسٹ ہے میری آپ سے آپ حجاب کے لیے بھی وقت نکالیں نا کوئی ناولٹ یا ناول۔"

"جی ان شاء اللہ میں بھرپور کوشش کروں گی کہ ضرور لکھوں۔" اس کی درخواست پر غور کرلیا گیا تھا۔

انہیں رخصت کرنے کے بعد وہ پھر سے اگلے مہمان کے استقبال کے لیے مستعد گوش ہوگئی تھی میرون اسٹائلش ساڑھی میں نزہت جبیں کو دیکھ کر اس کے حواس ہی مختل ہوگئے۔

"آپا، ماشاء اللہ کیا جلوے ہیں۔" وہ بھاگ کر ان سے لپٹی۔

"قسم سے بہت کچھ سیکھا ہے میں نے آپ سے۔ نکمی، پھوہڑ سی تھی مگر آپ کی کوکنگ نے مجھ پر سے یہ ٹیگ ہٹادیا ہے اب میں سگھڑ ہوگئی ہوں امی کہتی ہیں۔" وہ انہیں دیکھتے ہی بولنے لگی۔

"اچھا یہ بتائیں کیا فیلنگز ہیں آج کے دن کے حوالے سے؟"

"فیلنگز تو بہت زبردست ہیں خوشی اور فخر کی ملی جلی کیفیت سے دوچار ہوں۔ ماشاء اللہ یہ حجاب کی پہلی سالگرہ ہے اور انتظامات مجھے بہت پسند آئے سب سے ملاقات کی خوشی الگ ہے بس خوشی ہی خوشی ہے۔" ان کے کمنٹس لے کر

وہ آگے کو لپکی تھی کوئی کہہ نہ دے یہ دھوکہ ہے یہ خواب ہے تو بخدا خواب ہی رہے میری چشم یوں ہی سیر ہوتی رہے۔ سمیرا شریف اور راحت وفا کو اکٹھا دیکھ کر وہ بے ساختہ بولنے لگی۔

"مرحبا یا حبیبن۔" لائٹ پرپل ڈریس میں سمیرا بے حد شفاف و اجلی لگ رہی تھیں اور لیمن بلیک کنٹراس میں راحت وفا بھی اعلیٰ قسم کی بہار پھیلا رہی تھیں۔

"دو معزز سینئر رائٹرز ایک ساتھ میری تو سمجھ میں نہیں آرہا کیا بولوں۔"

"ابھی تو ٹریلر ہے مائی ڈیئر پکچر ابھی باقی ہے۔" راحت کی بات پہ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ہائے شکر ہے آپ کے چہرہ روشن پہ مسکراہٹ تو آئی ورنہ آپ کی سنجیدگی واللہ دل میں شگاف ڈال دیتی ہے۔" سمیرا کی اسمائل پہ وہ دل پہ ہاتھ رکھ کر بولی اور جھک کر انہیں آگے بڑھنے کا اشارہ دیا۔

"جناب، جناب ایڈمن صاحبان تشریف فرما ہیں۔" صبا عیشل اور حنا مہر کو دیکھ کر وہ چہک اٹھی۔

"ارے واہ آج تو عیشل گڑیا چھا ہی گئی ہیں۔" صبا کی بیٹی سے اس نے جھک کر شیک ہینڈ کیا۔

"کیا حال احوال ہیں آپ کے، ذرا نظر دوڑائیں کیسا لگ رہا ہے سب کچھ۔" وہ اب ان دونوں سے مخاطب تھی۔

"الحمدللہ حال تو ٹھیک ہے سب کچھ قابل ستائش ہے اگلے لمحات کا شدت سے انتظار ہے۔"

"حنا مہر اور حنا اشرف میں کیا فرق ہے؟"

"کوئی خاص فرق نہیں اول الذکر آنچل گروپ کی ایڈمن ہے اور موخر الذکر ایک مصنفہ ہیں۔" اس کے سوال پہ حنا نے دھیرے سے مسکرا کر کہا۔

"جب شروع شروع میں، میں نے پڑھا تو میں اچھی خاصی کنفیوژ ہوگئی کہ یہ ایک ہی بندی ہے یا دو الگ الگ ہیں۔ پھر میں نے مان لیا کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں لیکن پھر مجھے یہ ماننا پڑا کہ میرا ماننا غلط ہے دراصل یہ دونوں ایک ہی ہیں ایک پوسٹ پر آپ نے بتایا تو اس کے کمنٹس میری نظروں کے حصار میں آگئے تو تب سے یہ پزل حل ہوئی۔" اس نے اپنی بے وقوفی کا اعتراف کیا تو سب مسکرانے لگے اور آگے کی جانب چل دیے۔

شب کی سیاہی میں مثل چاند آمد عطر گلشن حسن وسادگی کا مرقع ہائے جمال وآفرین جناب من (حرا کی زبان میں) حرا قریشی تشریف کا گلدستہ اٹھائے ہوئے ہیں بلیک خوب صورت اسٹالر لپیٹے دلکش مسکراہٹ کے ہمراہ حرا قریشی کی آمد ہوئی تھی۔

"سلام شب کیسی ہو حرا؟"

"جی کرم ہے اللہ کا خوش باش ہوں۔" جواب ملا۔

"اللہ خوش رکھے جیتی رہو سلامت رہو اور اب اس حسین محفل کا حصہ بنو۔" ہٹ کر راستہ دیتے ہوئے اس نے آگے کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہو یہ قافلہ جمال کہاں سے وارد ہوا ہے۔"

صائمہ قریشی، سحرش فاطمہ، عرشیہ ہاشمی، عائشہ پرویز کو دیکھ کر اس کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔

"ہم یہاں سے گزر رہے تھے سوچا ملتے جائیں۔" عائشہ نے شرارت سے کہا۔

"اب آ ہی گئے ہو تو فنکشن اٹینڈ کیے بنا میں جانے نہیں دوں گی۔" وہ بھی جواباً اسی انداز میں بولی۔

"نہیں...... نہیں ہم لیٹ ہو جائیں گے۔" صائمہ یکدم بولی۔

"ارے کوئی نہیں اناڑی پیا آتی تو ریلیف دے دیں گے آپ کو۔" عرشیہ نے کہا تو وہ بھی گویا ہوئی۔

"آپ نے تو میرے منہ کے الفاظ چھین لیے۔"

"ہم امپریسیو۔" سحرش آس پاس نظر دوڑاتے ہوئے بولی۔

"ہے نا بالکل آپ کی طرح۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

اگلے معززان کو دیکھ کر اس کے ہاتھوں میں موجود گلدستے ڈگمگا گئے۔ اقبال بانو اور طلعت نظامی کو کھڑے دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوگئے یہ پرستان کی پریاں آج بھول کر اس راستے پر تو نہیں آگئیں وہ آنکھیں پٹپٹا رہی تھی۔

"بالکل نہیں گڑیا۔" وہ اس کا گال چھو کر بولیں تو وہ ہوش و خرد میں واپس آئی اور ہاتھ میں پکڑے گلدستے نہایت ادب سے ان کے پیش خدمت کیے۔

"جیتی رہو۔"

"شکریہ آپا۔" جھک کر آداب کیا گیا اور ان کو اندر تک چھوڑتے وہ خود ان کے ساتھ آئی سرعت سے واپس پلٹتے ہی اس کا ٹکراؤ آنچل ریڈرز سے ہوگیا۔

"ارم کمال، طیبہ نذیر، گل مینا خان، مدیحہ نورین، جاذبہ ضیافت، نجم اعوان، پروین افضل شاہین، دعائے سحر، تمنا بلوچ، لائبہ میر، انا احب، تحریک اکرم، عائشہ ملک عاشو، گل مینا خان اینڈ حسینہ، عائشہ اے بی، کوثر خالد، نجم انجم نورین انجم اف اتنے سارے لوگ اکٹھے ہیں۔" وہ چیخ کر بولی۔

"آپ سب کا بے حد شکریہ۔ مزے اور خوشی کو دوبالا کرنے کے لیے۔ پانچ منٹ لیٹ ہیں آپ لوگ ویسے۔" اس نے یاددہانی کرائی۔

"کوئی نہیں خیر ہے جناب دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے لڑکیوں کی تیاری میں۔" سب مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

"اے تم یہاں اکیلی کھڑی کیا کر رہی ہو۔" وہ اپنی دھن میں کھڑی تھی جب قاریہ نے پیچھے سے اسے دھپ رسید کی وہ یکدم چونک گئی۔

"موٹی مج (بھینس) کتنی بار کہا ہے ہاتھ ہولا رکھا کرو۔" وہ کندھا سہلانے لگی۔

"وہ کتنی دیر میں آئی ہو تم سب مجھے اکیلے ہی سب کو اٹینڈ کرنا پڑا۔" وہ غصے سے ان چاروں کو گھورنے لگی۔

"یہ جمیلہ نے دیر کرائی ہے اس کا مطلوبہ لپ اسٹک کا شیڈ نہیں مل رہا تھا۔" اریبہ جھٹ سے بولی۔

"ہاں، جھوٹی تمہارا ہیئر اسٹائل نہیں مکمل ہو رہا تھا۔ زیادہ دیر تمہاری وجہ سے ہوئی ہے۔" بسمہ نے ٹانگ اڑائی۔

"واہ یہ بھی خوب ارشاد فرمایا تم نے آدھے راستے آنے کے بعد گاڑی کس نے واپس مڑوائی تھی تم جو اپنا خزانہ سے لدا ہینڈ بیگ گھر بھول آئی تھی اس کی وجہ سے ہمیں دیر ہوئی۔" وہ سخت برہم تھی۔

"تم لڑلو پہلے ہم تالیاں بجاتے ہیں۔" قاریہ غصے سے گویا ہوئی تو وہ سب خاموش ہو گئیں۔

"اچھا لیو اٹ' اب اندر چلو باقی انتظامات بھی دیکھنے ہیں۔"

وہ پانچوں اس طرف آئیں تو ملنے ملانے کے چکروں میں لگ گئیں اس نے موبائل نکال کر ٹائم چیک کیا تو آنکھیں پھٹ گئیں۔ اف اللہ ٹائم تو نکلتا جا رہا ہے اس نے جلدی سے قاریہ کو آواز دی کمپیئرنگ اسی کے ذمہ تھی یکبارگی اس کی نظر ایک اور معزز ہستی کی طرف ٹھہر گئی۔

"سعیدہ آپا آپ کب آئیں؟" وہ حیرت زدہ تھی۔

"میں تھوڑی لیٹ ہو گئی ہوں دراصل' فنکشن اسٹارٹ نہیں کرنا کیا۔" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"ہاں بس ابھی کرتے ہیں۔ آپ ایک منٹ رکیں یہاں پہ۔" وہ بھاگ کر گئی اور ایک کھلا ہوا تازہ گلاب لے آئی۔

"یہ آپ کے لیے۔" وہ پھولی سانسوں کے بیچ بولی۔

"اوتھینک یو سوچ گڑیا۔"

"مائی پلیزر آپا۔"

"السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، سامعین وحاضرین اور ناظرین سوری قارئین۔ ادھر متوجہ ہوں نظروں کا ارتکاز ٹوٹنے نہ پائے جیسا کہ آج حجاب کی پہلی سالگرہ ہے جسے باضابطہ طور پر ہم منا رہے ہیں تو اس حوالے سے اس چھوٹی سی پارٹی یا فنکشن میں شامل تمام عزیزان محفل کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں آپ لوگوں کے دم سے ہی اس رات کا، ان لمحات کا حسن ہے۔ باقاعدہ آغاز کے ساتھ تلاوت اور نعت پیش خدمت ہے۔" قاریہ کی میزبانی شروع ہو چکی تھی اس نے تمام ترتیب شدہ پروگرامز کو ایک بار دوبارہ چیک کیا اور مطمئن ہو گئی۔

خوب صورت آواز میں تلاوت نے سحر کلام میں جکڑ لیا، جھکے سروں میں ایک خاص عقیدت پنہاں تھی بعد از تلاوت نعت مقبول رسول پیش کی گئی بسمہ کی پرفسوں آواز نے خوب داد وصول کی۔

"سبحان اللہ، بے شک کلام الٰہی کی تاثیر چاشنی سے لبریز ہے۔ پروگرام کو آگے بڑھاتے ہیں ماشاء اللہ ہنستے مسکراتے چہرے ہیں تو کوشش رہے گی یہ جاندار سی مسکراہٹ یوں ہی رقصاں رخ روشن رہے تو ایک بہت ہی خوب صورت، مشہور زمانہ ناول اور ایک نامور قلمکار، ہماری اور آپ کی بہت ہی عزیز عفت سحر طاہر صاحبہ کے ناول "محبت دل پہ دستک" سے کچھ اقتباس پہ فارمنس آپ کی خدمت میں حاضر کریں گے اس ناول کے میرے موسٹ فیورٹ کردار ضحیٰ میر اور معید حسن کی نوک جھونک سے یقیناً سب حاضرین بہت محظوظ ہوں گے تو آغاز کرتے ہیں پرفارمنس کا۔ جمیلہ بطور ضحیٰ میر اور اریبہ بطور معید حسن تشریف فرمائیں ادھر۔ جاتے جاتے ایک شعر معید حسن کی طرف سے ضحیٰ میر کے لیے۔

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات

دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

بلیک شلوار کرتی میں شارٹ ٹیل پونی کیے جمیلہ (ضحی میر) کو دیکھ کر فاریہ کی ہنسی چھوٹ گئی سفید شلوار قمیص میں کف چڑھائے پاس رکھے صوفے پہ بیٹھے معید حسن یعنی اریبہ کو دیکھ کر وہ بھی دنگ رہ گئی تھی۔ مکمل سنجیدگی سے مردانہ کرخت تاثرات پہ فاریہ نے نظروں ہی نظروں میں اسے سراہا جبکہ میزبان اول نے وکٹری کا نشان بنا کر داد دی تھی۔

"فون تھا آپ کا۔" لٹھ مار انداز میں ضحی بولی تو صوفے پر نیم دراز معید پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا۔

"کس کا تھا۔"

"آپ کی کوئی گرل فرینڈ تھی۔" اطمینان سے اس نے کہا کب سے دل یہ سب کہنے کو بے قرار ہو رہا تھا۔ جیسے صبر سا آ گیا تھا معید کی پوری آنکھیں کھل گئیں۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" ناگواری سے پوچھا تو وہ معصومیت سے بولی۔

"اگر دوست لڑکی ہو تو اسے گرل فرینڈ ہی کہتے ہیں میری نالج کے مطابق۔"

"ویرا کا فون تھا۔" سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"دیکھا گرل فرینڈ کہا تو کتنی آسانی سے پوچھ لیا آپ نے۔" وہ استہزاء سے بولی تھی۔

"کبھی سیدھی بات کا سیدھے سے جواب بھی دے دیا کرو۔" وہ چڑ کر بولا۔

تو ضحی نے آرام سے کہا۔

"میں نے سیدھے سے ہی بتایا تھا کہ آپ کی گرل فرینڈ کا فون ہے اب وہ کوئی اور ہو...... تو آپ کو علم ہوگا اس کے بارے میں۔" وہ جبڑے بھینچ کر اسے گھورنے لگا اور وہ مسکراہٹ دباتی پلٹ آ گئی۔

ڈراپ سین پہ تالیوں کی گونج نے سناٹے کو چیر ڈالا تھا۔

"جی جناب کیسی لگی آپ کو پرفارمنس اور یہ مکالمے بازی، ویسے تو آپ کی تالیوں کی گونج نے بتا ہی دیا ہے مگر ایک بار اور میں آپ لوگوں سے پوچھنا چاہوں گی تھوڑا شور مچا کے بتائیں۔" اور پھر ایک زبردست شور نے اسے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے پر مجبور کیا اور وہ ہنستی چلی گئی۔

"بس بس یار میرے کان ذاتی ہیں کرائے کے نہیں اچھا یہ بتائیں کہ ضحی اور معید میں سے کون زیادہ اچھا لگ رہا ہے۔"

"دونوں۔" ایک زوردار آواز آئی تھی۔

"مجھے تو معید زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔" اس نے شرارت سے کہا تو جمیلہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

وہ پھر ہنس پڑی جمیلہ اور اریبہ کے جانے کے بعد وہ بھی اسٹیج پہ چلی آئی تھی گلا کھنکار کر اس نے دوسرا مائیک سیدھا کیا تھا۔

"لیڈیز اینڈ جینٹل لیڈیز السلام علیکم۔"

"یار لیڈیز کے ساتھ کچھ اور کا بھی اضافہ کرو۔" فاریہ نے اسے کہا تو وہ پھر سے بولی۔

"انوسنٹ اینڈ سویٹ لیڈیز پرفسوں شام کی رنگینی کو بڑھاتے ہوئے ایک اور سیگمنٹ شروع کرتے ہیں کیا خیال ہے فاریہ؟" اس نے تائید چاہی۔

"ہاں بالکل کیوں نہیں۔ پروگرام بڑھاتے ہیں۔ اگلے سلسلے بھی بہت دلچسپ ہیں اور کچھ یوں ہے کہ اپنی رائٹرز کو اپنے ٹائٹلو سے نوازنا ہے۔ ان کی نیچر کے مطابق۔ جتنا ہم نے انہیں پڑھا اور جج کیا یا ان کے انٹرویوز کے مطابق ان کی سوچ مزاج وغیرہ کو پرکھا اس کے مطابق ٹائٹلو دینے تھے جو کہ ہماری میزبان اول دے چکی ہیں اب ہم اناؤنس کرنا چاہیں گے اس سے پہلے پیشگی معذرت کہنا چاہوں گی اگر کسی کو کچھ برا لگے۔ ہم تو اپنی سمجھ کے مطابق نوازیں گے شاید کسی کو اچھا نہ لگے۔ سب سے پہلے ہے نازیہ کنول نازی "دی سیڈیسٹ بیوٹی" اداس رنگوں سے مرصع خوب صورتی کے لوازمات پہ پورا اترتی۔ سمیرا شریف طور "دی گریس فل اینڈ سیریس پرسنالٹی"۔ ہر ٹائٹل کے بعد تالیاں بج رہی تھیں جو جو رائٹرز جائے وقوعہ پہ موجود تھیں ان کے لیے انتہائی خوب صورت کارڈز بنائے گئے تھے جن پہ ٹائٹل لکھا تھا اور ہر رائٹر کے پاس جا کر یہ کارڈز تقسیم کرنے کی ذمہ داری بسمہ کی تھی۔ اقبال بانو "دی رئیل پرسنالٹی اے گریڈ ایبروزور" طلعت نظامی "دی ڈیسنٹ لیڈی" صائمہ قریشی "دی چارمنگ لیڈی" عفت سحر طاہر "ویری سویٹ اینڈ جولی پرسنالٹی" لو یو عفت آپی وہ چونکہ یہاں موجود نہیں ہیں ڈھیر سارا سلام اور پیار ان کے لیے راحت وفا "دشی از اے لولی گارجیئس" رفعت سراج "دی موسٹ پاپولر اینڈ فیملس" اور سب سے آخر میں ہماری پیاری آپی قیصرآرا کے لیے۔ "دی سوبر نائس، ڈیسنٹ، سوفٹ اسپوکن اینڈ اے

ریئلی کائنڈ، ہمبل پرسنالٹی۔" وہ ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

آپی کے لیے ایک شعر
اک تو لہجہ ہے اس قدر شیریں
اور پھر بولتی بھی اردو ہیں

جس معزز ہستی کے لیے میں نے شعر پڑھا ہے میں انہیں یہاں اسٹیج پر تشریف لانے کی دعوت دینا چاہوں گی۔" تالیوں نے ان کا خیر مقدم کیا تھا اس نے خود آگے ہاتھ بڑھا کر انہیں اوپر چڑھایا تھا اور پھر ہاتھ باندھ کر سر جھکا کر کھڑی ہوگئی تھی۔

"السلام علیکم سب سے پہلے تو میں بے حد شکریہ ادا کرنا چاہوں گی سب رائٹرز اور ریڈرز کا آپ لوگوں نے یہاں آنے کی زحمت کی۔ حجاب کا اجرا بہت سی بہنوں کی خواہش پر کیا گیا آنچل کی سہیلی کو دریافت کرنے کا اصرار بڑا شدید تھا بڑی محنت اور جانفشانی سے اسے سجایا گیا خوب سے خوب تر کی کوشش میں حجاب نے الحمدللہ اپنا نام اور پہچان بنالی ہے رائٹرز اور قارئین کا بھرپور تعاون رہا ایک سال بھی ہوگیا اور وقت دبے پاؤں گزر گیا آج ہم یہاں کھڑے حجاب کی سالگرہ سلیبریٹ کررہے ہیں۔ آپ لوگوں کا قلمی تعاون یونہی برقرار رہے اور حجاب کا نام اور بھی روشن ہو اللہ سبحان وتعالیٰ ہم سب کو خوشیاں عطا فرمائے جزاک اللہ۔" ایک مختصری ملاقات کے بعد وہ اسٹیج سے نیچے اتر گئیں۔

"ویلکم بیک حاضرین و ناظرین شب کا چاند پورے جوبن پہ ہے کیا خیال ہے ایک چھوٹا سا مقابلہ ہوجائے شاعری کا میری یہ کٹ کھنی بلیاں میرا مطلب دوستیں بے تاب ہیں پنجہ لڑانے کے لیے شاعری کا بسمہ اور بجیلہ جبکہ قاریہ اور اریبہ ساتھی ہیں پانچ منٹ کا وقت ہے پانچ منٹ میں جو زیادہ اور اچھے اشعار پڑھے گا وہ ونر ہوگا اور جیتنے والے کے لیے میری طرف سے ایک انعام "بڑی سی شاباش" ملے گی۔ اس نے آخر میں شرارتاً کہا۔

"ٹائم اسٹارٹ ناؤ نمبرون ٹیم آپ کی باری۔

کوئی وعدہ وفا نہ کر کہ مجھے
بے وفا لوگ اچھے لگتے ہیں

ٹیم نمبردو

با وفا ایک دوسرے سے میاں
ہر نفس بے وفائی کرتے ہیں

ٹیم نمبرون

میں جو ہوں، یعنی میں کس کا نہیں
یہی میرا کمال ہے شاید

تالیوں کا شور ہر شعر پر بلند ہورہا تھا۔

ٹیم نمبردو

کام کی بات میں نے کی ہی نہیں
میرا طور زندگی ہی نہیں

ٹیم نمبرون

زندگی کس طرح بسر ہوگی
دل نہیں لگ رہا محبت میں

ٹیم نمبردو

جانے مجھ سے یہ کون کہتا تھا
آپ اپنا خیال تو رکھیے

بس بس بس ٹائم از اوور۔

ہار، جیت کا فیصلہ تو ناظرین کریں گے ٹیم نمبرون کے لیے ذرا تالیاں بجا کر دکھائیں تالیوں کی بوچھاڑ حد سے سوا تھی۔ اب ٹیم نمبردو کے لیے یا ہو ہم جیت گئے بجیلہ اور بسمہ نے تالیوں کے ذرا کم شور پر خوشی سے چلاتے ہوئے کہا تو یعنی ہماری ونر ٹیم ہیں ٹیم نمبرون قاریہ اور اریبہ نے کمپیئرنگ کرتے ہوئے اسے دیکھا اور آنکھیں دکھائیں جواباً مائیک منہ کے آگے کرکے اس نے ایک شعر داغ دیا۔

اک ہی فن تو ہم نے سیکھا ہے
جس سے ملیے اسے خفا کیجیے

واہ، واہ، تالیوں بج اٹھی تھیں شکریہ شکریہ نوازش اب آپ تشریف لے جاسکتے ہیں کام ختم ہوگیا آپ کا اس کے بے نیازی سے کہنے پہ وہ اسے گھورتی اسٹیج سے نیچے اتر گئیں۔

"جون ایلیا کی اس خوب صورت شاعری کے بعد اب فنکشن کے لب ولباب پر آجاتے ہیں جب بھی کہیں کسی کی سالگرہ کا ذکر آتا ہے تو کیک نظروں کے سامنے گھوم جاتا ہے ایسا ہی ہے نا کچھ تو ظاہر ہے ہم بھی یہاں حجاب کی سالگرہ کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں تو کیک کٹنگ کا مرحلہ ابھی باقی ہے، لیجیے چلتے ہیں آپ سب کو اس مرحلے کی جانب تمام حاضرین سے گزارش ہے کہ اسٹیج کے پیچھے تشریف لے آئیں مائیک سائیڈ پہ رکھتے ہوئے وہ بھی نیچے اتر آئی۔

ایک بڑی سی گول میز کے وسط میں دھرا کیک انتہائی خوب صورت تھا، غباروں سے بجی یہ جگہ سالگرہ کا سا نظارہ دے رہی تھی کیک کے اردگرد سرخ پھول رکھے گئے تھے وہ ہاتھ پکڑ کر قیصرآپا کو وہاں لائی تھی اور چھری اٹھا کر انہیں پیش کی۔ ماشاء اللہ کیک تو بہت زبردست ہے کہاں سے بنوایا ہے۔" آپ نے پوچھا۔

"یہ میں نے وصف سے بنوایا۔"

"کون وصف۔" سعیدہ آپا نے اچنبھے سے کہا۔

"وصف وہی صوفیہ سرور کے ناول کی ہیروئن "میٹھے موسم" والی کیک شیف۔" اس کے معصومیت سے کہنے پر قہقہہ پھوٹ پڑا۔

"وہ آپ کو کہاں دستیاب ہوئی۔" حرا نے محظوظ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"انہیں میں کہانی سے نکال لائی حالانکہ معصم صاحب بہت منع کر رہے تھے مگر میں نے کہا میں آپ کی بیگم کو بس دس منٹ بعد چھوڑ جاؤں گی۔" وہ آنکھ مار کر شرارت سے بولی تو سب ہنس دیے۔

"دراصل میں نے کہانی میں جب پرپل اینڈ وائٹ والا کیک پڑھا تو مجھے پسند آیا میں نے وہاں سے ڈیزائن پڑھ کر بنوانے کا آرڈر دے دیا۔" اس نے مسکرا کر اب سچ بتایا۔

"چلیں تو لے آؤ ہاتھوں میں کھلاؤ گی سب کو۔" اریبہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ اچھل پڑی اور سب سے معذرت کر کے وہاں سے چلی آئی۔

تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اچانک اس کا پاؤں کسی چیز سے الجھا اور قبل اس کے وہ گرتی جھٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

لیٹے لیٹے اس نے چھت کو گھورا اور پھر یکدم کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھی۔ ہاتھ میں دبا کارڈ جوں کا توں تھا کارڈ دیکھ کر مسکراتے مسکراتے وہ سوئی تھی تو خواب میں ہی سب سے مل آئی تھی۔

"اوہ تو یہ خواب تھا۔" ہاہ اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور پھر یکبارگی اس کے ذہن میں اسپارک ہوا تو وہ بستر سے نکل کر بیڈ پر لڑی ڈالنے لگی۔

"حجاب بیٹا کیا شور مچایا ہوا ہے۔" اس کی امی پانی پینے آئی تھیں شور کی آواز سن کر وہ اس طرف چلی آئیں۔ اس نے بستر سے کود کر امی کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

"امی میرا مسئلہ حل ہو گیا۔ پارٹی ارینج منٹس کا۔"

"او ہو آدھی رات کو بھی چین نہیں ہے تمہیں، چلو سو جاؤ۔"

وہ پیار سے اسے سرزنش کرتے ہوئے واپس پلٹ گئیں۔

اگلے ہی لمحے اس کی انگلیاں موبائل کی ٹچ اسکرین پر رقصاں تھیں۔ بیل کی چنگھاڑتی آواز پہ اس نے کوفت سے اسے دیکھا اور سستی سے آنکھیں بند کیے ہی اوکے کا بٹن پش کر کے کان سے لگالیا۔

"ہیلو۔" وہ نیند سے بوجھل آواز میں بولی۔

"فارسہ کی بچی اٹھو تم نے ارینج منٹس کرنے ہیں پارٹی کے مجھے کلر کمبی نیشن اور کس طرح ہونا چاہیے سب سمجھ آگئی ہے تم سب نوٹ کرلو۔" وہ خوشی سے بول رہی تھی۔

"حجاب تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو، دو بجے ہیں رات کے تمہارا دماغ چل گیا ہے تم نیند میں بول رہی ہو، صبح بات کرتے ہیں اللہ حافظ۔" اس نے فون کاٹ دیا۔

"اففف بدتمیز۔" اس نے غصے سے کہا اور پھر اگلے ہی پل اس کے ہونٹ مسکرا اٹھے ٹیبل پر رکھے ماہنامہ حجاب کو اس نے اٹھایا اور بولی۔

"کل شام تمہاری اور میری سالگرہ اکٹھے سیلبریٹ ہوگی۔"

"بہت بہت شکریہ میرے پیارے سے خواب کہ تم مجھے ایک نیا آئیڈیا دے کر گئے۔" وہ خواب سے مخاطب تھی حجاب نے ماہنامہ "حجاب" کو ٹیبل پر رکھا اور دوبارہ سے بستر میں گھستے ہوئے آنکھیں موندلیں۔

☺

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

شبانہ عظمیٰ

دہلی میں سب سے ملاقات کے بعد پروین شبانہ عظمیٰ کی دعوت پر ممبئی جانے کی تیاری کرنے لگی اسے ائر پورٹ چھوڑتے ہی مجھے محسوس ہوا کہ دہلی کی فضا میں ہی اداسی رچ بس گئی ہے۔ گھر پہنچے تو بیٹوں کو میں نے اداس پایا' گیتو انہیں رہ رہ کر یاد آ رہا تھا۔ جاوید ایک فائٹر پائلٹ ہونے کی حیثیت سے مزاجاً ہم سے مختلف تھے' اپنے شیڈول کے مطابق کام میں مصروف ہوگئے پروین نے ممبئی پہنچتے ہی مجھے اپنی خیریت کی اطلاع دی اس کی آواز میں بھی اداسی تھی شاید یہ میری اداسی کی بازگشت تھی' جب پروین نے نہایت اپنائیت سے کہا۔

"رف! آپ کا بیٹا گیتو آپ کو مس کر رہا ہے اور اس کی ماما بھی تو بس جلد واپس آ جایئے گا۔" میں نے بے ساختگی سے کہا تھا۔

"ان شاء اللہ دو دن بعد روانگی ہے۔" اس نے پیار سے کہا تھا۔

ممبئی میں پروین کی مصروفیات کی تفصیل میں نہیں جانتی' اتنا سا علم رکھتی ہوں کہ پروین کا قیام شبانہ عظمیٰ کے گھر میں ہی تھا اور اسی کے گھر میں مشاعرہ منعقد ہوا تھا' اس کے دوست احباب بھی جمع ہوئے تھے۔ ممبئی کی سیر و تفریح کے لیے اس کے پاس گاڑی بمعہ ڈرائیور موجود تھی لیکن شبانہ اپنی بے پناہ مصروفیت کی وجہ سے اسے زیادہ وقت دینے سے قاصر رہی۔

پروین جب واپس پہنچی تو دن میں کئی بار شبانہ اور جاوید کے فون آتے رہے پھر ان کے ساتھ پروین کا رابطہ رہا یا منقطع ہوگیا معلوم نہیں جہاں تک میں پروین کے مزاج کو جانتی ہوں' وہ میڈیا اور فلمی دنیا سے تعلق رکھتے ہوئے بہت گھبرایا کرتی تھی۔ اب سکون اور ذہنی آسودگی کی خاطر وہ کسی سے بھی گہرے مراسم رکھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی تھی۔ تنہائی میں ہی اس نے اپنا مسکن بنالیا تھا اور شعروں سے کھیلنے اور اپنے نظریات جن میں محبت پنہاں تھی اسی سے دل لگالیا تھا۔

عشق دریا ہے' جو تیرے وہ تہی دست رہے
وہ جو ڈوبے تھے' کسی اور کنارے نکلے
(صد برگ)

ہم نے دیکھی ہے وہ اجلی ساعت
رات جب شعر کہا کرتی ہے
(انکار)

دو دلوں کی دھڑکنوں میں گونجتی تھی اک صدا
کانپتے ہونٹوں پہ تھی اللہ سے صرف اک دعا
کاش یہ لمحے ٹھہر جائیں' ذرا
(خوشبو)

جوتشی چوہان

پروین ممبئی سے چوہان صاحب کے بارے میں بے شمار تعریفیں سن کر آئی تھی کیونکہ فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کا ایسے بہروپیوں پر بہت گہرا اعتقاد ہوتا ہے۔

اس نے ائر پورٹ سے گاڑی میں بیٹھتے ہی کہا رف مجھے چوہان صاحب کو اپنا ہاتھ دکھانا ہے' قسمت کا حال دریافت کرنا ہے۔ میں نے پروین کو سمجھانے کی معمولی سی کوشش کی کیونکہ مجھے ان سے بہت خوف آتا تھا بعض اوقات سچائی کو ہضم کرجانا خاصا مشکل ہوتا ہے۔ نجانے کس علم الغیب کے زور پر وہ کئی بار ماضی کا نقشہ کھینچ کر جب حال بتاتے تو میں ان کی پیش گوئیوں اور قیاس آرائیوں پر بے یقینی کے باوجود وہم میں پڑجایا کرتی تھی۔ پاکستان سے آنے والے ہر مہمان کی ان سے ملنے کی آرزو ہوا کرتی تھی اس لیے ہمارا تجربہ کافی پرانا تھا

جب ماضی 80 فیصد سچا دکھائی دینے لگے تو حال اور مستقبل کی پیش گوئیوں کو جھٹلانا' نادانی لگنے لگتا ہے۔ میں نے پروین کو سمجھایا تو وہ بچوں کی طرح ضد کرنے لگی کہ اب تو اور بھی ضروری ہوگیا ہے چوہان صاحب سے ملنا' دیکھتی ہوں کہ جناب کیا فرماتے ہیں' یہ سن کر آخر دوسرے دن تین بجے دوپہر ہم چوہان صاحب سے پروین کی جنم پتری بنوانے چل نکلے۔

ان کا وسیع وعریض گھر دہلی سے باہر تھا جس میں داخل ہوتے ہی چوہان صاحب کی اہمیت وحیثیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ گھرانا کھاتا پیتا لگ رہا تھا' وہ اندر صحن میں کھڑی گرد وپیش کا جائزہ لینے لگی اگربتیوں میں گلاب کی خوشبو کی آمیزش اور دھوئیں نے عجیب سا ماحول بنا رکھا تھا۔

چوہان صاحب کے علم الغیب کا تو زمانے ہم باہر برآمدے میں کھڑے تھے۔ ہلکی سی مسکراہٹ ہم دونوں کے چہروں پر تھی لیکن پروین کے چہرے پر مضحکہ خیز ہنسی رقصاں تھی کیونکہ پروین محو گردش ستاروں اور ہاتھوں میں مزین آڑھی ترچھی لائنوں پر اعتقاد رکھنے والی خاتون نہیں تھی۔ تقدیر پر اکتفا کرکے تدبیر کے سنہرے مواقع کا ضائع کردینے کو بے وقوفی و نادانی کہا کرتی تھی اسے تدبیر سے تقلید بدلنے پر یقین محکم تھا لیکن وہ پھر بھی آج کچھ ایکسائٹڈ لگ رہی تھی۔ ابھی ہم باہر ہی کھڑے تھے کہ ایک پندرہ سولہ سالہ لڑکا ہمارے قریب آیا اور چوہان صاحب کے بلاوے کا پیغام دیا۔ پروین نے سرعت سے خود کو دوپٹے سے ڈھانپ لیا اور چہرے پر سنجیدگی طاری کرنے کی کوشش کرنے لگی جبکہ آنکھوں میں ابھی بھی شرارت ہویدا تھی۔

ہم چوہان صاحب کے کمرے میں ان کے سامنے نہایت مودبانہ انداز میں جا بیٹھے کچھ دیر انہوں نے اپنی جہاں دیدہ نظروں سے ہمارا جائزہ لیا اور پھر انہوں نے پروین کی ڈیٹ آف برتھ اور ماں کا نام معلوم کرکے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کی تعلیم کے بارے میں بتا کر ایک طویل آہ بھر کر بولے۔ "بیٹا! عمر بہت چھوٹی لکھوا کر لائی ہو۔"

پروین یہ سن کر چونکنے کے بجائے ہلکا سا مسکرادی اس کی آنکھوں میں بے یقینی کے سائے لہرا رہے تھے جیسے کہہ رہی ہو جناب غیب کا علم تو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی نہیں تھا۔ حضرت علیؓ بھی اس سے بے بہرہ تھے' آپ کون ہوتے ہیں میری موت کی پیشن گوئی کرنے والے؟

پروین کے چہرے پر طمانیت وسکون برقرار تھا۔

"بیٹا! ابھی تک چار کتابیں لکھ پائی ہو' بہت شہرت بھی کمائی اور اس کی قیمت بھی خوب ادا کی' اب پروین اس انکشاف پر اچنبھے سے انہیں دیکھنے لگی۔ چوہان صاحب اس کی طرف غور سے دیکھ کر پھر پیپر پر پھر آڑھی ترچھی لائنیں کھینچنے لگے اور دکھ بھری آواز میں بولے۔

"ان چار کتابوں کے بعد پانچویں کتاب نظر نہیں آرہی۔"

"چوہان صاحب اس کے بارے میں' میں نے تیاری شروع کردی ہے جو آپ بتارہے ہیں ایسے تو نہیں ہوتا۔" وہ بے اختیار بولی۔

"مگر تیاری ادھوری رہ جائے گی تمہارا بہت بڑا ایکسیڈنٹ ہونے والا ہے۔ ڈرائیور آن دی سپاٹ مرجائے گا' رام رام۔" وہ بھی بے اختیار سے بولے تھے انہیں کچھ غصہ بھی آ گیا تھا کیونکہ وہ پروین کے لہجے کی بے یقینی کو سمجھ چکے تھے۔

"میں تو بچ جاؤں گی۔" اب پروین کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"تم......" وہ تھوڑے توقف کے بعد بولے۔ "تا نگ سے محروم ہوجاؤ گی' خون کی بہتی ہوئی ندیاں نظر آرہی ہیں۔" اس نے جیسے ٹالنا چاہا تھا۔

"ہاتھ تو سلامت رہیں گے ناں۔ پانچویں کتاب لکھنے کے لیے۔" وہ بے ساختگی سے بول کر سوچتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو ان کے ہاتھوں سے چھڑا کر تیزی سے اپنی آغوش میں چھپا کر بیٹھ گئی۔ جیسے سننے کی ہمت کافور ہوگئی ہو۔

"ایسا نہیں ہوگا' رام رام!" وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولے۔

"اب تمہارا ماضی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ تمہاری ساس ہٹلر تھی اور تمہیں تصویر اتروانے سے بہت نفرت ہے۔" انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ میں اور جاوید کمرے سے باہر نکل آئے تاکہ پروین کسی ہیزیٹیشن (جھجک) کے بغیر چوہان صاحب سے کھل کر بات کرسکے۔

(جاری ہے)

سباس گل...... رحیم یار خان

کڑی ہی دھوپ تھی سایہ نظر نہیں آیا
ہماری راہ میں کوئی شجر نہیں آیا
ہمیں تو فیض کسی گام پر کبھی نہ ملا
لگائے پیڑ تو ان پر ثمر نہیں آیا

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

آواز کے ہمراہ سراپا بھی تو دیکھوں
اے جان سخن میں تیرا چہرہ بھی تو دیکھوں
یہ کیا وہ جب چاہے مجھے چھین لے مجھ سے
اپنے لیے اس شخص کو تڑپتا بھی تو دیکھوں

مدیحہ اینڈ سائرہ رانا...... ناگرہ

عمر بھر لکھتے رہے پھر بھی ورق سادہ رہا
جانے کیا لفظ تھے ہم سے جو تحریر نہ ہوئے

انعم نصیر...... ملتان

میری رہ گزر میری منزلیں، میری محفلیں تیری ذات تک
میری خواہش، میری جستجو، میری ہر خوشی تیرے نام تک
ہو تیری سوچ میری یاد تک، تیری گفتگو میری بات تک
ہو میرے ساتھ کی آرزو میری زندگی کے بعد تک

اقراء لیاقت چدھڑ...... حافظ آباد

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من

شازیہ ہاشم...... جیوانی

امید جن لوگوں سے تھی وہ بھی تنہا کر گئے
آج کس کو کہیں تم میرے اپنے

شمع فیاض...... بستی بزدار

اس نے چھو کر مجھے پتھر سے پھر انساں کیا
مدتوں بعد میری آنکھوں میں آنسو آئے

سونی رعلی...... ریشم گلی سورو

تُو کرے جب بھی بے وفائی مجھ سے طارق
اسی دن خدا کرے ہم دنیا سے رخصت ہو جائیں

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

وہ تیرے نصیب کی بارشیں کسی اور چھت پر برس گئیں
دل بے خبر میری بات سن اسے بھول جا اسے بھول جا

عشاء چوہدری...... کلر کہار

کبھی ہم بھی محبت میں اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتے تھے
پتا اس دن چلا جب وفا مانگتے رہے فقیروں کی طرح

تانیہ جہاں...... ڈسکہ سیالکوٹ

عطا دیکھی تو صرف رب کائنات کی دیکھی
ورنہ کون دیتا ہے کسی کو محبوب اپنا

محمد الماس...... رکن آباد پیر محل

ڈھل جاتی ہیں عمریں آخر غربت کی زنجیروں میں
مر جاتے ہیں ایک بیٹی کا آنچل بنتے بنتے لوگ

سیدہ جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

گھڑی مشکل بڑی تھی جب تجھے میں نے پکارا تھا
قدم جب ڈگمگائے تھے فقط تیرا سہارا تھا
سہارے عارضی ثابت ہوئے جب کچھ نہ کام آیا
تیری جانب نگاہیں تھیں تجھے میں نے پکارا تھا

نجف ایوب......

ایک مدت سے میری سوچ کا محور تو ہے
ایک مدت سے میری ذات کے اندر تو ہے
میں تیرے پیار کے ساحل پر کھڑی ہوں تنہا
میری الفت میری چاہت کا سمندر تو ہے

مشی خان...... مانسہرہ

ساتھ رہتے رہتے یونہی وقت گزر جائے گا
دور ہونے کے بعد کون کسے یاد آئے گا
جی لو یہ پل جب تک ساتھ ہیں
کل کا کیا پتا وقت کہاں لے جائے گا

عنزہ یونس...... حافظ آباد

غم حسین میں ڈوبی ہے محرم کی ہر شام

میں کس منہ سے کہہ دوں نیا سال مبارک ہو
آمنہ رحمٰن مائی...... مری ریالی

کیسے نہ کروں فخر خود پر صاحب
آخر تیرے دل کے ریسٹورنٹ کی شیف ہوں
عبدالرحمٰن سیال...... عبدالحکیم

بہت دیر کردی تم نے میری دھڑکن محسوس کرنے میں
وہ دل بند ہوگیا جس کو کبھی حسرت تھی تمہاری
مدیحہ سائرہ ثمینہ...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

ڈرتا ہوں یہ کہنے سے کہ محبت ہے مجھے تم سے
میری زندگی بدل دے گا تیرا انکار بھی تیرا اظہار بھی
فرزانہ محمد دین گڑیا...... چک کھاتاں

یہ جھوٹ ہے کہ محبت کسی کا دل توڑتی ہے دوست
لوگ خود ہی ٹوٹ جاتے ہیں محبت کرتے کرتے
انیقہ سحر...... عبدالحکیم

تیری پھول سی جوانی میں دنیا کا غم نہ آئے
مجھے یاد آنے والے تُو صدا مسکرائے
از کوثر ناز...... حیدرآباد

اے ناز کرو نا یوں چہ مگوئیاں بے وفاؤں پر
سرکار تمہارے بھی انسان ہی ہوا کرتے ہیں
حمیرا قریشی...... لاہور

اس قدر میرے دل کو ہے تجھے پانے کی حسرت
جیسے دکھ کے بازار میں ہو درد کی کثرت
ایم فاطمہ سیال...... محمود پور

وفا کی اجڑی بستی سے یہ آواز آئی
میں وہ نگر ہوں جہاں دل والوں نے دنیا بسائی
میری تباہی پر حیران نہ ہونا ایم
حیات دنیا عشق کے لیے ہوتی ہے جدائی
عائشہ رحمٰن ہنی...... ریالی مری

مخمور رہے کئی لمحے ان کے پیار میں ہم ہنی
پھر جو آنکھ کھلی تو خود کو تنہا دیکھا ہم نے
انم...... یمنالی

میری عام سی زندگی میں
بہت خاص ہو تم......
نبیلہ ناز...... ٹھینگ موڑ الہٰ آباد

یہ دستور وفا صدیوں سے رائج ہے زمانے میں
صدائے قرب دی جن کو انہی کو دور رکھا ہے
کہیں لخت جگر کھانے سے ساغر بھوک مٹتی ہے
لہو کے گھونٹ پی کر بھی کوئی مخمور دیکھا ہے
ثانیہ مغل...... سرگودھا

تا حد نگاہ پھیلا ہوا ہے میری امیدوں کا چمن
جانے کب یہ کامل ہو اپنوں کی بہار سے
عظمیٰ شاہین امین بٹ...... توشہرہ ورکاں

تم سے بچھڑنے کے بعد اضطرابیاں بڑھیں بے شمار
قلق کچھ ایسے ہوا ہائے ...... زندگی روٹھ گئی
فرحت اشرف گمسن...... سیدوالا

ہم پھولوں کی طرح کتنے بے بس ہیں ساگر
کبھی خود ٹوٹ جاتے ہیں کبھی توڑ لیے جاتے ہیں
کنزہ مریم...... رحیم یار خان

دنیا مرے مزاج سے تھی مختلف
اپنا الگ جہاں بسانا پڑا مجھے
یاسمین کنول...... پسرور

نقش گہرے ہیں تیری چاہت کے
لاکھ چاہیں مٹا نہیں سکتے
بھول سکتے ہیں ساری دنیا کو
پیار تیرا بھلا نہیں سکتے
زدیا خان بنگش...... پنڈی

عید کے چاند کی مانند ہوا ہے اب تو
ہائے وہ شخص جو روز ملا کرتا تھا
عیش وفا...... بوریوالہ

میری چاہت، میری محبت، میری آبرو ہے تُو
میری زندگی، میرا مقام، میرے روبرو ہے تُو

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبیں

کورنچ کیک

ضروری اشیاء:۔

انڈے	دو عدد
میدہ	چھ کھانے کے چمچے
شکر (پسی ہوئی)	چھ کھانے کے چمچے
ایسنس	چند قطرے
فریش کریم	دو پیکٹ
شکر	ایک چوتھائی کپ (پسی ہوئی)
کرنچ	آدھا کپ
بیکنگ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب:۔

چینی کو فرائی پین میں پگھلا کر اس میں بادام یا مونگ پھلی ڈال دیں۔ اس کے بعد ایک گریس کیے ہوئے برتن میں ڈال کر ٹھنڈا کرلیں اور ٹھنڈا ہونے کے بعد اس کو کرش کریں اور انڈے اور چینی کو اچھی طرح بیٹ کریں اس میں ایسنس' بیکنگ پاؤڈر اور میدہ ڈال کر فولڈ کریں۔ اوون کو پہلے سے گرم کرلیں' کیک مکسچر کو سانچے میں ڈال کر بیک کریں' بیک ہوجائے تو اوون سے کیک نکال کر ٹھنڈا کرلیں۔ ٹھنڈا ہونے پر کیک کو درمیان سے کاٹ کر اس پر بیٹ کی ہوئی کریم ڈال دیں' اس کے بعد کرنچ اور پھر کیک کا دوسرا حصہ رکھ کر اس کو کریم سے کور کریں اور اپنی پسند کے مطابق ڈیکوریٹ کرلیں اور سرو کریں۔

طلعت نظامی

چاکلیٹ کورنچز

ضروری اشیاء:۔

چاکلیٹ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
چینی (باریک)	125 گرام
انڈے کی سفیدی	دو عدد
بادام	ایک چھٹانک (پسے ہوئے)
ایسنس	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب:۔

انڈوں کی سفیدی کو ہلکا سا پھینٹ لیں' چینی' بادام' ایسنس اور چاکلیٹ پاؤڈر انڈے کی سفیدی میں ملائیں۔ ان کو پیسٹری فوائل کور میں رکھ کر گریسڈ بیکنگ ٹرے میں رکھ دیں۔ پہلے سے گرم اوون میں 200.c پر بیس منٹ کے لیے بیک کرلیں۔ تیار ہوجائے تو اوون سے نکال کر ٹھنڈا کرلیں اور شام کی چائے کے ساتھ سرو کریں۔

جویریہ ضیاء

کریملائز ایپل کیک

ضروری اشیاء:۔

سیب (بڑے سائز کے) سخت اور رسیلے ہوں	سات عدد
پانی	دو کپ
چینی	آدھا کپ
مکھن	50 گرام
سادہ اسفنج کیک	ایک پاؤ
فریش کریم	آدھا کپ
چینی	ایک کھانے کا چمچ
دودھ	دو کھانے کے چمچ
پستے' بادام (باریک کٹے ہوئے)	چار کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

سیب چھیل کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں' اب ان کو پین میں ڈال کر اس میں دو کپ پانی ڈالیں اور ہلکی آنچ پر پکنے دیں پانی خشک ہوجائے اور سیب بالکل گل جائیں تو اتار کر چمچ سے دبا دبا کر یکجان کرلیں۔ اب دوسرے پین میں چینی ڈال کر چولہے پر رکھیں جب گولڈن سا سیرپ بن جائے تو اس میں مکھن ڈال دیں ساتھ ہی سیب بھی ڈال کر مکس کرلیں۔ دودھ ڈال کر مکس کرلیں اور چولہے سے اتار دیں' کیک کو درمیان سے

کاٹ لیں ایک حصے پر سیب والا آدھا مکسچر پھیلائیں اور پر دوسرا حصہ (کیک کا) رکھیں۔ اوپر بھی سیب کا بقیہ مکسچر پھیلا کر پستے' بادام چھڑک دیں کناروں پر کریم سے پھول بنا کر کیک کو سرو کریں۔

صباء عیشل

پائن ایپل کیک

ضروری اشیاء:

پائن ایپل	200 گرام
پائن ایپل جوس	200 گرام
فریش کریم	300 گرام
آئسنگ شوگر	100 گرام
بنیادی سادہ اسفنج	ایک عدد

ترکیب:۔

8x8 کا سادہ اسفنج کا ٹکڑا بڑی اسفنج شیٹ میں سے کاٹ لیں۔ اسفنج کو درمیان سے ایک بڑی چھری کی مدد سے دو حصہ میں کاٹ لیں۔ ایک حصہ کو کیک پلیٹر (8x8 کارڈ بورڈ شیٹ) پر لگادیں' پائن ایپل جوس کو برش کی مدد سے اسفنج پر لگائیں۔ کریم اور آئسنگ شوگر کو کریم مکسچر باؤل میں ڈال کر ٹھنڈے ماحول میں پانچ منٹ تک پھینٹ کر بنالیں اور فلیور ڈال دیں۔ تیار کریم کو اسفنج پر پھیلادیں اور دوسرے حصہ کو اس پر رکھ دیں۔ دوسرے حصہ کے اوپری سطح پر برش کی مدد سے پائن ایپل جوس لگائیں۔ بقیہ کریم ٹاپ پر لگائیں اور اسٹیل نائف سے صفائی سے پھیلادیں اور ساتھ ہی کریم سے کور کردیں۔ پائن ایپل کو کرش کر کے کریم پر پھیلادیں' پیپر کون کی مدد سے پھول والے نوزل کے ذریعے کیک کے اوپر خوب صورت پھول بنائیں۔ پھول کے اوپر پائن ایپل پیس سے گارنش کردیں لیجیے پائن ایپل کیک تیار ہے۔

نادیہ احمد

بٹر کیک ود مینگو

ضروری اشیاء:۔

میدہ	بارہ کھانے کے چمچ
چینی (پسی ہوئی)	بارہ کھانے کے چمچ
انڈے	تین عدد
پھیکا مکھن	150 گرام
آئسنگ شوگر	آٹھ کھانے کے چمچ
بیکنگ پاؤڈر	ڈیڑھ کھانے کا چمچ
مینگو جیلی	ایک کپ
آم	حسب ضرورت
مکھن	ایک کپ
مینگو کے پیس	حسب ضرورت

(میدے کو چھان کر اس میں بیکنگ پاؤڈر ملالیں)

ترکیب:۔

چینی اور ایک کپ مکھن کو اچھی طرح پھینٹیں' اس کے بعد اس میں ایک ایک کر کے انڈے ڈال کر پھینٹتی جائیں اس میں میدہ ڈال کر احتیاط سے مکس کریں اور پھر سانچے میں ڈال کر پہلے سے گرم اوون میں 140.c پر رکھ کر تیس سے پینتیس منٹ تک بیک کریں۔ جب کیک تیار ہوجائے تو اس کو ٹھنڈا کرلیں اس کے بعد کیک کے درمیان میں سے دو حصے کرلیں اس پر مینگو جیلی لگائیں اور آم کے پیس رکھ دیں پیالے میں پھیکا مکھن اور آئسنگ شوگر کر ڈال کر خوب اچھی طرح پھینٹ کر آمیزہ تیار کرلیں' تیار کیے ہوئے کیک پر مکھن اور آئسنگ شوگر کے آمیزے سے ڈریسنگ کریں' مزے دار بٹر کیک ود مینگو تیار ہے' سرو کریں۔

ندا حسنین

کیک رسک

اشیاء:۔

انڈے	چھ عدد
بیکنگ پاؤڈر	دو چائے کے چمچ
چینی	180 گرام
میدہ	200 گرام
مکھن	200 گرام

ترکیب:۔

چینی اچھی طرح پیس لیں' پھر ایک برتن میں مکھن اور چینی کو اچھی طرح مکس کرلیں۔اب انڈے توڑ کر ان کی سفیدی اور زردی علیحدہ علیحدہ کرلیں' سفیدی کو خوب پھینٹیں کہ اس کی جھاگ سی بن جائے' انڈوں کی زردی کو مکھن میں شامل کرکے خوب مکس کریں یہاں تک کہ یکجان ہوجائے۔اب میدہ میں بیکنگ پاؤڈر ملا کر اسے اچھی طرح مکس کریں پھر مکھن اور انڈوں کی زردی کا آمیزہ اس میں سامل کردیں پھر انڈوں ی سفیدی کو بھی اس میں ملادیں پھر اس آمیزہ کو کیک کے سانچے میں ڈال کر اوون میں 150c میں ایک گھنٹہ تک بیک کریں۔کیک رسک کی شکل میں کیک کے سلائس کاٹ لیں' اوون میں 150c میں ایک گھنٹہ تک بیک کریں' مزے دار کیک رسک تیار ہے۔

جی کنول خان.....موسیٰ خیل

عراقی گوشت

اشیاء:

گوشت	ایک کلو
لہسن	ایک گٹھی
ادرک	آدھا عدد
چھوٹی الائچی	تین عدد
دار چینی	ایک ٹکڑا
زعفران	ایک چٹکی
نمک' مرچ	حسب پسند
گھی	حسب ضرورت

ترکیب:

ایک دیگچی میں تمام مصالحے اور گوشت ڈال کر دو پیالی پانی ڈالیں اور درمیانی آنچ پر رکھ دیں' زعفران فرائی پین میں ہلکا سا بھون کر ہاتھ سے مسلیں اور پانی میں بھگودیں گوشت جب گل جائے تو زعفران ملادیں اب ایک کڑاھی میں گھی گرم کریں اور گوشت تل لیں۔

اقراء لیاقت.....حافظ آباد

فروٹ کسٹرڈ ڈیلائٹ

اشیاء:

ونیلا کسٹرڈ	دو کھانے کے چمچ
دودھ	آدھا لیٹر
چینی	آدھا کپ
لال جیلی	ایک پیکٹ
مکس فروٹ	ایک کپ
پائن ایپل	ایک کپ
بادام (سلائس کرلیں)	دو کھانے کے چمچ
میٹھے بسکٹ	حسب ضرورت

ترکیب:

دودھ کو گرم کریں چینی ڈال کے کسٹرڈ تھوڑے ٹھنڈے دودھ میں مکس کرکے ڈالیں۔چمچ چلاتی رہیں کسٹرڈ گاڑھا ہوجائے تو چولہا بند کردیں۔کسٹرڈ جب ٹھنڈا ہوجائے تو آدھا کپ کریم اور مکس فروٹ مکس کردیں' تھوڑے بسکٹ بھی کچل کر مکس کردیں۔ڈش میں کسٹرڈ ڈالیں اس پر بسکٹ کا چورا چھڑک دیں۔کریم' جیلی' پائن ایپل اور بادام سلائس سے گارنش کردیں مزے دار فروٹ کسٹرڈ ڈیلائٹ تیار ہے ٹھنڈا ہونے پر سرو کریں۔

جویریہ سمی.....ڈونگہ بونگہ

بادام کا حلوہ

ضروری اشیاء:

بادام کا پیسٹ	ایک کپ
چینی	ایک کپ
گھی	ایک کپ
کھویا	ایک پاؤ
الائچی (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
ونیلا ایسنس	چھ قطرے

ترکیب:

چینی میں پانی ڈال کر شیرہ بنالیں' گھی گرم کرکے اس میں بادام کا پیسٹ ڈال کر بھون لیں۔گھی الگ ہوجائے تو اس میں کھویا ملالیں اس کے بعد شیرہ ڈال کر بھونیں' شیرہ جذب ہوجائے تو اس میں پسی الائچی اور ونیلا ایسنس

ڈال کر گرم گرم سرو کریں یا تھال میں گھی لگا کر حلوہ ڈال کر جمالیں اور ٹکڑے کاٹ لیں' یہ حلوہ دونوں ہی طرح سے مزا دیتا ہے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

مزے دار حلوہ

اجزاء:۔

کارن فلور	دس کھانے کے چمچ
پانی	ایک لیٹر
چینی	ایک پاؤ
زردے کا رنگ	ایک چٹکی
بادام پستہ	حسب ضرورت
ناریل	ہوائیاں کاٹ لیں
خشخاش	تھوڑی سی سجاوٹ کے لیے

ترکیب:۔

چینی اور پانی کو کھلے منہ والی ہنڈیا میں ابلنے کے لیے رکھ دیں پھر تھوڑے سے پانی میں کارن فلور گھول لیں' ساتھ ہی زردے کا رنگ بھی گھول لیں اب اس آمیزے کو ابلتے ہوئے پانی میں چمچ چلاتے ہوئے ڈال دیں جب گاڑھا مکسچر بن جائے تب ایک ٹرے میں نکال کر رکھ دیں۔ ٹھنڈا ہوجائے تو اوپر سے بادام پستہ' خشخاش اور ناریل سے سجاوٹ کر کے فریز کرلیں' مزے دار حلوہ تیار ہے خود بھی ٹیسٹ کریں اور مہمانوں کو بھی نوش کرائیں۔

صائمہ سکندر سومرو...... حیدرآباد سندھ

اجستھانی پلاؤ

اجزاء:۔

چاول	ایک کلو
چکن	ایک کلو
دہی	آدھا کلو
ٹماٹر	چار درمیانی
پیاز' ادرک' لہسن	دو دو کھانے کے چمچ
سونف	ایک کھانے کا چمچ
ثابت دھنیا	ایک کھانے کا چمچ
ثابت گول مرچ	6 عدد
ثابت گرم مصالحہ	دو کھانے کے چمچ
ہری مرچ	5 باریک کٹی ہوئی
پودینہ	حسب ضرورت
نمک' ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
ادرک' لہسن آئل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

سب سے پہلے گوشت کو دھو کر ایک جگ پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا دیں تھوڑا سا نمک اور ہلدی ڈال دیں' آدھی پیاز موٹی موٹی کاٹ لیں' ادرک' لہسن' پیاز' سونف' ثابت دھنیا' ثابت مرچ ایک ململ کی کپڑے کی پوٹلی میں باندھ کر ڈال دیں اور گوشت گلنے تک پکائیں۔ چاول بھگو دیں' دوسرے بھگونے میں تیل گرم ہوجائے تو باقی بچی پیاز باریک کاٹ کر ڈال کر گولڈن براؤن کر کے نکال لیں' اب باقی گرم مصالحہ ڈالیں اور ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر بھونیں اب دہی اور باریک کٹے ٹماٹر ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ یخنی اور گوشت الگ کرلیں اب اس میں گوشت ڈال کر اچھی طرح بھونیں اور پھر یخنی ڈال دیں اور حسب منشا نمک اگر پانی کم لگے تو اور ڈال دیں۔ یخنی بوائل ہوجائے تو چاول ڈال دیں ساتھ ہری مرچ بھی۔ چاول کا پانی خشک ہوجائے تو تھوڑے سے دہی میں زردے کا رنگ ڈال کر مکس کریں اور چاول پر پھیلا دیں۔ تلی پیاز اور پودینہ ڈال کر دم پر رکھ دیں' راجستھانی پلاؤ تیار ہے رائتہ کے ساتھ نوش فرمائیں۔

فہمیدہ غوری...... گلشن اقبال' کراچی

حدیقہ احمد

خوب صورت چمک دار بال

نسوانی حسن میں خوب صورت چمک دار بال عظیم اثاثے کی حیثیت رکھتے ہیں' انہیں جنسی کشش کا ایک اہم عنصر سمجھا جاتا ہے بالوں کی صحت مند کیفیت کا سب سے اہم عامل' اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ جسم کو تمام تر ضروری غذائی اجزا (وٹامنز اور معدنی اجزا) باقاعدگی سے ملتے رہیں۔

عمومی طور پر سب ہی غذائی اجزا کسی نہ کسی حوالے سے بالوں کے لیے ضروری ہیں لیکن کچھ غذائی اجزا البتہ ایسے ضرور ہیں جو خصوصی طور پر بالوں کی صحت کے لیے ناگزیر ہیں۔ بی گروپ کے وٹامنز بالخصوص پینٹوتھینک ایسڈ' بالوں کی نشوونما' چکنائی اور رنگ کی پیداوار پر اثر انداز ہوتے ہیں' ان وٹامنز کی مناسب مقدار میں جسم کو فراہمی مذکورہ ضروریات پوری کرتی رہتی ہے۔ وٹامن اے اور سی بھی صحت مند بالوں کی پیدائش میں موثر کردار ادا کرتی ہیں۔ وٹامن ای آکسیجن کو بالوں کی جڑوں تک لے کر نشوونما کے عمل کو صحت مند اور نتیجہ خیز بناتی ہے۔ ضروری غذائی اجزا کے ساتھ ساتھ ضروری چربیلے ترشے بھی روز مرہ خوراک کا حصہ بنانے چاہئیں' ان کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے اپنے کھانوں میں روزانہ دو چائے کے چمچ سورج مکھی یا کسمبہ کا تیل ضرور شامل کیجیے چونکہ بال کیراٹن مادے سے بنتے ہیں چنانچہ ہماری غذا میں مناسب مقدار میں مختلف قسم کی پروٹین کا شامل ہونا بھی ضروری ہے۔ مختلف پروٹین حاصل کرنے کے لیے ڈیری کی مصنوعات دالیں اور مغزیات کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ معدنی اجزا میں زنک' کاپر' آئرن اور آئیوڈین صحت مند بالوں کی ضروریات ہیں۔ کاپر ہماری غذاؤں میں مناسب مقدار میں میسر ہوتا ہے۔ آئرن کے اچھے ذرائع میں کلیجی' گردے' سالم اناج اور شیرہ شامل ہیں۔ آئیوڈین کی معقول مقدار فراہم کرنے والی غذاؤں میں بحری غذائیں سرفہرست ہیں۔

بالوں کی نگھداشت

بالوں کی نگہداشت کا انحصار ان کی قسم پر ہوتا ہے تاہم کچھ ایسے رہنما اصول موجود ہیں جو ہر قسم کے بالوں کے لیے اپنائے جاسکتے ہیں۔

بالوں کو بار بار دھونا بہت بڑی غلطی ہے' ایسا کرنا انہیں فائدہ پہنچانے کی بجائے نقصان پہنچاتا ہے۔ بظاہر مختلف شیمپو بال کو صاف ستھرا تو کردیتے ہیں لیکن صفائی کے عمل کے دوران وہ بالوں پر موجود قدرتی چکنائی اور تیزابیت کی تحفظاتی تہہ کو بھی اتار دیتے ہیں۔

شیمپو صرف اس وقت استعمال کریں جب قطعی طور پر ایسا کرنا ضروری ہو۔

بالوں کو شیمپو کرنے کے بعد انہیں ایک دفعہ سرکے یا لیموں کے رس ملے پانی سے ضرور کھنگالیں تاکہ شیمپو کے نقصان دہ اثرات کو زائل کیا جاسکے۔

برش کرنا

برش کا باقاعدہ استعمال روزانہ دو دفعہ' بالوں کو گرد وغبار' مردہ خلیوں اور گرہوں گانٹھوں سے آزاد کرنے کے ساتھ ساتھ سر کی جلد میں خون کی گردش کو بحال رکھنے میں مدد دیتا ہے ایسا برش کو استعمال کریں جس کے تاروں (دندانوں) کے سرے نوکدار نہ ہوں بلکہ گول ہوں۔ یہ برش سر کی جلد کو خراش' رگڑ اور زخم سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ربر کے کشن والا برش استعمال کرنا بھی ضروری ہے۔ اس سے بال بنانا آسان رہتا ہے اور سر کی جلد پر غیر ضروری دباؤ بھی نہیں پڑتا۔

کنگھے کا انتخاب بھی بالوں کی قسم پر منحصر ہے' کھلے دندانوں والا کنگھا کھردرے اور گاڑھے گھنگھریالے بالوں کے لیے بنایا جاتا ہے۔ نوکدار دندانوں والا کنگھا' بالوں کے مختلف حصوں کو اٹھا کر الگ سے بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ استعمال ڈرائی کرتے' رولر سیٹ یا پھر گھنگھریالے بالوں کو واپس کیے بغیر بنانے کے لیے ہوتا ہے اگر آپ کوئی عام سا کنگھا استعمال کرنا چاہتی ہیں تو گول دندانوں والا پلاسٹک کا کنگھا خرید لیں۔ لمبے سرے کو بالوں کی گرہیں وغیرہ نکالنے اور انہیں سیدھا کرنے

کے لیے اور نوکیلے سرے کو بال ہموار کرنے اور فنشنگ ٹچ دینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

سر کی جلد کا مساج ہمیشہ بال بنانے سے فوراً پہلے یا بعد میں کریں۔ برش کرنے کی طرح مساج بھی سر کی جلد میں خون کی گردش کو تحریک دیتا ہے۔ گردو غبار اتر جاتا ہے اور سکری دور ہوجاتی ہے مساج بالوں کی نشوونما میں اضافہ کرنے میں بھی مدد دیتا ہے مساج کرنے کے لیے انگلیوں کو پنکھے کی طرح پھیلا کر بالوں میں داخل کر کے سر کی جلد پر نرمی سے رگڑیں۔ انگوٹھوں سے کان کے پچھلے حصوں کو دبائیں اور انگلیوں کی پوروں سے سر کی جلد کو رگڑیں۔ انگلیوں کی رگڑ اوپر سے نیچے لائیں اب انگلیوں کو گردش دیتے ہوئے پوری کھوپڑی کا مساج کریں۔ آپ محسوس کریں گی کہ آپ کی جلد متحرک ہوگئی ہے اور کھوپڑی میں ایک جھرجھری یا سنسنی سی پھیل گئی ہے۔

بالوں کے مسائل اور فطری حل

جلد کی طرح بال بھی عمومی صحت کی کیفیت کے سچے عکاس ہوتے ہیں۔ بیماری غذائیت کی کمی اور ذہنی دباؤ بالوں کی صحت پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں اور پھر بال مختلف مسائل کا شکار ہونے لگتے ہیں ان مسائل میں خشکی سکری بال گرنا اور قبل از وقت سفید ہونا شامل ہیں۔

بال رنگنا

ناریل کے تیل میں ابالے گئے مہندی کے پتوں کا پیسٹ سفید بالوں کو سیاہ رنگت دینے کے لیے یعنی ہیئر ڈائی کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ ہیئر ڈائی تیار کرنے کے لیے مہندی کے پتوں کا پیسٹ (ملیدہ) ناریل کے تیل میں اس وقت تک ابالا جاتا ہے جب تک تیل کا رنگ سیاہی مائل نہ ہوجائے پھر اس تیل کو چھان کر بالوں میں لگایا جاتا ہے۔ پیسٹ کو براہ راست بھی بالوں میں لگا کر چند منٹ کے بعد دھولیا جائے تو ان کا رنگ کالا ہوجاتا ہے بالوں کو ایک ہفتہ میں دوبار کالی چائے کی پتیوں سے بنائے گئے قہوہ سے دھونا بھی انہیں سفید سے براؤن یا کالے رنگ میں تبدیل کردیتا ہے۔

اخروٹ کا سبز چھلکا بھی بے ضرر ہیئر ڈائی بنانے کے کام آتا ہے۔ اس کا استعمال بالوں کو بتدریج سیاہ کردیتا ہے اخروٹ ابھی کچے ہوں تو ان کا سبز چھلکا اتار کر کسی کونڈی یا کھرل میں کوٹ لیا جائے اور پھر اس پر تھوڑا سا پانی چھڑک دیا جائے۔ اس ملیدے میں چٹکی بھر نمک ڈال کر تین دن تک پڑا رہنے دیں۔ چوتھے دن اس کو تین کپ ابلتے ہوئے پانی میں ڈال کر پانچ گھنٹے تک ابالیں۔ جتنا پانی بخارات بن کر اڑے اتنا پانی پھر شامل کردیں۔ پانچ گھنٹے کے بعد یہ گاڑھا سیال کسی کپڑے میں اچھی طرح چھان لیں۔ الگ کیے گئے سیال کو پھر سے کسی برتن میں ڈالیں اور اس وقت تک جوش دیں جب تک اس کی مقدار ایک چوتھائی کے برابر نہ رہ جائے۔ اب اسے آگ پر سے اتار کر اس میں تھوڑی سی گلیسرین اور پھٹکری شامل کرلیں تاکہ یہ بالوں کو نرم و ملائم کردیں ابتدا میں یہ تھوڑا سا زردی مائل رنگ پیدا کرے گا لیکن آخر میں بالوں کو خوب گہرا سیاہ رنگ دے دے گا۔

ہاتھوں کی صفائی

روزانہ رات کو اپنے ہاتھ کسی ہلکے پھلکے صابن سے دھوئیں اور پھر ان کو کسی فیس برش سے مانجھیں۔ اگر آپ کی جلد سخت ہے تو پھر اپنے ہاتھوں کو جھانواں پتھر سے رگڑیں اگر آپ کی انگلیاں سبزی کاٹنے یا نکوٹین کی وجہ سے داغ دار ہیں تو ان پر لیموں رگڑیں۔ لیموں کا رس داغ دھبوں کو تحلیل کردے گا پھر انہیں سادہ پانی سے اچھی طرح دھو کر تولیے سے خوب خشک کرلیں۔

اپنے ہاتھوں کو ہفتہ میں ایک یا دوبار کسی اچھی کریم سے مساج کا ٹریٹمنٹ دیں اس سے پہلے ہاتھوں کو پانچ سے تین منٹ تک زیتون یا بادام کے تیل سے تر رکھیں یہ طریقہ کار خشک ہاتھوں اور ناخنوں کے لیے ایک عمدہ ٹریٹمنٹ ہے۔

❀

سالگرہ مبارک ہو

رنگ، خوشبو، حجاب تم ہو
کہانیوں کی کتاب تم ہو
نثر، نغمہ، افسانہ، ناول
آغوشِ مادر میں بچی
ہوئی سی زیرِ سخن
کی گفتگو بھی
مستقل جو سلسلے ہیں
تمام اصناف کو لیے ہیں
نثار اس پر ہیں سعیدہ آپی
قیصر آرا بھی صدقے واری
ندا کی محنت بھی بولتی ہے
طاہر قریشی کی کاوشوں کا ثمر ہو تم تو
پڑھنے والوں کی چاہتوں کا ثمر ہو تم تو
حجاب میرے لاجواب تم ہو
تمہیں مبارک سالگرہ اپنی پہلی
تم ہر لڑکی کی بنی ہو پیاری سکھی سہیلی

شاعرہ: سُباس گل
انتخاب: صباء عیشل...... بھاگووال

غزل

ترک محبت کر بیٹھے ہم ضبط محبت اور بھی ہے
ایک قیامت بیت چکی ہے ایک قیامت اور بھی ہے
ہم نے اسی کے درد سے اپنے سانس کا رشتہ جوڑ لیا
ورنہ شہر میں زندہ رہنے کی اک صورت اور بھی ہے
ڈوبتا سورج دیکھ کے خوش رہنا کس کو راس آیا
دن کا دکھ سہہ جانے والو رات کی وحشت اور بھی ہے
صرف رتوں کے ساتھ بدلتے رہنے پر موقوف نہیں
اس میں بچوں جیسی ضد کرنے کی عادت اور بھی ہے

صدیوں بعد اسے پھر دیکھا دل نے پھر محسوس کیا
اور بھی گہری چوٹ لگی ہے درد میں شدت اور بھی ہے
میری بھیگتی پلکوں پر جب اس نے دونوں ہاتھ رکھے
پھر یہ بھید کھلا ان اشکوں کی کچھ قیمت اور بھی ہے
اس کو گنوا کر محسن اس کے درد کا قرض چکانا ہے
ایک اذیت ماند پڑی ہے ایک اذیت اور بھی ہے
محسن نقوی

انتخاب...... سنبل خان بٹ بورے والا

نظم

زندگی کے میلے میں، خواہشوں کے ریلے میں
تم سے کیا کہیں جاناں، اسقدر جھمیلے میں
وقت کی روانی ہے، بخت کی گرانی ہے
سخت بے زمینی ہے، سخت لامکانی ہے
ہجر کے سمندر میں
تخت اور تختے کی ایک ہی کہانی ہے
تم کو جو سنانی ہے
بات گو ذرا سی ہے
بات عمر بھر کی ہے
(عمر بھر کی باتیں کب دو گھڑی میں ہوتی ہیں!
درد کے سمندر میں
ان گنت جزیرے ہیں، بے شمار موتی ہیں)
آنکھ کے دریچے میں تم نے جو سجایا تھا
بات اُس دیئے کی ہے
بات اُس گلے کی ہے
جو لہو کی خلوت میں چور بن کے آتا ہے
لفظ کی فصیلوں پر ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے
زندگی سے لمبی ہے، بات رتجگے کی ہے
راستے میں کیسے ہو؟
بات تخلیئے کی ہے
تخلیئے کی باتوں میں گفتگو اضافی ہے
پیار کرنے والوں کو اک نگاہ کافی ہے
تم کو جو سنانی ہے

بات گو ذرا سی ہے
بات وہ پتے کی ہے
ہو سکے تو سن جاؤ ایک دن اکیلے میں
زندگی کے میلے میں، خواہشوں کے ریلے میں
تم سے کیا کہیں جاناں اس قدر جھمیلے میں

امجد اسلام امجد
انتخاب: راؤ رفاقت علی

کسی کو الوداع کہنا

بہت تکلیف دیتا ہے
امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں
یقین پہ بے یقینی کا کہر کچھ ایسا چڑھتا ہے
دکھائی کچھ نہیں دیتا، سجھائی کچھ نہیں دیتا
دعا کے لفظ ہونٹوں پر مسلسل کپکپاتے ہیں
کسی خواہش کے اندیشے
ذہن میں دوڑ جاتے ہیں
گماں کچھ ایسا ہوتا ہے
کہ جیسے مل نہ پائیں گے
یہ گہرے زخم فرقت کے کسی سے سل نہ پائیں گے
کبھی ایسا بھی ہو یارب
دعائیں مان لیتا ہے
تو کوئی معجزہ کر دے تو ایسا کر بھی سکتا ہے
میرے ہاتھوں کی جانب دیکھ انھیں تو بھر بھی سکتا ہے
جدائی کی یہ تیکھی دھار دلوں کا خون کرتی ہے
جدائی کی اذیت سے
میرا دل اب بھی ڈرتا ہے
جدائی دو گھڑی کی ہو تو کوئی دل کو سمجھاتا
جدائی چار پل کی ہو تو کوئی دل کو بہلاتا
جدائی عمر بھر کی ہو
تو کیا چارہ کرے کوئی
کہ اک ملنے کی حسرت میں بھلا کب تک جیے کوئی
میرے مولا کرم کر دے تو ایسا کر بھی سکتا ہے
میرے ہاتھوں کی جانب دیکھ
انھیں تو بھر بھی سکتا ہے

شاعر: امجد اسلام امجد
انتخاب: رضوانہ صدیقی...... ملتان

غزل

نہ گنواؤ ناوک نیم کش دل ریزہ ریزہ گنوادیا
جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو تن داغ داغ لٹا دیا
میرے چارہ گر کو نوید ہو صف دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جاں پر وہ اسے آج ہم نے چکا دیا
کرو کج جبیں پہ سر کفن میرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرور عشق کا بانکپن پس مرگ ہم نے بھلا دیا
جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

شاعر: فیض احمد فیض
ارفا اعجاز...... دریہ چک

غزل

اپنی پلکوں سے بلائیں تو غضب ہوتا ہے
آنکھ سے آنکھ ملائیں تو غضب ہوتا ہے
روٹھ جاتی ہیں دعائیں تو غضب ہوتا ہے
درد پھر ہاتھ بڑھائیں تو غضب ہوتا ہے
زخم دل اور سنورتے ہیں ترے پیار کے بعد
غم کی چلتی ہیں ہوائیں تو غضب ہوتا ہے
تتلیاں بھرنے کو گلوں میں وفا کی خوشبو
رنگ ہونٹوں سے چرائیں تو غضب ہوتا ہے
لوگ مسرور ہیں بستی میں اجالا کر کے
اب انہیں چھوڑ کے جائیں تو غضب ہوتا ہے
تیری محفل میں محبت کے بھکاری بن کر
ہم بھی جلوہ جو دکھائیں تو غضب ہوتا ہے
اپنی تنہائی کو سینے سے لگا کر وشمہ
دل کی ہر بات بتائیں تو غضب ہوتا ہے

شاعرہ: وشمہ خان وشمہ
انتخاب: عائشہ پرویز...... کراچی

غزل

کوئی پھول دو، کوئی خواب دو، میں بہت دنوں سے اداس ہوں
میری زیست کو تب و تاب دو، میں بہت دنوں سے اداس ہوں
کہ خدارا اب تو تم اپنے قرب سے میری راتیں نکھار دو
میرے رتجگوں کا حساب دو، میں بہت دنوں سے اداس ہوں
کہ یہ انتظار کے سارے پل ہیں عذاب جاں بنے ہوئے
میرے خط کا کچھ تو جواب دو، میں بہت دنوں سے اداس ہوں
مجھے قید کر لو وصال کے کسی لمحہ دلفریب میں
کوئی سایہ، کوئی سراب دو، میں بہت دنوں سے اداس ہوں
جسے پڑھ کے دل کو خوشی ملے میرے سارے جذبے بہک اٹھیں
مجھے ایسی کوئی کتاب دو، میں بہت دنوں سے اداس ہوں
اسی عشق سے، اسی چاہ سے، اسی پیار سے، اسی مان سے
میرے ہاتھ میں اک گلاب دو، میں بہت دنوں سے اداس ہوں
شاعر: سعید واثق

انتخاب: دلکش مریم...... چنیوٹ

غزل

ساتھ شوخی کے کچھ حجاب بھی ہے
اس ادا کا کہیں جواب بھی ہے
رحم کر میرے حال پر واعظ کہ
امنگیں بھی ہیں شباب بھی ہے
مار ڈالا ہے اس دو رنگی نے
مہربانی بھی ہے عتاب بھی ہے
عشق بازی کو ہے سلیقہ شرط
یہ گناہ بھی ہے یہ ثواب بھی ہے
داغ کا کچھ پتا نہیں ملتا کہیں
وہ خانماں خراب بھی ہے؟

شاعر داغ دہلوی

ریمل آرزو...... اوکاڑہ

غزل

میں عشق الست پرست ہوں، کھولوں روحوں کے بھید
مرا نام سنہرا سانور، اک سندرتا کا وید
مری آنکھ قلندر قادری، مرا سینہ ہے بغداد
مرا ماتھا دن اجمیر کا، دل پاک پٹن آباد
میں لکھ رچوں ناخنِ شوق سے، اک شبد بھری دیوار
وہ شبد بھری دیوار ہے، یہ رنگ سجا سنسار
میں خاص صحیفہ عشق کا، مرے اپنے ہیں گلریز
میں دیپک گر استھان کا، مری لو میٹھی اور تیز
میں پریم بھری اک آتما، جو خود میں دھیان کرے
میں جیوتی جیون روپ کی، جو ہر ایک سے گیان کرے
یہ پیڑ پرندے تتلیاں، مری روح کے سائے ہیں
یہ جتنے گھائل لوگ ہیں، میرے ماں جائے ہیں
میں دور حسد کی آگ سے، میں صرف بھلے کا روپ
مرا ظاہر باطن خیر ہے، میں گیان کی اجلی دھوپ
من مکت ہوا ہر لوبھ سے، اب کیا چنتا؟ کیا دکھ؟
رہے ہر دم یار نگاہ میں، مرے نین سکھ ہی سکھ
ہیں ایک سو چودہ سورتیں، بس اک صورت کا نور
وہ صورت سوہنے یار کی، جو احسن اور بھرپور
میں آپ اپنا اوتار ہوں، میں آپ اپنی پہچان
میں دین دھرم سے ماورا، میں ہوں حضرت انسان
(علی زریون)

انتخاب دعا اعوان...... دنیاپور

غزل

میری زندگی تو فراق ہے، وہ ازل سے دل میں مکیں سہی
وہ نگاہِ شوق سے دور ہیں، رگِ جاں سے لاکھ قریں سہی
ہمیں جان دینی ہے ایک دن، وہ کسی طرح ہو کہیں سہی
ہمیں آپ کھینچئے دار پر، جو نہیں کوئی تو ہم ہی سہی
سر طور ہو سر حشر ہو، ہمیں انتظار قبول ہے
وہ کبھی ملیں، وہ کہیں ملیں، وہ کبھی سہی وہ کہیں سہی
نہ ہو ان پہ میرا جو بس نہیں، کہ یہ عاشقی ہے ہوس نہیں
میں انہی کا تھا میں انہی کا ہوں، وہ میرے نہیں تو نہیں سہی
مجھے بیٹھنے کی جگہ ملے، میری آرزو کا بھرم رہے
تیری انجمن میں اگر نہیں، تیری انجمن سے قریب سہی
تیرا در تو ہمکو نہ مل سکا، تیری رہگزر کی زمیں سہی
ہمیں سجدہ کرنے سے کام ہے، جو وہاں نہیں تو یہیں سہی
میری زندگی کا نصیب ہے، نہیں دور مجھ سے قریب ہے

مجھے اس کا غم تو نصیب ہے، وہ اگر نہیں تو نہیں سہی
جو ہو فیصلہ وہ سنائیے، اسے حشر پہ نہ اٹھائیے
جو کریں گے آپ ستم وہاں وہ ابھی سہی، وہ یہیں سہی
اسے دیکھنے کی جو لو لگی، تو نصیر دیکھ ہی لیں گے ہم
وہ ہزار آنکھ سے دور ہو، وہ ہزار پردہ نشیں سہی

نصیرالدین نصیر

انتخاب عروشمہ خان...... بہاولپور

نظم

دروازے کی دستک پر
وہ معصوم
وہ سوالی بچے
جن کے دامن میں
جلتے گلاب کھلتے تھے
جن کی آنکھیں بھی خواب بنتی تھیں
کہ......
وہ کتابیں
جنہیں پڑھنا تھا مجھے
وہ معصوم بچپن
جسے جینا تھا ابھی
نجانے کیوں
کھو گیا......
افلاس کی راہوں میں
اے دل تو ہی بتا
کیا میرا بچپن یہی ہے
جس کے معصوم قبرستان میں
میری خواہشیں دفن ہیں
ماں کی سسکیاں اور آہیں دفن ہیں
جنہوں نے میرے روشن مستقبل کے خواب
دیکھے تھے
وہ نظارے دفن ہیں
جو آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں
وہ تمام سپنے دل کے ساتھ ٹوٹ گئے
جنہیں سمیٹتے سمیٹتے میری روح تک
گھائل ہو گئی
میری خاموش آنکھیں
تم سے سوال کرتی ہیں
میرا بچپن لوٹا دو مجھے
لوٹا دو مجھے میرا بچپن

کلام...... پروین شاکر

انتخاب: مہوش جواد...... چوک اعظم لیہ

غزل

پارس کا ہے فقداں نہ ہیروں کی کمی ہے
اس شہر میں بس زندہ ضمیروں کی کمی ہے
ہاں بزم امیروں کی مٹ جائے گی اک دن
جس بزم میں ہم جیسے فقیروں کی کمی ہے
اس بار محبت نے فقط ہم کو چنا ہے
زندانِ محبت میں اسیروں کی کمی ہے
ہم تم تو وفادار ہیں خوش ہے محبت
ہاتھوں میں جدائی کی لکیروں کی کمی ہے
پھر جان لٹانے کو پلٹ آیا ہوں محسن
پھر ترکش صیاد میں تیروں کی کمی ہے

شاعر: محسن نقوی

انتخاب: صائمہ جواد...... کراچی

غزل

ابھی تو عشق میں ایسا بھی حال ہونا ہے
کہ اشک روکنا تم سے محال ہونا ہے
ہر ایک لب پہ ہیں میری وفا کے افسانے
ترے ستم کو ابھی لازوال ہونا ہے
کبھی تو روئے گا وہ بھی کسی کی بانہوں میں
کبھی تو اس کی ہنسی کو زوال ہونا ہے
ملیں گی ہم کو بھی اپنے نصیب کی خوشیاں
بس انتظار ہے کب یہ کمال ہونا ہے
وہی یقین ہے مجھ کو وہ لوٹ آئے گا
اسے بھی اپنے کیے کا ملال ہونا ہے

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایمایے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

شاعر: وصی شاہ

انتخاب: زاہرہ فاطمہ...... نامعلوم

غزل

میرے چہرے پر ستارے وہ چنا کرتا تھا
میری آنکھوں کو کنول پھول کیا کرتا تھا
اس کو معلوم نہیں یاد ہو بھی کہ نہ ہو
وہ جو پیمان محبت میں کیا کرتا تھا
مل گئی ہوں تو گنواتا ہے مجھے بے دردی
مجھ کو پانے کی شب وروز دعا کیا کرتا تھا
اک سکہ تھا محبت کا مگر کھوٹا تھا
کاسۂ دل میں برابر جو گرا کرتا تھا
مجھ کو شدت سے تیری یاد ستا جاتی ہے
چاند جب کالے سے بادل سے ملا کرتا تھا

شاعر: ثروت ظفر

انتخاب: مدیحہ نورین مہک...... گجرات

غزل

چھوڑ جاؤ یہی مناسب ہے
پھر نہ آؤ یہی مناسب ہے
عشق پاگل ہے عشق اندھا
ڈوب جاؤ یہی مناسب ہے
تم سے جاناں یہی توقع تھی
دل دکھاؤ یہی مناسب ہے
اس نے تم کو بھی چھوڑ جانا تھا
غم مناؤ یہی مناسب ہے
گھر کی وحشت ہی کام آئے گی
دل لگاؤ یہی مناسب ہے
تیرا راشد اداس رہتا ہے
لوٹ آؤ یہی مناسب ہے

شاعر: راشد ترین

انتخاب: عائشہ رحمن ہنی...... دریائی مری

غزل

غم کے بھروسے کیا کچھ چھوڑا کیا اب تم سے بیان کریں
غم بھی راس نہ آیا دل کو اور ہی کچھ سامان کریں
کرنے اور کہنے کی باتیں کس نے کہیں اور کس نے کیں
کہتے کہتے دیکھیں کس کو ہم بھی کوئی پیمان کریں
بھلی بری جیسی بھی گزری ان کے سہارے گزری ہے
حضرت دل جب ہاتھ بڑھائیں ہر مشکل آسان کریں
ایک ٹھکانہ آگے آگے پیچھے پیچھے مسافر ہے
چلتے چلتے سانس جو ٹوٹے منزل کا اعلان کریں
مجبوروں کی مختاروں سے دوری اچھی ہوتی ہے
مل بیٹھیں تو مبادا دونوں باہم کچھ احسان کریں

تخلص: میرا جی

انتخاب: حنا اشرف کوٹ ادو

غزل

اب یہ مسافت کیسے طے ہو اے دل تو ہی بتا
کتنی عمر اور گھٹتے فاصلے پھر بھی وہی صحرا
خوشیوں کا منہ چوم کے دیکھا دنیا مان بھری
دکھ وہ سجن کٹھور کہ جس کو روح کرے سجدہ
اپنا پیکر اپنا سایہ کالے کوس کٹھن
دوری کی جب سنگت ٹوٹی کوئی قریب نہ تھا
اپنے گرداب اپنے آپ میں گھلتی سوچ بھلی
کس کے دوست اور کیسے دشمن سب کو دیکھ لیا
کانچ کی اک دیوار زمانہ آمنے سامنے ہم
نظروں سے نظروں کا بندھن جسم سے جسم جدا
دکھڑے کہتے لاکھوں مکھڑے کس کس کی سنئے
بولی تو اک اک کی دیسی بانی سب کی جدا

تخلص: امجد

انتخاب: طلعت نظامی کراچی

غزل

مجھے سہل ہو گئیں منزلیں وہ ہوا کے رخ بھی بدل گئے
ترا ہاتھ ہاتھ میں آ گیا کہ چراغ راہ میں جل گئے
وہ لجائے میرے سوال پر کہ اٹھا سکے نہ جھکا کے سر
اڑی زلف چہرے پر اس طرح کے شبوں کے راز مچل گئے
وہی بات جو نہ وہ کر سکے میرے شعر و نغمہ میں آ گئی

وہی لب نہ میں جنہیں چھو سکا قدح شراب میں ڈھل گئے
انہیں کب کے راس بھی آچکے تری بزم ناز کے حادثے
اب اٹھے کہ تیری نظر پھرے جو گرے تھے گر کے سنبھل گئے
مرے کام آ گئیں آخرش یہی کاوشیں یہی گردشیں
بڑھیں اس قدر مری منزلیں کہ قدم کے خار نکل گئے
تخلص: مجروح سلطان پوری

انتخاب: عنبر فاطمہ...... کراچی

غزل

کسی کلی نے بھی دیکھا نہ آنکھ بھر کے مجھے
گزر گئی جرس گل اداس کر کے مجھے
میں سو رہا تھا کسی یاد کے شبستاں میں
جگا کے چھوڑ گئے قافلے سحر کے مجھے
میں تیری درد کی طغیانیوں میں ڈوب گیا
پکارتے رہے تارے ابھر ابھر کے مجھے
ترے فراق کی راتیں کبھی نہ بھولیں گی
مزے ملے انہیں راتوں میں عمر بھر کے مجھے
ذرا سی دیر ٹھہرنے دے اے غم دنیا
بلا رہا ہے کوئی بام سے اتر کے مجھے
پھر آج آئی تھی اک موجۂ ہوائے طرب
سنا گئی ہے فسانے ادھر اُدھر کے مجھے
تخلص: ناصر کاظمی

انتخاب: فائزہ بتول...... خانیوال

غزل

اور تو کوئی بس نہ چلے گا ہجر کے درد کے ماروں کا
صبح کا ہونا دو بھر کردیں، رستہ روک ستاروں کا
جھوٹے سکوں میں بھی اٹھا دیتے ہیں اکثر سچا مال
شکلیں دیکھ کے سودا کرنا کام ہے ان بنجاروں کا
اپنی زباں سے کچھ نہ کہیں گے چپ ہی رہیں گے عاشق لوگ
تم سے تو اتنا ہوسکتا ہے، پوچھو حال بے چاروں کا
جس جپسی کا ذکر ہے تم سے دل کو اسی کی کھوج رہی
یوں تو ہمارے شہر میں اکثر میلا لگا ہے نگاروں کا
ایک ذرا سی بات تھی جس کا چرچا پہنچا گلی گلی
ہم گمناموں نے پھر بھی احسان نہ مانا یاروں کا
درد کا کہنا چیخ اٹھو دل کا تقاضا وضع نبھاؤ
سب کچھ سہنا، چپ چپ رہنا کام ہے عزت داروں کا
انشا اب انہیں اجنبیوں میں چین سے باقی عمر کٹے
جن کی خاطر بستی چھوڑی نام نہ لے ان پیاروں کا
تخلص: ابن انشا

انتخاب: عثمان عبداللہ کراچی

غزل

یوں رشتہ بھی تجھ سے نبھایا ہے میں نے
تیرے غم کو اپنا بنایا ہے میں نے
اسے بھول جانے کا سوچا جو میں نے
تو مشکل سے دل کو منایا ہے میں نے
میں اس کو کبھی بھی اجڑنے نہ دوں گی
چمن اپنے خون سے سجایا ہے میں نے
ثمر اس کا مجھ کو بھی مل کر رہے گا
جو الفت کا پودا لگایا ہے میں نے
فنا کر کے میں نے بس اک تیری خاطر
محبت کا جادو جگایا ہے میں نے
شاعرہ: شگفتہ شفیق

انتخاب: سیدہ ضوباریہ ساحر

alam@aanchal.com.pk

تشریح آیات
73تا82 سورۃ مریم

گمراہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں اسی لیے اللہ نے انہیں مال و اولاد سے نوازا ہے اور ایمان والے اس لیے بدحال ہیں کہ اللہ ان سے خوش نہیں۔ ان پر اپنی گمراہی اللہ کا عذاب دیکھ کر یا روز قیامت کھلے گی۔

یہ لوگ بھول گئے کہ اللہ نے ان سے پہلے ان سے زیادہ خوشحال قوموں کو مہلت دی وہ نہ سنبھلیں تو انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

دنیا کا سروسامان یہیں رہ جائے گا اور ایمان لانے والے ہی اللہ کی ہدایت و رہنمائی سے راہ راست پر قائم رہ کر آخرت میں اجر پائیں گے۔ مشرکوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنی نجات کے لیے جو خدا بنا رکھے ہیں وہ ان کی کچھ بھی مدد نہ کر پائیں گے بلکہ الٹا آخرت میں ان کے مخالف ہوں گے۔

غلام سرور...... ناظم آباد کراچی

سیرت نبوی ﷺ کے چند خوب صورت واقعات

اعلانِ نبوت کے چند روز بعد نبی ﷺ مکہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے انہیں ایک گھر میں سے کسی کے رونے کی آواز آئی۔ آواز میں اتنا درد تھا کہ آپ ﷺ گھر میں داخل ہو گئے۔ دیکھا تو ایک نوجوان جو حبشہ کا معلوم ہوتا ہے چکی پیس رہا ہے اور زاروقطار رو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ میں ایک غلام ہوں۔ سارا دن اپنے مالک کی بکریاں چراتا ہوں، شام کو جب تھک کر گھر آتا ہوں تو میرا مالک مجھے گندم کی ایک بوری پیسنے کو دے دیتا ہے۔ جس کو پیسنے میں ساری رات لگ جاتی ہے۔ میں اپنی قسمت پر رو رہا ہوں میری بھی کیا قسمت ہے۔ میں بھی تو ایک گوشت پوست کا انسان ہوں۔ میرا جسم بھی آرام مانگتا ہے مجھے بھی نیند ستاتی ہے لیکن میرے مالک کو مجھ پر ذرہ بھی ترس نہیں آتا۔ کیا میرے مقدر میں ساری عمر اسی طرح رو رو کر گزارنا لکھا ہے؟

"میں تمہارے مالک سے کہہ کر تمہاری مشقت تو کم نہیں کروا سکتا کیونکہ وہ میری بات نہیں مانے گا۔ ہاں میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں تم سو جاؤ میں تمہاری جگہ چکی پیستا ہوں۔" وہ غلام بہت خوش ہوا اور شکریہ ادا کر کے سو گیا۔ جب گندم ختم ہوئی تو آپ ﷺ اسے جگائے بغیر واپس تشریف لے آئے۔ دوسرے دن پھر آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور اسے سلا کر چکی پیستے رہے۔ تیسرے دن بھی یہی ماجرہ ہوا۔ چوتھی رات جب آپ ﷺ وہاں گئے تو اس نے کہا "اے اللہ کے بندے آپ کون ہو اور میرا اتنا خیال کیوں کر رہے ہو؟ ہم غلاموں سے نہ کسی کو ڈر ہوتا ہے اور نہ ہی فائدہ تو آپ یہ سب کچھ کس لیے کر رہے ہو؟"

آپ ﷺ نے فرمایا "میں یہ سب انسانی ہمدردی کے تحت کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے تم سے کوئی غرض نہیں۔" اس غلام نے کہا "آپ کون ہیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تمہیں علم ہے مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔" غلام نے کہا "ہاں میں نے سنا ہے اس کا نام محمد ہے اور وہ خود کو اللہ کا نبی کہتا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "میں وہی محمد ہوں۔" یہ سن کر اس غلام نے کہا "اگر آپ ہی نبی ہیں تو مجھے کلمہ پڑھایئے کیونکہ اتنا شفیق اور مہربان کوئی نبی ہی ہو سکتا ہے جو غلاموں کا بھی اس قدر خیال رکھے۔" آپ ﷺ نے انہیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا پھر دنیا نے دیکھا کہ ان غلام نے تکلیفیں اور مشقت برداشت کی مگر دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ چھوڑا۔ آج دنیا انہیں بلال حبشیؓ کے نام سے جانتی ہے۔

مریم مرتضیٰ......

میں تمہارے رسول سے بڑا آدمی ہوں

ایک بار جرمن بحریہ کے سربراہ نے ایک مسلمان

نوجوان سے کہا۔ "میں تمہارے رسول سے بڑا آدمی ہوں۔"

نوجوان نے کہا۔ "میرا رسول کون ہے؟"

جنرل نے کہا۔ "تم مسلمان ہو تمہارا رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔"

نوجوان نے کہا۔ "تم کیسے بڑے آدمی ہو؟"

جنرل نے کہا۔ "میرے ایک حکم پر یہ بیس ہزار فوجی جو تمہارے سامنے ہیں 10 منٹ کے اندر صف بستہ ہوجاتے ہیں۔"

نوجوان نے کہا۔ "اگر تمہارے سامنے مختلف عمر کے بیس ہزار لوگوں کو لایا جائے ان کو صف بستہ کرنے کے لیے کتنا وقت لوگے؟"

جنرل...... "اگر وہ میرے تربیت یافتہ ہوں تو دو گھنٹے میں سیدھے کھڑے ہوجائیں گے۔"

نوجوان نے لیپ ٹاپ آن کیا اور حرم مکہ کی نماز کھڑے ہونے کا منظر جنرل کو دکھایا اور کہا۔

"دیکھو یہ تین ملین لوگ ہیں ان کو امام ایک بار کہتا ہے صفیں سیدھی کریں کیسے سیدھی صفیں باندھتے ہیں حالانکہ یہ دنیا کے مختلف ملکوں سے آئے ہیں۔ ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں' ان کی عمریں بھی مختلف ہیں' مرد بھی ہیں' خواتین بھی' بچے اور بوڑھے بھی۔ معذور اور مریض بھی مگر ایک آواز پر ایک منٹ میں کیسے صف بستہ ہوتے ہیں' یہ ہیں میرے رسول کی تعلیمات اور تربیت کا نتیجہ۔"

جنرل حیرانگی سے نوجوان کو دیکھتا رہا۔

"جی ہاں یہ امت تربیت یافتہ ہے یہ صفیں سیدھی کرنا جانتی ہے۔ عنقریب صفیں سیدھی کرنے والی ہے مگر ایک نعرہ مستانہ کی ضرورت ہے' ایک خلیفہ راشد کا انتظار اور عمر کی راہ دیکھ رہی ہے۔"

جاذبیہ شیریں...... مانسہرہ

افسانچہ

اوہ مائی سویٹ ہارٹ کدھر گئے ہو جی پلیز لوٹ آؤ۔ دیکھو ناں میں کتنے دنوں سے پاگلوں کی طرح تمہیں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں' پتا ہے ناں کیسے تمہارے ساتھ میں شاعری کرتی تھی لیکن جب سے تم بچھڑے ہو سب بھول چکی ہوں۔ تمہارے ساتھ لکھے ہوئے وہ لفظ کہ میرا جینا مرنا ان سنگ تھا کس قدر تکلیف دیتے ہیں۔ تمہیں اس کی کیا خبر کہ میرے دل کی کیا حالت ہوگئی تم تھوڑا سا تو اس نادان سی دوست کا خیال کر بے وفا! ہمارا اتنے عرصے کا ساتھ کیسے بھول جاؤ جانی! کدھر کھو گئے ہو؟ ابھی پچھلے ہفتے تو تم بالکل میرے پاس تھے پھر آج کیوں جدا ہیں' میں جو ایک پل تم سے دور نہیں رہتی تھی آج ایک ہفتے سے دور ہوں۔ جانی خدارا لوٹ آؤ کہ اب تمہاری جدائی مجھ سے سہی نہیں جارہی' کس قدر تنہا ہوگئی ہوں اب تمہاری مانی ڈائری بھی نہیں لکھتی جانی! بس اب ہر سانس تمہیں پکار رہی ہے کہ لوٹ آؤ' اے میرے پیارے پین (Pen) لوٹ آؤ۔

آمنہ رحمٰن مسکان...... ریالی' مری

کاش......!

"کاش" کا لفظ بہت چھوٹا سا ہے اس کو بول کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سمندروں کی موجیں آپس میں ملنے کے لیے بے تاب ہورہی ہیں' جیسے مٹی کر ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانے کی آرزو کررہی ہو۔ یہ لفظ بار بار کہنے کی وجہ سے انسان اندر سے کھوکھلا ہوجاتا ہے ایسے جیسے کہ اس کا بھی کوئی وجود ہی نہ ہو۔ کچھ لفظ انسان کو بکھیر دیتے ہیں اور اس کو مکمل طور پر بے صبرا بنادیتے ہیں "کاش" بھی ان ہی الفاظ میں سے ایک ہے۔ یہ بہت چھوٹا سا لفظ ہے مگر اس لفظ میں اضطرابی کیفیت اور بے چینی بہت زیادہ ہے۔ کاش کا لفظ ہر دم استعمال کرنے والوں کے دلوں میں ہر آن بے چینی رہتی ہے' اس لیے اس لفظ کا استعمال کم ہی کریں۔

انم...... برنالی

چمکتے لفظ

⌘ زندگی میں ایک ہنر یہ بھی سیکھنا چاہیے کہ جنگ اگر کسی اپنے سے ہو تو ہار جانا چاہیے۔

⌘ احساس تعلیمات کی بنیاد ہے اور احساس ہمیشہ وہ شخص کرتا ہے جو خودغرض نہیں ہوتا۔
⌘ اگر کبھی دل میں کوئی رنجش ہو تو کھل کے گلہ کرنا کیونکہ تھوڑی دیر کی ناراضگی عمر بھر کی جدائی سے اچھی ہے۔
⌘ جھوٹ بول کر بھروسہ توڑنے سے بہتر ہے سچ بول کر رشتہ توڑ دیا جائے۔
⌘ رشتہ پھر جڑ جائے گا مگر بھروسہ کبھی نہیں جڑتا۔
⌘ ہنستے رہو گے تو پوری دنیا ساتھ دے گی ورنہ آنسوؤں کو تو اپنی آنکھ بھی گرا دیتی ہے۔

نیلی ظہیر..... کوٹلہ جام' بھکر

مہکتی کلیاں

⌘ گھڑی کی ٹک ٹک کو معمولی نہ سمجھو یہ زندگی کے درخت پر کلہاڑی کے وار ہیں۔
⌘ کسی کا دل توڑ کر معافی مانگنا بہت آسان ہے مگر اپنا دل ٹوٹ جائے تو معاف کرنا بہت مشکل ہے۔
⌘ اس شخص کا دل کبھی مت توڑو جو آپ سے جان سے زیادہ پیار کرتا ہو۔
⌘ جو شخص اپنے دوست کو دھوکا دیتا ہے' حقیقت میں وہ خدا کو دھوکا دیتا ہے۔

روحی غفور..... شاہ کوٹ

ہماری گنتی

شوہر بیوی سے: ”تمہارے شادی سے پہلے کتنے بوائے فرینڈ تھے؟“
بیوی خاموش ہوگئی۔
شوہر غصے سے: ”اس خاموشی کا کیا مطلب سمجھوں؟“
بیوی: ”ایک منٹ..... گننے تو دو۔“

مدیحہ رانا..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

کلاسیکل بے عزتی

ایک لڑکا سائیکل پر جا رہا تھا' سائیکل کا ٹائر گوبر کے درمیان سے گزرا تو پاس کھڑی لڑکیوں نے تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔
”ہیپی برتھ ڈے ٹو یو.....“ لڑکا سائیکل سے اترا اور ان کے پاس آ کر بولا۔
”خالی وش کرنے سے تو کام نہیں چلے گا نا اب کیک بھی تو کھانا ہی پڑے گا۔“

نورین مسکان سرور..... سیالکوٹ' ڈسکہ

اقوال زریں

❖ جاہل احمق اور بدکردار سے اچھے مشورے کی توقع ہرگز نہ رکھو۔
❖ نیک لوگوں کی محبت ہمیشہ فائدہ دیتی ہے۔
❖ انسان لاکھ تدبیر کرے تقدیر اسے وہیں لے جاتی ہے جہاں اس کا نصیب ہو۔
❖ جو مصیبت میں کام نہ آئے وہ دوست نہیں۔
❖ نااہل سے محبت کا انجام ہمیشہ ذلت اور ہلاکت کی صورت میں نکلتا ہے۔
❖ جو آدمی علم کو پوشیدہ رکھتا ہے اس پر دنیا کی ہر چیز لعنت کرتی ہے۔
❖ وقت گہرے سمندر میں گرا ہوا موتی ہے جس کا دوبارہ ملنا ناممکن ہے۔
❖ علم بغیر عمل کے ایسے ہیں جیسے روح کے بغیر جسم۔
❖ نیکی میں خرچ ہونے والے لمحات ہی حقیقی زندگی ہے۔
❖ سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ تم کسی پر وہ عیب لگاؤ جو خود تم میں ہے۔
❖ کامیابی چاہتے ہو تو کامیاب لوگوں سے مشورہ کرو۔
❖ دنیا کے لباس میں سے سب سے خوب صورت لباس حیا کا لباس ہے۔
❖ جو دھوکہ دے اسے چھوڑ دو مگر جسے چھوڑو اسے دھوکہ نہ دو۔
❖ ہمیشہ سچ کا ساتھ دو سچ تمہارا ساتھ دے گا۔

عبدالرحمٰن سیال..... عبدالحکیم

محبت

سچی محبت وہ ہے جو کسی کے دل میں اپنا مقام خود

بنالے۔ چاہت کسی بھیک کی محتاج نہیں ہوتی۔ اسے محبت نہیں کہا جاتا جو زبردستی مسلط کی جائے یہ تو ایک پاکیزہ خوشبو ہے جو دھیرے دھیرے من میں سما جاتی ہے اور روح تک کو مہکا دیتی ہے۔

لیقہ سحر...... عبدالحکیم

حجاب تیرے نام

اے میرے چارہ گر!
آسمان کی وسعتوں پہ
جگمگ کرتے ڈھیروں تاروں جتنی
میری ہتھیلیوں پر چمکتی
سب دعائیں
تیرے نام......

سامعہ ملک پرویز...... خان پور ہزارہ

سالگرہ

بیوی: ''آپ کو پتا ہے نا اس ماہ کی پندرہ تاریخ کو میری سالگرہ ہے؟''
شوہر...... ''ہاں ہاں مجھے پتا ہے۔''
بیوی اٹھلاتے ہوئے بولی۔ ''پچھلی سالگرہ پر آپ نے مجھے خوب صورت لوہے کا بیڈ گفٹ کیا تھا' اس بار کیا ارادہ ہے؟''
شوہر...... ''اب تمہاری سالگرہ پر اس بیڈ میں کرنٹ چھوڑنے کا ارادہ ہے؟''

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

قطعہ

دہشت گرد

نہ ان کا مذہب و مسلک نہ دین ہے کوئی
یہ آدمی ہیں مگر آدمی کے دشمن ہیں
یہ صرف کھیل سمجھتے ہیں کھیلنا خون سے
عجیب لوگ ہیں جو زندگی کے دشمن ہیں

راؤ تہذیب حسین تہذیب...... رحیم یار خان

اچھی باتیں

○ شکر گزاری حالات بدل دیتی ہے۔
○ کامیابی حاصل کرنے کے لیے اکیلے ہی آگے بڑھنا پڑتا ہے۔
○ لوگ آپ کے ساتھ تب آتے ہیں جب آپ کامیاب ہوجاتے ہیں۔

سنہری حروف

○ لباس قیمتی ہو یا سستا' گھٹیا کردار کو چھپا نہیں سکتا۔
○ جڑیں سلامت ہوں تو ٹنڈ منڈ درخت پر بھی موسم بدلتے ہیں' پھول و پھل آجاتے ہیں۔

کمزور رشتہ

○ تمام رشتوں میں سب سے کمزور رشتہ تمہارے جسم اور تمہاری روح کا ہے' نہ جانے کس وقت اور کہاں ٹوٹ جائے۔

مہک

○ پھولوں کی مہک کچھ دن بعد ختم ہوجاتی ہے مگر اچھے سلوک اور اخلاق کی مہک انسان کی موت کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔

کہانی

○ ماں باپ سے سلوک ایک ایسی کہانی ہے جو لکھتے آپ ہیں مگر آپ کی اولاد آپ کو پڑھ کے سناتی ہے۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

shukhi@aanchal.com.pk

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو خالق کونین اور مالک ارض وسماں ہے۔ سب سے پہلے آپ قارئین بہنوں کو حجاب کی سالگرہ مبارک ہو۔ ہماری کوشش اور آپ کی دعاؤں سے حجاب بلندی کی طرف گامزن ہے' آپ کی پذیرائی ہی ہماری ہمت بڑھاتی ہے اور مصنفین کی بھی۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ صرف مصنفین کی تحریر کے حوالے سے ہی آپ کے تبصرے شامل کریں تاکہ ان کی تحاریر میں بھی نکھار آئے۔ ہر تخلیق کار اپنی چیز کی تعریف وتنقید سے اسے بہتر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ میری بات اگر آپ کی طبیعت پر گراں گزری تو معذرت۔ امید ہے کہ آئندہ آپ مصنفین کی تحریر پر ضرور تبصرہ کریں گے' اب چلتے ہیں حسن خیال کی جانب۔

سیدہ ضوباریہ ساحر...... السلام علیکم! محترمہ مدیرہ' ڈیئر جو ہی اور محترم قارئین' ان تمام قارئین کا بے حد شکریہ جنہوں نے میرے الفاظ کو اہمیت دی اور اپنی قیمتی آراء سے مجھے مستفید کیا۔ آپ کی آراء میرے لیے بے حد اہم ہیں' اس سے پہلے کبھی بھی میں نے کسی کہانی کے حوالے سے کسی ڈائجسٹ میں خط نہیں لکھا' کہانی لکھ کر پوسٹ کردیتی تھی اور طاہر بھائی کی شفقت اور محترمہ قیصر آراء کی حرف شناس نگاہوں میں شرف قبولیت پا جاتی تھی۔ یہ دونوں ہستیاں میرے رائٹنگ کے اس سفر میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ''زیاں'' ایک عام کہانی ہے اسی لیے میں اس کے حوالے سے کچھ وضاحت کردینا ضروری سمجھتی ہوں۔ اسی لیے براہ راست قارئین کی توجہ حاصل کرنے کی جسارت کررہی ہوں' اس کہانی کو لکھتے ہوئے بہت بار ذہن میں آیا اسے یہیں ختم کردوں' نامکمل چھوڑ دوں کیونکہ روایت سے ہٹی ہوئی چیزیں اکثر ناقابل قبول ہوتی ہیں۔ یہ ایک بکھرے ہوئے خاندان کے ٹوٹے ہوئے رشتوں اور انسانوں کی کہانی ہے' روایتی کہانیوں کی طرح ون پلاٹ بیسڈ نہیں ہے نہ اس میں ہیرو اور ہیروئن ہیں' نہ رومانوی فضا اور نہ ہی محبت کے روایتی مکالمات' تخیل اور رومان پسند قارئین کو شاید یہ کہانی بور بھی لگے لیکن مجھے اطمینان ہے کہ میں نے اپنی کئی راتوں کی نیندیں اس کہانی کے لیے قربان کی ہیں۔ اس کہانی کا ہر کردار چاہے وہ بہت مختصر ہی کیوں نہ ہو اپنے اندر پوری جزئیات سمیت سچائی سمیٹے ہوئے ہے۔ کہانی کا سب سے اہم حصہ ماہین ہیں جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ان کے درد کی مسافت کو حتی الامکان احاطہ تحریر میں لانے کی کوشش کی ہے۔ ممکن ہے' بہت سی کوتاہیاں بھی سرزد ہوئی ہوں کیونکہ درد لکھنے اور درد سہنے

میں بہت فرق ہوتا ہے۔ قارئین سے بس اتنی استدعا ہے اس کہانی کی مسافت میں میرے ہمقدم رہیں اور مجھے اپنی قیمتی آراء سے ضرور آگاہ کریں۔ آپ کی رائے مثبت تنقید پر مبنی ہو یا تلخ ترین الفاظ کا مجموعہ میرے لیے انتہائی قابل احترام ہے۔ آخر میں طاہر بھائی کے لیے کہ دعا بھیا آپ کی رہنمائی اور قیصر آراء بہن کی توجہ کی بہت قدر کرتی ہوں ان محبتوں کی ہمیشہ مقروض رہوں گی اور اپنے شریک حیات ساحر جمیل سید کی بے حد شکر گزار ہوں' جنہوں نے ٹوٹے ہوئے قلم کو جوڑ کر مجھے تھمایا۔ ایک سخت گیر استاد کی طرح میری تحریر کی خامیوں کو پوائنٹ آؤٹ کیا اور مجھ جیسی نالائق اسٹوڈنٹ کو سکھاتے ہوئے کبھی ہار نہیں مانی' دعاؤں کی طالب والسلام۔

☆ ڈیئر ضوبار یہ! زیاں بھلے ایک عام کہانی ہے لیکن آپ کے انداز تحریر اور برجستہ انداز نے اسے خاص بنا دیا ہے۔ آپ کی محنت شاقہ کا منہ بولتا ثبوت بھلے اس میں رومانیت نہیں' ہیرو ہیروئن کا تذکرہ نہیں لیکن معاشرے کی تلخ سچائیاں نہایت خوش اسلوبی سے موجود ہیں۔ محبت صرف ایک لڑکے اور لڑکی کی چاہت تک محدود نہیں اور یہاں یہ پاکیزہ جذبہ محبت کا ہمیں بخوبی نظر آتا ہے۔ جب ایک بیٹا اپنی ماں اور بہن بھائیوں کی چاہت میں اپنی ذات کی نفی کر کے ہر دکھ سہنے کے لیے ہمہ دم تیار ہے۔ ہماری اور قارئین کی ڈھیروں نیک تمنائیں آپ کے ہمدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید شہرت و کامیابیاں نصیب فرمائے۔ آمین

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ۔ ماہنامہ حجاب ہر سلسلہ شاندار ہر تحریر لاجواب۔ برآمدے کے کونے میں تخت پر بیٹھی جب میں اپنی ہی دنیا میں مگن حجاب ڈائجسٹ کو بڑی وارفتگی سے دیکھ رہی تھی تو بھیا پتا نہیں کہاں سے آگئے تھے اور آتے ہی ڈائجسٹ اٹھا کر انہوں نے یہ الفاظ کہے تھے (حیرت ہو رہی تھی انہیں اتنے سارے ڈائجسٹ دیکھ کر) چونکہ مئی سے لے کر اکتوبر کے سارے شمارے میں نے اپنی کزن سے منگوائے تھے ابھی فرصت کے لمحات میں ناچیز پڑھنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن آہ...... اس لاڈلے بھیا نے دادی جان کو بتا دیا' دادی جان نے ایسے گھورا جیسے کہہ رہی ہوں پڑھو پڑھو خوب پڑھو کہانیاں (ابھی تمہیں کام میں پھنساتی ہوں پھر دیکھنا) دادی جان کی نظروں کی گرمی کو دیکھ کر ایک شعر یاد آ گیا

سیر کرنی ہے تو باغوں میں کرو بازاروں میں کیا رکھا ہے
قتل کرنا ہے تو نظروں سے کرو تلواروں میں کیا رکھا ہے

آہاں کتابیں ہی پڑھتی ہے نا پڑھنے دو فلمیں تو نہیں دیکھ رہی (ہاہاہا) یہ میری پردادی جان کا تبصرہ تھا جو مشکل وقت میں بڑی آسانی سے بچا لیتی ہیں۔ حجاب ڈائجسٹ ایک سے بڑھ کر ایک ہے' نومبر میں یقیناً حجاب کی سالگرہ ہے سو ہیپی ہیپی سالگرہ مبارک۔ اب حجاب کے تمام شمارے پڑھ کر ہی تبصرہ ہوگا حجاب کا تبصرہ ادھار ہے' ماشاء اللہ حجاب کے تمام رسالے خوب محنت اور مہارت سے سجائے ہوئے ہیں' اچھا جی امی بلا رہی

ہیں اللہ حافظ۔

☆ڈیئر مینا! آپ کا یہ ادھورا تبصرہ پسند آیا آئندہ یہ ادھورا پن دور کر کے شرکت ضرور کرنا۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ جنت حلالہ و دوزخ حرامہ۔ محرم کا مہینہ خالد صاحب کی وفات کا بھی مہینہ ہے۔ پورا ماہ خاص کر سات محرم سے دس محرم تک خوب نذر و نیاز میٹھی و نمکین سنگ حلیم نان خوب بانٹی جاتی ہیں۔ میٹھی تو میری اور نمکین گھر والوں کی ان سے بھی ہم آگے بانٹتے ہیں آخر کتنا کھائیں۔ میرا بھائی بھابی نند ہمراہ بیٹے کے آئے ہوئے ہیں سب سوئے پڑے ہیں۔ میں ساس کے پاس صحن میں ہوں بار بار پوچھتی ہیں ''نسرین سوگئی شمع بھی سوگئی'' میں نے کہا ''تو وہ کیا کریں فارغ' میں تو لکھ رہی ہوں ورنہ میں بھی سوجاتی۔'' جناب کل میری کتاب ''حوض کوثر'' تین سو عدد ادبی بیٹا رضا دے گیا ہے پچاس اسے دی ہیں آپ کو بھی وہی پہنچائے گا باقی ساٹھ ۵ کی لسٹ میں نے بنائی ہے جو بچیں گی وہ اسٹال پر جائیں گی آخر وہ خوب صورت وقت آ ہی گیا میری زندگی کا کہ میرا حسین خواب شرمندہ تعبیر ہوگیا۔ رسائل کے علاوہ میں ملالہ اسلم کی بہن کو دینا چاہوں گی تحفہ ''حوض کوثر'' کہ وہ نعتوں کی بہت شوقین ہے (خط سے پتا چلا) اس کے علاوہ اگر حرا قریشی لائبہ میر نجم انجم اور ارم کمال بھی لینا چاہیں تو پلیز ایڈریس بھیج دیں۔ باقی وجد چغتائی سے لے کر آخر تک رسالہ سر آنکھوں پر رہا مگر شاعری تمام کی تمام اتنی اچھی تھی کہ ہم نے سوچا ہم کہاں سے ڈھونڈیں انتخاب عالم بس ہم نعت وحمد ہی میں حصہ لینا چاہیں گے باقی سب دوسروں کا پڑھیں گے۔ آنچل کی طرح حجاب میں جوابات کا سلسلہ تو ہے ہی نہیں تو پھر آپ میرے قرآنی ترجمہ کا جواب آنچل میں ہی بتادیں وہ شاعری پاس ہوئی یا فیل۔ باقی ہماری نگارشات تو باری آنے پر آپ خود ہی لگادیں گی فوجیوں کے مضمون میں حرا اور راج محمد شہید امر ہوگئے۔ دلوں کی دھڑکن انہی سے زندہ ہے ایسے مضامین زیادہ ہونے چاہئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آنکھوں سے روپوش ہوئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور بیویوں کے ساتھ حسن سلوک دل میں ٹھنڈک عطا کر گیا۔ کاش تمام مرد حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر عمل کریں بھئی ہمارے خالد تو اخلاق اور نرم روی سے ہمارا دل جیت کر سرخرو ہوگئے اللہ سب پر عنایات کی بارش کرے آمین۔ آغوش مادر لائبہ کا بھی اچھا تھا اور دونوں کے شعر بھی اچھے تھے مگر زبانی صرف حرا کا شعر یاد رہے گا کہ بہت دکھی آسان اور اس کا اپنا بھی تھا۔

ممتا کی خوشبو ہے یہیں کہیں

کیا ہوا جو حرا کی ماں نہیں

کاش ملتان ادھر ہوتا تو ہم حرا سے مل لیتے۔ ایک

مجھے حجاب بننا ہے

بنا ہوں جناب شیشے کا

رکھتا ہوں حساب......

میں نے لکھی ہیں چند ہی غزلیں

اوران کا انتساب......

میں عکس ہوں مہر و محبت کا

دیکھتا ہوں خواب......

میرا وجود کرچیوں میں بٹ گیا

کیا کروں خراب......

چہار سو میرے بگولے ہیں

مجھے لینا ہے ثواب......

گر یوں ہو تو کتنا اچھا ہو

سوال شیشے کا جواب......

زبوں حال لوگوں سے مل کے دیکھ

کیسا ہوتا ہے قصاب......

باد مخالف سے نہ گھبرا اے کوثر

تجھے بننا ہے حجاب......

☆ ڈیئر کوثر! حوض کوثر کی اشاعت پر بے حد مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ زور قلم اور زیادہ کرے۔ آمین

پروین افضل شاہین...... بھاولنگر۔ باجی جوہی احمد صاحبہ السلام علیکم السلام! اس بار اکتوبر کا عید نمبر سدرہ جبار کے خوب صورت سرورق سے سجا حجاب جلد ہی مل گیا۔ حمد و نعت اور امہات المومنین پڑھ کر اپنے ایمان کو تازہ کیا۔ آپی فریدہ جاوید فری کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں مکمل صحت تندرستی عطا فرمائے ویسے تو ہفتے میں ایک دو بار ان سے فون پر بات ہو جاتی ہے۔ کوثر خالد ریما نور عنبر فاطمہ فائزہ بتول کے خطوط۔ راؤ تہذیب حسین بشریٰ افضل افشاں گل فاطمہ مصطفیٰ کی شوخی تحریر۔ سپاس گل ندا حسنین سیدہ لاریب صائمہ سکندر نجم انجم اعوان کے انتخاب۔ ارم کمال فرزانہ ناز طوبیٰ بتول نزہت جبیں ضیاء ایمان فاطمہ کے اشعار پسند آئے۔ میری طرف سے آپ کو اور حجاب کی پوری ٹیم کو حجاب پڑھنے والوں کو حجاب کی پہلی سالگرہ مبارک ہو۔ حجاب ایسے ہی ترقی کرتا رہا تو ان شاء اللہ جلد ہی یہ بھی آنچل کی صف میں شامل ہو جائے گا۔ ہم رائٹرز

حجاب کی ترقی میں شانہ بشانہ شامل ہیں' حجاب کی پہلی سالگرہ پر اس کے لیے صرف اتنا کہوں گی۔

اس خوشی کے موقع پر کیا تحفہ پیش کروں
سوچا پیار بھرے خلوص کا نذرانہ پیش کرو
دل میں بسی تمہاری محبت اور چاہت
پیار بھرے دل میں دعاؤں کا خزانہ پیش کروں

☆ڈیئر پروین! آپ کے خلوص و محبت کے بے حد مشکور ہیں۔

سیدہ رابعہ شاہ...... گجرات۔ السلام علیکم کیا حال ہے آپ سب کا امید اور دعا کرتی ہوں' اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سب کو ٹھیک اور اتنی خوشیاں عطا کرے کہ آپ کا دامن چھوٹا پڑ جائے۔ پچھلی بار میں آپ سب میں شامل نہ ہوسکی یقیناً آپ سب نے بہت مس کیا ہوگا' ذرا پاس آئیں ایک راز کی بات بتاؤں کہ میٹھی سویٹ دوست فین اور خربوزہ قسمت والوں کو ملتا ہے ویسے آپ سب بھی قسمت والے ہیں کہ مجھ جیسی پیاری ننھی منی سی فین اور آپی شاہین کو مجھ جیسی دوست ملی' ہے نا مزے کی بات (ہاہاہا)۔ ویسے آپی میں نے تو ویسے ہی جن بولا تھا آپ کو آپ نے یہ نام پسند کرلیا تو یہ ہی رکھ لیتی ہوں۔ آپی اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں چلو کہے دیتی ہوں کہ آپ بالکل ویسی ہیں جیسے

بے فائدہ ہے زندگی میں لوگوں کا ہجوم
پُرخلوص جو آپ جیسے مل جائے تو بس

ایک آپ ہی کافی ہیں۔ آنچل حجاب کے لیے میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو یونہی کامیابی حاصل کرنے کی اور زیادہ ہمت دے اور یونہی ترقی کی منازل طے کرتا رہے۔

مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں
تو میرا شوق دیکھ' انتظار دیکھ

حجاب کی تعریف کے لیے الفاظ کم ہیں میرے پاس لیکن میں آنچل وحجاب اور آنٹی قیصر آراء کی بہت شکر گزار ہوں' آنٹی قیصر اور تمام آنچل اسٹاف کے لیے۔

ہمارے چمن میں پھولوں کی کمی تو نہیں
وہ اک صرف تم ہو جیسے ہم گلاب کہتے ہیں

مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگوں کی تھکن صرف ہم لوگوں کے اک جملہ تعریف سے اتر جاتی ہے' شکریہ فار آل

آنچل وحجاب ٹیم رائٹرز اور ریڈرز مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں' اللہ حافظ۔

اک گزارش ہے میری اے میرے محسن
کہ مجھ پیاری سی کو بھی دعاؤں میں یاد رکھنا

اللہ حافظ۔

☆ڈیئر رابعہ! آپ کا تبصرہ کچھ تشنگی لیے ہوئے تھا۔ حجاب کے شمارے پر اپنی رائے پیش کرتیں تو مزید اچھا لگتا۔

فریدہ جاوید فری...... لاہور۔

سوال نمبر۱: مجموعی طور پر حجاب ایک معیاری اور ادبی میگزین ہے جس طرح آنچل ہمیں پسند ہے اسی طرح حجاب بھی ہمیں بے حد پسند آیا' تنقید تو کوئی نہیں بس تعریف ہی تعریف ہے۔ کمی صرف شاعری کی ہے کہ نئے لکھنے والوں کے لیے ایک یا دو صفحات شعری کے لیے ہونا لازمی ہیں۔

سوال نمبر۲: اس سال کی بہترین تحریر افسانہ میٹھے موسم بیسٹ رائٹرز نزہت جبیں ہیں اور صدف آصف۔

سوال نمبر۳: ہمیں بیسٹ سلسلہ رخ سخن اور آغوش مادر پسند ہے۔

سوال نمبر۴: حجاب کا بہترین ٹائٹل ہمیں جنوری کا پسند آیا۔ ناولٹ اور ناول افسانوں کے چند سنہری جملے۔

سوال نمبر۵: مستقبل میں ہمیں سیاس گل' نزہت جبیں' صدف آصف' تحسین انجم انصاری' شیم ناز صدیقی ویسے تو ہمیں وہ ناول اور افسانے پسند آتے ہیں جس میں "سبزہ' آبشاریں' ہیروئن کی خوب صورتی' بارش کی کالی گھٹاؤں کا ذکر ہو" مگر میٹھے موسم کے کیک پیسٹریاں جیسے وہ رائٹر بنا رہی تھیں ہمارے منہ میں پانی آرہا تھا کیسے کریم سے پھول بوٹے کیک کے اوپر اور چاکلیٹ فلیور واہ مزا آ گیا۔

عائشہ پرویز صدیقی...... ای میل۔ نومبر کا موسم ٹھنڈی ٹھنڈی دلفریب ہوا سردی کی آمد چاندنی رات، آسمان پر بکھرے تاروں کی کہکشاں کیا دلکش وخوشنما سا منظر پیش کررہا ہے اور حجاب اس مصرعے کی مثل ہے "جھوم اٹھا ہے جہاں' ایک تیرے آجانے سے" آہم آہم آتے ہیں تبصرے کی طرف تو سب سے پہلے تمام حجاب اسٹاف اور قارئین کو میرا آداب اور ۹ نومبر کو قومی شاعر علامہ اقبال کے ساتھ ساتھ میرے پیارے حجاب کی سالگرہ بہت بہت مبارک۔ اس بار شکر ہے حجاب کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سرورق پر مسکراتی ماڈل دل کو بھائی بہت' فہرست میں تمام پسندیدہ مصنفین کے نام پڑھ کر نئی توانائی آ گئی۔ حمد ونعت سے دل کو منور کیا پھر مدیرہ کی بات چیت پر کان دھرا اور دل ہی دل میں باتوں کو سراہا امہات المومنین میں نبی ﷺ اور ازواج مطہرات کے مطابق پڑھ کر علم میں اضافہ کیا۔ ذکر اس پری وش کا سب ہی بہنوں سے ملاقات اچھی رہی خاص کر مدیحہ شفیع کا

محبت کے بارے میں خیالات جان کر اور محبت میں مذاق اڑانے والوں کے نام ایک نظم۔ رخ سخن سباس آپی نے امجد بخاری کا احوال زندگی بہت خوب صورت انداز میں پیش کیا۔ آغوش مادر منفرد سلسلہ لائبہ میر نے بہترین لکھا سلسلہ وار ناول "میرے خواب زندہ ہیں" نادیہ فاطمہ اچھا لکھ رہی ہیں مگر کہانی میں کچھ کمی سی آگئی ہے ہوسکتا ہے آئندہ قسطوں میں تیزی لائے۔ صدف آصف کا دل کے دریچے قسط پڑھتے ہی منہ سے بے ساختہ واہ نکلا قارئین کی مقبولیت پانے کے بعد اچھا جارہا ہے ویلڈن۔ مکمل ناول "تیرے رنگ وچ" ریحانہ کی اسٹوری میں بے ساختہ اپنی کزن کے نام رنم فاطمہ پر نظر پڑی۔ جی کہانی کی ہیروئن رنم اور ہیرو احسن میاں بیوی کی محبت پر مبنی یہ کہانی دل گدگدانے والی تھی پاکیزہ عورت ہی مرد کا غرور ہوتی ہے وہ سر اٹھا کے چل سکتا ہے احسن کی زندگی کا سکون واطمینان صرف اور صرف نیک اور باحیا عورت رنم جیسی لڑکی کے دم سے ہی ہے واجدان جیسے جعلی ملا کو اللہ پاک ہدایت دے آمین۔ "میری عید اب تم ہو" سحرش فاطمہ کے اس ناول کا ذکر نہ کرنا بہت بڑی زیادتی ہوگی انتہائی زبردست اور شاندار تھا مزا آگیا اس ناول میں عنیشہ نے بہت خوب صورتی سے بہت سے سبق سے روشناس کرایا قربانی، صبر، دوستی، محبت، بے رخی غرض کہ ہر چیز تھی اسپیشلی دادو کا کیریوں کو دیکھ کر دل للچانا بہت بھایا۔ ناولٹ "برگد" نازیہ کنول نازی کی ایک زبردست سبق آموز تحریر، بہت کچھ سکھاتی ہوئی زندگی کی تلخ حقیقتوں سے پردے اٹھاتی ہوئی۔ عائزہ کا کردار محبت، وفا، وقار، ایثار، بلند ہمتی، صبر واستقامت کا پیکر۔ احزاز ظاہری و باطنی طور پر ایک بدصورت کم ظرف جذباتی انسان حاذق جس نے عائزہ سے محبت کا حق ادا کیا۔ بہت عمدہ ناول اس میں ایک بات سیکھی اپنے اندر کے بچے کو ہمیشہ زندہ رکھنا چاہیے۔ بچپنا زندہ رکھنے کا مطلب ہے اپنی معصومیت اور خالص پن کو بھی زندہ رکھنا۔ "جل اٹھے سب دیئے" معذرت شازیہ مجھے یہ اسٹوری پسند نہیں آئی وجہ آپ نے شامیر اور رائمہ کو ملا دیا جبکہ اس نے اتنا بڑا الزام لگایا مجھے بہت شدید غصہ آیا میں ہوتی تو سامنے والے کا منہ نوچ لیتی کیونکہ میں بے ایمانی کا الزام برداشت نہیں کرسکتی اور نہ ہی معاف۔ "زیاں" کی دوسری قسط بھی نمبر لے گئی سیدہ ضوبار یہ اچھا لکھ رہی ہیں۔ افسانے میں حیا بخاری کا جیسا تاثر ان کے تحریروں سے ابھرتا ہے ہو بہو ویسی ہی ہیں۔ "یہ ہی تو عید ہے" پڑھا اتنی مکمل منظر کشی صورت حال کے مطابق مکالمے اور زمان ومکاں کا خیال بے حد متاثر کن اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ حمیرا نوشین اگر کوزے میں دریا کو بند کرنیکی کوئی واضح مثال ہے تو یہ انکا افسانہ "جب کرم ہوتا ہے"۔ اچانک موسم، جغرافیائی، حالات زبان وبیان سب بدل گئی لیکن حمیرا قریشی اپنے مخصوص رنگ میں نظر آئیں۔ اقبال بانو ہم تو پہلے ہی آپ کے معتقد ہیں آپ نے اپنے درجات اس افسانے کے بعد اور بڑھا لیے اور تمام مصنفین میں سے اگر میں کسی سے شدید ترین متاثر ہوں تو وہ ہیں رفاقت جاوید بھئی کیا کہانی بنتی ہے کیا مکالمے ہیں اور کیا ماحول پیدا کرتی ہیں وہ اپنی کہانی میں۔ حرا اور طوبیٰ نے

آرٹیکل لکھ کر پوری قوم کے جذبات کو بیان کیا ہے۔ بزم سخن میں سارے اشعار غمگین ہوتے ہیں ان سے کہیں کہ کچھ دل کو چھو جانے والے اشعار بھی شامل کیا کریں جو کہ زندگی سے بھرپور ہوں۔ کچن کارنر میں طرح طرح کے کھانوں کی خوشبوئیں دل لبھاتی رہیں۔ آرائش حسن سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ عالم انتخاب میں سباس گل کا انتخاب تیرے پیار کا پہلا موسم نے ہمیں مجبور کر دیا کہ ہم اسے فوراً نوٹ کرلیں کہیں یہ کھو نہ جائے۔ شوخی تحریر سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک لگی۔ حسن خیال میں کافی مہینوں تک ہمارا خیال نہیں آیا تو یقیناً اس بار آپ تک ہمارا خیال پہنچ جائے گا۔ ہومیو کارنر ہمیشہ کی طرح سر پر سے گزر گیا۔ شوبز کی دنیا کا مجھے کوئی شوق نہیں سو نہیں پڑھا۔ اس بار ٹوٹکے بہت دلچسپ لگے دعاؤں کی یلغار میں اجازت نامہ طلب ہے وہ ذات واحد ہے، کون و مکاں کا مالک اپنا سایہ رحمت بدستور حجاب پر قائم رکھے اور اسے درخشندہ ستارہ بنادے عرش پر بھی فرش پر بھی آمین۔

☆ ڈیئر عاشی! طویل عرصے کی غیر حاضری کے بعد حسن خیال میں آپ کے خیالات سے مستفید ہو کر بے حد اچھا لگا۔ حجاب کی پسندیدگی کے لیے مشکور ہیں۔

سنبل خان بٹ...... ای میل۔ ماشاء اللہ حجاب کی سالگرہ ہے' بڑی خوشی ہو رہی ہے آنچل کی ہمجولی اور ہم لڑکیوں کی سہیلی کو آج ایک سال ہو گیا۔ اللہ پاک حجاب کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا کرے' آمین۔ حجاب کی پوری ٹیم کو مبارکباد اور میری طرف سے حجاب کی سالگرہ کا کیک سب کے لیے۔

ماهم اعوان...... ای میل۔ ڈیئر حجاب تمہاری پہلی سالگرہ پہ تمہیں بہت بہت مبارکباد۔ میری دعا ہے تم ایسے ہی کامیابی کے ساتھ ایک سال سے سو سال تک جاؤ اور وہ سب لوگ جن کی بدولت آج ہم تمہیں پڑھتے ہیں ہمیشہ خوش و خرم زندگی گزاریں۔ سر طاہر' سعیدہ آپی اور وہ سب رائٹرز جن کی محنت سے یہ سب ممکن ہوا ہے آپ سب کو بہت مبارک۔ میری بہت سی دعائیں اور بہت سا پیار آپ سب کے لیے۔

سحرش فاطمه...... کراچی۔ السلام علیکم! کیسے ہیں سب؟ حجاب کا ایک سال مکمل ہونے پر سب کو مبارک باد دینا چاہوں گی۔ طاہر بھائی قیصر آرا آپی' سعیدہ آپی کے ساتھ ساتھ مجلس مشاورت میں موجود ایسے نام جن کا کام ہم دیکھتے رہے ہیں پڑھتے رہے ہیں سب اس مبارک باد کے مستحق ہیں اور آپ ریڈرز بھی کم نہیں جتنا پیار آنچل کو دیتے رہے اس سے زیادہ حجاب کو دیا۔ حجاب کے ہر سلسلے میں شامل ہوئے' تبصرے کیئے' اپنی قیمتی آراء سے نوازا' نئے رائٹرز کو خوش دلی سے ویلکم کیا۔ حجاب نے اپنے پہلے سال میں کافی نئے رائٹرز کو موقع دیا وہ سامنے آئیں اور ماشاء اللہ اب کافی نئے لکھنے والے آرہے ہیں۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ میں بھی حجاب کا پہلے دن سے حصہ رہی ہوں پہلے شمارے سے لے کر اب تک۔ حجاب کو پہلی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔

نادیه احمد...... دبئی۔ اسلام علیکم! ماشاء اللہ حجاب نے بہت مختصر وقت میں بہت شاندار مقام

بنایا ہے اور یہ سہرا حجاب کی پوری ٹیم کے سر جاتا ہے نزہت آپا' سباس گل۔ حجاب کی مشاورتی ٹیم میں شامل یہ دو پیارے سے نام جو ہمارے بہت قریب ہیں۔ طاہر بھائی' قیصر آپا اور سعیدہ آپا کی کوششوں کا ثمر ہے جو حجاب کا یہ پہلا سال کامیابی سے گزرا۔ بہت سی نیک تمنائیں۔

نزہت جبیں ضیاء...... کراچی۔ اسلام علیکم ڈیئر الحمدللہ واقعی حجاب سے منسلک تمام لوگ ہی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ پاک یونہی ہم سب کا ساتھ بنائے رکھے اور حجاب بہت بہت کامیاب ہو' آمین۔ الحمدللہ ہمارا حجاب ایک سال کا ہوگیا ہے' اللہ پاک کا کرم اور بہنوں کی بھرپور پذیرائی حاصل کرکے بہت کم وقت میں اتنا مقبول اور پسند کیا جانے لگا ہے کہ یقین نہیں آتا۔ اللہ پاک اس ادارے کو' ہمارے حجاب کو بہت بہت کامیابیاں عطا کرے۔ ادب کی دنیا میں چاند کی مانند جگمگاتا رہے' میری دلی دعائیں اور نیک تمنائیں حجاب کے لیے اور میرے لیے یہ بات ہی بہت ہے کہ میں بھی حجاب کی ٹیم کا حصہ ہوں۔

افشاں علی...... ای میل۔ السلام علیکم۔ ہر طرف شور ہے، چرچا ہے، چہل پہل ہے اور کیوں نہ ہو آخر کو حجاب کی سالگرہ ہے۔ جی جناب کل تک آنچل میں جس کا ذکر ہوتا تھا' کبھی نام تجویز کرنے پہ تو کبھی اپنی رائے سے نوازنے پہ۔ پلک جھپکتے یونہی دیکھتے دیکھتے وہ ننھا منا' نیا پودا جو حجاب اور نئے افق گروپ آف پبلیکیشنز کی کونپل سے پھوٹا، بذات خود اک نیا پودا، ایک نئی پہچان بن گیا بلاشبہ اس میں زیادہ کریڈٹ ادارے کو جاتا ہے جس نے دن دگنی محنت کرکے ایک اور شمارے کا نہ صرف اجرا کیا بلکہ اسے کامیاب بھی بنایا مگر اس کی آبیاری میں رائٹر و قارئین کا بھی ہاتھ ہے ان رائٹر کو سلام جنہوں نے اپنی لکھی ہوئی تحریروں سے حجاب کو کامیاب بنایا ان قارئین کو سلام جنہوں نے اس کو سراہا، اپنی رائے سے نوازا۔ یہ سب کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے کہ پیارا سا حجاب ایک سال کا ہوگیا۔ اتنے کم عرصے میں اتنی شاندار کامیابی کو دیکھ کر اندازہ ہوتا کہ اب وہ دن دور نہیں جب حجاب بھی آنچل کی طرح آسمان ادب کا درخشاں ستارہ بن کے چمکے گا۔ آخر میں افشاں علی کی جانب سے دل کی تمام تر گہرائیوں، خلوص اور محبتوں کے سنگ اور تمام حجاب و آنچل کے رائٹر و قارئین کو حجاب کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ دعا ہے حجاب یونہی دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

جیا چوہدری...... ای میل۔ حجاب کی سالگرہ پر دل کی گہرائیوں سے سراہا جاتا ہے اور کامیابی کا یہ سفر مکمل ہونے پر مبارک دی جاتی ہے اس کے ساتھ ہی صدف آصف کو بھی مبارک ہو جن کے مستند قلم سے نکلنے والا مشہور ناول ''دل کے دریچے'' کو بھی ایک سال مکمل ہوگیا۔ رائٹر فاطمہ کو بھی اتنا خوب صورت ناول لکھنے پر مبارک ہو۔

آمنہ ولید...... ای میل۔ السلام علیکم احباب من! تو جناب حجاب کی سالگرہ ہے پتہ بھی نہیں چلا اور

سال گزر گیا ایسا لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو' ماشاء اللہ حجاب کامیابی کی طرف رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مزید ڈھیروں کامیابیوں اور نیک نامی سے نوازے' آمین۔

سیدہ عبادت کاظمی...... ڈیرہ اسماعیل خان

سلام آپی! ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہیں' آپ کی تحریریں آپ کی شاعری اتنی پراثر اتنی اداس ہوتی ہے۔ آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ آپ کی ہر تحریر میں نے پڑھی ہر بار آنکھیں نم ہوئی اسپیشلی "برف کے آنسو' پتھروں کی پلکوں پر" میری پسندیدہ ہیں۔ آپ ہمیشہ اداس کیوں لکھتی ہیں آپی آپ کا آرمی لائف پر ناول کا شدت سے انتظار رہے گا حجاب کی سالگرہ مبارک ہو۔

مہوش طالب...... ای میل۔ اگرچہ حجاب کے لیے لکھنے کا تاحال موقع نہیں ملا یا اتفاق کہہ لیں مگر نئے افق پبلی کیشنز کی جانب سے حجاب بہت عمدہ قدم ہے۔ نئے لکھاریوں کے لیے قابل اعتبار زینہ' ترقی خاص طور جب آنچل ڈائجسٹ کو دھڑا دھڑ تحاریر موصول ہوتی ہیں اور مصنفین کو مدیران کو کوشش کے باوجود کی انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے تو اب یقیناً آسانی ہے حجاب کی صورت میں۔ حجاب یونہی اپنے قارئین کو معیاری اور اعلیٰ پائے کا مواد پڑھنے کے لیے فراہم کرتے رہنا' ترقی و کامیابی کی تمام منازل طے کرو' آمین۔

شہباز اکبر الفت...... ای میل۔ پیاری حجاب' آپ کو پہلی سالگرہ مبارک۔ ویسے میں خواتین کے دیگر ڈائجسٹوں کی طرح آپ سے بھی تھوڑا ناراض تھا، اسی لئے دیر سے وش کر رہا ہوں' خیر...... اب آپ بھی ناراضگی چھوڑو، اب میں آ گیا ہوں نا۔ وہ بات دراصل کچھ یوں ہے کہ آپ نے بھی خواتین کے دیگر ڈائجسٹوں کی طرح، پہلے دن سے اپنے صفحات پر، ہم بھائیوں کا داخلہ بند رکھا ہے، مگر کیوں؟ آپ کو ایک راز کی بات بتاؤں، یہ جتنی لڑکیاں آپ کو پڑھتی ہیں نا، سب کی سب ہم بھائیوں کے پیسوں سے رسالے خرید کر لاتی ہیں کیونکہ اپنی پاکٹ منی سے تو برانڈڈ سوٹ' میچنگ جیولری اور میک اپ کا سامان لانے کے بعد بھی اگر پیسے بچ جائیں تو پھر پیزا' زنگر برگر اور شوارما ہی آتا ہے اور کولڈ ڈرنک کے لیے پھر بھائیوں کو طعنے "ظالما...... کوکا کولا پلا دے" اب جو بندہ آنچل اور حجاب کے مارکیٹ آنے تک دس دفعہ اسٹال کا چکر لگا چکا ہو، وہ بے چارہ ظالم کیسے ہو گیا؟ آپ یقین کریں اور اگر نہ بھی یقین کریں تو بے شک سروے کروا کے پتا کروا لیں کہ خواتین کے ساتھ ساتھ کتنے فیصد مرد بھی آنچل اور حجاب روٹین کے ساتھ' نہایت شوق سے پڑھتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بے چارے ان رسائل میں لکھ کیوں نہیں سکتے؟ کیا سوشل رومانٹک کہانیاں لکھنا ہم بھائیوں کے لئے شجر ممنوعہ ہے؟ اب ایک مخبری سنو، میں کئی ایسے نامور مرد لکھاریوں کو جانتا ہوں جو خواتین کے فرضی ناموں سے لکھتے ہیں اور بہت کامیاب ہیں لیکن یہ کوئی مسئلے کا حل نہیں' میرے لئے میری ہر تحریر میری اولاد کی طرح ہے اور میں اس پہ کسی اور کا

نام نہیں دے سکتا۔ اچھا اب منہ مت بناؤ، میں آپ کی مجبوری کو سمجھتا ہوں، خوگر حمد کے منہ سے تھوڑا سا گلہ نکل گیا، بیحد معذرت۔ ویسے ایک تجویز ہے، اگر پسند آئے تو کہ چار پانچ صفحات کا ایک خصوصی گوشہ ہی میل رائٹرز کیلئے مختص کردیں، چاہے ایک آدھ افسانہ ہی سہی۔ اب غصے سے گھورنا چھوڑ دو پیارے حجاب اور پلیز یہ پاؤں سے ردی کی ٹوکری کیوں اپنی طرف سرکا رہی ہیں؟ ارے یہ کیا اُف...... میرا انٹرویو ردی کی ٹوکری میں۔ بہت سی دعائیں اور نیک تمنائیں، پھلو پھولو، ادب کی خدمت اور ادارے کا خوب نام روشن کرو' ایک بار پھر سالگرہ مبارک۔

☆ ڈیئر الفت! آپ کی رائے زیر غور ہے۔

قرۃ العین سکندر...... لاہور۔ السلام علیکم! اللہ پاک حجاب کو کامیابیوں سے ہمکنار کرے' آمین۔ پہلی سالگرہ مبارک ہو حجاب کی پوری ٹیم کو' اللہ ایسی بہت سی خوشیاں دکھائے' آمین۔ مجھے خوشی ہے کہ میں بھی حجاب کا حصہ ہوں۔ اللہ عروج سے ہمکنار کرے' آمین۔

انم خان...... ای میل۔ السلام علیکم! حجاب ڈائجسٹ کو پہلی کامیاب سالگرہ بہت مبارک ہو۔ دعا ہے اللہ پاک مزید کامیابیوں سے نوازے اور حجاب نمایاں مقام بنائے۔ خوشی ہے کہ ابتدائی سال میں میری بھی تحریر شائع ہوئی تھی۔ بہت سی دعائیں۔

شمائلہ زاھد' ای میل۔ پیارے حجاب یہ تمہاری چھوٹی سی دوست ہے تم اب ایک سال کے ہو اور شرمین اب ایک سال کی کچھ ٹائم بعد تم اس کے ہاتھوں میں آجاؤ گے ابھی سے پکی والی دوستی کرلو۔ حجاب کل میری کہانی ادھوری رہ گئی تھی بیٹری لو ہوگئی تھی ہوا یہ کے اسٹال والے نے کہا باجی لے جاؤ حجاب میں سوچ میں پڑ گئی حجاب لوں کے نہیں اسٹال والے نے لالچ دیا ساٹھ کا لو پھر بعد میں تیس کا واپس کروا دیں میں نے جھٹ سے لے لیا ہے نا اچھی کہانی میری اور حجاب کی۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ سبحان وتعالیٰ وطن عزیز کو ہر بُری نظر سے بچائے اور ہمارے دل میں ایمان کی شمع مزید روشن کرے' آمین۔

ایام حمل کے امراض

دوران حمل حاملہ کو بے شمار امراض سے سامنا کرنا پڑتا ہے اگرچہ ان کا علاج دیگر مریضوں کی طرح کیا جاسکتا ہے مگر ان کے علاج میں ایک خاص بات یہ ہوتی ہے کہ کوئی ایسی قوی دوا نہیں دی جاسکتی جس کا اثر جنین یا حاملہ کی صحت پر پڑے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایام حمل کے تمام امراض کا علاج، علاج بالمثل کے ذریعے کیا جائے جہاں تک ہوسکے علاج میں پرہیز سے کام چل جائے پھر بھی دوا کھانے کے بغیر چارہ نہ ہو تو ہومیو پیتھی طریقہ علاج کا استعمال کیا جائے جس سے بدن کے اندر کوئی تغیر واقع نہ ہو۔

اگر حفظان صحت کی چند باتوں کی پیروی کی جائے تو بہت حد تک آنے والی تکلیفات رک جاتی ہیں یا بہت حد تک کم ہوجاتی ہیں ورنہ ہومیو پیتھک ادویہ ہمیشہ ان تکلیفات کو نہایت آسانی سے جلد رفع کردیتی ہیں۔

ایام حمل میں جن تکلیفات کا سامنا ایک عورت کو کرنا پڑتا ہے ان میں چند ایک ذیل ہیں اور علاج بالمثل بھی ان تکالیف کو رفع کرنے کے لیے حاضر ہے۔

بھوک کی کمی

حمل کے قرار پاتے ہی بھوک کی کمی یا غذا سے نفرت نمودار ہوتی ہے جبکہ آخری مہینوں میں یہ تکلیف نہیں ہوتی۔ بعض حالتوں میں مخصوص غذاؤں سے نفرت ہوتی ہے اور بعض حالتوں میں بھوک ہی مفقود ہوجاتی ہے۔

بعض دفعہ خاص غذا کھانے کی خواہش ہوتی ہے مثلاً چاک، مٹی، کوئلہ، نمکین چٹنی، کھٹی چیزیں، چولہے کی جلی ہوئی مٹی وغیرہ

ان خرابیوں کو دور کرنے کے لیے مندرجہ ذیل ادویات مفید ہیں۔

بھوک کی کمی کی دوا: چائنا، سائیکلمن، نکس وامیکا، رسٹاکس، پیپا، برائی اونیا، لائیکو پوڈیم، نیٹرم میور۔

بھوک کی زیادتی: کلکیریا کارب، سنا، پلساٹیلا، فاسفورس، بیلاڈونا، سٹافی سگیریا، پیٹرولیم، کالی کارب۔

متلی اور قے:

بہت سی عورتوں میں ابتدائے حمل سے ہی یہ حالت ہوجاتی ہے اور یہ محض رحم کے اثر منعکس کی تحریک سے ہوتی ہے ایسی حالتوں میں یہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی لیکن وہ متلی اور قے جو عموماً آخری مہینوں میں ظاہر ہوتی ہیں، زیادہ تکلیف دہ ہوجاتی ہے جو معدے کی تحریک سے ہوتی ہے۔ بعض اوقات متلی اور قے کا آخری نتیجہ Anaemia (خون کی کمی) کی صورت میں نکلتا ہے۔

مندرجہ ذیل ادویات ان تکالیف پر بہت حد تک قابو پانے کا ذریعہ ہیں۔

دوا/ اکونائیٹ: متلی اور قے پیاس کی زیادتی کے ساتھ موت کا ڈر پانی کے سوا ہر چیز کڑوی محسوس ہو۔

ایلومینا: شدید قبض، چاک، مٹی، کوئلہ وغیرہ کھانے کی خواہش، کلیجہ میں جلن، ڈکاریں۔

اینٹم کروڈم: متلی اور قے یا صرف متلی، زبان دودھ کی طرح سفید، کھائی ہوئی چیزوں کی ڈکاریں۔

اینٹم ٹارٹ: بلغم کی قے، ڈکاریں، غذا سے نفرت، متلی، تھوک کی زیادتی۔

آرسنک البم: کھانے پینے کے بعد منہ میں کڑوا پن بے حد کمزوری، تھکاوٹ، چہرہ پیلا، معدے میں پتھر کا احساس، رات کی قے، سیال چیز کھاتے ہی قے کروئے، سردی محسوس کرے۔

اس کے علاوہ بیلاڈونا، بورکس، برائی اونیا، کاربو ویج، کینتھرس، لائیکو پوڈیم، اپی کاک، سلفر علامات کے مطابق تجویز کی جاتی ہیں۔

قبض

قبض زمانہ حمل کی عام شکایت ہے، زمانہ حمل میں یہ شکایت نہایت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ مبرز کی نالی سکڑ جانے

سے یا اپنے فعل کو پورا نہیں کرسکتی۔ قوت حیات کی توجہ حمل کے زمانہ میں زیادہ تر رحم کی طرف ہوتی ہے جس کی وجہ سے آنتوں کی طاقت بھی رحم کی طرف مبذول ہوجاتی ہے اور وہ اپنے معمول کے کام کو کرنے کے ناقابل ہوجاتی ہیں۔ ایسی حالت میں حفظان صحت کے اصولوں پر عمل کرنے سے نہ صرف یہ شکایت بلکہ اس کے متعلقہ علامات بھی مثلاً دردسر' خون کا سر کی طرف دوران وغیرہ دور ہوجاتی ہیں۔ ادویہ کا انتخاب قبض کی حالت' اس کے متعلقہ علامات اور مریضہ کی مجموعی علامات کے مطابق کرنا چاہیے۔ قبض چونکہ ایک مزاجی (Contitutional) بیماری ہے' اس لیے اس کے علاج سے نہ صرف موجودہ تکلیف دور ہوجاتی ہے بلکہ مریضہ کی صحت بھی نہایت بہتر ہوجاتی ہے۔

ایلومینا:۔ آنتوں کی خرابی کی وجہ سے قبض' پتلے پاخانے کے لیے بھی زور لگانا پڑے۔

اوپیکا مفٹ:۔ شدید قبض جو کسی چوٹ کے بعد پیدا ہو پیٹ میں گڑگڑاہٹ۔

چیلیڈونیم:۔ جب دائیں کندھے کی ہڈی کے نچلے زاویہ کے نیچے درد ہو پاخانہ بکری کی مینگنیوں کی طرح اس کے علاوہ کالن سونیا' کاسٹیکم' اگنشیا' آئیوڈیم' فائی ٹولاکا' سبائنا' تھوجا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

دست

قبض کی طرح حمل کی حالت میں دست بھی غذا کی ناموافقت یا بدپرہیزیوں سے ہوسکتے ہیں یہ ایک عام پیچیدگی ہے جو معدہ میں تیزابیت اور ہاضمہ کی کمزوری سے ہوتے ہیں۔ کبھی دست بغیر تکلیف کے ہوتے ہیں اور کبھی سخت مروڑ سے۔

جب حمل کی حالت میں دست شروع ہوجاتے ہیں تو تین باتوں کا خیال رکھنا چاہیے کہ حاملہ کو ناموافق غذاؤں سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے دوسرے مریضہ کو سردی یا گرمی میں نہیں نکلنا چاہیے تاکہ سردی یا گرمی کا اثر نہ ہوسکے تیسرے مریضہ کو بالکل آرام سے لیٹ جانا چاہیے کیونکہ حمل کے اسہال بعض اوقات خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں یعنی اسقاط حمل ہوسکتا ہے۔

علاج بالمثل / دوا

ایلوز:۔ پیٹ میں بھاری پن اور بوجھ کا احساس' زیادہ یا کم مقدار میں آنوں (Mucus) کا اخراج۔ صبح کے وقت دست حاجت سے پہلے آنتوں میں گڑگڑاہٹ۔

ایلومینا:۔ اسہال مروڑ کے ساتھ پاخانہ خون ملا ہوا' مقدار میں کم' مریضہ کو پیشاب کرنے کے لیے بھی زور لگانا پڑے۔

ایسا فوئیڈا:۔ پانی کے سے پتلے دست' نہایت بری بدبو وار دستوں کے ساتھ پیٹ میں درد۔

کینتھرس:۔ پیشاب کرنے کی مسلسل خواہش' سرخی مائل یا گدلے دست' جلن دار درد۔

اس کے علاوہ اینٹم ٹارٹ' آرنیکا' کیمومیلا' چیلیڈونیم چائنا وغیرہ بہترین ادویہ ہیں۔

تھوک کی زیادتی

تھوک کی زیادتی عموماً حمل کے پہلے مہینوں میں وقوع میں آتی ہے جو دو یا تین مہینوں تک جاری رہتی ہے جب اس کا اخراج بہت زیادہ ہوجاتا ہے تو مریضہ کو کمزور کردیتا ہے لیکن اس کا یکایک بند ہوجانا یا بند کرادینے سے خطرناک کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اس سے سکتہ یا دم گھٹنے کی شکایت ہوسکتی ہے۔

دوا:۔

مرکیورس' اپیکاک' اکونائیٹ' بیلاڈونا' ہیما میلس' کریازوٹ بہترین ہیں۔

کھٹا

گرم خشک' نارنگی جتنا موٹا' پانی یا شربت میں نچوڑنے سے اس کی تاثیر سرد خشک ہوجاتی ہے۔ بادی اور قبض کو دور کرتا ہے' پیٹ درد' قے' متلی' پیاس' منہ کی بدمزگی' پیٹ میں کیڑوں کو دور کرنے کے لیے دوا کے طور پر استعمال کرنے کے لیے اچھی چیز ہے۔ کھانسی' زکام میں اس کا استعمال منع ہے۔

کھیرا

سرد تر' قبض کشا' پیشاب کی جلن ورکاوٹ اور گرمی کے جملہ امراض میں فائدہ مند ہے۔ چھیل کر اور نمک' کالی مرچ لگا کر اسے استعمال کرنا چاہیے۔ ایک دن میں چھوٹے چھوٹے ایک دو کھیرے سے زیادہ کبھی نہیں کھانے چاہئیں' پکا ہوا کھیرا سردی کی تاثیر کھو بیٹھتا ہے۔ کھیرے کے بیج رگڑ کر پینا مندرجہ بالا امراض میں زیادہ مفید ہیں۔ کھیرا کھانے سے ایک گھنٹہ پہلے دو گھنٹے بعد پانی پی سکتے ہیں ورنہ ہیضہ ہونے کا ڈر ہے۔

کیلا

سرد تر' قدرے بلغم پیدا کرتا ہے' مقوی غذا ہے۔ طاقت اور خون پیدا کرتا ہے' بدن کو موٹا کرتا ہے' کمزور ہاضمہ والے اس کا استعمال بہت کم کریں' قدرے قابض ہے۔ کچے کیلے کی سبزی بھاری ہے' گرمی اور خون کا جملہ نقائص کو دور کرتا ہے۔ کیلا غریبوں کا حلوہ ہے' کیلے کے اسٹارچ چاول اور گیہوں میں ملنے والی چیزوں سے بہتر ہوتے ہیں' چار برس سے زیادہ عمر کے بچوں کے لیے بہت مفید ہے۔ خالی پیٹ کھانے میں یہ اعضائے ہاضمہ پر بوجھ ڈالتا ہے' اس لیے شام کا وقت بہترین ہے۔

کیلا کئی قسم کا ہوتا ہے' کلکتی کیلا بہت چھوٹا پیلا اور قدرے کھٹا اس لیے ہوتا ہے جو پرانی پیچش' دست اور سنگرہنی کے لیے بہت مفید ہے۔

گاجر

سرد تر' قبض کشا' وٹامن کی زیادتی کی وجہ سے مقبول عام ہے۔ گرمی بادی اور بلغم کی بیماریوں' نیز دل کی دھڑکن میں مفید ہے۔ خون پیدا کرتی ہے' دماغ اور معدہ کو طاقت دیتی ہے' پیشاب لاتی ہے۔

گاجر کئی طریقوں سے استعمال ہوتی ہے' کچی ترکاری حلوہ' اچار مربہ اور کانجی کی صورت میں بہت برتی جاتی ہے۔ گاجر کا مربہ دل ودماغ کو طاقت دیتا ہے' گاجر ابال کر اور حسب شوق میٹھا یا نمک ملا کر کھانا صحت کے لیے بہترین ہے۔ رات کو پانی میں ابال کر رکھیں' صبح چھیل کر کھائیں' بہترین ہے۔

گرم مصالحہ

دال سبزی میں گرم مصالحہ ڈالنا ہاضم ہے' سبزی خوشبودار' خوش ذائقہ اور دل پسند ہوجاتی ہے۔ کھانا زیادہ کھایا جاتا ہے مگر اس کی وجہ سے خوراک زیادہ نہ کریں جب سبزی یا دال تیار ہو کر چولہے سے اتارلیں تو چٹکی بھر ڈال دیں۔ پیٹ درد اور بدہضمی میں بھی گرم مصالحہ تین ماشے' ایک ماشہ نمک ملا کر گرم پانی سے پھانک لیں۔

کالی مرچ ایک چھٹانک' زیرہ سفید آدھی چھٹانک' دار چینی ایک تولہ' موٹی الائچی (دانہ) آدھی چھٹانک' لونگ آدھ تولہ' کالا زیرہ آدھ چھٹانک' ہینگ بھنی ہوئی تین ماشے (ہینگ ڈالنا ضروری نہیں)۔

الگ الگ کوٹ پیس ملا کر شیشی میں بند رکھیں تاکہ اثر اور خوشبو کم نہ ہونے پائے۔ چھوٹے کنبہ میں تھوڑا تھوڑا تیار کریں' جنہیں دھنیا کی خوشبو پسند ہو وہ ایک چھٹانک پسا ہوا سوکھا دھنیا ملالیں۔ یہ مصالحہ سب طبیعتوں کے موافق ہے' بازار سے پسا پسایا کبھی نہیں لینا چاہیے کیونکہ اس میں زیادہ حصے سستے دام والے دھنیے کا ہی ہوتا ہے اور اچھی چیزیں برائے نام اور گھٹیا ڈالی جاتی ہیں۔

گڑ

گرم تر‘ ہاضمہ کو ٹھیک کرتا ہے‘ پیشاب آور ہے‘ طاقت بڑھاتا ہے‘ بدن کو موٹا کرتا ہے گڑ ادرک کے ساتھ بلغم کو دور کرتا ہے۔ ہرڑ کے سفوف کے ساتھ گرمی کو‘ سونٹھ کے ساتھ ہر قسم کی بادی کو دور کرتا ہے اور طاقت بخش ہے۔ مختلف طریقوں سے استعمال کیا ہوا ایک اعلیٰ قسم کی دوائی اور خوراک کی خوراک ہے۔ گڑ کا زیادہ استعمال خون اور دانتوں کو خراب کرتا ہے‘ محنت مزدوری کرنے والوں کو نیز بھوسا‘ مٹی کوئلہ اور اناج کی ترسیل کرنے کے بعد ایک چھٹانک گڑ کھالینا فائدہ مند ہے۔ معدہ اور اعضائے ہاضمہ کی میل نکالتا ہے‘ گردے کے درد کے لیے مفید ہے۔ کھانا کھانے کے بعد تھوڑا کھالینا ہاضم بھی ہے۔

گنا

سرد تر‘ بلغم پیدا کرتا ہے‘ کھانے کو ہضم کرتا ہے۔ طاقت بخش ہے‘ دست آور ہے‘ خشکی کو دور کرتا ہے۔ بھاری ہے چھاتی میں بلغم کی رکاوٹ کو دور کرتا ہے‘ پیشاب کھول کر لاتا ہے‘ جسم کو موٹا کرتا ہے۔ پیٹ کی گرمی اور جلن کو دور کرتا ہے گنا دانتوں سے چوسنا زیادہ مفید ہے۔ جب جسم میں بادی اور بلغم بڑھے ہوئے ہوں تو اس کا استعمال نقصان دیتا ہے۔ کولہو سے نکلا ہوا رس تھوڑی دیر ہوا میں رکھا رہے تو اس کے استعمال سے اپھارہ ہونے کا خطرہ ہے‘ دیر میں ہضم ہوتا ہے اور پیشاب بہت آتا ہے۔ گنے کے رس کی کھیر ٹھنڈی اور طاقت بخش ہے۔

گوبھی

سرد خشک‘ پیشاب آور ہے‘ بھاری ہے‘ بادی اور اپھارہ کرتی ہے۔ ادرک ملائے بغیر نہیں کھانی چاہیے‘ گوبھی کا استعمال زیادہ نہیں کرنا چاہیے۔ گوبھی ایک لذیز سبزی ہے مگر جتنی لذیز ہے اتنے اس میں فائدے نہیں۔

بند گوبھی

سرد خشک‘ قدرے پیشاب آور ہے‘ زود ہضم اور طاقت بخش ہے۔ خون کی خرابی کو دور کرتی ہے‘ قبض کشا ہے‘ ذیابیطس کے مریضوں کے لیے مفید سبزی ہے۔ دوسرے پیاس کی زیادتی کو روکتی ہے۔

گھی

گرم تر‘ جسم کو موٹا کرتا ہے‘ دل و دماغ کو طاقت پہنچاتا ہے مگر جس طرح بغیر شعلہ کی آگ پر گھی ڈالنے سے آگ کا شعلہ نہیں نکلتا ہے بلکہ آگ بجھنے لگتی ہے اسی طرح جن کے پیٹ میں آگ (ہاضمہ) کمزور ہو ان کو گھی بجائے فائدے کے نقصان دیتا ہے اور بہت بدہضمی کرتا ہے‘ بخار میں نہیں کھانا چاہیے۔

جس نے زہر کھایا ہو جسے سانپ نے کاٹا ہو‘ جسے پلیگ ہوگئی ہو اسے آدھ پاؤ خالص گھی دو چار بار پلادینا سب قسم کے زہر کو بہت حد تک خارج کردیتا ہے۔ کالی اور خشک کھانسی میں خالص گھی کے استعمال سے گلا تر ہوکر شکایت رفع ہوجاتی ہے۔ بلغمی کھانسی اور زکام میں گھی منع ہے۔ نئے بخار میں گھی کا اثر زہر کے برابر ہے‘ تھوڑی مقدار میں گھی بڑھاپے کو دور رکھتا ہے‘ خون کو صاف کرتا ہے۔

ولایتی دیجی ٹیبل گھی میں طاقت کم ہے آنکھ اور گلے کو خراب کرنے کی قدرت البتہ زیادہ ہے۔ آج کل لوگوں کی صحت بگڑنے کی ایک بڑی وجہ بناوٹی اور ملاوٹی گھی ہے۔ بڑے شہروں میں اپنے سامنے دودھ کی کریم نکلوا کر عورتیں گھی بنالیتی ہیں‘ عموماً ایک چھٹانک سے زیادہ گھی روزانہ نہیں کھانا چاہیے اگر خالص مکھن کا انتظام ہوسکے تو گھی سے اچھا ہے‘ بھروسہ کا اچھا گھی نہ ملے تو سرسوں کا تیل استعمال کیا جائے۔

گھیا

گھیا کدو دو قسم کا ہوتا ہے لمبا اور گول۔ اس کا چھلکا سبز اور ملائم ہوتا ہے‘ گھیا سرد تر ہے۔ قبض کشا اور پیشاب آور ہے‘ بدہضمی‘ گرمی کا بخار اور دیگر خون اور گرمی کی بیماریوں میں بہت مفید ہے۔ پیاس کو تسکین دیتا ہے‘ بہت ہلکی غذا ہے اس واسطے ڈاکٹر اکثر بیماروں کو اس کی سبزی بتاتے ہیں۔ گھیا کو کاٹ کر پیر کے تلوؤں پر مالش کرنے سے گرمی کا جوش بہت کم ہوجاتا ہے۔